کتاب الحج، کتاب الصوم، ابواب العمرۃ



الفیض الجاری فی دروس البخاری

افادات درس صحیح بخاری

محدث عصر حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

ضبط و ترتیب

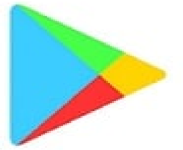
مولانا محمد ایوب سورتی
خادم حدیث نبوی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات







Maktaba Tul Ishaat



تمام فنون کے کتب ہمارے ویب سائٹ اور پلے سٹور سے فری ڈاون لوڈ کریں۔ ہم روزانہ کی بنیاد پر اس میں مزید نئے کتب شامل کر رہے ہیں نئے شامل شدہ کتب لیے روزانہ ہمارے پلے سٹور اور ویب سائٹ کو باقاعدگی سے چیک کیا کریں۔

اپنی کتاب کو ہمارے ویب سائٹ پر شائع کرنے کے لیے رابطہ کریں

تفاسیر	خطبات	منطق
احادیث	سیرت	معانی
فقہ	تاریخ	تصوف
سوانح حیات	صرف	تقابل ادیان
درس نظامی	نحو	تجوید
لغت	فلسفہ	نعت
فتاوی	حکمت	تراجم
اصلاحی	بلاغت	تبلیغ و دعوت
آڈیو دروس	مناظرے	تمام فنون

maktaba.tul.ishaatofficial@gmail.com

الفیض الجاری

فی

دروسِ البخاری

جلد ہفتم

کتاب الحج، کتاب الصوم، ابواب العمرة

افادات درسِ صحیح بخاری

محدّث عصر حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

ضبط و ترتیب
مولانا محمد ایوب سورتی
خادم حدیث نبوی دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)
اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743



بسم اللہ الرحمن الرحیم



مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب

الفیض الجاری فی دروس البخاری

جلد ہفتم

ناشر
مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)
مطبع
خضر جاوید پرنٹرز لاہور



اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور
فون: 042-37224228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔

(ادارہ)

تنبیہ

فهرس الموضوعات

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین، أما بعد:

الحمد للہ والشکر للہ کہ الفیض الجاری جلد ہفتم جو باب الصلوٰۃ بمنیٰ سے شروع ہو کر فضائل المدینۃ پر پوری ہو رہی ہے تکمیل پذیر ہوئی۔

استاذ مکرم محدث العصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے علماء ربانیین اور اساتذۂ محققین میں تھے، آپ کا درس بخاری اپنے دور کا شہرۂ آفاق درس تھا، ہر سال متعدد فضلاء اپنے یہاں کے مدارس عربیہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر مظاہر علوم میں حضرت سے بخاری شریف پڑھنے آتے تھے، آپ کا درس جامع اور مدلل اور انتہائی محقق ہوتا تھا، حدیث کی شرح، رجال پر کلام، شراح کے اقوال اور خود اپنی عالمانہ اور ناقدانہ رائے پیش فرماتے، اور ہر سال ہی ذہین اور زود قلم طلبہ ان دروس کو ضبط تحریر میں لاتے۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا کہ یہ سن ۱۹۸۲ء کا درس ہے جو کتاب المواقیت سے طبع ہو رہا ہے، ساتھ ہی اس میں جگہ جگہ اس تقریر سے بھی استفادہ کیا جا رہا ہے جو سن ۱۹۹۶ء میں ضبط کی گئی اور جسے محترم مولانا رشید احمد (مقیم بلیک برن، یوکے) ابن حضرت مولانا ہاشم جوگواڑی مدظلہ نے کاغذ پر منتقل کیا ہے اور ہمیں حضرت مفتی شبیر صاحب مدظلہ کے ذریعہ ملی ہے۔

الحمد للہ اس جلد پر بخاری شریف کے ابواب العبادات (صلوٰۃ وزکوٰۃ اور حج وصوم) پورے ہو گئے، اللہ کی توفیق شامل رہی تو جلد ہشتم کتاب البیوع سے شروع ہوگی۔

اس جلد میں ہم نے تبرکاً حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ کا مضمون شامل کتاب کیا اور خاص طور سے فضیلۃ الشیخ المحدث الدکتور تقی الدین الندوی المظاہری کا مضمون شامل کر رہے ہیں جو نہ صرف حضرت کے ہم وطن بلکہ ہم مدرسہ وہم شیخ واستاذ اور فی الجملہ حضرت کے معاصرین میں ہیں، آپ کے کلماتِ مبارکہ حضرۃ الاستاذ کے تعارف میں اکسیر کی حیثیت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت کی عمر و صحت اور فضل و کمال میں ترقی عطا فرمائے۔

آخر میں تمام محسنین ومعاونین ومتعلقین کے شکریہ پر اپنی بات ختم کرتا ہوں، وأجرهم علی اللہ۔

والسلام محمد ایوب سورتی عفا اللہ عنہ

خادم حدیث نبوی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت

وخادم مجلس دعوۃ الحق یوکے، ودعوۃ الحق سورت، گجرات

۲۳/ ربیع الاول ۱۴۴۵ ہجری، ۹/ اکتوبر ۲۰۲۳ء

فہم قرآن و فہم حدیث کی حامل ربانی شخصیت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ و صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين

محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے رشد و ہدایت کے لئے رہنمائی کے متعدد انتظامات فرمائے ہیں، قرآن مجید سارے انسانوں کی ضرورت اور ہدایت کے لئے جامع اور ہمہ جہت رہنمائی کے لئے اور حدیث رسول اور سنت نبوی کو ایمان واتباع دین کو عملی شکل میں دیکھنے اور سمجھنے کے لئے مقرر فرمایا ہے، اس کو صرف علم میں لانے اور احکام کو جان لینے کے لئے نہیں رکھا ہے، بلکہ عمل میں لانے کے لئے ہے، رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو ان حالات سے گزارا ہے، جن سے دین کو علم سے عمل میں لانے کا فائدہ ہوتا ہے، اور آپ ﷺ کے قول و عمل کو نمونہ اور مثال بنادیا ہے، اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيراً (احزاب:۲۱) (تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے، یہ اس شخص کے لئے جو اللہ کی بندگی اور آخرت میں کامیابی چاہتا ہے، اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا رہا) اور سورۂ نجم میں ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحى (نجم:۳، ۴) (یہ نبی خواہش نفس کی بنیاد پر کلام نہیں کرتے، بلکہ ان کا کلام وحی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کی جاتی ہے)۔

دین کو صحیح عملی شکل میں اختیار کرنے کے لئے حدیث و سنتِ رسول کا علم کامیاب ذریعہ ہے، اگر ہم دین کو اصلی شکل میں اختیار کرنا چاہتے ہیں تو علم حدیث و سنت میں اس کی اصلی جھلک نظر آتی ہے، یہ اللہ رب العزت کی طرف سے اچھا انتظام ہے کہ قرآن سے جامع و مکمل رہنمائی اور حدیث و سنتِ رسول ﷺ میں اس کی صحیح جھلک دکھائی گئی ہے، لہٰذا یہ عجیب بات ہوگی کہ ہم دین سے صرف احکام لیں اور ان کی عملی مثال سے اخذ فیض نہ کریں، اس کے بغیر مطابق اصل عمل مشکل ہوگا، ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسی طرف اشارہ فرمایا: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (تم اس طرح نماز پڑھو، جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے) نماز کے تعلق سے یہ بات فرمائی گئی ہے جو دیگر عبادات

وطاعات کے لئے بھی صحیح سمجھی جانے والی بات ہے۔

اور صحابۂ کرامؓ کو امت مسلمہ میں جو امتیاز حاصل ہے اس میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو جو کرتے دیکھا اور جو کہتے سنا، وہ براہ راست اخذ کرنے کا ذریعہ بنا، پھر انہوں نے آئندہ آنے والی نسلوں کو بجنسہ نقل کر کے بتایا، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا: اَلا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ (جو اس موقع پر موجود ہیں وہ اس کو پہونچادیں جو یہاں موجود نہیں ہے، کیوں کہ بسا اوقات جن کو بات پہونچائی جائے وہ پہونچانے والے کے مقابلہ میں زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہوتا ہے) اسی طرح شریعتِ اسلامیہ کے احکام وہدایات عملی شکل میں حضور ﷺ سے تا قیامت آنے والوں تک پہونچے اور پہونچ رہے ہیں، حضور ﷺ کی نماز کے سلسلہ میں نقل مطابق اصل بنانے کی مثال دی گئی ہے، اس حدیث میں دین کو عملی شکل میں سیکھنے کی تلقین کی گئی ہے، اور وہ اس طرح سے عمل کے ذریعہ دین کے سب احکام کی تلقین کا سلسلہ قائم ہوا، اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا، صحابۂ کرامؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا اور عمل کیا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے قول وعمل کو اپنے قول وعمل سے وابستہ بنادیا، لہذا آپ ﷺ کا قول وعمل قرآن کے قول سے جڑا ہوا ملتا ہے، صحابۂ کرامؓ نے حضور ﷺ کو دیکھ کر دین سیکھا، ان سے دین کو دیکھ کر عمل کرنے کا سلسلہ جاری ہوا، ہم میں اکثر افراد نے نماز دیکھ کر سیکھی، بڑوں کو دیکھ کر سیکھا، حضور ﷺ جس طرح نماز پڑھتے تھے، صحابۂ کرام نے اس کو اختیار کیا، دین پر عمل کرنے کے لئے دین والوں سے سیکھا، اس طرح دین کل کا کل قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہو گیا۔

قرآن کلام الٰہی ہے، حدیث اس کی تشریح وتوضیح ہے، قرآن کو دین کا بنیادی مقام حاصل ہے، لیکن اس کی گہرائی اور متشابہات کی موجودگی کے لحاظ سے تنہا اس پر اکتفاء کافی نہیں قرار دیا گیا، اس کی وضاحت حدیث کے ذریعہ حاصل کرنا ہوتی ہے، قرآن مجید میں تمام انسانوں کو موضوع بنایا گیا ہے، اور اس کو محکمات اور متشابہات میں رکھا گیا ہے، اور یہ فرمایا گیا ہے کہ محکمات کو اصلی ذریعہ استفادہ بناؤ اور متشابہات کے سمجھنے میں زیادہ نہ پڑو، متشابہات کے معاملہ میں پڑنے والے برے مقصد کو اختیار کرتے ہیں: هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ (آل عمران: ۷) (وہ وہی خدا ہے، جس نے آپ پر کتاب اتاری ہے، اس میں محکم آیتیں ہیں اور وہی کتاب کا اصل مدار ہیں، اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے، غلط بات کی تلاش میں اور اس کے غلط مطلب کی تلاش میں، حالانکہ کوئی ان کا صحیح مطلب نہیں جانتا سوائے

اللہ کے) اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں نبی ﷺ کے قول و عمل کو قرآن کے مطابق قرار دیا کہ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوحیٰ کہ حضور ﷺ کی بات کو اللہ تعالیٰ ہی کی بات سمجھی جائے، حدیث شریف کے ذریعہ ہم کو اصل وضاحت ملتی ہے۔

اس طرح یہ بات واضح ہو گئی کہ جو حضرات حدیث کی تعلیم و تعلم سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا یہ عمل صرف حدیث کو عمل میں لانا نہیں ہے، بلکہ اس کے مطابق عمل اختیار کرنے کی طرف توجہ دلانا ہے، لہٰذا جو سنت پر عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو نورانیت ملتی ہے، اور عملی طور پر اس سے استفادہ کرنے پر ان کے اندر ایک تبدیلی اور انقلاب پیدا ہوتا ہے اور ان پر اتباع سنت کا عکس ہوتا ہے، علم حدیث سے صرف علمی استفادہ نہیں، بلکہ اس کو عملی زندگی میں اتارنا بھی مقصود ہے، حضور ﷺ کی ذات وصفات کو مؤمن کی زندگی کے لئے نمونہ بنایا گیا ہے، غالباً اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو زندگی کی ان تمام راہوں سے گزارا، جن سے مؤمن کو گزرنا ہو سکتا ہے، حضور ﷺ پر مشکل حالات بھی آئے اور آسان بھی، دونوں طرح کے حالات اس لئے تھے تاکہ مؤمن کو پیش آنے والے ہر طرح کے حالات میں لوگوں کے لئے نقل واتباع آسان ہو، غزوۂ بدر، حدیبیہ اور خندق کے موقع پر سخت حالات آئے، یہ اس لئے تھے تاکہ امت کے لئے ان حالات میں بھی رہنمائی سامنے آئے، اس طرح زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں، جس کا حل سنت وسیرت میں موجود نہ ہو، حدیث؛ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا عکس ہے، محدثین نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھا، وہ دین کے صحیح محافظ اور صحیح ناقل ہیں، ان کی خدمتِ حدیث کی کوششوں کی اہمیت کا انکار کرنا دین کی ترجمانی کو ناقص بناتا ہے، جو حضرات خوش نصیبی سے اشتغال بالحدیث رکھتے ہیں اُن کو اس ناحیہ سے خدمت حدیث شریف کی اہمیت کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے حدیث وسنت کو اس بات کا ذریعہ بنایا کہ ہم دین کو حضور ﷺ کے قول و عمل کے ذریعہ حاصل کریں، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر فرمایا، اس لئے بڑے بڑے علماء اور محدثین پیدا فرمائے، اور دین پر عمل کرنا آسان بنایا، عصر جدید کے یورپ زدہ مختلف افراد ہیں جن کو مستشرقین کے نام سے جانا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ دین اسلام کے لئے قرآن کافی ہے، احادیث ضروری نہیں، جب کہ حدیث شریف قرآن ہی کی وضاحت ہے، آپ ﷺ نے قرآن ہی کو اپنی عملی زندگی میں پیش کیا، اس طرح قرآن وحدیث الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، جس کا تعلق حدیث سے کمزور ہوگا اس کا دین سے بھی تعلق کمزور ہوگا، قرآن میں آیا ہے کہ کچھ افراد ایسے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے، قرآن کے متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں فتنہ اور غلط تاویل کے لئے، لیکن اہل ایمان دین کو صحیح اور کامل طور پر سمجھنے کے لئے محکمات القرآن کو حدیث شریف کے ساتھ صحیح دین کو سمجھتے ہیں، محدثین نے ہمیشہ محکمات قرآن کے ساتھ حدیث کو موضوع بنایا، اور اسی مشن پر اپنے آپ کو لگایا، حضرت عائشہؓ سے کسی نے دریافت کیا

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت واخلاق کیسے تھے؟ فرمایا: ویسے جیسا قرآن میں ملتا ہے۔

اسی طرح علم حدیث میں مشغول ہونے والے حضرات کے لئے بڑی بشارتیں ہیں، حدیث میں آیا ہے: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ (اللہ تعالیٰ تروتازہ رکھے اس کو جس نے میری حدیث سنی، اور اس کو یاد کی، اور دوسرے کو بلاکم وکاست پہونچایا) (سنن ابوداؤد: ۳۶۵۲، سنن ترمذی: ۲۶۵۶) میں کئی ایسے افراد کو جانتا ہوں کہ انہوں نے پوری زندگی حدیث کا اشتغال رکھا اور سنت پر عمل کیا تو ان کے چہرے پر وفات کے وقت اس کے اثرات نمایاں تھے، ایسی شخصیات میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے سابق شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ، اور ہمارے استاذ حدیث مولانا شاہ حلیم عطا علیہ الرحمہ، اور دار العلوم دیوبند کی مایۂ ناز شخصیت علامہ انور شاہ کشمیری، اور ان کے بعد وہاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، اور جامعہ مظاہر علوم میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنیؒ، اور ان کے جانشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔

اور اب حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے مظاہر علوم میں جانشیں و شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری جن کا کل سہارنپور میں انتقال ہوا، بہت ممتاز نظر آئے، اور ان کے جنازہ میں غیر معمولی اژدحام سے ان کی مزید تائید اور مقبولیت ظاہر ہوئی، یہ سب برکت تھی اس کی جو انہوں نے حدیث شریف کی خدمت کی، اور آخر وقت تک اس کا مطالعہ جاری رکھا، اور اس کے فیض کو دوسروں میں منتقل کرنے کا جو جذبہ تھا اس سے کام لیا، ان میں ربانیت کی صفت تھی، اس صفت نے ان کو بہت سے اساتذہ اور معاصر علماء میں ممتاز کیا، انہوں نے اس فن میں بڑی ترقی کی، اور ان کا شہرہ برصغیر سے نکل کر بلاد عربیہ میں بھی ہوا، وہ بلاشبہ عظیم محدث اور ایک باکمال استاذ تھے، انہوں نے پوری زندگی علم حدیث کے لئے وقف کردی تھی، اور اس کے لئے دنیا کے دوسرے پہلوؤں سے اپنے کو دور کرلیا تھا، ان کی شخصیت کی تشکیل میں ایسے اساتذہ تھے، جنہوں نے ان کو اس عظیم مشن کے لئے تیار کیا، اگرچہ ان کو حضرت مولانا اسعد اللہؒ اور دوسرے بڑے ساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا تھا، لیکن وہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خاص شاگرد تھے، جنہوں نے اپنی توجہ خاص سے مولانا محمد یونس کو یگانۂ روزگار بنادیا تھا، اور اپنی زندگی میں مظاہر علوم جیسے باوقار حدیث کے علمی مرکز کا ان کو شیخ الحدیث کا منصب بڑوں کی موجودگی میں جن میں ان کے کئی بڑے اساتذہ شامل تھے ان کے علمی فضل وکمال کو محسوس کرتے ہوئے کم عمری میں ان کے حوالہ کیا۔

دار العلوم ندوۃ العلماء سے بھی مولانا محمد یونس کو بہت تعلق خاطر رہا ہے، وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ سے نیاز مندانہ تعلق رکھتے تھے، اس کی خاص وجہ یہ بھی ہے کہ مولانا یونس کا تعلق جونپور سے تھا، اور

جونپور اور اس کے اطراف میں مولانا کے خانوادہ کے ایک بزرگ مولانا محمد امین نصیر آبادی اور خود مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نانا حضرت شاہ سید ضیاء النبی حسنی علیہ الرحمۃ کی دعوتی کوششوں کا زبردست اثر رہا ہے، گویا مولانا یونس صاحب دل میں اس کی قدر سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ پوری عقیدت واحترام کے ساتھ باجود اپنے علمی وزن کے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ سے حدیث کی سند لینے کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء کا سفر کیا، اور باقاعدہ اس کی اجازت حاصل کی، یہ چیز ندوہ کے اساتذہ وطلبہ میں ان سے عقیدت بڑھنے کا سبب بنی اور یہاں کے اساتذہ وطلبہ کا وقتاً فوقتاً ان کی خدمت میں استفادہ کے لئے جانے کا آخر تک سلسلہ رہا۔

اور جیسا کہ اپنی تقریر میں مہتمم دار العلوم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی نے کہا کہ: مولانا محمد یونس سچے عاشقِ رسول تھے، علم حدیث سے ان کا تعلق ایسا اٹوٹ تھا کہ وہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہو گیا، صحت وتندرستی، بلکہ بیماری کے زمانہ میں بھی اس کو باقی رکھا، اور اسی تعلق سے وہ دنیا سے رخصت ہوئے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی مجلسوں کے حاضر باش اور معتمد علیہ تھے، تربیت اور معرفتِ الٰہی حضرت شیخ سے حاصل کیا، اور خدمت میں علمی تبحر کے ساتھ روحانی سلسلہ میں خلافت سے بھی سرفراز ہوئے اور یہ خصوصیت ان کو اپنے دوسرے استاذ ومربی حضرت مولانا اسعد اللہ علیہ الرحمہ سابق ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے بھی حاصل تھی، اور اس جامعیت کی وجہ سے ان کی مقبولیت اور محبوبیت میں اور اضافہ ہوا، بخاری شریف کا اکثر حصہ انہیں یاد تھا اور محدثین کے اقوال بھی انہیں ازبر تھے، بغیر کتاب دیکھے ان کو سنادیا کرتے تھے، حضرت شیخ سے علم حدیث سیکھا اور اس کا حق ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو جو علم ودعوت وارشاد اور تدریس کے راستے میں انہوں نے انجام دیں قبول فرمائیں اور ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائیں اور ان کے مراتب کو خود بلند فرمائیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

محمد رابع الحسنی

علم حدیث کا مہرِ تاباں غروب ہو گیا

جو نصف صدی سے ایک عالم کو منور کرتا رہا

پیغام

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری دامت برکاتہم

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) اور ان کے شاگردوں نے خاص طور سے علم حدیث میں ہندوستان کا پایہ اتنا بلند کر دیا کہ کوئی دوسرا اسلامی ملک اس کی ہم سری نہیں کر سکتا، اسی سلسلۂ ولی اللہی کے چشم وچراغ حضرت مولانا محمد اسحاق (متوفی ۱۲۶۲ھ) مسند الہند کی ذات گرامی ہے، ان کے شاگردوں میں علم حدیث کے بڑے بڑے علماء وصاحب فن پیدا ہوئے، جن میں عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) اور متکلم اسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) کی ذات گرامی ہے، ان کے شاگردوں میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی (متوفی ۱۳۳۹ھ) اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (متوفی ۱۳۴۶ھ) جو مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست اور شیخ الحدیث بھی رہے ہیں، ان کے شاگردوں میں کئی باکمال شخصیتیں نظر آتی ہیں، جن میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ (متوفی ۱۳۶۳ھ) بانیٔ تبلیغ ہیں، جن کی دعوت وتبلیغ کا فیض پورے عالم میں پہونچا اور پورا عالم اس سے فیض یاب ہو رہا ہے، اسی طرح علمی میدان میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ (متوفی ۱۳۹۴ھ) اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی (متوفی ۱۳۳۴ھ) جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے تلمیذ خاص اور معتمد ہونے کے ساتھ حضرت سہارنپوریؒ کے علمی وروحانی دونوں سلسلوں میں ان کا بہت عظیم الشان مقام ہے۔

ان کے صاحب زادے ہمارے استاذ وشیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ (متوفی ۱۴۰۲ھ) ہیں، جن پر حضرت مولانا گنگوہیؒ کی نورانی وربانی نظر تھی، اور ان کے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب علم وعمل میں ہندوستان کی تاریخ میں ایک درخشاں تارہ تھے، انہوں نے اپنے صاحب زادہ کی تعلیم وتربیت میں بھی ایک نرالا انداز اختیار فرمایا جس کی وجہ سے عشق ومحبت اور حب رسول ﷺ کا جذبہ حضرت شیخ

الحدیث نور اللہ مرقدہ کے خمیر میں داخل ہو گیا تھا، پھر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے تلمذ و تربیت نے ان کو آفتاب وماہ تاب بنا دیا، یہاں تک کہ حضرت سہارنپوریؒ نے "بذل المجھود" کے مقدمہ میں تحریر فرمایا کہ:

"قرۃ عینی و قلبی، اور مناسب ہے کہ اس کتاب کا انتساب مولوی محمد زکریا کاندھلوی کی طرف کیا جائے"

کیوں کہ مراجع ومصادر کی تلاش حضرت شیخ الحدیث کرتے تھے، اور ان پر نظر ثانی کے بعد املا کراتے تھے، لیکن سعادت مند شاگرد نے کسی طرح اس کو گوارا نہیں کیا۔

حضرت شیخ کی تدریس کے زمانہ میں دیوبند سہارنپور میں بڑے بڑے علماء وافاضل موجود تھے، لیکن حضرت شیخ کا درسِ حدیث اپنی جامعیت اور وسعت نظر، دقتِ معلومات میں نرالا درس تھا، جس کی تفصیل اس ناچیز نے تقریر بخاری کے مقدمہ میں کر دی ہے، ساتھ ہی ساتھ مجلس درس میں ہر شریک ہونے والا محسوس کرتا کہ گویا وہ باغ رسول ﷺ میں بیٹھا ہوا ہے۔ انہیں کے میکدہ سے ہے بڑا فیضان اے ساقی

حضرت شیخ الحدیث کے درس کی مثال: بلبل چہک رہی ہے باغ رسول میں۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے سامنے اس ناچیز نے الجامع الصحیح للبخاری شروع سے لیکر اخیر تک پڑھی ہے اور شیخ کو میرے درس کا بہت اہتمام تھا، وہ زمانہ حضرت شیخ کی صحت ونشاط کا تھا، یہ واقعہ سن ۱۹۵۷ء کا ہے، میرے اس قیام کے زمانہ میں محترم مولانا محمد یونس صاحب مرحوم اور مولانا محمد عاقل صاحب مشکوۃ پڑھتے تھے، اسی زمانہ میں مولانا محمد یونس صاحب کا مجھ سے تعارف ہوا کہ ہمارے قریبی علاقہ گرینی کے رہنے والے ہیں، حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوریؒ (متوفی ۱۴۲۰ھ) کے خاص شاگرد ہیں، اور وہ ایک سال پہلے مظاہر میں داخل ہوئے ہیں، اور حضرت شیخ کی خاص نظر ان پر ہے، میرا قیام مدرسہ قدیم کے حجرہ میں تھا، کھانا ناشتہ سب حضرت شیخ کے دستر خوان پر ہوتا، وہی زمانہ ہے جب مولانا کو شدت علالت کی وجہ سے وہاں کا قیام اور تعلیمی سلسلہ جاری رکھنا مشکل ہو رہا تھا، لیکن اللہ کا فضل اور ان کی ہمت اور علمی ذوق کی بنا پر وہ کسی قیمت پر مظاہر سے اپنے وطن جانے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

اسی زمانہ سے ان کا حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ (متوفی ۱۴۲۴ھ) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سے گہرا تعلق قائم تھا اور حضرت مفتی صاحب انکی پوری سرپرستی فرما رہے تھے، یہ خود میرا چشم دید مشاہدہ ہے۔

ان کے دورۂ حدیث کے زمانہ میں یہ ناچیز دار العلوم ندوۃ العلماء میں مدرس ہو گیا تھا، لیکن میری آمد ورفت سہارنپور میں کثرت سے رہتی اور مولانا سے ملاقاتیں بھی رہتیں، ان کے ایک دوست مولانا اطہر صاحب مرحوم تھے جو ان کے استاذ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے چھوٹے بھائی اور مولانا محمد سعیدی سلمہ کے والد جو ہمارے ہم درس بھی تھے، عربی ادب سے اچھی مناسبت تھی، ان سے مولانا کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔

مولانا محترم کے دورۂ حدیث میں آنے کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ سے ان کے سوالات وجوابات کا سلسلہ تھا، جس سے شیخ بہت مسرور ہوتے تھے، اور اس طرح حضرت شیخ کی سرپرستی میں علمی مراحل طے کرتے رہے، دنیا سے بالکل یکسو، گویا اپنے کو بالکل آستانۂ نبوت پر ڈال رکھا تھا، شادی وغیرہ کا ذکر آیا تو اپنے علمی اشتغال وامراض وغیرہ کی وجہ سے ہمت نہیں کرتے تھے۔

میرا تیسرا قیام سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں "بذل المجہود" کے حواشی کی ترتیب و تحقیق کے سلسلہ میں تھا، کبھی کبھی اس مجلس میں مولانا بھی شریک ہوتے تھے اور بعض مسائل پر آپس میں مشورہ بھی ہوتا جس سے ان کی وسعت معلومات کا مزید اندازہ ہوتا تھا، اسی زمانہ میں انہوں نے وہ مقدمہ جو میں نے تقریر بخاری پر تحریر کیا تھا پڑھا اور بہت خوش ہوئے اور ایک نمبر کا اس میں اضافہ کیا، اور یہ مقدمہ جب حضرت شیخ الحدیث کی مجلس میں پڑھا گیا تو بہت خوش ہوئے، اور حضرت شیخ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی جب میں نے یہ شعر پڑھا

باد صبا آج بہت مشک بار ہے   شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

کبھی مولانا سے حضرت شیخ سوالات بھی کرتے تھے جن کے جوابات وہ لکھ کر لاتے تھے اور ان کو پڑھ کر سناتے تھے، اس پر حضرت شیخ خوشی کا اظہار فرماتے تھے، اخیر میں جو سوالات حدیثی آتے تو حضرت شیخ سب انہیں کی طرف محول فرمادیتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی کبر سنی وعلالت اور مدینہ منورہ کے سفر اخیر کے موقع پر یہ مسئلہ درپیش تھا کہ بخاری شریف کی تدریس کی ذمہ داری کس پر ڈالی جائے؟ حضرت شیخ نے بے تکلف مظاہر کے ذمہ داروں اور مفتی محمود الحسن صاحبؒ اور مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے سامنے فرمایا کہ مولوی یونس کے ذمہ کر دیا جائے وہ ماشاء اللہ اچھا

پڑھالیں گے، ان دونوں حضرات نے اس کی پر زور تائید فرمائی۔

الحمدللہ ان کی صغر سنی کے باوجود ان کا درس بخاری ایک امتیازی شان رکھتا تھا، وہ شرح بخاری، رجال، جرح وتعدیل، بخاری کے اسرار و حکم ان ساری چیزوں کو مختلف مراجع و مصادر کو پیش نظر رکھ کر اس کا خلاصہ بیان کرتے تھے، مراجع و مصادر کا حوالہ دیتے چلے جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت حافظہ، ذکاوت وفطانت کی دولت سے نوازا تھا، ان دونوں کا جمع ہونا بھی بہت کم ہوتا ہے، چنانچہ ان کی بخاری شریف کی تقاریر کا ریکارڈ بہت سے شاگردوں نے جمع کیا جن میں بعض لوگ شائع کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں اور کچھ شائع بھی ہوگئی ہے۔

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے خلیفۂ خاص تھے، افسوس کہ مظاہر جب دو حصوں میں تقسیم ہوا، اور محترم مولانا محمد یونس صاحب کا کتب خانہ اور ان کی کتابیں ان کے حجرہ میں ہی رہ گئی تھیں، ان کتابوں کے دار جدید میں منتقلی کا مسئلہ تھا، جس کا حضرت مولانا یونس صاحب پر بہت اثر تھا، یہ ناچیز سفر کرکے سہارنپور حاضر ہوا اور حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کی، اس ناچیز نے شروع ہی سے یہ کوشش کی تھی کہ حضرت مفتی صاحب سے میرے تعلقات ویسے ہی برقرار رہیں جیسے سابق میں تھے، چنانچہ میں نے کتابوں کی واپسی کے سلسلہ میں گفتگو کی اور ان دونوں کے تعلقات کا ذکر کیا تو کھل کھلا کر ہنسے، میں نے ان سے یہ بھی عرض کیا کہ اس مظاہر کے دوسرے مظاہر سے اگر کچھ مطالبات ہیں، حضرت فرمائیں تو میں ادا کر دیتا ہوں، فرمایا: ہرگز نہیں، میں کتابیں واپس کراؤں گا، چنانچہ ان کی کتابیں انہوں نے واپس کرادیں، جو حضرت مفتی صاحب کے اخلاص و محبت کی دلیل ہے، اس واقعہ سے خوش ہوکر مولانا محترم نے اس ناچیز کو بہت دعائیں دیں، زندگی کے اخیر میں ان کا تعلق مظاہر وقف سے بھی ویسے ہی قائم ہوگیا تھا جیسا پہلے تھا۔

جامعہ اسلامیہ مظفر پور میں ان کو دو مرتبہ اس ناچیز نے دعوت دی، دوسری مرتبہ تین روز قیام کیا، زیادہ وقت ان کا ہمارے کتب خانہ میں گزرتا تھا جس میں ہم نے مختلف ملکوں سے مطبوعات اور بعض مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے جن کی تعداد اس وقت ۸۵ ہزار ہے، بخاری شریف کے بعض نسخے جن میں یونینی وصغانی اور بصری کے نسخے شاید ہی دنیا کے کسی کتب خانہ میں یکجا مل جائیں، اس موقع پر مولانا بہت حوصلہ افزائی کے کلمات مدرسہ کے بارے میں فرماتے رہے اور دعائیں دیتے رہے، اور یہاں تک فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میرا مدفن

یہ جامعہ بنے، میری ہر کتاب کو غور سے پڑھتے اور بہت دعائیں دیتے، ہمارے بخاری شریف کے نسخہ کو انہوں نے جزودان میں رکھوایا تھا، ان کا خادم اس کو لیکر دار الحدیث جاتا اور اس میں پڑھاتے تھے۔

"لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح" (دس جلدیں) ان کی شدت علالت کے زمانہ میں ان تک پہونچی، کسی نے فوٹو بھیجا کہ وہ اس کا مطالعہ کر رہے ہیں، افسوس کہ "الجامع الکبیر للترمذی مع الکوکب الدرّی والشمائل" (۹ جلدیں) جن کے وہ بہت مشتاق تھے، ہندوستان سہارنپور پہونچ کر بھی یہ کتاب ان تک نہیں پہونچ سکی، انہوں نے ری یونین سے واپسی پر دبئی ایرپورٹ پہونچ کر اپنے خادم خاص مولانا محمد یونس گجراتی سلمہ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ فون کرایا اور اس کتاب کی طباعت کی تکمیل پر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا۔

میرا سفر ابوظبی سے ۱۱/جولائی کو بمبئی کا ہوا، نو بجے صبح اچانک فون سے اطلاع آئی کہ جناب مولانا اسماعیل بدات صاحب جو مدینہ شریف میں رہتے تھے اور آپ کے خاص دوست تھے ان کا رات میں انتقال ہو گیا، ان کا تاثر دل و دماغ پر باقی ہی تھا کہ کچھ دیر بعد یہ خبر آئی کہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب اچانک اپنے شاگردوں اور دوستوں کو چھوڑ کر اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف رخصت ہو گئے - انا للہ وانا الیہ راجعون - یہ خبر دل و دماغ پر بجلی بن کر گری، ہندوستان کے سفر میں میرا سہارنپور حاضری کا اور حضرت مولانا یونس صاحب اور حضرت مولانا طلحہ صاحب سے خاص طور سے ملاقات کا عزم تھا، لیکن "تجری الریاح بما لا تشتھی السفن"۔

مولانا مرحوم کے انتقال سے ہندوستان کی علمی بہار جاتی رہی، یہ فقرہ کبھی اس سے پہلے میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کی شان میں تحریر کیا تھا۔

مولانا کے علمی کمالات اور ان کی ذات پر حضرت شیخ الحدیثؒ و دیگر علماء کا اعتماد، ان کا تدریسی و روحانی فیض، ان کے اہم تلامذہ، حرمین شریفین کے اسفار، علماء عرب کا ان سے استفادہ و اجازت حدیث اور دیگر ملکوں کے اسفار، ان کی تفصیلات مکمل مضمون کی محتاج ہیں، ابھی سفر حج کی تیاری کر رہا ہوں ان شاء اللہ واپسی پر مفصل مضمون تحریر کرنے کا ارادہ ہے۔ واللہ الموفق

(حضرت مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی (دامت برکاتہم)

(ص ۲۲۵) بَابُ الصَّلَاةِ بِمِنًى

١٦٢٣. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ.

١٦٢٤. حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ وَنَحْنُ أَكْثَرُ مَا كُنَّا قَطُّ وَآمَنُهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ.

١٦٢٥. حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِكُمُ الطُّرُقُ فَيَا لَيْتَ حَظِّي مِنْ أَرْبَعٍ رَكْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ.

ترجمہ: باب، منی میں نماز پڑھنے کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منی میں دو رکعات پڑھائیں، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی دو رکعات پڑھائیں، نیز حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی خلافت کے شروع کے سالوں میں دو رکعات پڑھائیں۔

حارث بن وہب خزاعیؓ نے بیان کیا کہ ہمیں پیغمبر ﷺ نے منی میں دو رکعت پڑھائیں اس حال میں کہ ہم تعداد میں ہر موقع سے زیادہ تھے اور امن وامان کے لحاظ سے بھی ہر موقع سے بہتر حالت میں تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ میں نے پیغمبر ﷺ کے ساتھ دو رکعت پڑھیں، حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ دو رکعت پڑھیں اور حضرت عمرؓ کے ساتھ دو رکعت پڑھیں پھر تمہارے راستے الگ الگ ہو گئے، اے کاش میرے نصیب میں چار رکعت کے بدلے دو مقبول رکعت ہوتیں۔

تشریح: امام بخاری نے ابواب تقصیر الصلاۃ میں ص ۱۴۷ پر بھی یہی ترجمہ بعینہ منعقد کیا تھا اور جو تینوں روایتیں یہاں ذکر فرمائی ہیں وہی روایتیں وہاں پر بھی ذکر کی ہیں، اور میں وہاں اس پر تنبیہ بھی کر چکا ہوں، بہر حال امام نے وہاں پر تو بحیثیت قصر کے مسئلہ ذکر کیا تھا اور یہاں بحیثیت حج کے ذکر فرمایا ہے۔

منیٰ میں آیا قصر کیا جائے یا اتمام؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور یہ اختلاف اصل میں مبنی ہے اس بات پر کہ منیٰ

میں قصر کی علت سفر ہے یا نسک (یعنی حج کے افعال کی ادائیگی کا ایک حصہ ہے)؟ حضرت امام مالک سے منقول ہے کہ اس کی علت نسک ہے لہذا جو حاجی ہو گا وہ قصر کرے گا، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اس کی علت سفر ہے لہذا جو مسافر ہو گا وہ قصر کرے گا اور غیر مسافر قصر نہیں کرے گا۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ جو امام مالک کی طرف سے مشہور ہو گیا ہے کہ ان کے یہاں علت نسک ہے لہذا ہر وہ شخص جو متلبس بالنسک ہو گا وہ قصر کرے گا یہ علی الاطلاق صحیح نہیں، اس واسطے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مِنوی اتمام کرے گا، اب اگر اس کی علت نسک ہوتی تو منوی بھی ان کے یہاں قصر کرتا۔

اصل بات یہ ہے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب یہ فرماتے ہیں کہ علت تو اس کی نسک ہی ہے مگر بقید السفر، تھوڑا سا سفر ہونا چاہئے آدمی اپنی جگہ پر مقیم نہ ہو، مثلاً مزدلفی منیٰ میں ہو تو قصر کرے گا، مکی منیٰ میں ہو تو وہ قصر کرے گا لیکن مِنوی منیٰ میں ہوتے ہوئے قصر نہیں کرے گا۔

(ص ۲۲۵) بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ

۱۶۲۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنَا سَالِمٌ قَالَ سَمِعْتُ عُمَيْرًا مَوْلَى أُمِّ الْفَضْلِ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ شَكَّ النَّاسُ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صَوْمِ النَّبِيِّ ﷺ فَبَعَثْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ.

ترجمہ: باب، عرفہ کے دن (میدان عرفات میں) روزہ رکھنے کا بیان۔

حضرت ام فضلؓ نے بیان کیا کہ عرفہ کے دن پیغمبر ﷺ کے روزے کے بارے میں لوگوں کو شک ہوا تو میں نے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں ایک مشروب بھیجا آپ نے اسے نوش فرمالیا۔

تشریح: عرفہ کے دن کا روزہ غیر حاجی کے لئے باتفاقِ مذاہب اربعہ مستحب ہے، البتہ حاجی کے لئے عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا بہتر ہے یا افطار کرنا؟ امام نووی نے امام ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور جمہور علماء سے نقل کیا ہے کہ حاجی کے لئے افطار افضل ہے، امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے۔

یہ بیان اجمالی ہے اگر زیادہ تجزیہ کیا جائے تو صوم عرفہ اور اس کے افطار میں علماء کے پانچ قول ہیں۔

۱۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ خلاف اولیٰ ہے، ۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مکروہ ہے، ۳۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر روزہ

رکھنے سے فرائض حج میں کوتاہی نہ ہوتی ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے یہی امام شافعی کا قول ہے، ۴ یحیی بن سعید انصاری فرماتے ہیں کہ اس دن روزہ رکھنا حرام اور افطار کرنا واجب ہے، ۵ بعضے سلف سے منقول ہے کہ روزہ رکھنا مستحب ہے، حضرت سیدہ عائشہؓ عرفہ کے دن روزہ رکھتی تھیں، اسحاق بن راہویہ کا میلان بھی اسی طرف ہے، امام بخاری نے اس باب میں جو روایت ذکر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک عرفہ کے دن حاجی کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے، نبی کریم ﷺ کے روزہ کے بارے میں شک ہوا حضرت ام فضلؓ نے آپ کی خدمت میں پینے کے لئے کوئی چیز بھیجی آپ نے اسے پی لی معلوم ہوا کہ آپ اس دن روزہ سے نہیں تھے۔

(ص ۲۲۵) بَابُ التَّلْبِيَةِ وَالتَّكْبِيرِ إِذَا غَدَا مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ

١٦٢٧. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ سَأَلَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ فِي هَذَا الْيَوْمِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ فَقَالَ كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ مِنَّا الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: باب، منی سے عرفہ جاتے ہوئے تلبیہ اور تکبیر کہنے کا بیان۔

ترجمہ باب التكبير أيام منى میں گزر چکا

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جب حاجی نویں تاریخ کو منیٰ سے عرفات جانے لگے تو تلبیہ اور تکبیر کہتا ہوا جائے۔

ایک ترجمہ آگے امام بخاری نے ص ۲۲۸ پر منعقد کیا ہے بَابُ التَّلْبِيَةِ وَالتَّكْبِيرِ غَدَاةَ النَّحْرِ حِينَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ اس کا مقصد یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو تا رمی جمرۂ عقبہ تلبیہ اور تکبیر میں مشغول رہنا چاہئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ محرم جب عرفات جانے لگے تو تلبیہ قطع کردے، غالبًا امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اسی کی تردید فرمائی ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حاجی تلبیہ کب قطع کرے گا؟ ۱ حضرت عائشہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ جب حاجی عرفات کو جانے لگے تو تلبیہ کو قطع کردے، ۲ امام مالک،

اوزاعی اور لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ عرفات کے دن زوال کے بعد تلبیہ قطع کردے، ۳ حضرت ابن عمرؓ کا معمول یہ تھا کہ جب مکہ میں داخل ہوتے تو تلبیہ قطع کردیتے اور جب عرفات کو روانہ ہوتے تو پھر تلبیہ شروع فرما دیتے، ۴ ائمہ ثلاثہ ابو حنیفہ، شافعی اور احمد فرماتے ہیں کہ مسلسل تلبیہ پڑھتا رہے اور جب جمرۂ عقبہ کی رمی کرے تب تلبیہ قطع کرے۔

پھر تلبیہ آیا رمی کی پہلی کنکری پر قطع کرے یا رمی کی تکمیل کے بعد قطع کرے؟ ائمہ ثلاثہ کی رائے یہ ہے کہ پہلی کنکری پر قطع کرے، حافظ ابن حجر وغیرہ شراح بخاری نے امام احمد سے یہ نقل کیا ہے کہ آخری کنکری پر قطع کرے، لیکن یہ نقل کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی اس واسطے کہ حنابلہ کے شیخ المذہب علامہ ابو محمد مقدسی صاحب مغنی نے جو موفق الدین کے لقب کے ساتھ مشہور ہیں جنہیں ہم بار بار علامہ موفق علامہ موفق کہتے ہیں انہوں نے مغنی میں امام احمد کا مسلک ابو حنیفہ اور شافعی کے مطابق نقل کیا ہے یعنی پہلی حصاۃ سنگ ریزہ پر تلبیہ قطع کرے، اور دلیل میں یہ پیش کیا ہے کہ امام احمد نے اپنے مناسک میں حدیث نقل کی ہے اور اس میں حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَطَعَ عِنْدَ أَوَّلِ حَصَاةٍ روایت کیا ہے، اور اگر آخر حصاۃ پر قطع کا قول منقول ہو تو اس کی دلیل ابن خزیمہ کی روایت ہے اس میں ہے قَطَعَ التَّلْبِيَةَ مَعَ آخِرِ حَصَاة۔

میرا گمان یہ ہے کہ اول حصاۃ اور آخر حصاۃ کی روایتیں روایت بالمعنیٰ ہیں، اصل لفظ تو حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ تھا بعض راویوں نے یہ سمجھا کہ مراد ابتداءِ رمی ہے تو اول حصاۃ نقل کردیا اور بعضوں نے یہ سمجھا کہ مراد تکمیل رمی ہے تو آخر حصاۃ نقل کردیا۔

(ص ۲۲۵) بَابُ التَّهْجِيرِ بِالرَّوَاحِ يَوْمَ عَرَفَةَ

١٦٢٨. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ قَالَ كَتَبَ عَبْدُ الْمَلِكِ إِلَى الْحَجَّاجِ أَنْ لَا يُخَالِفَ ابْنَ عُمَرَ فِي الْحَجِّ فَجَاءَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَنَا مَعَهُ يَوْمَ عَرَفَةَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ فَصَاحَ عِنْدَ سُرَادِقِ الْحَجَّاجِ فَخَرَجَ وَعَلَيْهِ مِلْحَفَةٌ مُعَصْفَرَةٌ فَقَالَ مَا لَكَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ الرَّوَاحَ إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ السُّنَّةَ قَالَ هٰذِهِ السَّاعَةَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَنْظِرْنِي حَتّٰى أُفِيضَ عَلَى رَأْسِي ثُمَّ أَخْرُجُ

فَنَزَلَ حَتّٰى خَرَجَ الْحَجَّاجُ فَسَارَ بَيْنِي وَبَيْنَ أَبِي فَقُلْتُ إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ السُّنَّةَ فَاقْصُرِ الْخُطْبَةَ وَعَجِّلِ الْوُقُوفَ فَجَعَلَ يَنْظُرُ إِلَى عَبْدِ اللهِ فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ عَبْدُ اللهِ قَالَ صَدَقَ.

ترجمہ: باب، عرفہ کے دن دوپہر میں کوچ کرنے کا بیان۔

حضرت سالم نے بیان کیا کہ عبد الملک نے حجاج کو لکھا کہ وہ حج کے امور میں حضرت ابن عمرؓ کی مخالفت نہ کرے، عرفہ کے دن جب کہ زوال شمس ہو گیا تو حضرت ابن عمرؓ آئے اور انہوں نے حجاج کے خیمہ کے پاس آواز لگائی، حجاج باہر آیا اس حال میں کہ اس کے اوپر کسم سے رنگی ہوئی چادر تھی اس نے کہا کہ اے ابو عبد الرحمن! کیا بات ہے؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم سنت کی پیروی کرنا چاہتے ہو تو چلو، اس نے کہا کہ اسی وقت؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، اس نے کہا کہ مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنے سر پر پانی ڈال لوں پھر نکلوں گا، حضرت ابن عمرؓ سواری سے اتر گئے یہاں تک کہ حجاج باہر آیا وہ میرے اور میرے والد کے درمیان چلا، میں نے کہا کہ اگر تم سنت کی اتباع چاہتے ہو تو خطبہ مختصر کرو اور وقوف عرفہ میں جلدی کرو، حجاج حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی طرف دیکھنے لگا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے جب یہ دیکھا تو فرمایا کہ اس نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ نمرہ سے جب عرفات جانے لگے تو جانے میں تہجیر و تعجیل کرنا چاہئے، نمرہ ایک مقام ہے عرفات سے باہر اور حرم سے بھی باہر، اور عرفات بھی حرم سے باہر ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلہ خلافیہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اور وہ مسئلہ وقت وقوف عرفہ ہے یعنی عرفہ میں وقوف کرنے کا وقت کیا ہے؟

وقوف عرفات کا وقت فرض: ۱۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ وقت فرض تو من فجر یوم عرفة الی یوم النحر رہتا ہے، ۲۔ امام ابو حنیفہ اور شافعی فرماتے ہیں کہ زوال عرفہ سے شروع ہوتا ہے اور فجر نحر پر ختم ہو جاتا ہے، ۳۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ وقتِ فرض لیلۃ النحر ہے، غروب عرفہ سے شروع ہوتا ہے اور طلوع فجر یوم نحر تک باقی رہتا ہے۔

پھر حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری ان اقوال ثلاثہ میں سے قول ثانی کی طرف مائل ہیں اسی لئے فرماتے ہیں التَّهْجِيرِ بِالرَّوَاحِ رواح کہتے ہیں زوال کے بعد چلنے کو، اس اختلاف کا ثمرہ یہ ہوگا کہ امام احمد کے نزدیک اگر کسی نے نویں تاریخ کو زوال سے پہلے وقوف کر لیا اور اس کے بعد عرفات سے نکل آیا تو اس کا حج ہو گیا باقی ائمہ کے یہاں نہیں ہوا۔

اور اگر کسی نے زوال کے بعد وقوف کیا اور غروب سے پہلے عرفات سے چلا گیا تو ائمۂ ثلاثہ کے یہاں حج ہو جائے گا امام مالک کے یہاں نہیں ہوگا۔

اور اگر کسی نے یوم النحر کی رات میں وقوف کیا تو سب کے نزدیک اس کا حج ادا ہو جائے گا۔

وقت افضل: یہ گفتگو تو وقت فرض میں ہے، البتہ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ حاجی کے لئے افضل یہ ہے کہ زوال عرفہ سے لیکر طلوع فجر یوم النحر تک وقوف کرے۔

وقت واجب: پھر ائمۂ مذاہب اربعہ وقوف عرفات کا ایک وقت واجب بیان کرتے ہیں، حنفیہ کہتے ہیں کہ امتداد الوقوف واجب ہے یعنی دن کا کچھ حصہ وقوف کرے اس طرح کہ وقوف ممتد ہو جائے تا آنکہ لیل داخل ہو جائے اور یہی شافعیہ کا مسلک ہے، حنابلہ اور مالکیہ جمع بین اللیل والنہار واجب کہتے ہیں۔

کَتَبَ عَبْدُ المَلِكِ إِلَى الحَجَّاجِ: عبد الملک بن مروان نے حجاج کو ایک خط لکھا تھا کہ مسئلۂ حج میں حضرت ابن عمرؓ کی کوئی مخالفت نہ کرے، حضرت ابن عمرؓ تشریف لائے اور بیٹے سالم ان کے ساتھ تھے زوال شمس کے بعد اور حجاج کے سرادقہ (خیمے) کے پاس کھڑے ہو کر آواز دی۔

فَخَرَجَ وَعَلَيْهِ مِلْحَفَةٌ مُعَصْفَرَةٌ: عصفرہ سے رنگین ایک چادر اوڑھے ہوئے تھا، اس سے معلوم ہوا کہ معصفر کے استعمال کرنے میں حاجی کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ تو حجاج کا فعل ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ فعل حجاج کا ہے لیکن سیدنا حضرت ابن عمرؓ نے اس کے اس فعل کو دیکھا اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کے لئے ثوب معصفر کو استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

یہ مسئلہ مسائل خلافیہ میں سے ہے، شافعی واحمد جواز کے قائل ہیں اور حنفیہ ومالکیہ منع کرتے ہیں، مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر اس کا رنگ اترتا ہو تو مکروہ ہے ورنہ کوئی کراہت نہیں، مسئلہ کی وضاحت میں ص ۲۰۹ پر باب ما یلبس المحرم من الثیاب والأردیة کے ذیل میں کر آیا ہوں اور وہاں میں نے حنفیہ کی دلیل بھی دی تھی۔

(ص ۲۲۵) بَابُ الْوُقُوفِ عَلَى الدَّابَّةِ بِعَرَفَةَ

١٦٢٩. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ الْعَبَّاسِ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّ نَاسًا اخْتَلَفُوا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صَوْمِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ صَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ بِصَائِمٍ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَعِيرِهِ فَشَرِبَهُ.

ترجمہ: باب، عرفہ میں سواری پر وقوف کرنے کا بیان۔

ترجمہ اوپر گزر چکا

تشریح: حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ عرفات میں دابہ پر وقوف کرنا چاہئے۔

حدیث پاک میں جانور کی پشت کو منبر بنانے سے منع کیا گیا ہے، ابوداؤد شریف کی حدیث ہے إیای أن تتخذوا ظهورَ دوابّكم منابرَ لیکن عرفات کا وقوف اس سے مستثنیٰ ہے، عزالدین بن عبدالسلام نے لکھا ہے کہ وہاں دابہ کی پشت پر حاجی سوار ہو یہی مستحب ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عرفات میں وقوف راکباً افضل ہے یا ماشیاً یا دونوں برابر ہیں یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ اس میں علماء کے چار قول ہیں۔

(۱) مذاہب اربعہ کا راجح قول یہ ہے کہ وقوف راکباً افضل ہے فإن النبی ﷺ وقف راکبا بعرفات، (۲) شافعیہ اور حنابلہ کا ایک قول یہ ہے کہ راکباً و قائمًا علی القدم افضل ہے، (۳) شافعیہ اور حنابلہ کا ایک قول یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں، (۴) بعض احناف فرماتے ہیں کہ امام راکباً وقوف کرے اور قوم علی الاقدام، امام بخاری اس مسئلہ میں بظاہر قول اول کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔

(ص ۲۲۵) بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِعَرَفَةَ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا فَاتَتْهُ الصَّلَاةُ مَعَ الْإِمَامِ جَمَعَ بَيْنَهُمَا.

١٦٣٠. وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ الْحَجَّاجَ بْنَ يُوسُفَ عَامَ نَزَلَ بِابْنِ الزُّبَيْرِ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَيْفَ تَصْنَعُ فِي الْمَوْقِفِ يَوْمَ عَرَفَةَ؟ فَقَالَ سَالِمٌ إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ السُّنَّةَ

فَهَجِّرْ بِالصَّلَاةِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ صَدَقَ إِنَّهُمْ كَانُوا يَجْمَعُونَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السُّنَّةِ فَقُلْتُ لِسَالِمٍ أَفَعَلَ ذَلِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ سَالِمٌ وَهَلْ تَتَّبِعُونَ فِي ذَلِكَ إِلَّا سُنَّتَهُ.

ترجمہ: باب، عرفات میں دونوں نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنے کا بیان۔

جب حضرت ابن عمرؓ کی امام کے ساتھ نماز فوت ہو جاتی تو وہ ان دونوں کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔

ترجمہ دو باب قبل گزر چکا

تشریح: عرفات میں حاجی بین الصلاتین الظہر والعصر کرے گا اور یہ جمع تقدیم ہوگا، اس میں کسی کا بھی کوئی اختلاف نہیں ہے، مسئلہ اجماعیہ ہے کما صرح بذلک ابن عبدالبر وابن المنذر۔

جمع نسکی یا جمع سفری: البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ جمع نسکی ہے یا جمع سفری ہے؟ یعنی اس جمع کی علت نسک اور حج ہے یا اس جمع کی علت سفر ہے؟ (۱) حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک اور بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ یہ جمع نسکی ہے، یہی بعض شافعیہ کا مسلک اور حنابلہ کا ایک قول ہے جس کو موفق بن قدامہ نے المغنی میں راجح قرار دیا ہے، (۲) اکثر شافعیہ اور حنابلہ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ جمع سفری ہے اور اس کی علت سفر ہے لہٰذا اگر کوئی شخص مقیم ہو اور وہاں عرفات ہی میں رہتا ہو تو اس کے واسطے یہ جمع نہیں ہے، (۳) بعض فقہاء شافعیہ فرماتے ہیں کہ ہے تو اس کی علت سفر ہی لیکن سفر سے وہ سفر شرعی مراد نہیں جس میں قصر کرنا جائز ہوتا ہے بلکہ مطلقاً خروج مراد ہے۔

پھر جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس جمع کی علت نسک ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے جمع کیا اور آپ کے ساتھ سارے مکہ والوں نے جمع کیا اور آپ نے کسی کو ترک جمع کا حکم نہیں دیا حالانکہ جب قصر کا مسئلہ آیا تو آپ نے مقیمین سے اتمام کا مطالبہ کیا اور فرمایا أتموا صلاتکم فإنا قوم سفر۔

یہ جمع آیا عام ہے یا مشروط بالامام ہے؟ جمہور علماء جس میں صاحبین بھی داخل ہیں فرماتے ہیں کہ ہر شخص جمع کرے تنہا پڑھنے والا بھی جمع کرے، امام ابو حنیفہ، ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اگر امام کے ساتھ نماز پڑھے تو جمع کرے ورنہ جمع نہ کرے، اس کے علاوہ اور بھی شرائط فقہاء نے ذکر کی ہیں۔

امام بخاری نے اس مسئلہ میں جمہور کا قول اختیار کیا ہے اسی واسطے فرماتے ہیں وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ

عَنۡهُمَا إِذَا فَاتَتۡهُ الصَّلَاةُ مَعَ الۡإِمَامِ جَمَعَ بَيۡنَهُمَا حضرت ابن عمرؓ کی نماز جب امام کے ساتھ فوت ہو جایا کرتی تھی تو وہ اپنی تنہا نماز پڑھتے ہوئے جمع بین الصلاتین کیا کرتے تھے۔

وَهَلۡ تَتَّبِعُونَ فِي ذَٰلِكَ إِلَّا سُنَّتَهُ: اور کیا تم اس میں سوائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اور کسی کی سنت کا اتباع کرتے ہو؟

سنت سے سنت نبوی مراد ہوتی ہے: معلوم ہوا کہ لفظ سنت جب علی الاطلاق بولا جاتا ہے تو اس سے سنت نبویہ محمدیہ مراد ہوا کرتی ہے، یہی جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سنت محمدیہ مراد ہوتی ہے بلکہ امام حاکم، بیہقی اور ابن عبد البر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافیہ ہے، طحاوی، کرخی، ابو بکر رازی اور شافعیہ میں سے ابو بکر صیرفی اور ظاہریہ میں سے ابن حزم کہتے ہیں کہ سنت کے لئے اس کا مرفوع ہونا لازم نہیں ہے۔

(ص ۲۲۵) بَابُ قَصۡرِ الۡخُطۡبَةِ بِعَرَفَةَ

۱۶۳۱ . حَدَّثَنَا عَبۡدُ اللَّهِ بۡنُ مَسۡلَمَةَ أَخۡبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابۡنِ شِهَابٍ عَنۡ سَالِمِ بۡنِ عَبۡدِ اللَّهِ أَنَّ عَبۡدَ الۡمَلِكِ بۡنَ مَرۡوَانَ كَتَبَ إِلَى الۡحَجَّاجِ أَنۡ يَأۡتَمَّ بِعَبۡدِ اللَّهِ بۡنِ عُمَرَ فِي الۡحَجِّ فَلَمَّا كَانَ يَوۡمُ عَرَفَةَ جَاءَ ابۡنُ عُمَرَ وَأَنَا مَعَهُ حِينَ زَاغَتِ الشَّمۡسُ أَوۡ زَالَتۡ فَصَاحَ عِنۡدَ فُسۡطَاطِهِ أَيۡنَ هَذَا؟ فَخَرَجَ إِلَيۡهِ فَقَالَ ابۡنُ عُمَرَ الرَّوَاحَ فَقَالَ الۡآنَ قَالَ نَعَمۡ قَالَ أَنۡظِرۡنِي أُفِيضُ عَلَيَّ مَاءً فَنَزَلَ ابۡنُ عُمَرَ حَتَّى خَرَجَ فَسَارَ بَيۡنِي وَبَيۡنَ أَبِي فَقُلۡتُ إِنۡ كُنۡتَ تُرِيدُ أَنۡ تُصِيبَ السُّنَّةَ الۡيَوۡمَ فَاقۡصُرِ الۡخُطۡبَةَ وَعَجِّلِ الۡوُقُوفَ فَقَالَ ابۡنُ عُمَرَ صَدَقَ.

ترجمہ: باب، عرفہ میں خطبہ مختصر دینے کا بیان۔

ترجمہ اوپر گزر چکا

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے دو باتوں پر تنبیہ فرمائی ہے۔

اول یہ کہ عرفات میں خطبہ ہوگا، یہی ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے، مالکیہ کے اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ خطبہ ہوگا اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں ہوگا۔

دوسرے یہ کہ یہ خطبہ مختصر ہو گا، امام بخاری مسئلۂ اول میں جمہور کے ساتھ ہیں اور مسئلۂ ثانی مجمع علیہا ہے کما قالہ صاحب المغنی وغیرہ۔

(ص ۲۲۶) بَابُ التَّعْجِيلِ إِلَى الْمَوْقِفِ

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ يُزَادُ فِي هٰذَا الْبَابِ هَمْ حَدِيثُ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَلٰكِنِّي لَا أُرِيدُ أَنْ أُدْخِلَ فِيهِ مُعَادًا.

ترجمہ: باب، موقف یعنی وقوف کے مقام کی طرف جلدی جانے کا بیان۔

ابو عبد اللہ نے کہا کہ اس باب میں بھی یہ حدیث یعنی مَالِک عَنْ ابْنِ شِهَاب والی حدیث کا اضافہ کیا جاسکتا ہے مگر میں نہیں چاہتا ہوں کہ اس کتاب میں مکرر حدیث ذکر کروں۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ مسجد نمرہ میں نماز پڑھ لینے کے بعد موقف جانے میں تعجیل کرنا چاہیے، حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جبل رحمت کے پاس جہاں سیاہ پتھر بچھے ہوئے ہیں وقوف فرمایا تھا۔

سنت یہ ہے کہ آدمی پہاڑ پر نہ چڑھے نیچے وقوف کرے، پہاڑ پر چڑھنا خلاف سنت ہے۔

جو مسئلہ مصنف نے بیان کیا ہے وہ مجمع علیہا ہے اور اس کی دلیل وہی حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بالا ہے جو باب گزشتہ میں اور اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ يُزَادُ فِي هٰذَا الْبَابِ 'هَمْ' هٰذَا الْحَدِيثِ وَلٰكِنِّي لَا أُرِيدُ أَنْ أُدْخِلَ فِيهِ مُعَادًا:

مقصد یہ ہے کہ جو حدیث حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی گئی ہے اس دعویٰ یعنی التعجیل إلی الموقف کو ثابت کرنے کے لئے بھی یہی حدیث پیش کی جائے گی، آگے اس کی مزید وضاحت کی ہے یعنی حَدِيثُ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ امام بخاری نے وہ حدیث بالسند کیوں ذکر نہیں کی؟ بخاری نے اس کا جواب دیا ہے وَلٰكِنِّي لَا أُرِيدُ أَنْ أُدْخِلَ فِيهِ مُعَادًا سے کہ میں اس کتاب میں غیر مکرر احادیث نہیں لانا چاہتا ہوں۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ بخاری میں تو کتنی روایات مکرر ہیں حتی کہ مشہور یہ ہے کہ مکرر و غیر مکرر ملا کر (۸۹۷۰) روایات ہیں اور بلا تکرار کے (۴۰۰۰) روایات ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف علام کے یہاں اگر

سند بدل جائے یا کم از کم استاذ بدل جائے تو حدیث بدل جاتی ہے، مکرر تب ہے جب سارا ایک ہی ہو۔

مُعاد کا مطلب یہ ہے کہ روایت کے اندر اول سے آخر تک سند و متن میں کوئی تغیر نہ ہو، حافظ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے بیک سند و متن کہیں بھی مکرر روایت نقل نہیں کی سوائے تیس جگہوں کے، لیکن میں نے کسی زمانہ میں ان روایات کو تلاش کیا تھا تو تیس سے بہت زیادہ بلکہ سو سے بھی زیادہ ہوگئی تھیں۔

(**اضافہ از مرتب:** وہ روایات إرشاد القاصد إلى ما تكرر في البخاري بإسناد واحد کے نام سے الیواقیت الغالیہ جلد ثالث میں چھپ چکی ہیں)۔

لفظ هَمْ کیوں: اس باب میں واقع ہوا ہے 'هَمْ' هَذَا الحَدِيثُ، یہ هَم کیا ہے؟ بعض لوگوں نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا کہ صاحب! فارسی کا کلمہ اٹھا کر کے عربی میں گھسا دیا، اور بعض نے بخاری کی طرف سے جواب یہ دیا کہ اصل میں یہ لفظ أیضًا کے معنی میں بخاری زبان میں استعمال ہوتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام بخاری بخارا کے رہنے والے ہیں اور بھئی! آدمی جہاں کا رہنے والا ہوتا ہے وہاں کی زبان اس کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے بعض وقت بے اختیار اس سے کوئی کلمہ زبان سے صادر ہو جاتا ہے، لفظِ هَم فارسی زبان میں أیضًا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور بخارا فارس سے بالکل متصل ہے لہذا اگر وہاں بھی یہ لفظ أیضًا کے معنی میں استعمال ہوتا ہو اور بخاری نے اتفاق سے اس کو استعمال کر لیا ہو تو کیا استعجاب اور کیا اعتراض کی بات ہے؟ چنانچہ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے، بعض کہتے ہیں کہ بغدادی زبان کا لفظ ہے جس کو امام بخاری نے استعمال کیا ہے۔

مگر یہ ساری توجیہات کرنے کی اس وقت ضرورت ہے جبکہ اس لفظ کو ثابت مان لیا جائے ورنہ یہ لفظ بعض نسخوں میں موجود ہی نہیں ہے، امام صغانی نے جو نسخہ اتقان و تحریر کے ساتھ ضبط کیا ہے اس میں اس لفظ کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

(ص ۲۲۶) بَابُ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ

۱۶۳۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ كُنْتُ

أَطْلُبُ بَعِيرًا لِي ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ أَضْلَلْتُ بَعِيرًا لِي فَذَهَبْتُ أَطْلُبُهُ يَوْمَ عَرَفَةَ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَاقِفًا بِعَرَفَةَ فَقُلْتُ هَذَا وَاللَّهِ مِنَ الْحُمْسِ فَمَا شَأْنُهُ هَا هُنَا.

١٦٣٣. حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ عُرْوَةُ كَانَ النَّاسُ يَطُوفُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ عُرَاةً إِلَّا الْحُمْسَ وَالْحُمْسُ قُرَيْشٌ وَمَا وَلَدَتْ وَكَانَتِ الْحُمْسُ يَحْتَسِبُونَ عَلَى النَّاسِ يُعْطِي الرَّجُلُ الرَّجُلَ الثِّيَابَ يَطُوفُ فِيهَا وَتُعْطِي الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ الثِّيَابَ تَطُوفُ فِيهَا فَمَنْ لَمْ يُعْطِهِ الْحُمْسُ طَافَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانًا وَكَانَ يُفِيضُ جَمَاعَةُ النَّاسِ مِنْ عَرَفَاتٍ وَيُفِيضُ الْحُمْسُ مِنْ جَمْعٍ قَالَ وَأَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي الْحُمْسِ {ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ} قَالَ كَانُوا يُفِيضُونَ مِنْ جَمْعٍ فَدُفِعُوا إِلَى عَرَفَاتٍ.

ترجمہ: باب، عرفہ میں وقوف کرنے کا بیان۔

جبیر بن مطعمؓ نے بیان کیا کہ میں اپنا اونٹ تلاش کر رہا تھا (اس کے بعد سند میں تحویل ہے اور دوسری سند کے ساتھ الفاظ یہ ہیں) جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ میرا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا تو میں عرفہ کے دن اس کو تلاش کرنے کے لئے گیا تو میں نے دیکھا کہ پیغمبر ﷺ عرفہ میں وقوف فرما ہیں، میں نے کہا بخدا حضور تو حُمس یعنی قریش میں سے ہیں تو پھر آپ کا یہاں کیا کام؟

حضرت عروہ نے بیان کیا کہ جاہلیت میں حُمس یعنی قریش اور ان کی اولاد کے علاوہ باقی لوگ برہنہ طواف کرتے تھے، قریش لوگوں کو اللہ کے واسطے کپڑے دیتے تھے مرد مرد کو کپڑا دیتا تھا اور وہ اس میں طواف کرتا تھا اور عورت عورت کو کپڑا دیتی تھی اور وہ اس میں طواف کرتی تھی اور جس کو قریش کپڑا نہیں دیتے تھے وہ برہنہ ہونے کی حالت میں بیت اللہ کا طواف کرتا تھا، نیز لوگوں کی جماعت عرفات سے لوٹتی تھی جب کہ قریش مزدلفہ ہی سے لوٹتے تھے، ہشام نے بیان کیا کہ میرے والد نے حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے یہ بیان کیا کہ یہ آیت ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ قریش کے بارے میں نازل ہوئی، وہ مزدلفہ سے لوٹتے تھے تو اس آیت میں ان کو عرفات سے لوٹنے کا حکم دیا گیا۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ عرفات میں وقوف کرنا ارکان حج میں سے ہے، یہ مسئلہ اجماعیہ ہے اور حج کا سب سے اعظم رکن یہی وقوف عرفات ہے حتی کہ بعض احادیث میں الحج عرفة وارد ہوا ہے یعنی معظم حج عرفہ ہے یہ اگر فوت ہو جائے تو اس کے تدارک کی کوئی صورت نہیں ہے۔

أَضْلَلْتُ بَعِيرًا لِي: علامہ ابو القاسم سہیلیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے، لیکن یہ غلط ہے

اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے جب حجۃ الوداع کیا ہے اس وقت تو سارا حجاز بلکہ بقیہ عرب آپ کا تابع ہو گیا تھا اور یہ تسلیم کر لیا تھا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، آپ مُشَرِّع ہیں، آپ کا قول اور آپ کا فعل شرع ہے لہذا آپ کے عرفات کے وقوف کرنے پر جبیر بن مطعم کو کیوں اشکال ہوتا؟ هٰذَا وَاللّٰهِ مِنَ الحُمْسِ فَمَا شَأْنُهُ هَاهُنَا، وہ تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ نبی ہیں جو کچھ کر رہے ہیں اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ جاہلیت کے زمانہ کا ہے، چنانچہ اسحاق کی روایت میں ہے أَضْلَلْتُ حِمَارًا لِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ جاہلیت میں میرا ایک حمار کھو گیا تھا میں اس کی تلاش میں نکلا عرفہ میں تو دیکھا کہ حضرت محمد ﷺ وقوف کئے ہوئے ہیں، اس پر وہ متعجب ہوا کہ یہ تو حمس میں سے ہیں اور حمس مزدلفہ کے باہر جاتے نہیں تو پھر یہ مزدلفہ سے باہر عرفات میں کیوں وقوف کر رہے ہیں؟ مگر چونکہ آپ اللہ کے نبی تھے اور آپ کا ہر فعل حجت تھا اللہ نے ابتداء ہی سے آپ کو حق کے موافق چلایا تھا، باوجودیکہ اس وقت آپ کو نبوت نہیں ملی تھی لیکن عامۃ الناس کے ساتھ عرفات میں وقوف کرتے تھے حمس کے ساتھ مزدلفہ میں وقوف نہیں کرتے تھے۔

كَانَ النَّاسُ يَطُوفُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ عُرَاةً إِلَّا الْحُمْسَ: جاہلیت میں لوگ ننگے طواف کرتے تھے سوائے حُمس کے، یوں کہا کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے اللہ کی نافرمانی کی ہے ان ہی کپڑوں کو پہن کر ہم بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے لہذا ننگے طواف کرتے تھے، البتہ حُمس اور جس کو حُمس کپڑے دے دیں وہ لوگ کپڑے پہن کر طواف کرتے تھے۔

حُمس کی وضاحت: حُمس جمع ہے احمس کی اور احمس ماخوذ ہے حماسہ سے جس کے معنی ہیں شجاعت کے، حُمس مخصوص قبائل کا لقب ہے جو قریش اور قریش کی لڑکیوں سے پیدا ہوں، ابو عبیدہ اور معمر بن مثنیٰ نے نقل کیا ہے کہ قریش کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی آدمی ان کی لڑکی سے منگنی کرتا تو وہ یہ شرط قرار دیتے تھے کہ اس سے جو بچہ پیدا ہو گا وہ ہمارے مسلک پر ہو گا، چنانچہ بہت سے لوگ دینِ قریش میں داخل ہو گئے تھے، ثقیف، لیث، خزاعہ اور بنو عامر بن صعصعہ وغیرہ، وَمَا وَلَدَتْ کا مطلب ہے ماولدت بنات قریش۔

وَكَانَ يُفِيضُ جَمَاعَةُ النَّاسِ مِنْ عَرَفَاتٍ: یعنی عامۃ الناس تو عرفات میں جاکر وقوف کرتے تھے اور وہاں سے افاضہ یعنی رجوع کیا کرتے تھے اور حُمس مزدلفہ میں وقوف کرتے اور یہ کہتے تھے نَحْنُ

الْحُمْسُ فَلَا نَخرُجُ مِنَ الْحَرَمِ اور جمع (یعنی مزدلفہ) میں وقوف کرتے تھے۔

حق تعالیٰ شانہ نے حُمس کے اس طرز کو رد کر دیا اور حکم نازل فرمایا ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں وہیں سے تم بھی لوٹو۔

اشکال اور اس کا جواب: یہاں اس آیت پر بظاہر اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فاذا أفضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام واذکروہ کما ھداکم، جب تم اپنے مناسک پورے کرلو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو، مشعر حرام مزدلفہ ہے، پھر آگے فرماتے ہیں ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ جہاں سے لوگ لوٹے وہیں سے تم بھی لوٹو، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ افاضہ مزدلفہ سے ہوگا، اس لئے کہ ما قبل کی آیت میں وقوفِ مشعر حرام کا ذکر ہے اور پھر اس کے بعد افاضہ کا ذکر ہے تو لا محالہ افاضہ من مزدلفہ ہوگا نہ کہ افاضہ من عرفات، تو اس آیت کریمہ سے افاضہ من عرفات کا کیسے ثبوت ہوا؟

(۱) بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ ثُمَّ واوَ کے معنی میں ہے یہی امام طحاوی کی رائے ہے، (۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ثُمَّ صرف تاکید کیلئے ہے ترتیب کیلئے نہیں ہے، (۳) زمخشری وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ بیان فرق کیلئے ہے، حاصل یہ ہے کہ ایک افاضہ ہوتا ہے عرفات سے اور دوسرا افاضہ مزدلفہ سے، ان دونوں افاضوں میں فرق ہے، لہٰذا تم کو افاضہ من عرفات کرنا چاہئے جہاں سے لوگ افاضہ کرتے اور لوٹتے ہیں۔

(ص ۲۲۶) بَابُ السَّيْرِ إِذَا دَفَعَ مِنْ عَرَفَةَ

۱۶۳۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ سُئِلَ أُسَامَةُ وَأَنَا جَالِسٌ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَسِيرُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِينَ دَفَعَ؟ قَالَ كَانَ يَسِيرُ الْعَنَقَ فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ قَالَ هِشَامٌ وَالنَّصُّ فَوْقَ الْعَنَقِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ فَجْوَةٌ مُتَّسَعٌ وَالْجَمِيعُ فَجَوَاتٌ وَفِجَاءٌ وَكَذَلِكَ رَكْوَةٌ وَرِكَاءٌ {مَنَاصٌ} لَيْسَ حِينَ فِرَارٍ.

ترجمہ: باب، عرفات سے لوٹتے وقت کی چال کا بیان۔

حضرت عروہ نے بیان کیا کہ حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا گیا اور میں وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع میں واپسی کے وقت کیسے چل رہے تھے؟ انہوں نے کہا کہ عَنَق یعنی درمیانی چال سے چل رہے تھے اور جب کشادگی پاتے تھے تو تیز

چلتے تھے، ہشام نے کہا کہ نص کی رفتار عَنَق سے اوپر ہے۔

ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ فجوہ کے معنی کشادگی کے ہیں اور اس کی جمع فجوات اور فِجاء ہے، نیز رکوۃ (چھوٹی کشتی) بھی اسی کے مثل ہے اس کی جمع رِکاء ہے اور مناص کے معنی فرار ہونے کے ہیں، وَلَاتَ حِینَ مَنَاصٍ کے معنی لَیسَ حِینَ فِرَارٍ کے ہیں کہ بھاگنے کا کوئی وقت نہ رہا۔

تشریح: حضرت امام بخاری عرفات سے واپسی کے وقت چلنے کا طریقہ بیان کرتے ہیں، روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ روانگی تیز ہونی چاہئے، اگر سواری پر سوار ہو تو عَنَق چال چلے اور اگر کھلا میدان مل جائے تو نص چلے، یہ چلنے کی دو قسمیں ہیں تیزی میں دونوں مشترک ہیں لیکن نص کا درجہ عنق سے بڑھا ہوا ہے۔

سُئِلَ أُسَامَةُ: عروہ کہتے ہیں کہ اسامہ سے یہ پوچھا گیا اور میں بیٹھا تھا کہ رسول اکرم ﷺ حجۃ الوداع میں کیسے چلے تھے جب آپ وہاں سے واپس ہوئے تھے؟ فرمایا کہ عَنَق چال چل رہے تھے اور جب کھلا میدان پاتے تو نص کی چال چلتے، ہشام کہتے ہیں کہ نص کا درجہ عنق سے اونچا ہے۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ فجوہ کشادہ زمین کو کہتے ہیں اور اس کی جمع فجوات اور فِجاء آتی ہے، اسی طرح سے رَکْوَۃٌ مفرد ہے اس کی جمع رِکَاءٌ آتی ہے۔

لَیسَ حِینَ فِرَارٍ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولات حِین مناص، بخاری فرماتے ہیں کہ لات لیس کے معنی میں ہے اور مناص فرار کے معنی میں ہے یعنی بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں۔

مگر یہاں اشکال یہ ہے کہ نصّ مضاعف ہے اور مناص نوص سے ماخوذ ہے جو معتل ہے پھر بخاری نے اس آیت کی شرح یہاں کیوں ذکر کی؟ بعض کہتے ہیں کہ بخاری کو وہم ہو گیا وہ یہ سمجھے کہ مناص نصّ سے ماخوذ ہے، لیکن پنج گنج پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ دونوں میں فرق ہے ایک مضاعف ہے اور دوسرا معتل ہے پھر بخاری جیسا ماہر فن جس کی امامت ایک مسلم حقیقت ہے اس طرح کی لغزش کیسے کر سکتا ہے؟

صحیح بات وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے لکھی ہے کہ اصل میں بعض لوگوں کو کم فہمی کی وجہ سے یہ وہم ہو گیا تھا کہ مناص بھی نص سے ماخوذ ہے تو حضرت امام بخاری نے اس توہم کو دور کرنے کے لئے شرح کر دی اور یہ بتلا دیا کہ مناص فرار کے معنی میں ہے اور یہ نص سے ماخوذ نہیں ہے۔

ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ذکر کر دیا کہ نون اور صاد دونوں میں ہے اگرچہ وہاں صاد کا

تکرار ہے اور عین کلمہ بھی صاد ہے اور اس کا عین کلمہ واؤ ہے۔

(ص ۲۲٦) بَابُ النُّزُولِ بَيْنَ عَرَفَةَ وَجَمْعٍ

١٦٣٥. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَيْثُ أَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ مَالَ إِلَى الشِّعْبِ فَقَضَى حَاجَتَهُ فَتَوَضَّأَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَتُصَلِّي؟ فَقَالَ الصَّلَاةُ أَمَامَكَ.

١٦٣٦. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ غَيْرَ أَنَّهُ يَمُرُّ بِالشِّعْبِ الَّذِي أَخَذَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَيَدْخُلُ فَيَنْتَفِضُ وَيَتَوَضَّأُ وَلَا يُصَلِّي حَتَّى يُصَلِّيَ بِجَمْعٍ.

١٦٣٧. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حَرْمَلَةَ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ قَالَ رَدِفْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ مِنْ عَرَفَاتٍ فَلَمَّا بَلَغَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الشِّعْبَ الْأَيْسَرَ الَّذِي دُونَ الْمُزْدَلِفَةِ أَنَاخَ فَبَالَ ثُمَّ جَاءَ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ الْوَضُوءَ فَتَوَضَّأَ وُضُوءًا خَفِيفًا فَقُلْتُ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ الصَّلَاةُ أَمَامَكَ فَرَكِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلَّى ثُمَّ رَدِفَ الْفَضْلُ رَسُولَ اللهِ ﷺ غَدَاةَ جَمْعٍ.

١٦٣٨. قَالَ كُرَيْبٌ فَأَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَزَلْ يُلَبِّي حَتَّى بَلَغَ الْجَمْرَةَ.

ترجمہ: باب، عرفہ اور مزدلفہ کے درمیان اترنے کا بیان۔

پہلی اور تیسری روایت کا ترجمہ باب إسباغ الوضوء میں گزر چکا

دوسری روایت کا ترجمہ باب تصلّی المغرب ثلاثا فی السفر میں گزر چکا

چوتھی روایت کا ترجمہ باب الرکوب والارتداف فی الحج میں گزر چکا

تشریح: حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ عرفات سے آتے ہوئے عرفات اور مزدلفہ کے درمیان اگر کوئی اترے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے، رسول پاک ﷺ پیشاب کرنے کے لئے وہاں اترے تھے

اگر چہ ابن عمرؓ غایت اتباع میں جب وہاں پہنچتے تھے تو اترا کرتے تھے باقی اترنا مناسک حج میں سے نہیں ہے۔

فَيَنْتَفِضُ: یعنی استنجاء کرتے تھے۔

(ص ۲۲٦) بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم بِالسَّكِينَةِ عِنْدَ الْإِفَاضَةِ وَإِشَارَتِهِ إِلَيْهِمْ بِالسَّوْطِ

١٦٣٩. حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سُوَيْدٍ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ مَوْلَى وَالِبَةَ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّهُ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ وَرَاءَهُ زَجْرًا شَدِيدًا وَضَرْبًا وَصَوْتًا لِلْإِبِلِ فَأَشَارَ بِسَوْطِهِ إِلَيْهِمْ وَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْإِيضَاعِ.

أَوْضَعُوا أَسْرَعُوا {خِلَالَكُمْ} مِنَ التَّخَلُّلِ بَيْنَكُمْ {وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا} بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: باب، عرفہ سے واپسی میں پیغمبر ﷺ کی جانب سے پُر سکون رہنے سے متعلق حکم دینے کا بیان اور لوگوں کی طرف کوڑے سے اشارہ کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ وہ عرفہ کے دن پیغمبر ﷺ کے ساتھ واپس ہوئے، پیغمبر ﷺ نے اپنے پیچھے اونٹوں کو تیز جھڑکنے، مارنے اور ان پر چلانے کی آواز سنی تو اپنے کوڑے سے ان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ لوگو! پُر سکون رہنے کو لازم پکڑو کیوں کہ اونٹوں کو دوڑانا نیکی نہیں ہے۔

(قرآن میں جو) أَوْضَعُوا آیا ہے اس کے معنی أَسْرَعُوا کے ہیں یعنی یہ کہ وہ تمہارے درمیان گھوڑوں کو دوڑاتے پھرتے، خِلَالَكُمْ، تَخَلُّلِ سے ہے یعنی تمہارے درمیان اور وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا میں بھی خلال کے معنی درمیان کے ہیں۔

تشریح: نبی پاک ﷺ جب عرفات سے مزدلفہ کی طرف لوٹے تو حضور ﷺ نے یہ محسوس کیا کہ لوگ اونٹوں کو ڈانٹ رہے ہیں اور مار رہے ہیں آپ نے اپنے کوڑے مبارکہ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْإِيضَاعِ سکون واطمینان کو اختیار کرو یہ نیکی کی بات نہیں ہے کہ جانوروں کو دوڑا دیا جائے، حضرت امام بخاری نے اس ترجمہ کے ذریعہ سے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر امیر الحج یہ محسوس کرے تو لوگوں کو سکینہ اور وقار کی باتباع النبی ﷺ فہمائش کرے اور اگر سوط سے اتباعاً اشارہ

کرے تو اس میں کوئی کسر شان نہیں ہے۔

(ص ۲۲۷) بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِالْمُزْدَلِفَةِ

١٦٤٠. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ دَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ عَرَفَةَ فَنَزَلَ الشِّعْبَ فَبَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوءَ فَقُلْتُ لَهُ الصَّلَاةُ؟ فَقَالَ الصَّلَاةُ أَمَامَكَ فَجَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ فَتَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيرَهُ فِي مَنْزِلِهِ ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: باب، مزدلفہ میں دونوں نمازوں (مغرب اور عشاء) کو جمع کرنے کا بیان۔

روایت کا ترجمہ باب إسباغ الوضوء میں گزر چکا

تشریح: حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کیا جائے گا۔

ابن منذر فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے اور اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سنت یہ ہے کہ حاجی مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں جمع کرے۔

البتہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یہ جمع نسکی ہے یا جمع سفری ہے؟ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ جمع نسکی ہے لہذا جو شخص بھی حاجی ہوگا جمع کرے گا، شافعیہ کے اس میں دو قول ہیں، بعض جمہور کے ساتھ ہیں اور اکثر شافعیہ یہ فرماتے ہیں کہ جمع کی علت سفر ہے لہذا جو شرعی مسافر ہوگا وہ جمع کرے گا یہی ان کا صحیح قول ہے۔

پھر شافعیہ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا اس سفر سے مراد سفر شرعی ہے جس میں قصر مباح ہوتا ہے یا مطلقاً خروج من الوطن ہے چاہے مسافت قصر ہو یا نہ ہو؟ صحیح قول یہ ہے کہ سفر شرعی مراد ہے محض خروج من الوطن نہیں، اور بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ ہر سفر مباح میں چاہے مسافت قصر ہو یا نہ ہو، امام نووی نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔

امام بخاری کا علی الاطلاق الجمع بین الصلاتین بالمزدلفة کہنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ جمہور

کے ہم خیال ہیں یعنی اس جمع کی علت نسک ہے لہذا جو حاجی ہو گا وہ جمع بین الصلاتین کرے گا، اور دلیل یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ نے اور آپ کے ساتھ حج میں شرکت کرنے والوں نے جمع کیا جن میں مکہ کے لوگ بھی تھے اور آپ نے کسی سے نہیں فرمایا کہ جو لوگ مسافر نہ ہوں وہ جمع نہ کریں۔

اگر عرفہ یا راستہ میں مغرب پڑھ لی تو: اصل تو جمع بین الصلاتین بالمزدلفہ ہے، لیکن اگر کسی آدمی نے مغرب کی نماز عرفات ہی میں ادا کرلی یا راستہ میں ادا کرلی تو کیا حکم ہے؟ ۱۔ حضرت امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ خلاف افضل ہوا، ۲۔ امام ابو حنیفہ، امام محمد، زفر اور ان سب سے پہلے ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ مزدلفہ میں پہنچ کر اعادہ کرنا پڑے گا اور یہ اعادہ موقت بطلوع الفجر ہے، لہذا اگر تا طلوع فجر یوم النحر اعادہ کرلیا تو ٹھیک ہے ورنہ وقت گزر جانے کے بعد اعادہ ساقط ہو جائے گا، ۳۔ حضرت امام مالک ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ مزدلفہ میں آکر نماز ادا کرے لیکن اگر کسی نے راستہ میں نماز پڑھ لی اور اس کو عذر ہے یا اس کے دابہ کو عذر ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ عشاء بعد الشفق واقع ہوئی ہو۔

ثُمَّ تَوَضَّأَ: اس وضو کی شرح میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟

(۱) عیسیٰ بن دینار اور انہی کی اتباع میں ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اس سے مراد استنجاء ہے اور اس پر وضو کا اطلاق لغۃً کیا ہے، یہ اس وضاءت سے ماخوذ ہے جس کے معنی نظافت کے ہیں اور پانی سے استنجاء کرنے سے نظافت حاصل ہوتی ہے۔

(۲) بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ وضو ہوا تھا لیکن پورے اعضاء وضوء نہیں دھوئے تھے اس لئے آگے فرمایا گیا وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوءَ۔

(۳) محققین فرماتے ہیں کہ وضوء سے وضوء شرعی مراد ہے اس لئے کہ جب وضو کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کے شرعی معنی مراد ہوتے ہیں اور وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوءَ کے معنی یہ ہیں کہ بہت زیادہ اعضاء وضوء کو مَلا دَلا نہیں بلکہ اعضاء وضوء کے تر کرلینے پر اکتفاء فرمالیا۔

(۴) بعض مالکیہ فرماتے ہیں کہ عدم اسباغ سے مراد یہ ہے کہ ایک ایک مرتبہ وضوء کیا تھا اور پھر مزدلفہ پہنچ

کر تثلیث کی تکمیل فرمادی۔

ماء زمزم سے وضوء کا حکم: زوائد مسند میں حضرت علیؓ کی روایت میں بسند حسن وارد ہوا ہے کہ اس رات آپ نے ماء زمزم سے وضوء کیا تھا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ ماء زمزم سے وضو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور جو لوگ ماء زمزم کو شرب کے علاوہ باقی اور استعمالات میں لانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں ان کا قول صحیح نہیں، علامہ ابن حجر مکی نے شرح مناسک نووی میں ان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ استدلال تو اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ اس وقت کوئی دوسرا پانی موجود تھا اور اگر موجود ہی نہ ہو تو پھر آپ کا اس کو استعمال کرنا متعین ہے، اس پر مزید اضافہ ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے یہ کر دیا کہ حضور ﷺ پر کسی کو قیاس کیا ہی نہیں جاسکتا ہے اس لئے کہ آپ کے تو براز کی طہارت کا قول علماء نے اختیار کیا ہے۔

عبد ضعیف کا خیال ہے کہ محض اس کا ماء مبارک ہونا اس کے طہارت میں استعمال کرنے سے مانع نہیں ہے، حنفیہ میں سے صاحب در مختار وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ ماء زمزم سے وضوء اور غسل جائز ہے البتہ استنجاء میں استعمال کرنا مکروہ ہے۔

وہ پانی جو آنحضور ﷺ کے انگشتان مبارک کے بیچ میں سے نکلا تھا اس کو صحابۂ کرام نے اپنے پینے میں اور دوسری ضروریات میں استعمال کیا تھا حالانکہ وہ پانی بہت سے علماء ابن رفعہ، شہاب رملی اور ابن نجیم مصری وغیرہ کے نزدیک سارے پانیوں سے افضل ہے، اس کے متعلق مزید کلام کتاب الوضوء میں گزر چکا ہے۔

فَقُلْتُ لَهُ الصَّلَاةُ؟ فَقَالَ: الصَّلَاةُ أَمَامَكَ: یعنی نماز یہاں راستہ میں نہیں پڑھیں گے بلکہ مزدلفہ پہنچ کر پڑھیں گے، اسی سے حنفیہ نے یہ اخذ کیا ہے کہ راستہ میں نماز جائز نہیں مزدلفہ پہنچ کر پڑھنا ضروری ہے اور اگر کسی نے راستہ میں پڑھ لی تو اعادہ واجب ہے، اور اگر اعادہ نہیں کیا تو تا طلوع فجر اعادہ کر لینا چاہئے اور اگر پھر بھی نہیں کر سکا تو ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ یہ اعادہ مؤخر عن الوقت ہے اور وقت گزر گیا تو ساقط ہو گیا۔

(ص ۲۲۷) باب من جمع بينهما و لم يتطوع

١٦٤١. حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بِإِقَامَةٍ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلَى إِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا.

١٦٤٢ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ الْخَطْمِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جَمَعَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو دونوں (مغرب اور عشاء) کے درمیان جمع کرے اور (درمیان میں) نفل نہ پڑھے۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع فرمایا ان میں سے ہر ایک کو الگ اقامت کے ساتھ ادا کیا اور آپ نے نہ تو ان دونوں کے درمیان کوئی نفل پڑھی اور نہ ہی ان میں سے ہر ایک کے بعد۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کیا۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ مجموعتین کے درمیان نفل نہیں پڑھی جائے گی، ابن منذر نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کے وقت بین الفرضین نفل نہیں پڑھی جائے گی اور اگر کسی نے نفل پڑھ لی تو اس کا جمع بھی صحیح نہیں ہوا۔

آیا تطوع کی وجہ سے جمع باطل ہوتا ہے یا نہیں؟

۱۔ شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ جمع تقدیم تو باطل ہو جاتا ہے یعنی اگر عرفات میں ظہر و عصر کے درمیان اگر کوئی سنت ظہر پڑھ لے تو جمع باطل ہو جاتی ہے، جمع تاخیر میں ان حضرات کے دو دو قول ہیں، ایک قول بطلان کا ہے لیکن یہ مرجوح ہے، صحیح یہ ہے کہ جمع تاخیر تنفّل کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا ہے، اس واسطے کہ مغرب تو پڑھی جارہی ہے دوسرے وقت میں اور دوسری اپنے وقت میں پڑھی جارہی ہے لہذا جمع ہو ہی گیا۔

۲۔ حضرات مالکیہ فرماتے ہیں کہ تنفّل بینهما مکروہ ہے اس لئے کہ یہ مانع جمع ہے۔

۳۔ حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ تنفّل بینهما مکروہ ہے، صاحب ہدایہ کہتے ہیں ولا يتطوع بينهما لأنه يخل بالجمع یہ جمع کے اندر مخل ہے۔

اس کے بعد ایک اور مسئلہ ہے کہ نوافل بعدیہ بعد میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ حنفیہ وشافعیہ کہتے ہیں کہ پڑھ سکتے ہیں اور مالکیہ انکار کرتے ہیں، امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ بین المجموعتین بالمزدلفہ نفل نہ پڑھے، باقی یہ کہ یہ مخل بالجمع ہے یا نہیں؟ امام نے اس سلسلہ میں کوئی صاف بات نہیں کہی ہے، ظاہر یہی ہے کہ وہ اس کو مخل بالجمع مانتے ہیں۔

وَلَا عَلَى إِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا: یہ مالکیہ کی دلیل ہے، حنفیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے مگر مطلب اس کا یہ ہے کہ جس وقت تعقب ختم ہو جاتا ہے۔

(ص ۲۲۷) بَابُ مَنْ أَذَّنَ وَأَقَامَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا

١٦٤٣. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ حَجَّ عَبْدُ اللّٰهِ فَأَتَيْنَا الْمُزْدَلِفَةَ حِينَ الْأَذَانِ بِالْعَتَمَةِ أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذٰلِكَ فَأَمَرَ رَجُلًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَصَلَّى بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَعَا بِعَشَائِهِ فَتَعَشَّى ثُمَّ أَمَرَ أُرَى فَأَذَّنَ وَأَقَامَ قَالَ عَمْرٌو لَا أَعْلَمُ الشَّكَّ إِلَّا مِنْ زُهَيْرٍ ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا طَلَعَ الْفَجْرُ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يُصَلِّي هٰذِهِ السَّاعَةَ إِلَّا هٰذِهِ الصَّلَاةَ فِي هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ هٰذَا الْيَوْمِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ هُمَا صَلَاتَانِ تُحَوَّلَانِ عَنْ وَقْتِهِمَا صَلَاةُ الْمَغْرِبِ بَعْدَ مَا يَأْتِي النَّاسُ الْمُزْدَلِفَةَ وَالْفَجْرُ حِينَ يَبْزُغُ الْفَجْرُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَفْعَلُهُ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو مزدلفہ میں مغرب اور عشاء دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اذان اور اقامت کہے۔

عبدالرحمن بن یزید نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حج کیا، ہم عشاء کی اذان کے وقت یا اس کے آس پاس مزدلفہ آئے آپ نے ایک شخص کو حکم دیا تو اس نے اذان دی اور تکبیر کہی پھر آپ نے مغرب ادا کی اور اس کے بعد دو رکعت پڑھی، پھر اپنا رات کا کھانا طلب کیا اور اسے کھایا پھر حکم دیا۔ راوی کہتا ہے کہ۔ میرا خیال ہے کہ کسی شخص کو حکم دیا تو اس نے اذان و اقامت کہی، عمرو کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ شک سوائے زہیر کے کسی اور کو ہوا ہو، پھر آپ نے عشاء کی نماز دو رکعت ادا کی، جب فجر طلوع ہو گئی تو فرمایا کہ پیغمبر ﷺ اس وقت نماز نہیں پڑھتے تھے مگر یہ نماز اس جگہ میں اور اس دن میں، حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ یہ دو نمازیں ہیں جن کو ان کے وقت سے ہٹایا جاتا ہے مغرب کی نماز لوگوں کے مزدلفہ آنے کے بعد اور فجر کی

نماز جب کہ فجر طلوع ہو جائے، فرمایا کہ میں نے پیغمبر ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح: مزدلفہ میں جب جمع کیا جائے تو اذان و اقامت کا کیا حکم ہے؟ ہوگی یا نہیں ہوگی؟ ہوگی تو اذان و اقامت دونوں یا صرف اقامت ہوگی؟ اور ایک اقامت ہوگی یا دو ہوگی؟ اس میں اختلاف ہے، المختصر

(۱) محب طبری نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ نہ اذان ہے نہ اقامت، لیکن یہ قول سنت کے خلاف ہے، جمع بین المجموعتین کے لئے دونوں کا ثبوت ہے البتہ بعض روایات میں صرف اقامت کا ذکر ہے اور بعض میں اذان و اقامت دونوں کا تذکرہ ہے۔

(۲) سفیان ثوری کہتے ہیں کہ صرف اقامت ہے یہی ابن عمرؓ کی روایت مسلم شریف میں ہے۔

(۳) امام شافعی قول جدید میں اور امام احمد بن حنبل اظہر القولین میں دو اقامتوں کے قائل ہیں جیسا کہ ابھی اسامہؓ کی حدیث میں آچکا۔

(۴) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ایک اذان اور ایک اقامت ہوگی اور حضرت جابرؓ کی حدیث میں جو مصنف ابن ابی شیبہ میں وارد ہوئی ہے اسی طرح سے ہے لیکن اس کا متن غریب ہے۔

(۵) جابرؓ کی روایت میں معروف یہ ہے کہ ایک اذان اور دو اقامتیں ہوئی تھیں، مسلم شریف میں اسی طرح وارد ہے اور یہی بہت سے علماء کا مسلک ہے، امام شافعی کا قول قدیم، احمد کی ایک روایت، امام ابو حنیفہ کی ایک روایت اور زفر کا مذہب یہی ہے اور اسی کو امام طحاوی اور ابن ماجشون مالکی نے اختیار کیا ہے۔

(۶) امام مالک فرماتے ہیں کہ دونوں کے لئے الگ الگ اذان اور الگ الگ اقامت ہوگی، ابن مسعودؓ سے بخاری میں اس باب میں اسی طرح آرہا ہے اور اسی کو امام بخاری نے اختیار کیا ہے۔

یہاں پہنچ کر احمد بن خالد وہبی نے امام مالک پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے اذان و اقامت کے باب میں کوفیین کی روایت موقوفہ کو لے لیا اور مدنیین کی روایت مرفوعہ کو چھوڑ دیا، یہی تعجب احناف سے ہے کہ انہوں نے کوفیین کی روایت کو چھوڑ کر مدنیین کی روایت پر عمل کر لیا۔

بات یہ ہے کہ جسکو جو پہونچتا ہے اسکے مطابق وہ عمل درآمد کرتا ہے خواہ روایت کوفیین کی ہو یا مدنیین کی۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ: یہاں ابن مسعودؓ نے مغرب اور عشاء کے مابین نفل پڑھی اور اسی طرح

دونوں کے لئے اذان واقامت کہی، ان کا یہ عمل مخالف ہے ابن عمرؓ کی اس روایت کے جو باب گزشتہ میں آچکی اور
س میں ہے وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلَى إِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا۔

امام بخاری نے اذان کے مسئلہ میں ابن مسعودؓ کی روایت موقوفہ کو لیا اس لئے کہ وہ زیادتی پر مشتمل تھی لیکن
ں کے مسئلہ میں ابن عمرؓ کی روایت مرفوعہ کو لیا اس لئے کہ ابن مسعودؓ کا اثر مثبت ہے اور ابن عمرؓ کی روایت نافی
ہے اور قاعدہ ہے کہ مثبت ونافی میں جب تعارض ہو تو مثبت کو ترجیح ہوتی ہے۔

لیکن بعض محققین علماء بعض وقت روایت نافیہ کو ترجیح دیا کرتے ہیں، جیسے امام بیہقی نے صلوۃ علی ماعز کے
مسئلہ میں نفی کی روایات کو ان کی کثرت کی وجہ سے ترجیح دی اور جو اثبات کی روایت محمود بن غیلان سے منقول
ہے بخاری نے اس کو مرجوح قرار دیا، وھو کما قال۔

گو امام بخاری نے روایت اثبات کو وہاں پر ترجیح دی اور یہاں امام بخاری نے روایت نافیہ کو ترجیح دی باوجودیکہ
نفی واثبات کا تقابل تھا اس لئے کہ تقابل مرفوع وموقوف میں تھا اور روایت مرفوعہ مستند الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور
روایت موقوفہ غیر مستند الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جو مستند الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہو گی اس کو ترجیح ہو گی غیر مستند الی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور حضرت جابرؓ کی روایت میں صلوۃ علی ماعز کے مسئلہ میں جو روایات کا اختلاف ہے وہ ایک ہی روایت
میں رواۃ کا اختلاف ہے، ایک راوی مثبت ہے دوسرے نافی ہیں، بخاری نے وہاں تو قاعدہ معروفہ المثبت مقدم
علی النافی پر عمل کیا کیوں کہ دونوں طرف رفع ہے لیکن یہاں انہوں نے رفع اور وقف کا تقابل دیکھ کر رفع کو
ترجیح دی، وھذا من دقة نظر البخاری فافھموا ولم یذکرہ الشراح وللہ الحمد علی ما ألھم ثم للہ الحمد علی
ما فتح وألھم۔

تُحَوَّلَانِ عَنْ وَقْتِهِمَا: یہ دونوں نمازیں اپنے وقت سے ہٹا دی جاتی ہیں، صَلَاةُ الْمَغْرِبِ بَعْدَ مَا
يَأْتِي النَّاسُ الْمُزْدَلِفَةَ یعنی صلوۃ مغرب پڑھی جاتی ہے مزدلفہ آجانے کے بعد اپنے وقت پر نہیں پڑھتے، اور فجر
کی نماز مزدلفہ میں عین طلوع صبح کے ساتھ پڑھی جاتی ہے بخلاف باقی ایام کے کہ اس میں جمہور علماء کے یہاں گو
غلس ہی میں پڑھی جاتی ہے لیکن قدرے تاخیر سے پڑھی جاتی ہے، اور احناف کو کسی توجیہ کی ضرورت ہے ہی
نہیں وہ لوگ تو فجر میں اسفار کی ترجیح کے قائل ہیں، رہا اسفار و تغلیس میں جب تقابل ہو تو جمہور نے تغلیس ہی کو

ترجیح دی ہے اس لئے کہ تغلیس کے باب میں ایک دو نہیں کئی روایات صحیحہ سفراً و حضراً وارد ہوئی ہیں۔

(ص ۲۲۷) بَابُ مَنْ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ بِلَيْلٍ فَيَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَيَدْعُونَ وَيُقَدِّمُ إِذَا غَابَ الْقَمَرُ

١٦٤٤. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَالِمٌ وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ يُقَدِّمُ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ فَيَقِفُونَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِالْمُزْدَلِفَةِ بِلَيْلٍ فَيَذْكُرُونَ اللَّهَ مَا بَدَا لَهُمْ ثُمَّ يَرْجِعُونَ قَبْلَ أَنْ يَقِفَ الْإِمَامُ وَقَبْلَ أَنْ يَدْفَعَ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقْدَمُ مِنًى لِصَلَاةِ الْفَجْرِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقْدَمُ بَعْدَ ذَلِكَ فَإِذَا قَدِمُوا رَمَوُا الْجَمْرَةَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ أَرْخَصَ فِي أُولَئِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ.

١٦٤٥. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ.

١٦٤٦. حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي يَزِيدَ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ أَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِي ضَعَفَةِ أَهْلِهِ.

١٦٤٧. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ مَوْلَى أَسْمَاءَ عَنْ أَسْمَاءَ أَنَّهَا نَزَلَتْ لَيْلَةَ جَمْعٍ عِنْدَ الْمُزْدَلِفَةِ فَقَامَتْ تُصَلِّي فَصَلَّتْ سَاعَةً ثُمَّ قَالَتْ يَا بُنَيَّ هَلْ غَابَ الْقَمَرُ؟ قُلْتُ لَا فَصَلَّتْ سَاعَةً ثُمَّ قَالَتْ يَا بُنَيَّ هَلْ غَابَ الْقَمَرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَتْ فَارْتَحِلُوا فَارْتَحَلْنَا وَمَضَيْنَا حَتَّى رَمَتِ الْجَمْرَةَ ثُمَّ رَجَعَتْ فَصَلَّتِ الصُّبْحَ فِي مَنْزِلِهَا فَقُلْتُ لَهَا يَا هَنْتَاهُ مَا أُرَانَا إِلَّا قَدْ غَلَّسْنَا قَالَتْ يَا بُنَيَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَذِنَ لِلظُّعُنِ.

١٦٤٨. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ هُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اسْتَأْذَنَتْ سَوْدَةُ النَّبِيَّ ﷺ لَيْلَةَ جَمْعٍ وَكَانَتْ ثَقِيلَةً ثَبْطَةً فَأَذِنَ لَهَا.

١٦٤٩. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا أَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نَزَلْنَا الْمُزْدَلِفَةَ فَاسْتَأْذَنَتِ النَّبِيَّ ﷺ سَوْدَةُ أَنْ تَدْفَعَ قَبْلَ حَطْمَةِ النَّاسِ وَكَانَتِ امْرَأَةً بَطِيئَةً فَأَذِنَ لَهَا فَدَفَعَتْ قَبْلَ حَطْمَةِ

النَّاسِ وَأَقَمْنَا حَتَّى أَصْبَحْنَا نَحْنُ ثُمَّ دَفَعْنَا بِدَفْعِهِ فَلَأَنْ أَكُونَ اسْتَأْذَنْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَمَا اسْتَأْذَنَتْ سَوْدَةُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مَفْرُوحٍ بِهِ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو رات میں آگے بھیج دے وہ مزدلفہ میں وقوف کریں اور دعا مانگیں اور ان کو چاند کے غروب ہونے کے وقت آگے بھیجے۔

سالم نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے اہل خانہ میں سے کمزوروں کو پہلے بھیج دیتے تھے وہ رات کو مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس وقوف کرتے تھے اللہ کا ذکر کرتے تھے جتنا ان سے ہوتا پھر وہ امام کے وقوف سے اور اس کے منی کو روانہ ہونے سے پہلے منی واپس ہو جاتے تھے، ان میں سے کچھ وہ ہوتے جو منی میں فجر کے وقت پہنچتے، کچھ وہ ہوتے جو اس کے بعد پہنچتے، جب وہ آتے تو جمرے کی رمی کرتے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ ان (ضعیفوں) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے رخصت دی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے مزدلفہ سے رات میں بھیجا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ میں ان میں سے تھا جن کو نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں اپنے گھر کے ضعیفوں کے ساتھ آگے بھیجا تھا۔

حضرت اسماءؓ کے غلام عبداللہ نے بیان کیا کہ وہ مزدلفہ کی رات مزدلفہ کے قریب اتریں، نماز پڑھنے کھڑی ہوئیں اور انہوں نے کچھ دیر نماز پڑھی، پھر کہنے لگیں کہ بیٹے! کیا چاند غروب ہو گیا؟ میں نے کہا کہ نہیں، تو انہوں نے پھر کچھ دیر نماز پڑھی اور پھر پوچھا کہ کیا چاند غائب ہو گیا؟ میں نے کہا کہ ہاں، تو فرمایا کہ کوچ کرو، تو ہم روانہ ہوئے اور چلے یہاں تک کہ انہوں نے جمرے کی رمی کی پھر وہ واپس آئیں اور انہوں نے فجر کی نماز اپنے گھر میں پڑھی، میں نے کہا کہ بی بی جی! میرا خیال ہے کہ ہم نے (رمی کا عمل) تاریکی میں کیا، انہوں نے فرمایا کہ بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ حضرت سودہؓ نے نبی کریم ﷺ سے مزدلفہ کی رات میں اجازت مانگی، حضرت سودہؓ بھاری بھرکم تھیں اور آہستہ چلنے والی تھیں، تو پیغمبر ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمادی۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ہم مزدلفہ میں اترے تو سودہؓ نے پیغمبر ﷺ سے اس کی اجازت مانگی کہ وہ لوگوں کے ہجوم سے قبل منی کو روانہ ہو جائیں وہ آہستہ چلنے والی خاتون تھیں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی اور وہ لوگوں کے ہجوم سے پہلے چلی گئیں، ہم نے وہیں قیام کیا یہاں تک کہ صبح ہوئی پھر ہم حضور ﷺ کے روانہ ہونے کے وقت چلے، اگر میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لی ہوتی جیسا کہ سودہؓ نے اجازت لی تھی تو یقیناً یہ میرے نزدیک خوشی کی چیز سے زیادہ محبوب ہوتی۔

تشریح: یہ باب اس شخص کے بیان میں ہے جس نے اپنے اہل و عیال کے کمزور لوگوں کو رات ہی میں

آگے روانہ کر دیا تاکہ وہ مزدلفہ میں وقوف کریں اور دعا کریں اور پھر اس کے بعد آگے بھیج دیں جب قمر غائب ہو جائے۔

پہلے تو اجمال ہے مَنْ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ بِلَيْلٍ، اور اس کے بعد آگے اس کی تفسیر ہے فَيَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَيَدْعُونَ وَيُقَدِّمُ إِذَا غَابَ الْقَمَرُ یعنی مزدلفہ میں وقوف کریں گے اور دعا میں مصروف رہیں گے اور جب چاند غروب ہو جائے گا تب ان کو آگے روانہ کردیں گے، مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی مزدلفہ سے منیٰ کی طرف اپنے ضعیف لوگوں کو پہلے بھیج دے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے۔

إِذَا غَابَ الْقَمَرُ: اس رات میں چاند غروب ہوتا ہے رات کے ثلث اخیر میں۔

اب ایک مسئلہ سنو! حضرت امام بخاری نے ترجمہ میں صرف یوں نہیں فرمایا مَنْ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ بِلَيْلٍ من المزدلفة إلى منى کیوں کہ اس سے تو بظاہر یہ نکلتا کہ مطلقاً تقدیم جائز ہے بلکہ یوں فرماتے ہیں فَيَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَيَدْعُونَ وَيُقَدِّمُ إِذَا غَابَ الْقَمَرُ مزدلفہ میں وقوف کریں گے اور پھر جب چاند چھپ جائے گا تب ان کو آگے منیٰ روانہ کرے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کے نزدیک کچھ تھوڑا سا وقوف ہوگا اور اس وقوف کے بعد پھر ان کو آگے روانہ کرنے کی گنجائش ہے۔

یہاں پر دو باتیں سمجھیں۔

ضعفة الأهل کون ہیں؟ ضعفة الأهل سے مراد عورتیں اور بچے ہیں کما قاله ابن حزم۔

علامہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ وہ مشائخ جو بوڑھے اور عاجز ہوتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں۔

مبیت بالمزدلفہ کا حکم: دوسرے یہ کہ مزدلفہ میں دو کام کئے جاتے ہیں، ایک مبیت یعنی وہاں رات گزارنا، اور دوسرے وقوف بعد الصلوۃ الی الاسفار عند المشعر الحرام، یہ دونوں مسئلے مختلف فیہا ہیں۔

مسئلۂ مبیت یعنی وہاں رات گزارنا ۱؎ حنفیہ کے یہاں سنت ہے، ۲؎ حضرات ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے، ۳؎ ابو عبد الرحمن ابن بنت الشافعی اور ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ رکن ہے، علقمہ، نخعی اور شعبی وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے، ۴؎ عطاء اور اوزاعی سے نقل کیا گیا ہے إنما هو منزل نزله النبی ﷺ۔

وقوف مزدلفہ کا حکم: دوسرے مسئلہ میں بھی اختلاف ہے، علماء کے تین یا چار قول ہیں، ۱؎ حنفیہ

فرماتے ہیں کہ یہ وقوف واجب ہے، ۲ حضرات ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ سنت ہے، ۳ ابن بنت الشافعی اور ابن خزیمہ کی طرف منسوب ہے کہ رکن ہے، ۴ ابن ماجشون اور ابن عربی فرماتے ہیں کہ فرض ہے، فرضیت و رکنیت کا قول ایک ہی ہے اور یہ قول قاضی خان اور صاحب مبسوط نے امام مالک سے اور صاحب ہدایہ اور قاضی عیاض نے امام شافعی سے بھی نقل کیا ہے، لیکن یہ نقل غلط ہے، امام مالک اور امام شافعی کے یہاں یہ وقوف سنت ہے ہاں ان کے بعض اصحاب اور بعض موافقین اس کی رکنیت اور فرضیت کے ضرور قائل ہیں۔

ابن حزم کا مسلک: علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے ایک قدم آگے بڑھا یا وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صبح کی نماز امام کے ساتھ مزدلفہ میں ادا نہ کرے تو اس کا حج ہی نہیں ہوگا اور دلیل میں یہ روایت پیش کی ہے کہ عروہ بن مضرس بن لام طائیؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا جِئْتُ یَارَسُولَ اللّٰہِ مِنْ جَبَلِ طَیِّیٍٔ فَأَکْلَلْتُ مَطِیَّتِي وَأَتْعَبْتُ نَفْسِي وَاللّٰہِ مَا تَرَکْتُ مِنْ جَبَلٍ إِلَّا وَقَفْتُ عَلَیْهِ فَهَلْ لِي مِنْ حَجٍّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ أَدْرَکَ مَعَنَا هٰذِهِ الصَّلَاةَ وَأَتَی عَرَفَاتٍ قَبْلَ ذٰلِکَ لَیْلًا أَوْ نَهَارًا فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وَقَضٰی تَفَثَهُ، رواه أبو داؤد والترمذی وابن ماجه۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقوف تمام حج میں مؤثر ہے نہ کہ اس پر حج موقوف ہے، اس کا مقتضٰی یہی ہے کہ یہ واجب ہو نہ کہ رکن، مگر ابو یعلیٰ کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے وَمَنْ لَمْ یُدْرِکْ معنا جَمْعًا فَلَا حَجَّ لَهُ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں وقوف کرنا رکن ہے، عقیلی کہتے ہیں کہ یہ زیادتی وہم ہے مطرّف کے اوہام میں سے ہے اور انہوں نے اس کی تردید میں مستقل ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے۔

ابن حزم نے ایک دوسری دلیل یہ پیش کی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاذْکُرُوا اللّٰہَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔

لیکن یہ آیت شریفہ مجرّداً فرضیت پر دلالت نہیں کرتی ہے اور ابن حزم پر اشکال بھی ہوتا ہے کہ صاحب! پھر تو ذکر بھی واجب ہونا چاہئے وہ کہتے ہیں کہ ذکر بھی واجب ہے۔

امام بخاری کی رائے: حضرت امام بخاری کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک مبیت تو ہے واجب اور وقوف ہے سنت جیسا کہ ائمۂ ثلاثہ کا مسلک ہے، یوں فرماتے ہیں مَنْ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ بِلَیْلٍ، فَیَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ، وَیَدْعُوْنَ، وَیَقْدَمُ إِذَا غَابَ الْقَمَرُ مزدلفہ میں وقوف کریں گے رات میں کچھ ٹھہریں گے اور جب

چاند غائب ہو جائے ثلث لیل آخر میں تو پھر اپنے اہل وعیال کو منیٰ روانہ کردے۔

فَإِذَا قَدِمُوا رَمَوُا الجَمْرَةَ: جب وہ لوگ منیٰ پہنچ جائیں تو رمی جمرہ کریں، منی پہونچتے طلوع آفتاب کے بعد، اور طلوع آفتاب کے بعد یوم النحر کی رمی ہوتی تھی جو بالاتفاق جائز ہے اور یہی اولیٰ ہے۔

یوم النحر کی رمی کا حکم: ا۔ جمہور علماء کے یہاں طلوع فجر صادق کے بعد رمی جائز ہے طلوع فجر سے پہلے جائز نہیں، ۲۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور یہی امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے بشرطیکہ رمی نصف لیل کے بعد کریں، ۳۔ علامہ ابن منذر فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ آدمی طلوع شمس کے بعد ہی رمی کرے لیکن اگر کوئی آدمی رات میں رمی کرلے گا تو رمی ہو جائے گی لیکن خلاف سنت کا ارتکاب لازم آئے گا اس سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس واسطے کہ کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ یہ رمی ناکافی ہے۔

یَا هَنْتَاهُ: ھنتاہ کنایہ ہے ھذہ کے معنی میں۔

قَبْلَ حَطْمَةِ النَّاسِ: لوگوں کے ازدحام سے پہلے۔

أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مَفْرُوحٍ بِهِ: مطلب یہ ہے کہ میں حضور ﷺ سے اگر اجازت لے لیتی کہ میں بھی سویرے سودہؓ کے ساتھ چلی جاؤں اور وہاں ازدحام سے پہلے رمی کرلیا کروں یہ میرے نزدیک اِس وقت ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر خوش ہوا جاسکتا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ حضور کے بعد کثرت سے حج کیا کرتی تھیں، مگر چونکہ حضور ﷺ کے ساتھ جب حج کیا تھا تو لوگوں کے ساتھ ہی مزدلفہ سے منیٰ گئی تھیں اسلئے وہ نہیں چاہتی تھیں کہ آنحضور ﷺ کے بعد اس طرز کو بدل دیں، بوڑھی ہوگئی تھیں کمزور ہوگئی تھیں بدن بھاری ہوگیا تھا ازدحام سے تکلیف ہوتی تھی مگر یہ چاہتی تھیں کہ حضرت حبیب ﷺ کے ساتھ جس طرح عمل کیا تھا اور جس شکل پر وہ دیکھ کر گئے تھے اسی شکل پر بعد میں بھی باقی رہیں، یہ عشق ومحبت کی بات ہے۔

(ص ۲۲۸) بَابُ مَتَى يُصَلِّي الفَجْرَ بِجَمْعٍ

۱۶۵۰. حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَارَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى صَلَاةً بِغَيْرِ مِيقَاتِهَا إِلَّا صَلَاتَيْنِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَّى الْفَجْرَ قَبْلَ مِيقَاتِهَا.

۱۶۵۱. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللَّهِ إِلَى مَكَّةَ ثُمَّ قَدِمْنَا جَمْعًا فَصَلَّى الصَّلَاتَيْنِ كُلَّ صَلَاةٍ وَحْدَهَا بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ وَالْعَشَاءُ بَيْنَهُمَا ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ قَائِلٌ يَقُولُ طَلَعَ الْفَجْرُ وَقَائِلٌ يَقُولُ لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ حُوِّلَتَا عَنْ وَقْتِهِمَا فِي هَذَا الْمَكَانِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فَلَا يَقْدَمُ النَّاسُ جَمْعًا حَتَّى يُعْتِمُوا وَصَلَاةَ الْفَجْرِ هَذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ وَقَفَ حَتَّى أَسْفَرَ ثُمَّ قَالَ لَوْ أَنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَفَاضَ الْآنَ أَصَابَ السُّنَّةَ فَمَا أَدْرِي أَقَوْلُهُ كَانَ أَسْرَعَ أَمْ دَفْعُ عُثْمَانَ فَلَمْ يَزَلْ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ.

ترجمہ: باب، مزدلفہ میں فجر کی نماز کس وقت پڑھی جائے؟

روایت کا ترجمہ گزر چکا، آخری حصہ کا ترجمہ یہ ہے

پھر فرمایا کہ اگر امیر المؤمنین اس وقت لوٹتے ہیں تو وہ سنت کو پالیں گے، (راوی کہتا ہے کہ) میں نہیں جانتا کہ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ کہنا مقدم تھا یا حضرت عثمانؓ کا لوٹنا، حضرت ابن مسعودؓ برابر تلبیہ کہتے رہے یہاں تک کہ آپ نے دس ذی الحجہ کو رمی کی۔

تشریح: مزدلفہ میں فجر کی نماز باتفاقِ امت شدت غلس میں ادا کی جائے گی۔

إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ حُوِّلَتَا عَنْ وَقْتِهِمَا: یہ دونوں نمازیں اپنے وقت سے ہٹادی گئیں، اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے، عشاء کا ذکر یہاں پر ضمناً آگیا ورنہ عشاء تو اپنے وقت ہی میں ادا ہوتی ہے، جو دو نمازیں اپنے وقت سے ہٹائی گئی ہیں وہ مغرب کی نماز ہے اور فجر کی نماز۔

(ص ۲۲۸) بَابُ مَتَى يُدْفَعُ مِنْ جَمْعٍ

۱۶۵۲. حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ يَقُولُ شَهِدْتُ عُمَرَ صَلَّى بِجَمْعٍ الصُّبْحَ ثُمَّ وَقَفَ فَقَالَ إِنَّ الْمُشْرِكِينَ كَانُوا لَا يُفِيضُونَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَيَقُولُونَ أَشْرِقْ ثَبِيرُ وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَالَفَهُمْ ثُمَّ أَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ.

ترجمہ: باب، اس کا بیان کہ مزدلفہ سے واپسی کب کی جائے؟

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے مزدلفہ میں صبح کی نماز ادا کی پھر وقوف کیا اور فرمایا کہ مشرکین سورج نکلنے تک واپس نہیں ہوتے۔ تھے اور کہتے تھے کہ اے ثبیر! روشن ہو جا، پیغمبر ﷺ نے ان کی مخالفت کی اور آپ سورج طلوع ہونے سے پہلے واپس ہوئے۔

تشریح: مزدلفہ سے منیٰ کی طرف کب روانہ ہو؟ روایت نے یہ بتلا دیا کہ سنت یہ ہے کہ طلوع شمس سے پہلے روانہ ہو جائے، اس مسئلہ میں کوئی بھی اختلاف نہیں ہے، البتہ جمہور فرماتے ہیں کہ اسفار میں روانہ ہونا چاہئے، امام مالک فرماتے تھے کہ اسفار سے پہلے روانگی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

أَشْرِقْ ثَبِيرُ: ثبیر ایک پہاڑ ہے، یوں کہا کرتے تھے أَشْرِقْ ثَبِيرُ اے کوہ ثبیر! تو سورج کی روشنی سے روشن ہو جا تاکہ اس کے بعد ہم یہاں سے آگے چلیں، آگے یہ جملہ بھی کہتے تھے كَيْمَا نُغِيرُ تاکہ ہم غارت گری کریں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اب حج پورا گیا اور آگے تو ان کا عمل دخل تھا ہی کہ وہ مہینوں میں نسیئ کرتے تھے آگے پیچھے کر دیا کرتے تھے۔

(ص ۲۲۸) بَابُ التَّلْبِيَةِ وَالتَّكْبِيرِ غَدَاةَ النَّحْرِ حِينَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ وَالِارْتِدَافِ فِي السَّيْرِ

۱۶۵۳. حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَرْدَفَ الْفَضْلَ فَأَخْبَرَ الْفَضْلُ أَنَّهُ لَمْ يَزَلْ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى الْجَمْرَةَ.

۱۶۸۶. و۱۶۸۷. حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ الأَيْلِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ عَرَفَةَ إِلَى الْمُزْدَلِفَةِ ثُمَّ أَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ إِلَى مِنًى قَالَ فَكِلَاهُمَا قَالَا لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ.

ترجمہ: باب، یوم نحر کی صبح کو جمرہ کی رمی کے وقت تلبیہ اور تکبیر کہنے کا بیان، نیز سفر میں کسی کو ردیف بنانے (یا کسی کا ردیف بننے) کا بیان۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے مزدلفہ سے منیٰ جانے کا طریقہ بتلایا ہے کہ جب آدمی مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہو تو تلبیہ اور تکبیر پڑھتا ہوا روانہ ہو یہاں تک کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کرلے، اس سے معلوم ہوا کہ تلبیہ تا رمیِ جمرہ کیا جائے گا اور اس کے بعد قطع کیا جائے، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے، وہ فرماتے ہیں لا یقطع التلبیة حتی یرمی جمرة العقبة۔

پھر رمیِ جمرۂ عقبہ سے مراد آیا اولِ حصاۃ ہے یا آخرِ حصاۃ؟[۱] امام ابو حنیفہ اور شافعی فرماتے ہیں کہ اولِ حصاۃ ہے اور یہی امام احمد کا مسلک ہے جو ان کے اصحاب صاحب مغنی وغیرہ نے نقل کیا ہے،[۲] لیکن شراح بخاری حافظ ابن حجر وغیرہ نے امام احمد سے یہ نقل کیا ہے کہ آخرِ حصاۃ پر تلبیہ قطع کرے اس لئے کہ ابن خزیمہ کی روایت میں عند آخر حصاة کا لفظ وارد ہوا ہے، لیکن میں بتلا چکا ہوں کہ امام احمد نے اپنے مناسک میں اسی روایت میں أول حصاةِ نقل کیا ہے اور میں یہ ماقبل میں بتلا چکا ہوں کہ اصل تو حتی رمی جمرة العقبة تھا اور اس میں رواۃ نے روایت بالمعنیٰ کردی،[۳] امام مالک فرماتے ہیں کہ عرفات کے دن زوال شمس ہو جائے بس تلبیہ قطع کردے۔

آگے فرماتے ہیں وَالِارْتِدَافِ فِي السَّيْرِ، کہتے ہیں کہ چلتے ہوئے کوئی آدمی اگر کسی کو اپنے پیچھے سوار کرلے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، جائز ہے گنجائش ہے۔

(ص ۲۲۸) بَابٌ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ —إلى قوله— حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

١٦٨٨ . حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ الْمُتْعَةِ فَأَمَرَنِي بِهَا وَسَأَلْتُهُ عَنِ الهَدْيِ فَقَالَ فِيهَا جَزُورٌ أَوْ بَقَرَةٌ أَوْ شَاةٌ أَوْ شِرْكٌ فِي دَمٍ قَالَ وَكَأَنَّ نَاسًا كَرِهُوهَا فَنِمْتُ فَرَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ إِنْسَانًا يُنَادِي حَجٌّ مَبْرُورٌ وَمُتْعَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ فَأَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ، سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ قَالَ وَقَالَ آدَمُ وَوَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ وَغُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عُمْرَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ وَحَجٌّ مَبْرُورٌ.

ترجمہ: باب، اس آیت کریمہ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ الخ کا بیان کہ جو شخص فائدہ اٹھائے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تو اس پر لازم ہے قربانی میں سے وہ جو میسر ہو، پھر جس کو قربانی نہ ملے تو وہ تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور

سات جب تم واپس لوٹو، یہ پورے دس روزے ہوئے، یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس رہنے والے نہ ہوں، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

روایت کا ترجمہ باب التمتع والإقران والإفراد بالحج میں گزر چکا

تشریح: حضرت امام بخاری حج کے سارے افعال ترتیب وار بیان کر چکے، وقوف عرفہ کا ذکر آ گیا اور پھر وہاں سے واپسی اور منٰی اور مزدلفہ کا وقوف آ گیا اور پھر مزدلفہ سے واپسی اور اس کا طریقہ معلوم ہو گیا اب حاجی منٰی پہنچ گیا، منٰی پہنچ کر جو سب سے اہم کام ہے وہ اس شخص کے حق میں جس کے پاس ہدی ہو نحر ہدی ہے اس لئے مصنف یہاں سے ہدایا کے ابواب منعقد فرما رہے ہیں۔

ہدایا کے سلسلہ میں سب سے بنیادی دلیل قرآن پاک کی آیت فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالعُمْرَةِ إِلَى الحَجِّ ہے اس لئے مصنف نے اسی کا اوّلاً ترجمہ منعقد فرمایا ہے، ہدی مفرد پر بالاتفاق واجب نہیں ہے، متمتع اور قارن پر ہدی واجب ہے، اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ واجب ہے اور داؤد ظاہری اور ابن حزم کہتے ہیں کہ واجب نہیں ہے۔

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الهَدْيِ: جو ہدی متمتع یا قارن پر واجب ہوتی ہے جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ایک شاۃ ہے اور ابن عمرؓ اور عائشہؓ وغیرہ سے منقول ہے الإبل والبقر خاصة۔

سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ المُتْعَةِ: ابوجمرہ نصر بن عمران ضبعی کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے متعہ یعنی تمتع کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے مجھے اجازت دے دی، سوال کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت عثمانؓ اور ان سے پہلے حضرت عمرؓ تمتع سے منع کرتے تھے تو ان کو کچھ تأمل ہو گیا تھا، ابن عباسؓ ساتھ تھے فرمایا کہ کوئی حرج کی بات نہیں کر سکتے ہو۔

وَسَأَلْتُهُ عَنِ الهَدْيِ: کہتے ہیں کہ میں نے ہدی کے متعلق سوال کیا کہ آیا جو ہدی متمتع پر واجب ہوتی ہے اس کا مصداق کیا ہے؟ فرمایا کہ ایک اونٹ یا ایک گائے یا ایک بکری یا کسی دم کے اندر شرکت یعنی گائے اور اونٹ میں شرکت، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، سعید بن مسیب اور اسی طرح اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

وَكَأَنَّ نَاسًا كَرِهُوهَا: لوگوں نے اس متعہ کو مکروہ سمجھا، ماقبل میں گزر چکا ہے کہ جب انہوں

نے تمتع کیا تو لوگ کہنے لگے تصیر الآن حجتک مکیۃ اب تو تمہارا حج مکی بن جائے گا یعنی قلیلۃ الثواب ہو جائے گا، پھر انہوں نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے حَجٌّ مَبْرُوْرٌ وَمُتْعَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ حضرت ابن عباسؓ کو سنایا بڑے خوش ہوئے اور فرمایا سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(ص ۲۲۹) بَابُ رُكُوبِ الْبُدْنِ

لِقَوْلِهِ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا — إِلَى قَوْلِهِ — وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ

قَالَ مُجَاهِدٌ: سُمِّيَتِ الْبُدْنَ لِبُدْنِهَا، وَالْقَانِعُ السَّائِلُ، وَالْمُعْتَرُّ الَّذِي يَعْتَرُّ بِالْبُدْنِ مِنْ غَنِيٍّ أَوْ فَقِيرٍ، وَشَعَائِرُ اللَّهِ اسْتِعْظَامُ الْبُدْنِ وَاسْتِحْسَانُهَا، وَالْعَتِيقُ عِتْقُهُ مِنَ الْجَبَابِرَةِ، يُقَالُ وَجَبَتْ سَقَطَتْ إِلَى الْأَرْضِ وَمِنْهُ وَجَبَتِ الشَّمْسُ.

۱۶۸۹. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ إِنَّهَا بَدَنَةٌ فَقَالَ ارْكَبْهَا قَالَ إِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الثَّانِيَةِ.

۱۶۹۰. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ وَشُعْبَةُ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا قَالَ إِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا قَالَ إِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا ثَلَاثًا.

ترجمہ: باب، قربانی کے جانور پر سوار ہونے کا مسئلہ، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ الآیۃ کہ ہم نے قربانی کے جانوروں کو تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا، ان میں تمہارے واسطے خیر ہے، تو اللہ کا نام لو ان پر اس حال میں کہ وہ قطار میں کھڑے ہوں، پھر جب وہ اپنے پہلو کے بل گر جائیں تو ان میں کھاؤ اور سائل و غیر سائل حاجت مند کو کھلاؤ، اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے لئے مسخر کیا تاکہ تم شکر ادا کرو، اللہ کے پاس ان کے گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتے لیکن اللہ کے پاس تمہارا تقوی پہنچتا ہے، اسی طرح اس نے ان جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس وجہ سے کہ اللہ نے تمہاری رہنمائی کی اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! نیک کام کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ قربانی کے جانوروں کو بدنہ ان کی فربہی کی وجہ سے کہا جاتا ہے، قانع کے معنی سائل کے ہیں، اور معترہ مالدار یا فقیر ہے جو قربانی کے جانوروں کے سامنے آئے، اللہ کی نشانیوں کی تعظیم سے ان کو فربہ اور اچھا کرنا مراد ہے، اور عتیق

سے بیت اللہ کا ظالم بادشاہوں سے آزاد ہونا مراد ہے، اور وَجَبَتْ زمین پر گرنے کے معنی میں آتا ہے، وَجَبَتُ الشَّمْسُ اسی سے ہے جس کے معنی سورج ڈوبنے کے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کے جانور کو ہنکا کر لے جا رہا ہے آپ نے اس سے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا کہ یہ ہدی ہے، آپ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا کہ یہ ہدی ہے، آپ نے تیسری مرتبہ یا دوسری مرتبہ فرمایا کہ تمہارا برا ہو، اس پر سوار ہو جاؤ۔ (اگلی روایت کا ترجمہ بھی یہی ہے)

تشریح: بدنہ پر سوار ہونے کا مسئلہ: یہ مختلف فیہا ہے، اس میں علماء کے پانچ قول ہیں۔

(۱) ابن عبد البر اور قاضی عیاض نے بعض ظاہریہ سے نقل کیا ہے کہ واجب ہے اور ان لوگوں نے دلیل یہ پیش کی کہ رسول اکرم ﷺ نے سائق البدنہ سے یوں فرمایا تھا اِرْکَبْهَا، لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ **قضایا الأحوال لاتدل علی الوجوب**، اور یہاں پر یہ احتمال بہر حال ہے چاہے حضور اکرم ﷺ نے اضطرار و مجبوری کی وجہ سے رکوب کا امر فرمایا ہو، لہذا علی الاطلاق رکوب کا وجوب روایت سے اخذ نہیں کیا جاسکتا ہے، (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ مباح ہے، یہ ابن نافع نے حضرت امام مالک سے نقل کیا ہے اور شعبی نے احمد واسحاق سے نقل کیا ہے، (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ بضرورت وحاجت جائز ہے، امام ترمذی نے یہی امام شافعی، احمد اور اسحاق سے نقل کیا ہے اور امام نووی نے حضرت امام شافعی سے یہی قول نقل کیا ہے، (۴) چوتھا قول یہ ہے کہ الجاء واضطرار کی صورت میں جائز ہے یہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔

حضرت امام شافعی نے کتاب الام میں اضطرار کے لفظ کی تصریح کی ہے لیکن حضرات شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس کو حاجت پر محمول کرتے ہیں، حنفیہ کہتے ہیں کہ حاجت اور چیز ہے اور الجاء واضطرار کا درجہ اس سے آگے کا ہے، اور اس کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ دیکھو! حاجت کہتے ہیں کسی ضرورت کو اور ہر ضرورت کے لئے یہ لازم نہیں کہ آدمی وہاں مجبور ہو جائے اور الجاء میں مجبوری ہوا کرتی ہے۔

احناف کی دلیل کیا ہے؟ امام مسلم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے آپ نے سائق البدنہ سے ارشاد فرمایا تھا اِرْکَبْهَا بِالْمَعْرُوفِ إِذَا أُلْجِئْتَ إِلَيْهَا تو حضور اکرم ﷺ نے خود یہ فرما دیا کہ جب تم کو الجاء واضطرار کی حالت حاصل ہو جائے تو تم اس پر رکوب کر سکتے ہو۔

پھر یہ سمجھو کہ اسی روایت میں آگے حَتّٰى تَجِدَ ظَهْرًا بھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب آدمی کو ضرورت

باقی نہ رہے تو رکوب ترک کردے، مثلاً اگر کوئی دوسری سواری مل جائے تو دوسری سواری پر سوار ہو بدنہ ہی پر لگا نہ رہے، یہی حضرات حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے، بعض مالکیہ جیسے ابن قاسم وغیرہ فرماتے ہیں کہ جواز حاجت کے بعد بھی اور دوسری سواری مل جانے کے بعد بھی رکوب جائز ہے۔

(۵) پانچواں قول سنو! قاضی ابوبکر بن العربی المالکی فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ کے نزدیک رکوب علی البدنہ ناجائز ہے اور اس کے بعد قاضی ابن العربی بہت گرجے اور برسے ہیں اور بہت بہت ناراض ہوئے ہیں۔

لیکن مختصر جواب یہ ہے کہ ھذا بناء الفاسد علی الفاسد ابو حنیفہ نے کب رکوب کے جواز سے انکار کیا ہے جو آپ ان کے اوپر اس قدر ناراض اور برہم ہیں۔

یہ جو مسئلہ میں نے بیان کیا ہے رکوب والا، یہ تو ایک مسئلہ تھا کہ رکوب جائز ہے۔

اور دوسرا مسئلہ میں نے ضمناً بیان کر دیا وہ یہ کہ اگر ضرورت ختم ہو جائے تو اس کے بعد بدنہ چھوڑ دینا چاہئے یہ جمہور کا قول ہے، ابن قاسم مالکی کے نزدیک اس کے بعد بھی رکوب جائز ہے۔

اگر رکوب کی وجہ سے نقص پیدا ہو جائے: اگر رکوب کی وجہ سے اگر بدنہ میں کوئی نقص پیدا ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ فرماتے ہیں کہ ضمان واجب ہوگا، مالکیہ کہتے ہیں کہ بلا ضرورت اگر سوار ہو تو تاوان واجب ہے، اور اگر بضرورت سوار ہو گیا اور کوئی نقص پیدا ہو گیا تو اس کا کوئی تاوان اس پر واجب نہیں ہوگا، یہ تین مسئلے ہو گئے۔

لِقَوْلِهٖ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ: بُدن کی تفسیر میں علماء کے تین قول ہیں، (۱) الابل وھو القول المشھور، (۲) الابل والبقر قاله جابر، (۳) الابل والبقر والغنم، علامہ سفارینی نے نفثات الصدر المخمد میں یہ لکھا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کا معتمد مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی علی الاطلاق بدنہ کی نذر مانتا ہے تو وہ ایک گائے ذبح کرلے اور اگر کوئی خاص نیت کرتا ہے تو نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔

لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ: اس سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے، اللہ نے بدنات میں تمہارے لئے خیر رکھ دی ہے یہ اپنے عموم کی وجہ سے رکوب کو بھی شامل ہے۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ: یعنی تم اس کا نحر کرو اللہ کا نام لیکر اس حال میں کہ صوافّ

ہوں، صوافّ یعنی جانور تین قدموں پر قائم رہے۔

سُمِّيَتِ الْبُدْنَ لِبُدْنِهَا: یعنی بُدن کو بدن کہا جاتا ہے ان کی بدانت یعنی ضخامت کی وجہ سے۔

وَالْمُعْتَرُّ الَّذِي يَعْتَرُّ بِالْبُدْنِ مِنْ غَنِيٍّ أَوْ فَقِيرٍ: قانع جو مانگے، اور معتر وہ ہے جو سامنے آجائے اور سوال نہ کرے چاہے وہ غنی ہو یا فقیر۔

وَشَعَائِرُ اللّٰهِ اسْتِعْظَامُ الْبُدْنِ وَاسْتِحْسَانُهَا: یوں فرمایا اللہ میاں نے جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ، شعائر اللہ کی تفسیر مجاہد کرتے ہیں اسْتِعْظَامُ الْبُدْنِ سے یعنی بدنات کو فربہ کرنا چاہئے خوب کھلانا پلانا اور موٹا کرنا چاہئے، یہاں ظاہراً تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ میں شعائر اللہ کی تفسیر مقصود ہے، لیکن بظاہر یہ دوسری آیت کی تفسیر ہے اور وہ آیت وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ الله فإنها من تقوى القلوب ہے، یہاں پر تعظیم شعائر سے مراد استعظام بُدن ہے، دیلمی کی روایت میں ہے استفرهوا ضحايا كم فإنها على الصراط مطايا كم، اور تم لوگ خطبۂ اضحیہ میں پڑھتے ہو سمّنوا اضحایا کم بایں الفاظ یہ روایت کتب حدیث میں میری معلومات میں موجود نہیں ہے۔

وَالْعَتِيقُ عِتْقُهُ مِنَ الْجَبَابِرَةِ: محشی نے لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ ولیطوّفوا بالبیت العتیق کی شرح ہے اور یہ بتلا رہے ہیں کہ بالبیت العتیق میں عتیق سے مراد محرر آزاد کردہ ہے، اور بیت اللہ کو عتیق اس لئے کہا گیا کہ وہ جبارین سے آزاد ہے کسی جبار کا اس پر قبضہ نہیں ہو سکتا ہے دست اندازی نہیں کر سکتا ہے۔

اور باقی جو کچھ قرامطہ نے کیا حقیقۃً اس بیت کے ساتھ ان کا تعلق نہیں تھا بلکہ وہ تو مسلمانوں کے ساتھ عداوت رکھتے تھے اور مسلمانوں ہی کو قتل کرنا چاہتے تھے چونکہ ان کو وہ اپنے عقیدہ میں مخالف سمجھتے تھے۔

فائدہ: ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ تفسیر مصنف نے بدنات کے سلسلہ میں ذکر کی ہے کوئی ایسی آیت ہونی چاہئے جس کا بدنہ سے تعلق ہو لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس سے آیت کریمہ ثم محلّها إلى البيت العتيق مراد ہو، واقعہ یہ ہے کہ حضرت دامت برکاتہم نے جو آیت منتخب کی ہے وہی صحیح ہے اور یہ اسی کی تفسیر ہے اگرچہ یہ تفسیر دوسری آیت پر بھی منطبق ہو سکتی ہے۔

(ص ۲۲۹) بَابُ مَنْ سَاقَ الْبُدْنَ مَعَهُ

۱۶۹۱ . حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ وَأَهْدَى فَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَبَدَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ أَهَلَّ بِالْحَجِّ فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ أَهْدَى فَسَاقَ الْهَدْيَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ أَهْدَى فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لِشَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَجَّهُ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَهْدَى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ فَطَافَ حِينَ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ أَوَّلَ شَيْءٍ ثُمَّ خَبَّ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ وَمَشَى أَرْبَعًا فَرَكَعَ حِينَ قَضَى طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَأَتَى الصَّفَا فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ أَطْوَافٍ ثُمَّ لَمْ يَحْلِلْ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتَّى قَضَى حَجَّهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ يَوْمَ النَّحْرِ وَأَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ وَفَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَهْدَى وَسَاقَ الْهَدْيَ مِنَ النَّاسِ.

۱۶۹۲ . وَعَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي تَمَتُّعِهِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَهُ بِمِثْلِ الَّذِي أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

ترجمہ: باب، بدنہ ساتھ لے جانے کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر کیا، اور ذوالحلیفہ سے اپنے ساتھ ہدی لی، رسول اللہ ﷺ نے حج شروع فرمایا تو عمرہ کا احرام باندھا اور پھر حج کا تلبیہ کہا تو لوگوں نے آپ کے ساتھ عمرہ اور حج دونوں کئے، پھر لوگوں میں کچھ وہ تھے جنہوں نے ہدی پیش کی اور اس کو ساتھ لائے، کچھ وہ تھے جنہوں نے ہدی پیش نہیں کی، تو جب پیغمبر ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو ہدی لایا ہے وہ ان چیزوں میں سے کسی سے حلال نہ ہو جو اس پر حرام ہیں یہاں تک کہ اپنا حج پورا کرلے، اور تم میں سے جو ہدی نہیں لایا ہے اس کو چاہئے کہ وہ بیت اللہ کا طواف کرے صفا اور مروہ کی سعی کرے اور احرام کھول دے، پھر حج کا احرام باندھے، اور جو ہدی نہ پائے تو وہ تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات روزے اس وقت جب اپنے گھر والوں کے پاس واپس لوٹ جائے۔

تو آپ جب مکہ آئے تو آپ نے طواف کیا، سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کیا، پھر تین شوط تیز گامی سے چلے اور چار شوط معمول کی رفتار سے چلے، جب آپ نے بیت اللہ کا طواف کرلیا تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت پڑھیں، پھر سلام پھیرا، پھر واپس

ہوئے اور صفا کے پاس آئے، صفا اور مروہ کی سات چکر سعی کی، پھر ان چیزوں میں سے کسی چیز سے حلال نہیں ہوئے جو آپ پر احرام کی وجہ سے حرام تھیں یہاں تک کہ اپنا حج پورا فرمایا، اپنی ہدی کا نحر کیا اور منی سے واپس لوٹے اور بیت اللہ کا طواف کیا، پھر ہر اس چیز سے حلال ہوئے جو احرام کی وجہ سے حرام ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی طرح ان صحابہ نے بھی کیا جنہوں نے ہدی پیش کی تھی اور ہدی ساتھ لائے تھے۔

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ ان سے حضرت عائشہؓ نے پیغمبر ﷺ کے تمتع کے بارے میں بیان کیا کہ آپ نے عمرے کے ساتھ حج بھی کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ تمتع کیا، اور حضرت عروہ نے ایسی ہی حدیث بیان کی جیسی سالم نے حضرت ابن عمرؓ سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے بیان کی۔

تشریح: اگر کوئی آدمی اپنے ساتھ قربانی کا جانور لیکر جائے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے، علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اپنے ساتھ بدنات کو لیکر جانا سنت ہے، یہی حضرت امام بخاری کی مراد ہے۔

امام ابو حنیفہ سے یہ نقل کیا گیا کہ سوق البدنات والہدی سنت نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے سوق ہدی اس واسطے نہیں فرمایا کہ یہ کوئی سنت ہے، بلکہ آپ کا مسکن حرم سے خارج تھا اس لئے بضرورت آنحضور ﷺ سوق ہدی فرمارہے تھے اور باہر سے ہدی اپنے ساتھ لیکر جارہے تھے۔

تَمَتَّعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الوَدَاعِ: حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں تمتع فرمایا۔

یہ مسئلہ میں بیان کر چکا ہوں کہ آنحضور ﷺ متمتع تھے یا مفرد تھے یا قارن؟ محققین علماء کی رائے یہ ہے کہ آنحضور ﷺ قارن تھے، یہی امام احمد کی رائے ہے اور محققین مالکیہ اور شافعیہ قاضی عیاض، ابن حجر وغیرہ نے اس کا اعتراف کیا ہے، مسئلہ کی تفصیل باب التمتع والإقران میں گزر چکی ہے۔

وَأَهْدَى فَسَاقَ مَعَهُ الهَدْيَ: یہ ہے مقصود بالترجمہ۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ آدمی اپنے ساتھ ہدی لے جائے، یعنی جو شخص حرم سے باہر کا رہنے والا ہو وہ اپنے ساتھ حِلّ سے ہدی خرید کر لے جائے، اور اگر کسی نے حرم سے ہدی خریدی تو حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کو عرفات ساتھ لے جانا ضروری ہے تاکہ جمع بین الحرم والحل ہو جائے اور اگر عرفات نہیں لے گیا تو اس کے ذمہ اس کا بدل واجب ہو گا، یہی لیث بن سعد کا مسلک ہے، جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ

واجب نہیں ہے۔

وَبَدَأَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَأَهَلَّ بِالعُمْرَةِ: امام طحاوی نے اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّلاً عمرہ کا احرام باندھا تھا پھر حج کا اور آپ قارن تھے، یہی صورت ابو حاتم بن حبان البستی نے اختیار فرمائی ہے، لیکن اس سیاق پر اشکال ہے کہ یہ سیاق عام سیاقات کے خلاف ہے، صرف اسی ایک طریق میں وَبَدَأَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَأَهَلَّ بِالعُمْرَةِ ثُمَّ أَهَلَّ بِالحَجِّ وارد ہوا ہے، اسی لئے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو مرجوح قرار دیا ہے۔

ثُمَّ خَبَّ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ وَمَشَى أَرْبَعًا: اس سے بعض حضرات نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قارن دو طواف کرے گا اس لئے کہ یہاں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف پیروں پر چل کر کئے، اور یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنے بعیر پر طواف کیا ہے جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے، لیکن یہ استدلال میرے نزدیک ضعیف ہے اس لئے کہ طواف قدوم ماشیاً تھا اور طواف افاضہ راکباً تھا، اس سے کیا تکرار پر استدلال ہو سکتا ہے؟

(ص ۲۲۹) بَابُ مَنِ اشْتَرَى الْهَدْيَ مِنَ الطَّرِيقِ

۱۶۹۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ لِأَبِيهِ أَقِمْ، فَإِنِّي لَا آمَنُهَا أَنْ سَتُصَدُّ عَنِ الْبَيْتِ قَالَ إِذًا أَفْعَلُ كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَدْ قَالَ اللَّهُ {لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ} فَأَنَا أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ أَوْجَبْتُ عَلَى نَفْسِي الْعُمْرَةَ فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ مِنَ الدَّارِ قَالَ ثُمَّ خَرَجَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالْبَيْدَاءِ أَهَلَّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَقَالَ مَا شَأْنُ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ إِلَّا وَاحِدٌ ثُمَّ اشْتَرَى الْهَدْيَ مِنْ قُدَيْدٍ ثُمَّ قَدِمَ فَطَافَ لَهُمَا طَوَافًا وَاحِدًا فَلَمْ يَحِلَّ حَتَّى حَلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو ہدی راستے سے خریدے۔

ترجمہ باب طواف القارن میں گزر چکا

تشریح: حضرت امام بخاری نے دو صورتیں بیان فرمائیں، اوّلاً یہ کہ ۱ اولیٰ یہ ہے کہ آدمی اپنے ساتھ سوق ہدی کرے جیسا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے ۲ دوسری صورت کہ اگر یہ ممکن نہ ہو تو راستہ میں سے

ہدی خرید لے اور اس کی بھی حدیث پاک میں اصل موجود ہے۔

(ص ۲۲۹) بَاب مَنْ أَشْعَرَ وَقَلَّدَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ أَحْرَمَ

وَقَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا أَهْدَى مِنَ الْمَدِينَةِ قَلَّدَهُ وَأَشْعَرَهُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ يَطْعُنُ فِي شِقِّ سَنَامِهِ الْأَيْمَنِ بِالشَّفْرَةِ وَوَجْهُهَا قِبَلَ الْقِبْلَةِ بَارِكَةً.

۱۶۹۴و۱۶۹۵ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ قَالَا خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ مِنَ الْمَدِينَةِ فِي بِضْعَ عَشْرَةَ مِائَةً مِنْ أَصْحَابِهِ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِذِي الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ النَّبِيُّ ﷺ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَ وَأَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ.

۱۶۹۶. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا أَفْلَحُ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ النَّبِيِّ ﷺ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا وَأَشْعَرَهَا وَأَهْدَاهَا فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ أُحِلَّ لَهُ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو ذوالحلیفہ میں اشعار کرے اور ہدی کے گلے میں ہار ڈالے پھر احرام باندھے۔

نافع نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمرؓ جب مدینہ منورہ سے ہدی لیتے تھے تو اس کے گلے میں ہار ڈالنے اور اس کو اشعار کرنے کا عمل ذوالحلیفہ میں انجام دیتے تھے، وہ اس کے کوہان کی دائیں جانب چھری سے چیر کر نشان لگاتے تھے اس حال میں کہ جانور کا چہرہ قبلہ کی طرف ہوتا تھا اور وہ جانور بیٹھا ہوا ہوتا تھا۔

مسور بن مخرمہ اور مروان نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ حدیبیہ کے زمانے میں مدینہ منورہ سے ایک ہزار سے زائد چند سو صحابہ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ جب وہ ذوالحلیفہ میں تھے تو پیغمبر ﷺ نے ہدی کی گردن میں ہار ڈالا، اشعار کیا اور پھر عمرہ کا احرام باندھا۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ کی ہدی کے اونٹوں کے لئے ہار میں نے اپنے ہاتھ سے بٹے، پھر آپ نے ان اونٹوں کی گردن میں وہ ہار ڈالے، ان کا اشعار کیا اور ان کو روانہ کیا لیکن آپ پر ایسی کوئی چیز حرام نہیں ہوئی جو آپ کے لئے حلال کی گئی تھی۔

تشریح: اشعار کے معنٰی لغت میں ہے اعلام (خبر دینا)، اور اصطلاح حج میں اشعار یہ ہے کہ برچھا لیکر ہلکا سا ہاتھ اونٹ کے کوہان پر مار دیا جائے جس سے کھال کٹ جائے اور خون باہر آجائے۔

امام بخاری نے اِشعار کا مسئلہ باب اشعار البدن میں اگلے صفحہ پر بیان کیا ہے مگر تفصیل یہیں سن لیجئے۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اشعار سنت ہے، امام ابوحنیفہ نے اس کا انکار کیا ہے۔

مسئلۂ اِشعار: یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں امام ابوحنیفہ پر بڑی تشدید کی گئی، امام ترمذی نے یہاں پہنچ کر صراحت کے ساتھ امام صاحب پر رد کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے علم کا مکلف ہے۔

امام ابوحنیفہ کی طرف سے اس کے کئی جوابات ہیں۔

(۱) بہت ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہ کو اشعار کی حدیث مستند طریقوں سے نہ پہنچی ہو اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں امام صاحب اس کے قائل نہیں ہوسکتے کیوں کہ صورۃً یہ اِیلام ذابہ ہے اور کسی کو تکلیف پہونچانے کی اجازت نہیں، حضور ﷺ سے تو یہاں تک منقول ہے إيايَ أن تتخِذوا ظهورَ دوابِكم منابرَ ---- وجعلَ لكُم الأرضَ فعليها فاقْضُوا حاجَاتِكم رواه أبو داؤد۔

لیکن جمہور علماء نے حدیثِ اِشعار کی صحت اور بخاری و مسلم میں وارد ہونے کی وجہ سے اس کو تسلیم کیا ہے، خود علماء احناف میں امام ابویوسف اور امام محمد اشعار کے قائل ہیں۔

(۲) بعض علماء نے امام ابوحنیفہ کی طرف سے دوسرا جواب دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے اہل زمانہ کے اشعار کو مکروہ سمجھا ہے وہ لوگ اشعار کرنے میں بے احتیاطی کرتے تھے جس سے زخم کے سرایت کر جانے کا خطرہ ہوتا تھا، امام طحاوی اور ابو منصور ماتریدی اور بہت سے علماء نے یہی جواب دیا ہے۔

بعض علماء نے اس پر یہ اشکال کیا کہ اگر حضرت امام کی مراد یہ ہوتی تو پھر وہ مختصر الفاظ میں یہ کہہ دیتے الإشعار سنة ولكن ينبغي أن يحتاط ولا يبالغ في الطعن۔

(۳) بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اشعار علی التقلید کو مکروہ کہا ہے، یعنی تقلید پر اِشعار کی ترجیح کو مکروہ سمجھا ہے، لیکن یہ جواب تشفی بخش نہیں ہے اس واسطہ کہ ترجیح کے مکروہ ہونے کیلئے دلیل چاہئے، نیز امام صاحب سے جو بات نقل کی جاتی ہے اس میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے جبکہ دونوں حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

(۴) بعضوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اصل میں اِشعار مثلہ ہے اور مثلہ منسوخ ہوچکا، نبی اکرم ﷺ نے

ارشاد فرمایا لاتمثلوا، رواہ مسلم، لیکن اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ لاتمثلوا کی ممانعت تو بہت مقدم ہے اور اِشعار کا واقعہ بالکل وفات کے قریب حجۃ الوداع کے سال سن ۱۰ھ کا ہے، تو متأخر کو متقدم کیسے نسخ کر سکتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ جواب بلا کسی تأمل کے غلط ہے۔

اقرب وہی معلوم ہوتا ہے جو پہلے ذکر کیا گیا کہ بظاہر امام صاحب کو اشعار کی حدیث مستند طریقوں سے نہیں پہنچی یا پھر کوئی اشتباہ لگ گیا والعلم عند اللہ۔

بہر حال جیسا کہ بتایا گیا کہ اشعار ائمۂ ثلاثہ کے یہاں سنت ہے، صاحبین اس کو حسن و مستحب کہتے ہیں۔

اِشعار کس جانب: پھر اس میں اختلاف ہے کہ اشعار کس جانب کیا جائے؟ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف اور امام ابو ثور فرماتے ہیں کہ اس کے شق ایمن میں اور امام مالک، امام محمد، امام احمد فی روایۃ فرماتے ہیں کہ شق ایسر میں۔

دلائل: جو لوگ شق ایمن کو سنت کہتے ہیں وہ ابن عباسؓ کی حدیث سے جو مسلم شریف میں وارد ہوئی ہے فَأَشْعَرَهَا فِي سَنَامِهَا الْأَيْمَنِ سے استدلال کرتے ہیں، اور دوسری دلیل ابن عمرؓ کا وہ اثر ہے جو امام بخاری نے اس باب میں ذکر کیا ہے يَطْعَنُ فِي شِقِّ سَنَامِهِ الْأَيْمَنِ بِالشَّفْرَةِ۔

جو لوگ شق ایسر کے قائل ہیں ان کی طرف سے ایک دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ مسند ابو یعلیٰ میں أشعرها في صفحة سنامها الأيسر وارد ہوا ہے، لیکن حافظ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، حافظ عبد الحق اشبیلی اور حافظ ابو الحسن بن قطان فاسی نے بھی ان کا اتباع کیا ہے، ابن قطان کہتے ہیں کہ بظاہر روایت میں تحریف ہو گئی أیمن کا أیسر بن گیا، علامہ قاسم بن قطلوبغا نے تصحیف کے دعوے کو بعید قرار دیا ہے، لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایسا ہو جانا بعید نہیں، عجیب عجیب تحریف واقع ہوتی ہے۔

تحریف کے واقعات: ایک جگہ میں نے پڑھا رواہ الترمذی فی فضل القتلیٰ پوری کتاب الجہاد دیکھی نہیں ملا، ابواب سیر دیکھے روایت نہیں ملی، کتاب الجنائز دیکھی نہیں ملی، یا اللہ یہ ہے کہاں؟ خیر وہ اتفاق کہ بعض دیگر کتابوں سے رہنمائی ہوئی اور معلوم یہ ہوا کہ لفظ ہے رواہ الترمذی فی فضل العباس فضل العباس کو کاتب نے فضل القتلیٰ بنا دیا، اگر عباس کی تحریف ہو کر قتلیٰ ہو سکتا ہے تو ایمن کا ایسر بن جانا کوئی عجیب بات

نہیں۔

ابھی قریب میں ایک کتاب چھپی اس میں بہت سی باتیں تھیں، ایک سلسلہ کلام میں وارد ہوا ینبغی اس کو محقق نے پڑھافی، اب فی وہاں پر فٹ نہیں ہوا تو انہوں نے اپنی طرف سے لکھا یجب، اتفاق سے ان محقق کے ایک بڑے تلمیذ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ مجھ کو ایسا لگتا ہے کہ یہ یجب وغیرہ نہیں ہے یہاں کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے، اس وقت تو ذہن نہیں گیا پھر یہ سمجھ میں آیا کہ یہ ینبغی تھا تحریف ہو کر کے فی بن گیا، بات کچھ ہوتی ہے پہنچ کہیں جاتی ہے اور یہ تحریف کرنے والے تو معلوم نہیں کیا کیا تحریف کرتے رہتے ہیں اور یہاں (طلبہ میں) تو ہر وقت تحریف کا آمنا سامنا رہتا ہے، میں کچھ کہتا ہوں لکھنے والے کچھ لکھ کر مجھے دے دیتے ہیں۔

وَقَلَّدَ: تقلید قلادہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہار کے ہیں، یہاں مراد ہدی کے گلے میں کسی چمڑے یا رسی کے ہار میں چپل یا مزادہ یا اس کا کوئی ٹکڑا لٹکا دینا، قلادہ پہنانا بالاتفاق مستحب ہے البتہ جانوروں میں سے بعض کا بعضوں نے استثناء کیا ہے جس کا تذکرہ آئندہ آرہا ہے۔

اس ترجمۃ الباب کی غرض میں اختلاف ہے۔

(۱) علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آدمی کو اپنے شہر کے میقات سے اشعار وتقلید کرنا چاہئے، یہی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک ہے اور حنفیہ کے مسائل دیکھنے سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے، ابن زبیر، عروہ اور عطاء وغیرہ سے یہی منقول ہے، اس پر تنبیہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض سلف عرفات میں اشعار کے قائل تھے، ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کانوا یشعرون یوم الترویۃ، اور اسود سے منقول ہے کہ وہ یوم عرفہ میں اشعار کرتے تھے، اور بھی دوسرے حضرات سے یہ منقول ہے تو امام بخاری نے ان لوگوں پر رد کر دیا اور حدیث مرفوع سے یہ ثابت کر دیا کہ اشعار وتقلید میقات پر ہونی چاہئے۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے مجاہد پر رد کیا ہے جو یہ فرماتے تھے لَا یُشْعِرُ حَتّٰی یُحرِم، جب تک آدمی احرام نہ باندھ لے اس وقت تک اشعار نہ کرے۔

پہلے احرام یا اِشعار وتقلید: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آدمی پہلے احرام باندھے پھر اشعار کرے یا پہلے اشعار وتقلید کرے اس کے بعد احرام باندھے؟ مجاہد تقدیم الاحرام علی الاشعار کے قائل ہیں، اور امام مالک،

امام شافعی وغیرہ حضرات تقدیم الاشعار والتقلید علی الاحرام کے قائل ہیں، امام بخاری نے بھی انہیں کی موافقت کی ہے اس لئے کہتے ہیں مَنْ أَشْعَرَ وَ قَلَّدَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ أَحْرَمَ۔

حنفیہ اپنی کتابوں میں امام ابو حنیفہ کے اقوال نقل کرتے ہیں جب اس مسئلہ پر پہونچتے ہیں تو اشعار کو تو لیتے نہیں کیوں کہ امام صاحب اشعار کے قائل نہیں تقلید کو لیتے ہیں اور مسئلۂ احرام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ آدمی پہلے تلبیہ پڑھے پھر تقلید کرے تاکہ احرام تقلید سے قائم نہ ہو بلکہ تلبیہ سے قائم ہو۔

اس کی وضاحت: اگر آپ کو احرام کی حقیقت معلوم ہو گی تو سمجھ میں آگئی ہو گی، پہلے بتایا جاچکا ہے کہ ۱؂ جمہور کہتے ہیں کہ صرف نیت سے احرام محقق ہو جائے گا، ۲؂ حنفیہ اور بعض مالکیہ اور بعض حنابلہ کہتے ہیں کہ احرام کے تحقق کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک نیت اور دوسرے قول تعظیمی، یعنی ایسا قول جو تعظیم خالص غیر مشوب بالغرض پر دلالت کرتا ہو اور اس کا سب سے افضل فرد تلبیہ ہے، اور اگر قول نہیں تو پھر کوئی خصوصیت ہو، خصوصیت سے مراد وہ فعل ہے جو حج کے ساتھ خاص ہے جیسے سوق ہدی، تقلید وغیرہ۔

تو اب اگر کسی آدمی نے احرام کی نیت کے وقت پہلے تقلید کرلی تو وہ تقلید کی وجہ سے مُحرم ہو گیا، لیکن اولیٰ یہ ہے کہ بجائے تقلید کے ذریعہ مُحرم بننے کے تلبیہ کے ذریعہ مُحرم بنے کیوں کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے احرام کے وقت تلبیہ ہی پڑھا تھا۔

(۳) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنے اس ترجمۃ الباب سے ان فقہاء پر رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ محض تقلید سے آدمی مُحرم ہو جاتا ہے، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، امام مالک اور امام شافعی وغیرہ کے یہاں تو کوئی محض تقلید سے مُحرم نہیں ہو سکتا، امام احمد اور اسحاق فرماتے ہیں کہ اگر تقلید بنیۃ الاحرام ہو تو مُحرم ہو جائے گا، امام محمد بھی اسی بات کے قائل ہیں، علامہ ابن ہمام ان کے کلام کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تین شرطیں جب پائی جائیں گی جب احرام کا تحقق ہو گا، (۱) نیت، (۲) تقلید، (۳) توجہ الی البیت، تو امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ان سب لوگوں پر رد کیا ہے۔

حضرت شیخ نے اپنے تراجم کے مسودہ میں صراحت سے لکھا ہے کہ بخاری نے اس ترجمہ سے حنفیہ پر رد کیا ہے اسی لئے فرمایا مَنْ أَشْعَرَ وَ قَلَّدَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ أَحْرَمَ، اگر کوئی اشعار و تقلید کرے اسکے بعد احرام باندھے تو سنت

میں اس کی اصل موجود ہے، اس سے صاف یہ معلوم ہو گیا کہ محض تقلید سے کوئی مُحرِم نہیں ہو گا۔

یہاں پر امام بخاری نے جو روایتیں ذکر کی ہیں وہ سب نہ تو ابن بطال کی ذکر کردہ غرض کے مطابق ہیں نہ حافظ ابن حجر کی ذکر کردہ غرض کے۔

اس لئے کہ امام بخاری نے یہاں پہلی روایت مسور بن مخرمہؓ سے نقل کی ہے اس میں قَلَّدَ النَّبِيُّ ﷺ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَ وَأَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ وارد ہوا ہے، اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ احرام کا تحقق بعد میں ہوا الا یہ کہ ترتیب ذکری سے اس ترتیب پر استدلال کیا جائے۔

دوسری روایت جو حضرت عائشہؓ سے نقل کی اس میں احرام کا تذکرہ ہی نہیں، لیکن حافظ کہتے ہیں کہ اس میں تقلید و اشعار کا ذکر ہے احرام کا ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا کہ تقلید و اشعار مقدم ہے اور اس کے لئے احرام شرط نہیں، بات بالکل صاف ہو گئی، لیکن اس روایت میں ذوالحلیفہ کا کوئی ذکر نہیں تو یہ روایت ابن بطال کے دعوے کو ثابت نہیں کرتی۔

حضرت شیخ نے جو غرض اختیار فرمائی ہے وہ بالکل صاف صاف ثابت ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ محض تقلید سے کوئی شخص مُحرِم نہیں ہوتا اسی لئے تقلید کا تذکرہ پہلے اور احرام کا بعد میں ہے بلکہ دوسری روایت میں تقلید کا ذکر ہے اور احرام کا کوئی تذکرہ ہی نہیں۔

(۴) ایک بات اپنے ذہن میں آتی ہے و الغیب عند اللہ وہ یہ کہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے کئی مسائل بیان کئے ہوں اور مجموعۂ ترجمہ کو مجموعۂ مافی الباب سے ثابت کیا ہو، انہوں نے ترجمہ میں اشعار کو بھی ذکر کیا ہے، موضع اشعار کو بھی، اور تقلید کو بھی ذکر فرمایا ہے، اور ذوالحلیفہ میں اشعار و تقلید کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعد پھر احرام کا تذکرہ کیا ہے، تو امام بخاری نے اشعار ثابت فرمایا ہے روایات اور ابن عمرؓ کے اثر موقوف سے، اور تقلید کو بھی تینوں روایت سے ثابت فرمایا ہے، اور تقدیم التقلید والاشعارِ علی الاحرام کو مسورؓ اور عائشہؓ کی روایتوں سے اس تقریر پر ثابت کیا ہے جو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں، اور تقلید و اشعار بالمیقات کا مسئلہ مسورؓ کی روایت سے اخذ فرمایا ہے۔

اور حضرت شیخ نے جو مسئلہ ذکر کیا ہے وہ سب سے نکلتا ہے اس لئے کہ اس میں تقلید و اشعار کا تذکرہ ہے یا تو

احرام سے پہلے ہے یا دونوں کا تذکرہ ہے، بعض روایات میں احرام کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے۔

(ص ۲۳۰) بَاب فَتْلِ الْقَلَائِدِ لِلْبُدْنِ وَ الْبَقَرِ

١٦٩٧. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا شَأْنُ النَّاسِ حَلُّوا وَلَمْ تَحْلِلْ أَنْتَ؟ قَالَ إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي وَقَلَّدْتُ هَدْيِي فَلَا أَحِلُّ حَتَّى أَحِلَّ مِنَ الْحَجِّ.

١٦٩٨. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُهْدِي مِنَ الْمَدِينَةِ فَأَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِهِ ثُمَّ لَا يَجْتَنِبُ شَيْئًا مِمَّا يَجْتَنِبُهُ الْمُحْرِمُ.

ترجمہ: باب، اونٹ اور گائے کے لئے قلادے بٹنے کا بیان۔

ترجمہ باب التمتع و الإقران و الإفراد بالحج میں گزر چکا ہے

تشریح: بدنات کی تحقیق تو ما قبل میں ہو چکی ہے، یہاں بقر کا بُدن سے تقابل اس بات کا مقتضی ہے کہ مصنف بُدن بول کر ابل مراد لے رہے ہیں، مصنف کا مقصد یہ ہے کہ چاہے ہدی از قبیل ابل ہو یا از قبیل بقر دونوں کے لئے جب تقلید کی جائے گی تو اس کے قلائد بٹنے چاہئیں۔

تقلید ابل کا مسئلہ اجماعی ہے اور تقلید بقر کا مسئلہ مختلف فیہا ہے، حضرات ائمۂ اربعہ قائل ہیں اور ابن حزم اس کا انکار کرتے ہیں، امام بخاری اس مسئلہ میں ائمۂ اربعہ کے ساتھ ہیں۔

حضرت امام بخاری نے اس باب میں تقلید بُدن اور بقر کا ذکر فرمایا اور تقلید غنم کا ذکر نہیں فرمایا، اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام بخاری مسئلۂ تقلید غنم میں شافعی و احمد کے خلاف اور مالک و ابو حنیفہ کے موافق ہیں اور ان کی رائے ہے کہ غنم کو قلادہ نہیں پہنایا جائے گا، لیکن یہ غفلت ہے، امام بخاری نے اسی صفحہ پر دو بابوں کے بعد مستقلاً بَابُ تَقْلِيدِ الْغَنَمِ منعقد کیا ہے۔

امام نے اس باب میں جو روایت ذکر کی ہے اس میں تقلید ہدی کا ذکر ہے بقر کی کوئی تصریح ہے نہیں تو پھر

مصنف نے تقلید بقر کہاں سے اخذ کی ہے؟ یہ چیز غور طلب ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ہدی اپنے عموم کی وجہ سے ابل وبقر دونوں کو شامل ہے، اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ لفظ ہدی خاص طور سے ابل ہی کے لئے بولا جاتا ہے تو یہ کہا جائے کہ امام بخاری نے بقر کو استدلالی طور پر ثابت کیا ہے، کیوں کہ ابل کو بدنہ اس کی بدانت کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور یہ معنی بقر میں بھی ہوتے ہیں، نیز احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج کی طرف سے نحر اور ذبح کرنا حجۃ الوداع میں ثابت ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يُهْدِي مِنَ الْمَدِينَةِ: چونکہ بعض صحابہ کا مسلک یہ تھا کہ اگر کوئی آدمی تقلید ہدی کر دے تو اس کے بعد اس کو ان تمام چیزوں سے بچنا ضروری ہے جن سے مُحرم اجتناب کرتا ہے اس لئے حضرت عائشہؓ نے اس کی تردید میں یہ حدیث سنائی۔

(ص ۲۳۰) بَابُ إِشْعَارِ الْبُدْنِ

وَقَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ قَلَّدَ النَّبِيُّ ﷺ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَهُ وَأَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ.

١٦٩٩. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا أَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ أَشْعَرَهَا وَقَلَّدَهَا أَوْ قَلَّدْتُهَا ثُمَّ بَعَثَ بِهَا إِلَى الْبَيْتِ وَأَقَامَ بِالْمَدِينَةِ فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ لَهُ حِلٌّ.

ترجمہ: باب، اونٹوں کے اشعار کا بیان۔

تشریح: یہ آگیا وہ باب، اِشعار باب افعال کا مصدر ہے، لغت میں اس کے معنی آتے ہیں اِعلام (خبر دینے) کے، اصطلاح حج میں اشعار کی حقیقت یہ ہے کہ بدنہ کے ایک جانب میں کوہان کے اندر برچھے کا خفیف اثر لگایا جائے جس سے اس کی کھال چاک ہو جائے اور خون نمودار ہو جائے، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ راستہ میں چلنے والوں کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ یہ جانور ہدی کا ہے پھر اس زمانہ میں لوگ اس سے تعرض نہیں کرتے تھے۔

اِشعار پر تفصیلی کلام میں باب من أشعر و قلد بذی الحلیفة میں کر چکا ہوں۔

بُدن سے کیا مراد ہے؟ حضرت امام بخاری نے اپنے اس ترجمہ میں اشعار البُدن ارشاد فرمایا ہے

اور اس سے پہلے جو ترجمہ لائے ہیں اس میں بُدن کو بقر کے مقابل میں لائے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک لفظ بُدن ابل کے ساتھ خاص ہے، تو اب اس ترجمہ سے یہ مسئلہ نکلا کہ امام بخاری کے نزدیک اشعار ابل کے ساتھ خاص ہے، علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری اسی بات کے قائل ہیں۔

حضرات ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ جیسے ابل کا اشعار کیا جاسکتا ہے ایسے ہی بقر کا بھی اگر یہ دونوں ذوات اسنام میں سے ہوں یعنی ان کے کوہان ہوں، اور اگر کوہان نہ ہو تو پھر اس صورت میں امام مالک کے مسلک میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس کا بھی اشعار کر سکتے ہیں وهو مذهب الشافعي وأحمد، دوسرا قول یہ ہے اور یہی مالکیہ کے یہاں مشہور بھی ہے کہ أن الاشعار مخصوص بما له سنام جس جانور کے کوہان ہو اس کا اشعار ہوگا اور جس کے کوہان نہ ہو اس کا اشعار نہیں ہوگا۔

(ص ۲۳۰) بَابُ مَنْ قَلَّدَ الْقَلَائِدَ بِيَدِهِ

۱۷۰۰. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ زِيَادَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ أَهْدَى هَدْيًا حَرُمَ عَلَيْهِ مَا يَحْرُمُ عَلَى الْحَاجِّ حَتَّى يُنْحَرَ هَدْيُهُ قَالَتْ عَمْرَةُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لَيْسَ كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدَيْهِ ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ أَبِي فَلَمْ يَحْرُمْ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ شَيْءٌ أَحَلَّهُ اللّٰهُ لَهُ حَتَّى نُحِرَ الْهَدْيُ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو ہار اپنے ہاتھ سے پہنائے۔

عمرہ بنت عبد الرحمن نے بیان کیا کہ زیاد بن ابی سفیان نے حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ عبد اللہ بن عباسؓ نے یہ کہا ہے کہ جس شخص نے کوئی ہدی بھیجی اس پر وہ چیزیں حرام ہو گئیں جو حاجی پر حرام ہوتی ہیں یہاں تک کہ اس کی ہدی کو قربان کر دیا جائے، عمرہ کہتی ہیں کہ اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ جیسا ابن عباسؓ نے کہا ہے ایسا نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کی ہدی کے ہار میں نے اپنے ہاتھوں سے بٹے پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھوں سے جانوروں کے گلے میں ڈالا پھر ان کو میرے والد کے ساتھ بھیجا لیکن رسول اللہ ﷺ پر کوئی ایسی چیز حرام نہیں ہوئی جو اللہ نے حلال کی ہے یہاں تک کہ ہدی کو نحر کیا گیا۔

تشریح: حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنی ہدی کو قلادہ خود پہنائے تو زیادہ بہتر ہے

تاکہ جو کچھ اس پر مرتب ہونے والا ہے اس سے وہ پوری طرح سے واقف رہے۔

أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ زِيَادَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ: مسلم شریف میں یہاں واقع ہوا ہے أن ابن زِيَادٍ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ، یعنی عبید اللہ بن زیاد نے لکھا، مگر صحیح؛ بخاری شریف کی روایت ہے کہ زیاد نے لکھا نہ کہ عبید اللہ بن زیاد نے، اور مسلم میں جو واقع ہوا وہ وہم ہے جیسا کہ حافظ ابو علی غسانی نے تصریح فرمائی ہے۔

مَنْ أَهْدَى هَدْيًا حَرُمَ عَلَيْهِ مَا يَحْرُمُ عَلَى الحَاجِّ: ابن عباسؓ یوں فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی آدمی ہدی بھیج دے تو جن چیزوں سے مُحرم اجتناب کرتا ہے اسے بھی ان سے اجتناب کرنا ضروری ہوگا، حضرت عائشہؓ نے اس کی تردید میں حدیث نبوی سنائی کہ میں حضور ﷺ کے قلائد کو اپنے ہاتھوں سے بٹتی تھی اور حضور خود تقلید فرماتے تھے اور بھیجتے تھے اور کوئی چیز بھی آپ پر حرام نہیں ہوئی۔

مَعَ أَبِي: یہ واقعہ سن ۹ھ کا ہے جب حضور اکرم ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو امیر الحج بنا کر بھیجا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ وہ مکہ پہنچ کر کے شاہراہوں پر اعلان کر دیں جس کی تفصیل میں ماقبل میں کئی جگہ بیان کر چکا ہوں۔

(ص ۲۳۰) بَابُ تَقْلِيدِ الْغَنَمِ

۱۷۰۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَهْدَى النَّبِيُّ ﷺ مَرَّةً غَنَمًا.

۱۷۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الوَاحِدِ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنِ الأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَفْتِلُ القَلَائِدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَيُقَلِّدُ الغَنَمَ وَيُقِيمُ فِي أَهْلِهِ حَلَالًا.

۱۷۰۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ الغَنَمِ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَيَبْعَثُ بِهَا ثُمَّ يَمْكُثُ حَلَالًا.

۱۷۰۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَتَلْتُ لِهَدْيِ النَّبِيِّ ﷺ تَعْنِي القَلَائِدَ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ.

ترجمہ: باب، بکریوں کو ہار پہنانے کا بیان۔

تشریح: حضرت امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ تقلید غنم؛ تقلید الابل والبقر کی طرح مستحب ہے، حنفیہ اور مالکیہ اس کا انکار کرتے ہیں، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے فریق اول کی تائید کی ہے اور دلیل میں حضرت عائشہؓ کی حدیث كُنْتُ أَفْتِلُ القَلَائِدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَيُقَلِّدُ الغَنَمَ وَيُقِيمُ فِي أَهْلِهِ حَلَالًا پیش کی ہے۔

احناف و موالک اس روایت کے تین جواب دیتے ہیں، (۱) یہ روایت شاذ ہے، اسود کے علاوہ کوئی بھی حضرت عائشہؓ سے غنم کی تقلید کا تذکرہ نہیں کرتا ہے، میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ اس طرح تو بہت سی سنن کو چھوڑ دینا پڑے گا، اگر کوئی ثقہ راوی کوئی خاص سنت نقل کرے تو محض اس کے منفرد ہونے کی وجہ سے اس کے نقل کو کیا رد کر دیا جائے گا؟ یہ تو اس وقت کیا جاتا ہے جبکہ اس کے خلاف اس روایت میں دوسرے ثقات کے بیانات منقول ہوں۔

(۲) صحیح جواب اس کا وہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت اقدس گنگوہی اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے ذکر کیا ہے کہ اصل میں ہمارے حضرات تقلید غنم کا انکار نہیں کرتے ہیں وہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں البتہ ان کی رائے یہ ہے کہ جیسے ابل وبقر کو قلائد نعل پہنایا جاتا ہے وزن دار قلادہ، ایسا قلادہ نہیں، ہاں اس کے گلے میں رسی باندھ دی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں ہے۔

(۳) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہمارے فقہاء نے جواز کو منع نہیں کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ سنت نہیں ہے، یہ ایک مستقل جواب ہوگا مگر مجھے تو وہی جواب پسند ہے جو حضرت گنگوہی اور حضرت کشمیری سے منقول ہے۔

(ص ۲۳۰) بَابُ الْقَلَائِدِ مِنَ الْعِهْنِ

۱۷۰۵۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ القَاسِمِ عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدِي.

ترجمہ: باب، اون کے قلادوں کا بیان۔

تشریح: عِهْنٌ اون کو کہا جاتا ہے، امام بخاری یہ بتلاتے ہیں کہ اگر اون کا قلادہ پہنایا جائے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے، امام مالک سے منقول ہے کہ قلادہ من جنس نبات الارض ہونا چاہئے، جو چیزیں زمین سے

اگتی ہیں اس کا، اون کا نہیں ہونا چاہئے۔

علامہ ابن التین فرماتے ہیں کہ غالباً امام مالک کا مقصد اولویت کا بیان ہے یعنی یہ مقصود نہیں ہے کہ اون کا قلادہ جائز نہیں ہے اور اگر امام مالک کا مقصود ہو تو پھر امام بخاری کا یہ ترجمہ امام مالک کا رد کر رہا ہے۔

(ص ۲۳۰) بَابُ تَقْلِيدِ النَّعْلِ

١٧٠٦. حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَّامٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الأَعْلَى بْنُ عَبْدِ الأَعْلَى عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً قَالَ ارْكَبْهَا قَالَ إِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا قَالَ فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ رَاكِبَهَا يُسَايِرُ النَّبِيَّ ﷺ وَالنَّعْلُ فِي عُنُقِهَا تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ.

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، جوتے کے قلادے کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اونٹ کو ہنکا کر لے جا رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا کہ یہ بدنہ ہے، آپ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، راوی کہتا ہے کہ بے شک میں نے اس کو دیکھا کہ اس بدنہ پر سوار ہے اور پیغمبر ﷺ کے ساتھ جا رہا ہے اس حال میں کہ جوتا اس اونٹ کی گردن میں ہے۔

اس روایت کو اسی طرح محمد بن بشار نے بھی روایت کیا ہے محمد بن بشار کہتے ہیں کہ ہم سے عثمان بن عمر نے اور ان سے علی بن مبارک نے بیان کیا وہ یحیٰ سے روایت کرتے ہیں وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابوہریرہؓ سے اور وہ پیغمبر ﷺ سے۔

تشریح: حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ النعل میں دو احتمال ہیں، یا تو جنس مراد ہو یا نعل واحدہ مراد ہو، اگر جنس مراد ہو تب مطلب یہ ہو گا کہ نعل کا قلادہ پہنانا جائز ہے اور اگر نعل واحدہ مراد ہو تو پھر اس صورت میں امام بخاری نے سفیان ثوری کی تردید کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تقلید کے لئے نعلین ہونا ضروری ہیں، ایک جوتا کافی نہیں بلکہ دو جوتے یا دو چپل اس کے عنق میں لٹکائے جائیں گے۔

وَالنَّعْلُ فِي عُنُقِهَا: اور نعل اس کے عنق میں تھے، یہ لوگ قلادہ نعل پہنایا کرتے تھے حج میں، اس کی ایک حکمت اور ایک نکتہ ابھی میرے ذہن میں آیا اور وہ یہ ہے کہ اصل میں جوتا استعمال کیا جاتا ہے سفر کے قطع کرنے کے واسطے اور نعل کا قلادہ ہدی کی گردن میں پہنا کر گویا اشارہ ہوتا ہے کہ اب اس کو سفر کے لئے نہیں رکھا

گیا سفر کو اس سے اٹھا دیا گیا یعنی یہ اب اللہ واسطے ہو گئی۔

تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حقیقت میں متابعت کرنے والے علی بن مبارک ہیں انہوں نے معمر کی متابعت کی ہے یعنی یہ روایت جیسے معمر عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نقل کرتے ہیں ایسے ہی علی بن مبارک بھی عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نقل کرتے ہیں۔

(ص ۲۳۰) بَابُ الْجِلَالِ لِلْبُدْنِ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَشُقُّ مِنَ الْجِلَالِ إِلَّا مَوْضِعَ السَّنَامِ وَإِذَا نَحَرَهَا نَزَعَ جِلَالَهَا مَخَافَةَ أَنْ يُفْسِدَهَا الدَّمُ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهَا.

۱۷۰۷. حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِجِلَالِ الْبُدْنِ الَّتِي نَحَرْتُ وَبِجُلُودِهَا.

ترجمہ: باب، اونٹوں کی جھول کا بیان، حضرت ابن عمرؓ جھول کو صرف کوہان کی جگہ سے چاک کرتے تھے، نیز جب آپ اونٹوں کا نحر کرتے تو ان کی جھولوں کو اتار لیتے تھے اس خوف سے کہ خون ان کو خراب نہ کر دے پھر ان کو صدقہ کرتے تھے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں ان اونٹوں کی جھول اور کھال صدقہ کر دوں جن کو میں نے نحر کیا تھا۔

تشریح: جِلال جمع ہے جُلّ کی، جُلّ وہ کپڑا یا وہ ٹاٹ وغیرہ کہلاتا ہے جو جانور کی پشت پر ڈال دیا جاتا ہے، امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ بدنات کے اوپر جھول ڈالنا مستحب ہے، حضرات مالکیہ کہتے ہیں کہ ابل کے لئے تو مستحب ہے بقر و غنم کے واسطے مستحب نہیں ہے۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَشُقُّ مِنَ الْجِلَالِ إِلَّا مَوْضِعَ السَّنَامِ: حضرت ابن عمرؓ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ وہ اپنی ہدی کو جلال پہناتے تھے اور کوہان کی جگہ چاک کر دیا کرتے تھے، اس کے دو فائدے تھے، ایک یہ کہ اس سے جل پوری طرح سے ہدی کی پشت پر جم جاتی تھی ادھر ادھر گرنے کا اندیشہ نہیں رہتا تھا، دوسرا فائدہ یہ تھا کہ سنام کی جگہ پھٹے ہونے کی وجہ سے اشعار کی جگہ نمودار ہوتی تھی۔

(ص ۲۳۱) بَابٌ مَنِ اشْتَرَى هَدْيَهُ مِنَ الطَّرِيقِ وَقَلَّدَهَا

۱۷۰۸. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ أَرَادَ ابْنُ عُمَرَ الْحَجَّ عَامَ حَجَّةِ الْحَرُورِيَّةِ فِي عَهْدِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ النَّاسَ كَائِنٌ بَيْنَهُمْ قِتَالٌ وَنَخَافُ أَنْ يَصُدُّوكَ فَقَالَ {لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ} إِذًا أَصْنَعَ كَمَا صَنَعَ أُشْهِدُكُمْ أَنِّي أَوْجَبْتُ عُمْرَةً حَتَّى إِذَا كَانَ بِظَاهِرِ الْبَيْدَاءِ قَالَ مَا شَأْنُ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ إِلَّا وَاحِدٌ أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ جَمَعْتُ حَجَّةً مَعَ عُمْرَةٍ وَأَهْدَى هَدْيًا مُقَلَّدًا اشْتَرَاهُ حَتَّى قَدِمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَلَمْ يَزِدْ عَلَى ذَلِكَ وَلَمْ يَحْلِلْ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتَّى يَوْمِ النَّحْرِ فَحَلَقَ وَنَحَرَ وَرَأَى أَنْ قَدْ قَضَى طَوَافَهُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ بِطَوَافِهِ الْأَوَّلِ ثُمَّ قَالَ كَذَلِكَ صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ.

ترجمہ: باب، اپنی ہدی راستے سے خریدنے اور اس کے گلے میں قلادہ ڈالنے کا بیان۔

ترجمہ باب طواف القارن میں گزر چکا ہے

تشریح: امام بخاری کا مقصد واضح ہے یعنی اگر کوئی آدمی راستہ سے ہدی خریدے اور اس کی تقلید کرنا چاہے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے، امام بخاری نے ص۲۲۹ پر آٹھ باب پہلے ایک ترجمہ منعقد فرمایا تھا باب مَنِ اشْتَرَى الْهَدْيَ مِنَ الطَّرِيقِ اُس میں اور اِس میں صرف تقلید واطلاق کا فرق ہے، یہاں مصنف نے تقلید کا بھی اضافہ کیا ہے اور وہاں تقلید کا اضافہ نہیں فرمایا ہے۔

اصلاً حضرت امام بخاری نے ترجمۂ گزشتہ میں یہ بتلایا تھا کہ اگر راستہ سے کوئی ہدی خریدے تو جائز ہے اگر چہ اصل یہ ہے کہ سوق ہدی من البیت ہونی چاہئے جیسا کہ اس سے پہلے ترجمہ بَاب مَنْ سَاقَ الْبُدْنَ مَعَهُ سے تنبیہ فرمائی تھی، اور یہاں چونکہ امام بخاری قلائد کے تراجم منعقد کر رہے ہیں لہذا یہ بتلا رہے ہیں کہ اگر کسی نے راستہ سے ہدی خرید لی تو اس کی بھی تقلید کر سکتا ہے سنت میں اس کی اصل موجود ہے۔

ہمارے حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اصل میں امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے امام مالک پر رد کیا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ قارن میقات سے ہدی لیکر چلے گا اور اگر میقات کے اندر سے ہدی لی تو عرفات لے جانا ضروری ہے اور اگر عرفات نہیں لے گیا تو اس کا بدل واجب ہے، امام بخاری نے علی الاطلاق مَنِ اشْتَرَى هَدْيَهُ مِنَ الطَّرِيقِ

وَقَلَّدَهَا کہہ کر اس پر رد کیا ہے، تعریف (عرفہ میں لے جانا) ائمۂ ثلاثہ کے یہاں واجب نہیں ہے صرف امام مالک کے یہاں واجب ہے۔

أَرَادَ ابْنُ عُمَرَ الْحَجَّ عَامَ حَجَّةِ الْحَرُورِيَّةِ: حروریہ طبقۂ خوارج کا لقب ہے اس واسطے کہ سب سے پہلے انہوں نے حروراء نامی ایک مقام میں جو کوفہ کے قریب ہے ایک اجتماع کیا تھا۔

یہاں پر اشکال یہ ہے کہ حروریہ کا حج تو بہت پہلے سن ۶۴ھ میں ہوا ہے جس سال کہ یزید بن معاویہ کا انتقال ہوا ہے اس وقت تک حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ بھی نہیں کیا تھا تو آگے فِي عَهْدِ ابْنِ الزُّبَيْرِ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ ظاہر یہ ہے کہ یہ کسی راوی کا وہم ہے اصل میں تھا عام نزل الحجاج حجاج بن یوسف ثقفی نے جب حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کیا تھا اس سال کا یہ قصہ ہے، اور ممکن ہے کہ اسی پر کسی نے مجازاً حروری ہونے کا اطلاق کر دیا گیا ہو، اس وقت امام حق حضرت ابن زبیرؓ ہی تھے اور عبد الملک اور اس کے معاونین ان کے خلاف خروج کرنے والے تھے۔

وَرَأَى أَنْ قَدْ قَضَى طَوَافَهُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ بِطَوَافِهِ الْأَوَّلِ: حافظ ابن حجر نے اس پر کچھ اشکال سا کیا ہے کہ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی طواف سے طواف افاضہ اور عمرہ ادا ہو گئے، ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ پہلا طواف جو ابن عمرؓ نے کیا تھا اس کو انہوں نے طواف عمرہ اور طواف حج یعنی طواف قدوم دونوں کے لئے کافی سمجھا اور طواف قدوم طواف عمرہ میں مندرج ہو گیا جیسا کہ امام طحاوی نے توجیہ کی ہے۔

(ص ۲۳۱) بَابُ ذَبْحِ الرَّجُلِ الْبَقَرَ عَنْ نِسَائِهِ مِنْ غَيْرِ أَمْرِهِنَّ

۱۷۰۹ . حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لِخَمْسٍ بَقِينَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ لَا نُرَى إِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنْ مَكَّةَ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ إِذَا طَافَ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ أَنْ يَحِلَّ قَالَتْ

فَدُخِلَ عَلَيْنَا يَوْمَ النَّحْرِ بِلَحْمِ بَقَرٍ فَقُلْتُ مَا هٰذَا؟ قَالَ نَحَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَزْوَاجِهِ قَالَ يَحْيٰى فَذَكَرْتُهُ لِلْقَاسِمِ فَقَالَ أَتَتْكَ بِالْحَدِيْثِ عَلٰى وَجْهِهِ.

ترجمہ: باب، اپنی ازواج کی طرف سے ان کی درخواست کے بغیر گائے ذبح کرنے کا بیان۔

ترجمہ باب کیف کان بدء الحیض میں گزر چکا

تشریح: حضرت امام بخاری نے نساء کی تصریح محض روایت کی رعایت کرتے ہوئے کر دی ہے ورنہ اصلاً و بالذات امام بخاری یہ مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی دوسرے کی طرف سے بلا اجازت ہدی کا نحر کر دے تو یہ جائز ہے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کی طرف سے نحر ہدی بلا اس کی اجازت کے کر دے تو جائز ہے یا نہیں؟ ۱۔ ابوحنیفہ اور احمد کہتے ہیں کہ جائز ہے، ۲۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ھی لحم شاۃ اس کا کوئی اعتبار نہیں، ۳۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہدی تو ہو جائے گی لیکن ذابح کے ذمہ ضمان آئے گا اس کی قیمت صحیحہ مذبوحہ سے لگائی جائے گی اور جتنا فرق ہو گا وہ ذابح کے ذمہ واجب ہو گا۔

چونکہ حافظ ابن حجر شافعی المسلک ہیں اور بخاری کا یہ ترجمہ بالکل ابوحنیفہ اور احمد کے مسلک کے مطابق تھا لہٰذا انہوں نے اس کی توجیہ کرنے کی کوشش کی اور یوں فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے مِنْ غَيْرِ أَمْرِهِنَّ یوں اخذ فرمایا ہو گا کہ حضرت عائشہؓ نے یہ سوال کیا تھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ اگر حضرت عائشہؓ کے حکم سے ان کی ہدی کا نحر ہوا ہوتا تو سوال کی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوا کہ بغیر ان کی اجازت کے نحر ہوا تھا، حافظ ابن حجر اس کی توجیہ کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا استفہام اس بات پر مبنی ہو کہ انہیں خیال گزرا ہو کہ آیا میری ہی ہدی کا گوشت ہے یا دوسرے کی ہدی کا گوشت ہے۔

اس طرح کے احتمالات تو بیان کئے جاسکتے ہیں لیکن ناظر خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ آیا یہ احتمال ناشی عن الدلیل ہے یا ناشی من غیر الدلیل؟ جو احتمال ناشی من غیر الدلیل ہو وہ دلیل نہیں بنا کرتا اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، صحیح یہ ہے کہ حضرت امام بخاری ابوحنیفہ اور احمد کے ساتھ ہیں اور روایت الباب علی الظاہر ان حضرات کی تائید کرتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ میں لفظ ذبح کی تصریح کی ہے حالانکہ روایت میں نحر کا لفظ وارد ہوا ہے تو مصنف کا ترجمہ ثابت کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہی روایت عنقریب ص ۲۳۲ پر آرہی ہے اس میں بجائے نحر کے ذبح کا لفظ وارد ہوا ہے مصنف نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ابل کا نحر اور اس کے غیر کا ذبح مستحب ہے، حسن بن صالح فرماتے ہیں کہ نحر بقر مستحب ہے اسی طرح مجاہد سے بھی منقول ہے، اس کے بعد یہ سمجھو کہ ذبح منحور اور نحر مذبوح جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے، مالکیہ اس کو ناجائز کہتے ہیں، اس کی مزید تفصیل ان کی کتب فقہ سے تلاش کی جائے اور اوجز میں بھی موجود ہے۔

(ص ۲۳۱) بَابُ النَّحْرِ فِي مَنْحَرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِمِنًى

۱۷۱۰. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ سَمِعَ خَالِدَ بْنَ الحَارِثِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ كَانَ يَنْحَرُ فِي الْمَنْحَرِ قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ مَنْحَرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

۱۷۱۱. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَبْعَثُ بِهَدْيِهِ مِنْ جَمْعٍ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ حَتَّى يُدْخَلَ بِهِ مَنْحَرُ النَّبِيِّ ﷺ مَعَ حُجَّاجٍ فِيهِمُ الحُرُّ وَالْمَمْلُوكُ.

ترجمہ: باب، منی میں اس مقام پر نحر کرنے کا بیان جہاں پیغمبر ﷺ نے نحر کیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ منحر میں نحر فرماتے تھے، عبید اللہ نے کہا کہ منحر سے رسول اللہ ﷺ کا نحر کا مقام مراد ہے۔

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اپنی ہدی مزدلفہ سے رات کے آخری حصہ میں بھیجتے تھے تاکہ اس ہدی کو حاجیوں کے ساتھ۔ جن میں آزاد بھی ہوتے اور غلام بھی۔ رسول اللہ ﷺ کے نحر کے مقام میں داخل کیا جائے۔

تشریح: حضرت امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ ویسے تو سارے منیٰ میں نحر کرنا جائز ہے لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ جہاں آنحضور ﷺ نے نحر فرمایا وہاں پر نحر کیا جائے، امام مالک سے منقول ہے کہ حاجی منیٰ میں نحر کرے اور معتمر مکہ میں کرے، علامہ ابن بطال نے اس کی ترجیح میں بڑی تطویل سے کام لیا ہے، جواز میں تو کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اگرچہ افضلیت میں اختلاف ہے کذا قالہ الحافظ فی الفتح، علامہ موفق بن قدامہ نے مغنی میں لکھا ہے کہ سنت یہ ہے کہ منیٰ میں نحر کیا جائے کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں نحر کیا تھا، ویسے حرم

میں آدمی جہاں بھی نحر کردے گا کافی ہو جائے گا اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کُلُّ مِنًی مَنْحَرٌ وَکُلُّ فِجَاجِ مَکَّۃَ مَنْحَرٌ رَوَاہُ أبُو دَاوُدَ۔

(ص ۲۳۱) بَابُ مَنْ نَحَرَ بِیَدِہٖ

۱۷۱۲. حَدَّثَنَا سَھْلُ بْنُ بَکَّارٍ حَدَّثَنَا وُھَیْبٌ عَنْ أیُّوبَ عَنْ أبِي قِلَابَۃَ عَنْ أنَسٍ وَذَکَرَ الحَدِیْثَ قَالَ وَنَحَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِیَدِہٖ سَبْعَ بُدْنٍ قِیَامًا وَضَحّٰی بِالْمَدِیْنَۃِ کَبْشَیْنِ أمْلَحَیْنِ أقْرَنَیْنِ مُخْتَصَرًا.

ترجمہ: باب، اپنی ہدی اپنے ہاتھ سے نحر کرنے کا بیان۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے اپنے ہاتھ سے سات اونٹ نحر کئے اس حال میں کہ وہ کھڑے ہوئے تھے، نیز مدینہ منورہ میں دو سیاہی مائل سفید رنگ کے بڑے سینگ والے مینڈھے ذبح فرمائے، راوی نے یہ روایت اختصار کیساتھ ذکر کی۔

تشریح: اگر کوئی آدمی اپنے ہی ہاتھ سے نحر کرے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے۔

اس بات پر ائمۂ اربعہ بلکہ امت کا اتفاق ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنی ہدی کا نحر کرنا مستحب ہے اور اگر کسی دوسرے سے اعانت لے لے تو یہ جائز ہے، لیکن اگر کوئی دوسرا کسی کی طرف سے نیابۃً نحر کرے تو اصل صاحبِ ہدی کو وہاں پر موجود ہونا چاہئے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو یوں فرمایا تھا کہ اپنی اضحیہ کے ذبح کے وقت حاضر رہو۔

بعض سلف سے نقل کیا گیا ہے کہ دوسرے سے اعانت جائز نہیں ہے، علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں اس کا محمل یہ ہے کہ جب آدمی بغیر صاحبِ ہدی کے امر کے اس کی ہدی کا نحر کرے، لیکن یہ امام مالک کے مسلک پر مبنی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک صاحبِ ہدی کی اجازت کے بغیر نحر ہدی لحم کا جانور ہے اور میں بتلا چکا کہ ابو حنیفہ اور احمد کے یہاں بلا اجازت کے نحر کر دینا جائز ہے یعنی ان کے مسلک پر یہ توجیہ نہیں چل سکتی ہے۔

مُخْتَصَرًا: مطلب یہ ہے کہ بخاری نے یہ اختصار کیا ہے، مگر ایک باب کے بعد یہی روایت اسی سند سے مطولاً و مفصلاً آرہی ہے۔

(ص ۲۳۱) بَابُ نَحْرِ الْإِبِلِ مُقَيَّدَةً

۱۷۱۳. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ أَتَى عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَنَاخَ بَدَنَتَهُ يَنْحَرُهَا قَالَ ابْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ يُونُسَ أَخْبَرَنِي زِيَادٌ.

ترجمہ: باب، اونٹوں کو اس حال میں نحر کرنے کا بیان کہ وہ بندھے ہوئے ہوں۔

زیاد بن جبیر نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کے پاس آئے جس نے اپنے اونٹ کو بٹھا دیا تھا اور اس کا نحر کرنا چاہتا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اٹھاؤ اور اس حال میں نحر کرو کہ یہ کھڑا ہوا اور بندھا ہوا ہو، یہ محمد ﷺ کی سنت ہے، شعبہ نے اس روایت کو یونس سے عنعنہ سے بیان کیا، یونس نے زیاد سے روایت کرتے ہوئے أخبرني کا لفظ کہا۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جب ابل کا نحر کیا جائے یعنی اس کے منحر پر جب برچھا مارا جائے تو اس کا بایاں پاؤں باندھ دیا جائے گا، یہ ائمہ اربعہ کے یہاں متفق علیہ ہے، یہی حضرت محمد ﷺ کی سنت ہے۔

(ص ۲۳۱) بَابُ نَحْرِ الْبُدْنِ قَائِمَةً

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ سُنَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ {صَوَافَّ} قِيَامًا.

۱۷۱٤. حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ بَكَّارٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ فَبَاتَ بِهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ رَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَجَعَلَ يُهَلِّلُ وَيُسَبِّحُ فَلَمَّا عَلَا عَلَى الْبَيْدَاءِ لَبَّى بِهِمَا جَمِيعًا فَلَمَّا دَخَلَ مَكَّةَ أَمَرَهُمْ أَنْ يَحِلُّوا وَنَحَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ سَبْعَ بُدْنٍ قِيَامًا وَضَحَّى بِالْمَدِينَةِ كَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ.

۱۷۱٥. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ وَعَنْ أَيُّوبَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَنَسٍ ثُمَّ بَاتَ حَتَّى أَصْبَحَ فَصَلَّى الصُّبْحَ ثُمَّ رَكِبَ رَاحِلَتَهُ حَتَّى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ الْبَيْدَاءَ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ.

ترجمہ: باب، کھڑے ہونے کی حالت میں اونٹوں کے نحر کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ محمد ﷺ کی سنت ہے، حضرت ابن عباسؓ نے صَوَافَّ کی تفسیر قیاماً سے کی ہے۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی نماز مدینہ منورہ میں چار رکعت ادا کی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت ادا کی پھر آپ نے رات وہیں گزاری، جب صبح ہوئی تو آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور لا الٰہ الا اللہ اور سبحان اللہ کا ورد کرنے لگے، جب بیدا آئے تو دونوں (حج وعمرہ) کا تلبیہ ایک ساتھ کہا پھر جب مکہ مکرمہ داخل ہوئے تو صحابہ کو حکم دیا کہ وہ حلال ہو جائیں، نیز پیغمبر ﷺ نے اپنے ہاتھ سے سات اونٹ نحر کئے اس حال میں کہ وہ اونٹ کھڑے ہوئے تھے اور مدینہ منورہ میں آپ نے دو سیاہی مائل سفید رنگ کے بڑے سینگ والے مینڈھے ذبح کئے تھے۔ (دوسری روایت کا ترجمہ بھی یہی ہے)

تشریح: یعنی جب اونٹ کو نحر کیا جائے تو اونٹ کھڑے ہونے چاہئیں، یہی حضرات ائمۂ اربعہ اور جمہور سلف وخلف کا مسلک ہے، عطاء وطاؤس سے منقول ہے کہ بارکۃً نحر کرنا چاہئے، حضرت ابن عمرؓ جوانی میں تو قیاماً نحر کرتے تھے جب بوڑھے ہوگئے تو بارکۃً نحر کیا کرتے تھے، موفق بن قدامہ اور نووی نے امام ثوری اور امام ابو حنیفہ سے نقل کر دیا کہ دونوں مساوی ہیں لیکن امام ابو حنیفہ سے یہ نقل صحیح نہیں ہے، ان کے فقہاء کی اور ان کے متبعین کے فقہاء کی کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ نحر قیاماً ہوگا، ابن عمرؓ جو اخیر میں بارکۃً نحر کیا کرتے تھے اس کا منشا ان کی کمزوری تھی، اور غالباً جن حضرات سے نحر بارکۃً منقول ہے یا تو ان کو نحر قیاماً کی روایت نہیں پہونچی یا انہوں نے کمزوری اور بڑھاپے کی حالت میں اس کو اختیار فرمایا ہے۔

ابن عمرؓ کا اثر لا کر مصنف نے یہ توہم دور کر دیا کہ وہ تو بارکۃً نحر کرتے تھے، حاصل کلام یہ ہے کہ اصل تو وہ بات ہے جس کو ابن عمرؓ نقل کرتے ہیں یعنی یہ سنت ہے اور جو منقول ہے وہ ان کا اپنا فعل ہے، اور جب سنت محمدیہ اور کسی کے فعل میں تعارض ہوگا تو گو وہ ابن عمرؓ ہی سہی سنت محمدیہ کو ترجیح ہوگی، یا پھر اگر تاویل کی جائے تو یہ کہا جائے کہ اصل سنت تو یہی ہے کہ قیاماً نحر ہو لیکن ابن عمرؓ معذور تھے اس لئے وہ بارکۃً نحر کرتے تھے ففعله محمول علی الجواز لا علی بیان السنة۔

وَنَحَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ سَبْعَ بُدْنٍ قِيَامًا: نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست اقدس سے کتنی اونٹنیاں نحر کی ہیں؟

۱۔ انس بن مالکؓ کہتے ہیں وَنَحَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ سَبْعَ بُدْنٍ قِيَامًا، ۲۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں فَنَحَرَ ثَلَاثًا وَسِتِّينَ بَدَنَةً رواه مسلم، ۳۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں نَحَرَ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثِينَ بَدَنَةً وَأَمَرَنِي فَنَحَرْتُ أخرجه أبو داؤد،

غرفہ کندی کی روایت میں ہے قال ادعوا الی أبا الحسن فدعا علیا فأخذ بأسفل و طعنا۔

اس اختلاف کے دور کرنے کی کلاً یا جزءاً مختلف تقریریں کی گئی ہیں۔

(۱) ابو محمد بن حزم ظاہری نے پہلی دونوں حدیثوں کے تعارض کو دور کرنے کی یہ تقریر کی کہ حضرت انسؓ نے صرف سات کے نحر کو دیکھا تو سات نقل کر دیا، حضرت جابرؓ نے مکمل ۶۳ کے نحر کو دیکھا انہوں نے پورے عدد کو بیان کیا۔

(۲) حضرت نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بنفس نفیس صرف سات کا نحر فرمایا اس کے بعد ۶۳ کی تکمیل آپ کی موجودگی میں کسی اور نے آپ کے حکم سے کی اور اس سے فراغت کے بعد حضرت تشریف لے گئے باقی حضرت علیؓ نے نحر کیں۔

(۳) سات آپ نے نحر کیں بلاشرکتِ غیر اور ۶۳ کی تکمیل بشرکت علیؓ کی اور باقی حضرت علیؓ نے بذات خود نحر کیں، اور تیس کی جو روایت نقل کی جاتی ہے ابن قیم کہتے ہیں کہ وہ روایت مقلوب ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے تیس تو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بنفس نفیس نحر کیں پھر ۳۷ علیؓ نے کیں اور پھر مابقی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کیں، لیکن خود حافظ کو اس جمع کے بارے میں بڑا تردد ہے اور بات واضح ہے، یہ تو حضرت جابرؓ کی روایت کی تصریح کے خلاف ہے اس میں صاف یہ وارد ہے کہ ۶۳ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نحر کیں اور مابقی حضرت علیؓ نے۔

(۴) محققین نے ان روایات میں ایک اور جمع کیا ہے اور بہت عمدہ، وہ یہ فرماتے ہیں کہ سات کا نحر تو انسؓ کی موجودگی میں ہوا اور پھر ۳۰ کی تکمیل حضور نے بلاشرکت کی اور اس کے بعد حضرت علیؓ کی شرکت سے ۶۳ کی تکمیل فرمائی اور یہی غرفہ بن حارث کندی کی روایت کا محمل ہے، اور اس سے فراغت کے بعد پھر مابقی حضرت علیؓ نے نحر کیں۔

حضرت جابرؓ ۶۳ کی تکمیل تک موجود رہے انہوں نے اس کو نقل کیا، اور انسؓ نے سات کو دیکھا انہوں نے اس کو نقل کیا، غرفہ بن حارث کندی نے صورتِ واقعہ کی تھوڑی سی مزید وضاحت کر دی کہ علیؓ کی شرکت ہوئی ہے، اس تقریر پر ساری روایتیں جمع ہو گئیں اور کسی کو خلاف ظاہر کہنے کی ضرورت نہ پیش آئی اور نہ کوئی تقریر خلاف ظاہر ہے، صرف اگر کوئی بات کھٹکتی ہے تو ایک بات؛ وہ یہ کہ کیا حضرت انسؓ بالکل نو عمر بچے تھے کہ صرف

جتنے عدد کو دیکھا انہیں کو نقل کیا اور جن کو نہیں دیکھا ان کو نقل نہیں کیا، اس کا کوئی معقول جواب اب تک ذہن میں نہیں آیا۔

(ص ۲۳۲) بَابُ لَا يُعْطَى الْجَزَّارُ مِنَ الْهَدْيِ شَيْئًا

١٧١٦. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ فَقُمْتُ عَلَى الْبُدْنِ فَأَمَرَنِي فَقَسَمْتُ لُحُومَهَا ثُمَّ أَمَرَنِي فَقَسَمْتُ جِلَالَهَا وَجُلُودَهَا قَالَ سُفْيَانُ وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الْكَرِيمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَمَرَنِي النَّبِيُّ ﷺ أَنْ أَقُومَ عَلَى الْبُدْنِ وَلَا أُعْطِيَ عَلَيْهَا شَيْئًا فِي جِزَارَتِهَا.

ترجمہ: باب، اس حکم کا بیان کہ قصائی کو ہدی میں سے کچھ نہ دیا جائے۔

حضرت علیؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے بھیجا تو میں نے اونٹوں کا بندوبست کیا، آپ نے مجھے پھر حکم دیا تو میں نے ان کے گوشت کو تقسیم کیا، آپ نے مجھے پھر حکم دیا تو میں نے ان کی جھولوں اور چمڑوں کو تقسیم کیا، دوسرے طریق میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اونٹوں کا بندوبست کردں اور ان کی طرف سے قصائی کی مزدوری میں کچھ نہ دوں۔

تشریح: جزّار کہتے ہیں قصاب کو، قصاب کو ہدی کا کوئی حصہ نہیں دینا چاہئے اس لئے کہ اجرت میں دینا ائمہ اربعہ کے یہاں مطلقاً جائز نہیں ہے، سوائے حسن بصری اور عبداللہ بن عبید بن عمیر کے کوئی بھی جواز کا قائل نہیں ہے اور ان دونوں حضرات کا قول خلاف سنت ہے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو ہدی میں سے جزار کو دینے سے منع کیا تھا جیسا کہ بخاری اور مسلم میں وارد ہوا ہے، ابوداؤد میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا نحن نُعطیہ مِن عندنا، اور اگر اجرت کے طور پر نہ دیا جائے بلکہ یوں ہی دے دیا جائے تو بھی ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ صورۃً یہ اجرت نہیں ہوگی، مگر بعض وقت اجرت لینے میں جزار کچھ مسامحت سے کام لے گا وہ یہ سوچے گا کہ مجھے پہلے ہی کچھ مل چکا ہے تو اب جو چیز ہدی کے اندر سے ملی ہے وہ اجرت بن جائے گی۔

أَمَرَنِي النَّبِيُّ ﷺ أَنْ أَقُومَ عَلَى الْبُدْنِ: نبی اکرم ﷺ نے مجھ کو بدنات کی خیر خبر کا حکم دیا اور میں اس کی جزارت میں کوئی چیز نہ دوں۔

جزارة جیم کے کسرہ کے ساتھ فعل کا نام ہے جیسے خِیاطة خیاطی کا نام ہے حِجامة پچھنا لگانے کا نام ہے اور جُزارة بضم الجیم سواقط کے معنی میں آتا ہے یعنی ہدی کے ہاتھ، پیر، سر وغیرہ، یہاں مراد جِزارة بکسر الجیم ہے۔

(ص ۲۳۲) بَابٌ يُتَصَدَّقُ بِجُلُودِ الْهَدْيِ

١٧١٧. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ وَعَبْدُ الْكَرِيمِ الْجَزَرِيُّ أَنَّ مُجَاهِدًا أَخْبَرَهُمَا أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيًّا أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهُ أَنْ يَقُومَ عَلَى بُدْنِهِ وَأَنْ يَقْسِمَ بُدْنَهُ كُلَّهَا لُحُومَهَا وَجُلُودَهَا وَجِلَالَهَا وَلَا يُعْطِيَ فِي جِزَارَتِهَا شَيْئًا.

ترجمہ: باب، ہدی کی کھالوں کو صدقہ کرنے کا بیان۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصد ظاہر ہے کہ ہدی کے کھال کو صدقہ کر دینا چاہیے۔

یہ مسئلہ بالاتفاق اسی طرح سے ہے کہ ہدی کی کھال کو صدقہ کر دینا مستحب ہے، اس کے بعد مالک وشافعی فرماتے ہیں کہ اس کی کھال کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور یہی امام احمد کی ایک روایت ہے، حنفیہ اور حنابلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ فروخت کرنا جائز ہے لیکن اس کے ثمن کو استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کو صدقہ کرنا پڑے گا، اگر کوئی آدمی قربانی کی کھال یا ہدی کی کھال کو صدقہ نہ کرے اور اس کو اپنے لئے اسی حال میں استعمال کے لئے رکھ لے مثلاً دستر خوان بنالے یا مصلیٰ بنالے یا اور کوئی چیز بنالے تو اس صورت میں ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے جائز ہے، یہی حنابلہ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

(ص ۲۳۲) بَابٌ يُتَصَدَّقُ بِجِلَالِ الْبُدْنِ

١٧١٨. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سَيْفُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يَقُولُ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي لَيْلَى أَنَّ عَلِيًّا حَدَّثَهُ قَالَ أَهْدَى النَّبِيُّ ﷺ مِائَةَ بَدَنَةٍ فَأَمَرَنِي بِلُحُومِهَا فَقَسَمْتُهَا ثُمَّ أَمَرَنِي بِجِلَالِهَا فَقَسَمْتُهَا ثُمَّ بِجُلُودِهَا فَقَسَمْتُهَا.

ترجمہ: باب، ہدی کی جھولوں کو صدقہ کرنے کا بیان۔

تشریح: پہلے مصنف نے یہ بتلایا تھا کہ ہدی کی کھالوں کا صدقہ کر دینا مستحب ہے اب یہ بتلاتے ہیں کہ اس کے جلال کو بھی صدقہ کر دینا چاہئے یعنی وہ کپڑا جو بطور جُل کے ہدی کو پہنایا جاتا ہے نحرِ ہدی کے بعد صدقہ کر دینا چاہئے۔

عارف بن ابی جمرہ نے بھجۃ النفوس میں لکھا ہے کہ سلف میں سے کوئی شخص میرے علم میں وجوبِ تصدق بجلال البدن اور وجوبِ تصدقِ تجلیل کا قائل نہیں ہے، لیکن یہ انہوں نے کیسے فرمادیا؟ غالبًا خود مالکی المسلک ہیں اور مالکیہ کے مسلک میں جلال ہدی کے بارے میں تفصیل منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ہدی واجب ہے تو اس کے جلال کا تصدق واجب ہے اور اگر ہدی واجب نہیں ہے تو اس کے جلال کا تصدق بھی واجب نہیں ہے، حنابلہ کے دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ واجب ہے اور دوسرا یہ کہ واجب نہیں ہے، حنفیہ کے یہاں واجب نہیں معلوم ہوتا ہے، امام محمد مؤطا میں لکھتے ہیں ینبغی أن یتصدق بجلال البدن ولحمھا۔

مِائَةَ بَدَنَةٍ: اس سے مراد بدنات کا وہ مجموعہ ہے جو جناب رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ سے اور حضرت علیؓ یمن سے لائے تھے، مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کی حدیث میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے اور یہ مسئلہ میں ماقبل میں بیان کر چکا ہوں کہ کتنی بدنات حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست شریف سے نحر کیں اور کتنی حضرت علی بن ابی طالبؓ نے۔

(ص ۲۳۲) بَابُ {وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ. وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ إِلَى قوله فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ}

وَمَا يَأْكُلُ مِنَ الْبُدْنِ وَمَا يَتَصَدَّقُ

وَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ لَا يُؤْكَلُ مِنْ جَزَاءِ الصَّيْدِ وَالنَّذْرِ وَيُؤْكَلُ مِمَّا سِوَى ذَلِكَ.

وَقَالَ عَطَاءٌ: يَأْكُلُ وَيُطْعِمُ مِنَ الْمُتْعَةِ.

۱۷۱۹. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ كُنَّا لَا نَأْكُلُ مِنْ لُحُومِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلَاثِ مِنًى فَرَخَّصَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ كُلُوا وَتَزَوَّدُوا فَأَكَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا قُلْتُ لِعَطَاءٍ أَقَالَ حَتَّى جِئْنَا الْمَدِينَةَ؟ قَالَ: لَا.

۱۷۲۰. حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى قَالَ حَدَّثَتْنِي عَمْرَةُ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ لِخَمْسٍ بَقِينَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ وَلَا نُرَى إِلَّا الْحَجَّ حَتَّى إِذَا دَنَوْنَا مِنْ مَكَّةَ أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ يَحِلَّ قَالَتْ عَائِشَةُ فَدُخِلَ عَلَيْنَا يَوْمَ النَّحْرِ بِلَحْمِ بَقَرٍ فَقُلْتُ مَا هَذَا؟ فَقِيلَ ذَبَحَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ أَزْوَاجِهِ قَالَ يَحْيَى فَذَكَرْتُ هَذَا الْحَدِيثَ لِلْقَاسِمِ فَقَالَ أَتَتْكَ بِالْحَدِيثِ عَلَى وَجْهِهِ.

ترجمہ: باب، ان آیات وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ الآیات کا بیان، کہ اللہ نے فرمایا کہ جب ہم نے ابراہیم کو کعبے کی جگہ بتادی اور یہ کہہ دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، کھڑے رہنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو اور لوگوں میں حج کی منادی کرو، وہ تمہارے پاس پیدل اور دبلے اونٹوں پر سوار ہو کر دور دراز کے راستوں سے آئیں گے، کہ وہ اپنے منافع حاصل کریں اور مقررہ دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو عطا کئے پھر ان میں سے خود بھی کھاؤ اور پریشان حال محتاج کو بھی کھلاؤ، پھر وہ اپنا میل کچیل اور پراگندگی دور کریں اور اپنی منتوں کو پورا کریں، قدیم گھر (خانۂ کعبہ) کا طواف کریں؛ یہ سب اس لئے ہے کہ جو کوئی ان چیزوں کا احترام کرے گا جن کو اللہ نے حرمت بخشی ہے تو وہ اس کے لئے اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔

اور اس بات کا بیان کہ (بدنہ قربان کرنے والا) کس بدنہ کو کھا سکتا ہے اور کس بدنہ کو صدقہ کرے؟

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ شکار اور نذر کے جانور کو نہ کھایا جائے اور ان کے علاوہ سے کھایا جائے۔

حضرت عطاء نے فرمایا کہ تمتع کی ہدی سے خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم منیٰ میں اپنے اونٹوں کا گوشت تین دن سے زیادہ نہیں کھاتے تھے پھر پیغمبر ﷺ نے ہمیں اجازت دے دی آپ نے ارشاد فرمایا کہ کھا بھی سکتے ہو تو ہم نے کھایا بھی اور ذخیرہ بھی کیا، ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے دریافت کیا کہ کیا حضرت انسؓ نے یہ فرمایا تھا کہ یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ آئے، تو حضرت عطاء نے جواب میں فرمایا کہ نہیں۔

آخری روایت کا ترجمہ گزر چکا

تشریح: وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ —إلى قوله— فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ۔

پوری آیت کریمہ بنت احمد مروزیہ کی روایت میں واقع ہوئی ہے مگر دوسرے نسخ میں پوری آیت مذکور نہیں ہے چنانچہ ہمارے ہندی نسخوں کے متن میں پوری آیت مذکور نہیں ہے، وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ کے بعد إِلَىٰ قَوْلِهِ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ ہے، یہ آیت حج سے متعلق اور اس کے احکام پر مشتمل ہے، اس کے بعض احکام پر امام بخاری ماقبل میں تراجم منعقد کر آئے ہیں، بعض حج ہی میں اور بعض پوری کتاب میں اور بعض کی طرف اس باب میں اشارہ فرمایا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں پر پوری آیت کے ذکر کرنے سے مقصود صرف یہ جملہ ہے فَكُلُوا مِنْهَا وأطعموا البائس الْفَقِير، اسی لئے آگے مصنف نے وَمَا يُأْكَلُ مِنَ الْبُدْنِ وَمَا يَتَصَدَّقُ ارشاد فرمایا ہے، گویا امام بخاری اس جملہ کی شرح کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بدنات وہدایا میں سے کس کے کھانے کی اجازت ہے اور کس کے کھانے کی اجازت نہیں بلکہ اس کا تصدق واجب ہے، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔

حضرت امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا کرتا ہے تو وہ ایک سوال اٹھا دیتے ہیں اور اس کا جواب آثار صحابہ اور تابعین سے پیش کر دیا کرتے ہیں، مقصود بھی حل ہو جاتا ہے اور بیک وقت وہ چیزیں دلیل بھی بنتی ہیں، چنانچہ حضرت امام نے یوں ارشاد فرمایا وَمَا يُأْكَلُ مِنَ الْبُدْنِ وَمَا يَتَصَدَّقُ، اور پھر فرماتے ہیں وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: لَا يُؤْكَلُ مِنْ جَزَاءِ الصَّيْدِ وَالنَّذْرِ وَيُؤْكَلُ مِمَّا سِوَىٰ ذَٰلِكَ، وَقَالَ عَطَاءٌ: يَأْكُلُ وَيُطْعِمُ مِنَ الْمُتْعَةِ، ابن عمرؓ کے اثر سے یہ معلوم ہو گیا کہ جزاء صید ونذر کے کھانے کی تو اجازت نہیں اور باقی سب کھا سکتا ہے۔

اس میں اختلاف ہے، (۱) حضرت امام احمد کی یہی ایک روایت ہے اور بظاہر بخاری کا رجحان بھی یہی ہے، (۲) امام مالک فرماتے ہیں کہ جزاء صید اور اسی طرح نذر اور فدیۃ الاذیٰ کے کھانے کی اجازت نہیں باقی سب کھا سکتا ہے، (۳) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہدیِ تمتع وقران اور تطوع کے کھانے کی اجازت ہے اور باقی کی نہیں، یہی حضرت امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے، (۴) امام شافعی ارشاد فرماتے ہیں کہ صرف ہدیِ تطوع کے کھانے کی اجازت ہے اور باقی کسی کی نہیں۔

كُنَّا لَا نَأْكُلُ مِنْ لُحُومِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلَاثِ مِنًى: ہم اپنے بدنات کے گوشت تین دن سے زائد نہیں کھایا کرتے تھے، ایام منیٰ سے زائد یعنی قربانی کے ایام کے علاوہ نہیں کھاتے تھے، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تین سے زائد دن ادّخار سے منع کر دیا تھا اس کے بعد آپ نے یہ ممانعت اٹھالی اور مطلقًا ادّخار کی اجازت دے دی کہ جب تک چاہے جمع کرو اور کھاؤ۔

كُلُوا وَتَزَوَّدُوا: اکل من لحوم الھدایا والضحایا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے، بعض شافعیہ ابو حفص بن سلمہ اور ظاہریہ میں سے ابن حزم وجوب کے قائل ہیں۔

حَتّٰى جِئْنَا الْمَدِينَةَ؟ قَالَ: لَا: ابن جریج نے عطاء سے پوچھا کہ فَأَكَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا کے بعد کیا حدیث میں حضرت جابرؓ نے حَتّٰى جِئْنَا الْمَدِينَةَ بھی ارشاد فرمایا تھا؟ تو عطاء نے فرمایا لا، اسی طرح سے اس روایت میں یہاں بھی واقع ہوا ہے، یہی روایت جلد ثانی میں آئے گی وہاں بھی اسی طرح واقع ہوا ہے، لیکن مسلم شریف میں اسی روایت میں بعینہ بجائے قال لا کے قال نعم واقع ہوا ہے، حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات عطاء کو نسیان ہو گیا ہو تو لا کہہ دیا ہو اور بعض وقت یاد رہا ہو تو نعم کہہ دیا ہو۔

(ص ۲۳۲) بَابُ الذَّبْحِ قَبْلَ الْحَلْقِ

۱۷۲۱. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا مَنْصُورُ بْنُ زَاذَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَمَّنْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ وَنَحْوِهِ فَقَالَ لَا حَرَجَ لَا حَرَجَ.

۱۷۲۲. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ زُرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ لَا حَرَجَ قَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ قَالَ لَا حَرَجَ قَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ لَا حَرَجَ، وَقَالَ عَبْدُ الرَّحِيمِ الرَّازِيُّ عَنِ ابْنِ خُثَيْمٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنِي ابْنُ خُثَيْمٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَقَالَ عَفَّانُ أُرَاهُ عَنْ وُهَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ وَعَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

۱۷۲۳ . حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ رَمَيْتُ بَعْدَ مَا أَمْسَيْتُ فَقَالَ لَا حَرَجَ قَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ قَالَ لَا حَرَجَ.

۱۷۲٤ . حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ بِالْبَطْحَاءِ فَقَالَ أَحَجَجْتَ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِمَا أَهْلَلْتَ؟ قُلْتُ لَبَّيْكَ بِإِهْلَالٍ كَإِهْلَالِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَحْسَنْتَ انْطَلِقْ فَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ أَتَيْتُ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ بَنِي قَيْسٍ فَفَلَتْ رَأْسِي ثُمَّ أَهْلَلْتُ بِالْحَجِّ فَكُنْتُ أُفْتِي بِهِ النَّاسَ حَتَّى خِلَافَةِ عُمَرَ فَذَكَرْتُهُ لَهُ فَقَالَ إِنْ نَأْخُذْ بِكِتَابِ اللَّهِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُنَا بِالتَّمَامِ وَإِنْ نَأْخُذْ بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَحِلَّ حَتَّى بَلَغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ.

ترجمہ: باب، حلق سے پہلے ذبح کرنے کا بیان۔

روایات کا ترجمہ باب من أجاب الفتيا بإشارة اليد والرأس میں گزر چکا

حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت کا ترجمہ باب من أهل في زمن النبي ﷺ كإهلاله میں گزر چکا

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ ذبح، حلق پر مقدم ہے، یہ مسئلہ متفق علیہا ہے، ضابطہ یہی ہے کہ پہلے نحر وذبح ہوگا اور اس کے بعد حلق ہوگا۔

اور حدیث باب میں یہ جو وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے ایک سائل نے آکر یہ سوال کیا کہ اس نے ذبح سے پہلے حلق کرلیا تو آپ نے فرمایا لَا حَرَجَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلق کو ذبح پر مقدم کرسکتے ہیں تو یہ روایت بظاہر ترجمہ کے معارض ہوگئی، اس کا جواب یہ ہے کہ سائل کا سوال کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے الٹا کردیا حضور اکرم ﷺ نے یہ بتلادیا کہ لَا حَرَجَ بھول کر الٹا کیا ہے کوئی حرج کی بات نہیں، معلوم ہوا کہ اصل یہی ہے کہ پہلے ذبح ہو اور اس کے بعد حلق ہو۔

فَقَالَ لَا حَرَجَ لَا حَرَجَ: اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ ذبح اور حلق وغیرہ میں ترتیب واجب نہیں ہے، یہ مسئلہ میں کتاب العلم میں تفصیل سے بیان کرچکا ہوں اور آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ ص ۲۳۴ پر جہاں بَابُ إِذَا رَمَى بَعْدَ مَا أَمْسَى، أَوْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ، نَاسِيًا أَوْ جَاهِلًا کا ترجمہ منعقد کیا ہے پھر اس کو بیان کروں گا کیوں کہ وہیں یہ مسئلہ امام بخاری نے بیان کیا ہے۔

قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یہ حدیث اسی سند سے کتاب الایمان والنذور میں آرہی ہے مگر مصنف نے یہاں اختصار سے کام لیا ہے اور آئندہ چل کر تفصیل ذکر کی ہے، یہاں کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تین سوالات ایک ہی شخص نے کئے اور ایمان ونذور کے سیاق میں یہ تفصیل ہے کہ تینوں سوالات کے سائل الگ الگ ہیں۔

آگے مصنف نے کچھ تعلیقات ذکر فرمائی ہیں وَقَالَ عَبْدُ الرَّحِيمِ اور وَقَالَ القَاسِمُ اور وَقَالَ عَفَّانُ اور وَقَالَ حَمَّادٌ، ان تعلیقات کے ذکر کرنے کا مقصود ابن خثیم کے شیخ میں اختلاف بیان کرنا ہے کہ آیا ابن خثیم کے استاذ عطاء ہیں یا سعید بن جبیر؟ اسی طرح یہ بتلانا ہے کہ اس حدیث کے صحابی آیا ابن عباسؓ ہیں یا جابرؓ ہیں؟ امام بخاری کے نزدیک راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث عن ابن خثیم عن عطاء عن ابن عباس مروی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: یہ حدیث ما قبل میں گزر چکی ہے اور فَكُنْتُ أُفْتِي بِهِ النَّاسَ حَتَّى خِلَافَةِ عُمَرَ کا مطلب وہاں پر بیان کر چکا ہوں کہ آیا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فسخ الحج الی العمرہ کا فتویٰ دیتے تھے یا وہ تمتع معروف کا فتویٰ دیتے تھے، اور حضرت عمرؓ نے کس سے منع کیا؟ فسخ الحج الی العمرہ سے یا تمتع معروف سے؟

اگر فسخ الحج الی العمرہ سے منع فرمایا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جمہور کی طرح سے فسخ الحج الی العمرہ کو صحابہ کرام کے ساتھ خاص سمجھتے ہوں گے اور یوں فرماتے تھے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اتمام کرنا چاہئے فسخ نہ کرنا چاہئے، حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے وأتموا الحج والعمرة لله اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھنے کے بعد اس وقت تک حلال ہوئے ہی نہیں جب تک منیٰ میں ہدی کا نحر نہیں فرمالیا۔

اور اگر تمتع معروف سے منع فرمایا تو یہ استدلال ظاہر ہے لیکن اس صورت میں حضرت عمرؓ کی ممانعت کو تنزیہہ پر محمول کیا جائے گا یا مصلحت پر، یعنی ان کی رائے یہ تھی کہ ہر عمل کے لئے مستقل سفر کرنا چاہئے تاکہ بیت اللہ زائرین سے معمور رہے۔

حَتَّى بَلَغَ الهَدْيُ مَحِلَّهُ: امام بخاری نے یہ پوری حدیث یہاں پر صرف اس جملہ کی وجہ سے ذکر کی ہے فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَمْ يَحِلَّ حَتَّى بَلَغَ الهَدْيُ مَحِلَّهُ، حضور اس وقت تک حلال ہی نہیں ہوئے جب تک کہ

ہدی اپنی جگہ نہیں پہنچ گئی یعنی اس کو نحر نہیں کر دیا گیا، اگر نحر سے پہلے حلق ہوتا تو حلق کی وجہ سے آپ حلال ہو چکے ہوتے پھر حضرت عمرؓ کے ارشاد لَمْ يَحِلّ حَتّٰى بَلَغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ کا کوئی مطلب نہ ہوتا، معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے پہلے نحر فرمایا اور اس کے بعد حلق فرمایا۔

(ص ۲۳۳) بَابُ مَنْ لَبَّدَ رَأْسَهُ عِنْدَ الْإِحْرَامِ وَحَلَقَ

۱۷۲۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ حَفْصَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا شَأْنُ النَّاسِ حَلُّوا بِعُمْرَةٍ وَلَمْ تَحْلِلْ أَنْتَ مِنْ عُمْرَتِكَ؟ قَالَ إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي وَقَلَّدْتُ هَدْيِي فَلَا أَحِلُّ حَتّٰى أَنْحَرَ.

ترجمہ: باب، احرام کے وقت سر میں تلبید (بالوں کو جمانے) اور حلق کرانے کا بیان۔

روایت کا ترجمہ باب التمتع والإقران والإفراد بالحج میں گزر چکا

تشریح: تلبید کی تفسیر میں ماقبل میں بیان کر چکا ہوں، حاصل یہ ہے کہ گوند وغیرہ لیکر بالوں میں تھوڑا سا لگا لے تاکہ بال منتشر نہ ہو اور جوں وغیرہ سے محفوظ رہے۔

اگر کسی نے احرام باندھنے سے پہلے تلبید کرلی تو آیا اس کے لئے قصر کافی ہوگا یا حلق ہی ضروری ہوگا؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ۱۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ حلق واجب ہے، ۲۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اختیار ہے چاہے قصر کرے چاہے حلق کرے، ۳۔ امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، قول قدیم میں وہ امام مالک کے ساتھ ہیں اور قول جدید میں تخییر کے قائل ہیں، البتہ تخییر کے قائلین کہتے ہیں کہ اگر تلبید ایسی شدید ہو کہ قصر ناممکن ہو جائے تو پھر اس صورت میں حلق متعین ہے، اسی طرح اگر کسی کا بال اتنا خفیف ہو کہ وہاں قصر نہ ہو سکے تو بھی حلق کرنا ہوگا، اسی طرح شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے سر پر بال ہی نہ ہو تو یوں ہی استرا پھیرنا پڑے گا، امام بخاری بظاہر اس مسئلہ میں امام مالک کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں۔

إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي: مصنف نے اس سے اپنا مدعا کیسے ثابت کیا؟ (۱) یہ اپنے عموم کی وجہ سے حلق کو بھی شامل ہے کذا قاله شيخنا الكنكوهي، (۲) بعض دیگر شراح فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ترجمة الباب میں حلق

کا ذکر کیا ہے اور روایت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے البتہ امام نے ابن عمرؓ کی حدیث اللّٰھُمَّ ارْحَمِ المُحلِّقِینَ کی طرف اشارہ کیا ہے، (۳) بعض کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے حضور اکرم ﷺ کے حال معلوم پر اعتماد کیا ہے یعنی آپ کے حج سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ نے اس سال حلق کرایا تھا لہذا یہ بات خود ہی ثابت ہوگئی کہ جو تلبید کرے گا وہ حلق کرے گا، حضور اکرم ﷺ نے تلبید کی تھی اور حلق کرایا تھا۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ اس سے وجوب مستفاد نہیں ہوتا ہے فإن نفس الفعل لا یدل بمجرده علی الوجوب۔

(ص ۲۳۳) بَابُ الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ عِنْدَ الْإِحْلَالِ

١٧٢٦. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ قَالَ نَافِعٌ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ حَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي حَجَّتِهِ.

١٧٢٧. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ اللَّهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ اللَّهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِينَ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي نَافِعٌ رَحِمَ اللَّهُ الْمُحَلِّقِينَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ قَالَ وَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ وَقَالَ فِي الرَّابِعَةِ وَالْمُقَصِّرِينَ.

١٧٢٨. حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ قَالُوا وَلِلْمُقَصِّرِينَ قَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ قَالُوا وَلِلْمُقَصِّرِينَ قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ وَلِلْمُقَصِّرِينَ.

١٧٢٩. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ حَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ وَطَائِفَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ.

١٧٣٠. حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَصَّرْتُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِمِشْقَصٍ.

ترجمہ: باب، احرام کھولتے وقت سر منڈانے اور بال چھوٹے کرانے کا بیان۔

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج میں حلق کرایا۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما، صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! بال چھوٹے کرانے والوں کے لئے بھی رحم کی دعا فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! حلق کرانے والوں پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قصر کرانے والوں پر بھی، آپ نے فرمایا کہ قصر کرانے والوں پر بھی، لیث نے کہا کہ مجھ سے نافع نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! حلق کرانے والوں پر رحم فرما، ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یہ دعا فرمائی، عبید اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے نافع نے حدیث اس طرح بیان کی کہ حضور ﷺ نے قصر والوں کے لئے چوتھی مرتبہ میں دعا کی۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! حلق کرانے والوں کی مغفرت فرما، صحابہ نے عرض کیا کہ قصر کرانے والوں کے لئے بھی دعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! حلق کرانے والوں کی مغفرت فرما، صحابہ نے عرض کیا کہ حضور! قصر کرانے والوں کے لئے بھی دعا فرمائیں تو آپ نے تین مرتبہ حلق والوں کے لئے ہی دعا فرمائی اور پھر فرمایا کہ اے اللہ! قصر کرانے والوں کی بھی مغفرت فرما۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے اور صحابہ کی ایک جماعت نے حلق کرایا اور بعض نے قصر کرایا۔

حضرت معاویہؓ نے بیان کیا کہ میں نے ایک قینچی سے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کو چھوٹا کیا۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ احلال کے وقت حلق یا تقصیر کے مابین اختیار ہے۔

آدمی جب نسک سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے بعد وہ اپنے بالوں کو کبھی حلق کرالیتا کبھی تقصیر کرالیتا ہے۔

حلق یا تقصیر نسک ہے یا استباحتِ محذور؟ اس میں یہ اختلاف ہے کہ یہ حلق یا تقصیر نسک ہے یا استباحتِ محذور ہے؟ جمہور علماء امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی فی الصریح اور امام احمد فی ظاہر المذہب کہتے ہیں کہ یہ نسک ہے، امام شافعی فی قول، امام احمد فی روایۃ اور امام ابویوسف اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ استباحۃ المحذور ہے، اس اختلاف کا ثمرہ یہ ظاہر ہوگا کہ جو لوگ اس کو نسک کہتے ہیں ان کے قول پر حلق یا تقصیر کے ترک کی گنجائش نہیں، اور جو استباحۃ المحذور کہتے ہیں ان کے قول پر گنجائش ہے، حج ختم ہوا عمرہ ختم ہوا آدمی چاہے حلق کرائے چاہے قصر کرائے۔

جمہور ہی کا قول صواب ہے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی فضیلت بتائی اس کے فاعل کے لئے دعا دی فرمایا اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ معلوم ہوا کہ تحلیق انساک وعبادات میں سے ہے۔

حلق و تقصیر کا حکم کیا ہے؟ پھر آگے یہ اختلاف ہے کہ اس حلق و تقصیر کا حکم کیا ہے؟ حنفیہ، مالکیہ اور

حنابلہ واجب کہتے ہیں، یہی شافعیہ کا قول ہے، شافعیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ ارکان حج میں سے ہے۔

کتنے بالوں کا منڈانا ضروری ہے؟ پھر یہ اختلاف ہے کہ کتنے بالوں کا منڈانا ضروری ہے؟ (۱) امام مالک اور امام احمد کہتے ہیں کہ سارے سر کا منڈانا ضروری ہے، (۲) امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ربع کا (۳) امام ابو یوسف کہتے ہیں نصف کا، (۴) امام شافعی فرماتے ہیں تین بال کا، (۵) بعض کہتے ہیں ایک بال کا کاٹ دینا کافی ہے، اگر کوئی تقصیر کرائے تو جمہور کے یہاں سارے سر کے بالوں کا کاٹنا افضل ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ ہر بال کا ایک انملہ ربع راس کے اندر کاٹ لینا واجب ہے، شافعیہ کہتے ہیں کہ قدر الانملہ مستحب ہے اور اس سے کم ہو تو بھی جائز ہے۔

امام بخاری نے ترجمہ میں فرمایا بَابُ الحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ عِنْدَ الإِحْلَالِ، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بخاری اس کو استباحت محذور نہیں قرار دیتے ہیں نسک مان رہے ہیں اسی لئے کہتے ہیں حلق و تقصیر احلال کے وقت ہوتی ہے، یہ عین احلال نہیں ہے۔

کیا پہلے حج میں حلق ضروری ہے؟ ایک مسئلہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر پہلا حج ہو تو کیا حلق واجب ہے؟ بعض لوگوں نے حسن بصری سے وجوب نقل کیا ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہے، ان سے تخییر مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے، بعضوں نے ابراہیم نخعی سے نقل کر دیا لیکن یہ بھی صحیح نہیں، ان سے جو مفصل اثر منقول ہے اس سے تخییر معلوم ہوتی ہے، جمہور علماء کے نزدیک حلق علی التعیین کسی حج میں واجب نہیں پہلا ہو یا اس کے بعد کا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: حضور ﷺ نے یہ دعاء کب فرمائی ہے؟ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یوم حدیبیہ میں، ام حسین کی روایت میں مسلم میں حجۃ الوداع میں کرنا وارد ہے، نووی کہتے ہیں کہ یہی صحیح اور مشہور ہے، ہو سکتا ہے کہ دونوں موقعوں پر کی ہو، قاضی عیاض، ابن دقیق العید اور حافظ ابن حجر وغیرہ اسی بات کی طرف مائل ہیں، آپ نے محلقین کے لئے تین بار اور مقصرین کے لئے ایک بار دعاء کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حلق کرانے والا اپنے لئے زینت کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتا اور قصر والے کے پاس زینت کا کوئی نہ کوئی ذریعہ یعنی بال باقی جاتا ہے تو حلق والا گویا پوری سرافگندگی کا اظہار کرتا ہے۔

قَصَّرْتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِمِشْقَصٍ: معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے بال قینچی کے پھل سے کاٹے تھے، مشقص ایک چوڑا سا تیر ہوتا ہے یا ایک چوڑا سا دھار دار لوہا ہوتا ہے۔

یہ روایت انتہائی مختصر ہے نہ اس میں حج کا ذکر ہے نہ عمرہ کا اس لئے اس پر کوئی اشکال نہیں، لیکن امام بخاری نے اس کو الحلق و التقصیر کے باب میں لا کر حج سے مربوط کر دیا۔

امیر معاویہؓ نے حضور ﷺ کے سر کے بال کب کاٹے؟ آپ کے چار نسک ہیں، ۱۔ پہلا عمرۂ حدیبیہ جس میں آپ مکہ میں داخل نہیں ہو پائے اور اس وقت تک معاویہؓ مسلمان نہیں ہوئے، ۲۔ دوسرا نسک عمرۃ القضاء ہے جو سن ۷ھ میں ہوا ہے اور علی المشہور معاویہؓ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، ۳۔ تیسرا عمرۂ جعرانہ ہے وہ حنین سے واپسی کے بعد جعرانہ سے رات میں بہت خفیہ ہوا ہے جس میں معاویہؓ کا نام نہیں آتا ہے، ۴۔ چوتھا نسک حج ہے اس میں آنحضرت ﷺ حلال ہی نہیں ہوئے تھے، روایات میں بار بار آچکا لو استقبلت من أمری ما استدبرت لما سقت الهدی و لجعلتها عمرة۔

علماء نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ عمرۂ جعرانہ پر محمول ہے، یہی نووی، محب طبری، ابن قیم اور بہت سے علماء کی رائے ہے، اور یہ جو اشکال کیا جاتا ہے کہ عمرۂ جعرانہ کے شرکاء میں معاویہؓ کا نام نہیں آتا ہے اس کا جواب بالکل آسان ہے کہ عدم الذکر عدم کی دلیل نہیں ہے، اس وقت کوئی مہذب اور مرتب تاریخ نہیں تھی، آج جبکہ تاریخ کا بہت اہتمام ہوتا ہے بہت سے واقعات پیش آتے ہیں مگر بہت سے لوگوں کا نام بھی نہیں آتا اور پتہ بھی نہیں چلتا۔

اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ حاکم کی الاکلیل میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس وقت حلق کرایا تھا تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے امیر معاویہؓ نے اوّلاً بالوں کو کاٹا ہو اس کے بعد حلّاق آجانے کے بعد آپ نے حلق کرا لیا ہو، یہ توجیہ گو بہت سے علماء حافظ ابن حجر وغیرہ نے کی ہے لیکن جی کو لگتی نہیں، جب ایک مرتبہ قصر کرا لیا تو دوبارہ حلق کرانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور بعض علماء نے یہ کہہ دیا کہ ممکن ہے اوّلاً حلق کرایا ہو کچھ بال چھوٹ گئے ہوں اس کو معاویہؓ نے کاٹ دیا، اس پر اشکال ہے کہ حلّاق حلق کے وقت سارے بال مونڈ کر ختم کر دیتا ہے بال چھوڑ دینے کا کیا مطلب؟

بعض لوگوں نے اس کو عمرۃ القضاء پر محمول کیا، قاضی ابن عربی کی یہی رائے ہے، اس کے بعد حافظ ابن حجر نے بھی اسی کی طرف اپنے رجحان کا اظہار کیا ہے، اور یہ جو اشکال کیا جاتا ہے کہ معاویہؓ تو اس وقت مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ مشہور تو یہی ہے لیکن بعض روایات میں جس کو ابن عساکر وغیرہ نے نقل کیا ہے یہ وارد ہے کہ حضرت معاویہؓ حدیبیہ اور عمرۂ قضیہ کے مابین مسلمان ہوگئے تھے لیکن والدین سے اخفاء کرتے تھے، اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس وقت اہل مکہ نے مکہ کو مسلمانوں کے عمرہ کرنے کے لئے خالی کیا تھا اس وقت ہوسکتا ہے کہ معاویہؓ کوئی حیلہ کرکے کہیں چھپ گئے ہوں اور موقع پاکر حضور ﷺ کے بالوں کو کاٹا ہو۔

لیکن اس توجیہ پر یہ اشکال ہے کہ اس وقت ابوسفیان کی اسلام دشمنی اپنے آفتاب عروج پر تھی اس کو اپنے بیٹے کے بارے میں فوراً شبہ ہوجاتا کہ یہ کہاں گیا؟ نظر کیوں نہیں آتا؟ وہ کوئی ایک منٹ یا دس منٹ یا آدھے گھنٹے کی بات نہیں تھی، بہر حال کوئی توجیہ اشکال سے خالی نہیں۔

اور بعض علماء نے اس کو حج پر محمول کیا ہے، قاضی ابو یعلیٰ اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تمتع کیا تھا، متعارف تمتع اور بال کٹا کر حلال ہوگئے تھے، اور حضرت ابن عباسؓ اور معاویہؓ کی جو گفتگو ہوئی ہے اس سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے یہ کہا **قَصَّرْتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِمِشْقَصٍ وَهُوَ عَلَى الْمَرْوَةِ أَوْ رَأَيْتُهُ يُقَصِّرُ عَنْهُ** تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا **لَا أَعْلَمُ هٰذِهِ إِلَّا حُجَّةً عَلَيْكَ**، اسکا مطلب یہ ہے کہ ابن عباسؓ کہتے تھے کہ جو شخص حج کا احرام باندھ کر آئے گا اس کیلئے فسخ حج واجب ہے اور طواف کے بعد وہ حلال ہوجائے گا، معاویہؓ کہتے تھے کہ فسخ الحج ناجائز ہے، جب معاویہؓ نے یہ روایت تقصیر عن رأس النبی ﷺ کے متعلق سنائی تو ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ تو ہمارے موافق اور تمہارے مخالف ہے، اور معاویہؓ کا قول انکے خلاف جب ہی بن سکتا ہے جب اس تقصیر کو حج سے مربوط کیا جائے، اور مسند احمد کی روایات میں قصرت عن رأس رسول اللہ ﷺ فی العشر آیا ہے جس سے مسئلہ اور مؤکد ہوجاتا ہے۔

لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ابو یعلیٰ سے پہلے کسی شخص نے حضور ﷺ کے متعلق تمتع متعارف کی بات کہی ہی نہیں ہے اور ان کی رائے یہ ہے کہ ابو یعلیٰ کا یہ قول غلط ہے، لیکن ابن تیمیہ کی یہ بات اشکال سے خالی نہیں ہے، قاضی ابو یعلیٰ کوئی چھوٹے موٹے مولوی نہیں ہیں اپنے زمانہ میں امام الدنیا تھے، دار الخلافہ کو بعض

مسائل کے حل کی ضرورت پیش آتی تو سارے مذاہب کے علماء وقضاۃ موجود تھے لیکن اس کو حل کرنے والے امام ابویعلیٰ تھے اور اسی سے ان کا مقام ومرتبہ دار الخلافہ میں قائم ہوا اور ان کی شہرت ہوئی۔

دیکھئے امام احمد بن حنبل سے ان کے بیٹے صالح نے مسائل میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حج میں قصر کرایا ہے اور بالوں کے وجود میں آپ حلال ہوئے ہیں، امام احمد کی ذہنی نزاکت احادیث کے الفاظ کا اتباع ہے اور ان کے مقاصد کی حفاظتیں تھیں، فرماتے ہیں کہ بس اتنے حلال ہوئے ہیں بال کٹوالئے باقی اور کچھ نہیں کیا۔

امام احمد نے یہاں پہنچ کر سب روایات کو لے لیا، معاویہؓ کی اس روایت کا مطلب یہ نکلا کہ صرف آپ نے بال کٹوائے اور لا أحللت وغیرہ جہاں آیا اور یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں سائق الہدی نہ ہوتا تو حلال ہو جاتا یہاں حلتِ منفیہ سے مراد کلی حلال ہو جانا ہے، تو حل پایا گیا صرف قصر شعور میں اور حل منفی رہا باقی جمیع امور میں، یہ امام احمد کی رائے ہے اور اس کے بعد سب روایات منطبق ہوتی چلی جاتی ہیں۔

علامہ فضل اللہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ معاویہؓ ابناء ثمانین میں سے تھے، اس عمر میں انسان کے قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں قوت حافظہ کام کرنا چھوڑ دیتی ہے وہم واقع ہو جاتا ہے، کیا عجب ہے کہ معاویہؓ کو نقل میں وہم ہو گیا ہو، کہیں سے کہیں ذہن منتقل ہو گیا ہو۔

لیکن اگر امام احمد کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو قطعاً توہیم کے دعوی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہر روایت بر محل ہو جاتی ہے کوئی اشکال نہیں ہوتا، لیکن یہ بات شارحین نے نہیں لکھی ہے یہ صرف فضل خداوندی ہے جو اپنے بعض بندوں کو کیا جاتا ہے۔

(ص ۲۳۳) بَابُ تَقْصِيرِ الْمُتَمَتِّعِ بَعْدَ الْعُمْرَةِ

۱۷۳۱. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يَطُوفُوا بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ يَحِلُّوا وَيَحْلِقُوا أَوْ يُقَصِّرُوا.

ترجمہ: باب، متمتع کا عمرہ کے بعد بالوں کو چھوٹا کرانا۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ جب پیغمبر ﷺ مکہ مکرمہ آئے تو آپ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کا طواف

کریں، صفا اور مروہ کی سعی کریں اور پھر احرام کھول دیں اور حلق کرائیں یا قصر کرائیں۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی تمتع کرنا چاہتا ہے تو اس کو یہ چاہئے کہ عمرہ کرنے کے بعد قصر کرے، حضرت امام نے اوّلاً یہ بتلایا تھا کہ احلال کے وقت حلق و تقصیر دونوں مباح ہیں اور روایات کے انداز نے بتلادیا کہ اس میں حلق افضل ہے۔

اب مصنف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ متمتع اس قانون سے خارج ہے، متمتع کے لئے عمرہ سے فراغت کے بعد تقصیر افضل اور اولیٰ ہے، یہی ائمۂ ثلاثہ مالک، شافعی اور احمد کا مسلک ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب عمرہ اور اس کے بعد حج کا زمانہ قریب ہو، حضرات حنفیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اختیار ہے چاہے حلق کرے یا قصر، بلکہ حاکم نے اپنے مختصر میں جو عبارت لکھی ہے اس سے تو تفضیلِ حلق ہی معلوم ہوتی ہے، اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ بخاری نے ائمۂ ثلاثہ کی تائید کی ہے اور حنفیہ پر رد کیا ہے، بندہ نے جب حج کیا تھا تو قصر ہی کرایا تھا۔

(ص ۲۳۴) بَابُ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ

وَقَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ الزِّيَارَةَ إِلَى اللَّيْلِ وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي حَسَّانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَزُورُ الْبَيْتَ أَيَّامَ مِنًى.

۱۷۳۲. وَقَالَ لَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ طَافَ طَوَافًا وَاحِدًا ثُمَّ يَقِيلُ ثُمَّ يَأْتِي مِنًى يَعْنِي يَوْمَ النَّحْرِ وَرَفَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ.

۱۷۳۳. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَفَضْنَا يَوْمَ النَّحْرِ فَحَاضَتْ صَفِيَّةُ فَأَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْهَا مَا يُرِيدُ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِهِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهَا حَائِضٌ قَالَ حَابِسَتُنَا هِيَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَاضَتْ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ اخْرُجُوا وَيُذْكَرُ عَنِ الْقَاسِمِ وَعُرْوَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَفَاضَتْ صَفِيَّةُ يَوْمَ النَّحْرِ.

ترجمہ: باب، دس ذی الحجہ کو طواف زیارت کرنے کا بیان۔

ابوزبیر نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت بیان کی کہ پیغمبر ﷺ نے طواف زیارت کو رات تک مؤخر کیا، ابوحسان حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ منیٰ کے دنوں میں بیت اللہ کی زیارت کرتے تھے۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک طواف کیا پھر قیلولہ کیا پھر منی آئے یعنی دس ذی الحجہ کو، عبدالرزاق نے اس کو عبیداللہ کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ہم نے پیغمبر ﷺ کے ساتھ حج کیا، ہم نے دس ذی الحجہ کو طواف زیارت کیا پھر حضرت صفیہؓ کو حیض آگیا پیغمبر ﷺ نے حضرت صفیہؓ کے ساتھ اس عمل کا ارادہ کیا جو ایک شخص اپنی اہلیہ کے ساتھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے میں نے کہا کہ یارسول اللہ! وہ حائضہ ہیں آپ نے فرمایا کہ وہی ہم کو روکنے کا سبب ہوں گی، لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ! انہوں نے دس ذی الحجہ کو طواف زیارت کرلیا ہے آپ نے فرمایا کہ پھر کوچ کرو، امام بخاری کہتے ہیں قاسم بن محمد، عروہ اور اسود؛ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ صفیہؓ نے دس ذی الحجہ کو طواف زیارت کیا۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے طواف زیارت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

طواف زیارت کو طواف رکن، طواف فرض، طواف افاضہ اور طواف صدر کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، مالکیہ اس کے طواف زیارت کہنے کو مکروہ کہتے ہیں باقی جمہور علماء اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اس پر اتفاق ہے کہ اس طواف کا سب سے افضل وقت یوم النحر یعنی دسویں تاریخ ہے۔

طواف زیارت کا وقت کب سے ہے؟ پھر امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اس طواف کا ابتدائی وقت لیلۃ النحر کے نصف کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور اس کے آخر کی کوئی انتہاء نہیں ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کا ابتدائی وقت طلوع صبح یوم النحر ہے اور اس کا آخر آخر ایام النحر ہے یعنی ایام نحر کے آخری دن کا جب سورج غروب ہو جائے تو اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد اگر کوئی طواف کرے گا تو اس پر دم واجب ہوگا، حضرات مالکیہ فرماتے ہیں کہ اس کا ابتدائی وقت طلوع صبح عید ہے اور آخری وقت آخر ذی الحجہ ہے، ذی الحجہ کے گزر جانے کے بعد اگر کوئی طواف کرے گا تو اس پر دم واجب ہوگا۔

اور یہ جو مالکیہ اور جمہور علماء کا اختلاف ہے کہ اشہر حج کیا ہیں؟ جمہور کہتے ہیں کہ شوال، ذی القعدہ اور عشر ذی الحجہ ہیں اور مالکیہ کہتے ہیں کہ تینوں پورے مہینے ہیں، اس اختلاف کا ثمرہ بظاہر یہیں ظاہر ہوگا، حنفیہ کے نزدیک ایام نحر کے اندر اندر طواف کی گنجائش ہے اس کے بعد تاخیر کرنے پر ارتکاب کراہت اور دم واجب ہے، مالکیہ کے یہاں پورے مہینہ تاخیر کی گنجائش ہے نہ کراہت لازم آئے گی نہ دم واجب ہوگا۔

یہ طواف؛ فرض اور ارکان میں سے ہے۔

وَقَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ: یہ روایت حضرت امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے بطریق سفیان الثوری عن أبی الزبیر عن عائشة وابن عباس موصولاً نقل کی ہے أَخَرَ النَّبِيُّ ﷺ الزِّيَارَةَ إِلَى اللَّيْلِ۔

حضور ﷺ نے طواف زیارت کب کیا؟ یہ حدیث مشکلات میں شمار کی گئی ہے اس واسطے کہ حضرت جابرؓ کی روایت میں مسلم شریف میں اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں صحیحین میں یہ تصریح وارد ہے کہ آنحضور ﷺ نے طواف زیارت دن میں کیا تھا، اس لئے اب حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی اس روایت کے متعلق علماء کی مختلف رائیں ہو گئیں۔

(۱) امام ترمذی نے العلل الکبیر میں امام بخاری سے اس حدیث کے معلول ہونے کی طرف اشارہ نقل کیا ہے اور تفصیلی کلام ان کا حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اور حضرت سہارنپوری نے بذل المجہود میں نقل کیا ہے جس کو تفصیل مطلوب ہو وہاں دیکھ لے، علامہ ابو الحسن بن القطان الفاسی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، سوائے اس طریق کے کسی سند سے منقول نہیں ہے اور ابو الزبیر مدلس ہیں انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اپنے سماع کی تصریح ہی نہیں کی ہے لہٰذا ان کی روایات میں توقف کرنا پڑے گا، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو تسمیہ میں وہم ہو گیا اس نے طواف وداع کو طواف زیارت سے تعبیر کر دیا۔

(۲) حافظ ابن کثیر نے ایک توجیہ یہی کی ہے اور ایک اور توجیہ بھی کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ أَخَرَ النَّبِيُّ ﷺ الزِّيَارَةَ إِلَى اللَّيْلِ کے معنی إلی مابعد العشاء ہوں یعنی شام کو طواف کیا ہو۔

(۳) امام نووی نے شرح مہذب میں اور ابن حجر مکی نے شرح منہاج میں اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سے ازواج مطہرات کا طواف مراد ہے یعنی ازواج مطہرات کے طواف کو رات کے لئے مؤخر فرما دیا تھا۔

(۴) شمس الائمہ سرخسی اور امام نووی کی رائے یہ ہے کہ اس سے اطوفۂ نافلہ مراد ہیں یعنی حضور ﷺ ایام منیٰ میں نفل طواف کیا کرتے تھے اور بیت اللہ شریف کی زیارت رات میں کیا کرتے تھے، اسی لئے امام بخاری نے آگے وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي حَسَّانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَزُورُ الْبَيْتَ أَيَّامَ مِنًى نقل فرمایا ہے گویا بخاری نے یہ بتلا دیا کہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت اطوفۂ نافلہ پر محمول ہے۔

لیکن یہ توجیہ اس بات پر موقوف ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ نے حج کے زمانہ میں تین طوافوں کے علاوہ باقی اور نفلی طوافات بھی کئے ہیں، اور میں اس کے متعلق ماقبل میں تنبیہ کر آیا ہوں کہ حضرت امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بس طواف قدوم کے بعد تا طواف زیارت کوئی طواف نہیں ہے چنانچہ ص ۲۲۰ پر امام بخاری نے ترجمہ منعقد کیا ہے بَاب مَنْ لَمْ يَقْرَبِ الْكَعْبَةَ وَلَمْ يَطُفْ حَتَّى يَخْرُجَ إِلَى عَرَفَةَ وَيَرْجِعَ بَعْدَ الطَّوَافِ الْأَوَّلِ، پہلے طواف کے بعد واپسی تک جو کوئی کعبہ کے قریب نہ جائے سنت میں اس کی اصل موجود ہے۔

لیکن ہو سکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے تا طواف زیارت تو کوئی نفلی طواف نہ کیا ہو اور طواف زیارت سے فراغت کے بعد منیٰ میں جب آپ کا قیام رہا ہو تو ان تین دنوں میں آپ بیت اللہ کی زیارت اور نفلی طواف کے لئے حاضر ہوتے رہے ہوں، لہذا اب بخاری کے اِس ترجمہ میں اور اُس ترجمہ میں جو ص ۲۲۰ پر گزرا ہے کوئی تعارض نہیں رہتا ہے۔

(ص ۲۳۴) بَاب إِذَا رَمَى بَعْدَمَا أَمْسَى أَوْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ نَاسِيًا أَوْ جَاهِلًا

١٧٣٤. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قِيلَ لَهُ فِي الذَّبْحِ وَالْحَلْقِ وَالرَّمْيِ وَالتَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ فَقَالَ لَا حَرَجَ.

١٧٣٥. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُسْأَلُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى فَيَقُولُ لَا حَرَجَ فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ قَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ وَقَالَ رَمَيْتُ بَعْدَ مَا أَمْسَيْتُ فَقَالَ لَا حَرَجَ.

ترجمہ: باب، شام ہونے کے بعد رمی کرنے؛ یا نسیان کی وجہ سے یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ذبح سے پہلے حلق کرانے کا بیان۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی رمی شام ہو جانے پر کرے یا ذبح سے پہلے حلق کرا لے بھول کر یا جہالت کی وجہ سے تو کوئی حرج نہیں۔

یوم النحر میں چار کام کئے جاتے ہیں، ۱۔ رمی، ۲۔ نحر، ۳۔ حلق یا قصر، ۴۔ طواف زیارت۔

یہ اعمال اربعہ اسی ترتیب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں اور اسی ترتیب سے کرنا بھی چاہئے۔

اس ترتیب کا حکم کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، (۱) امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد فی المشہور فرماتے ہیں کہ یہ ترتیب سنت ہے، اگر اس کے خلاف ہو جائے خواہ ناسیاً ہو یا عامداً تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، (۲) امام احمد بن حنبل ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ اگر ناسیاً یا جاہلاً بے ترتیبی ہو جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں، اسی کو امام بخاری نے اختیار کیا ہے، (۳) امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ طواف میں اختیار ہے چاہے سب سے بعد میں کرے یا سب سے پہلے یا کسی سے پہلے یا کسی کے بعد، لیکن باقی اعمال ثلاثہ میں قارن و متمتع کے لئے ان تینوں اعمال متقدمہ میں ترتیب واجب ہے، اور مفرد کے لئے رمی اور حلق میں ترتیب واجب ہے اس پر نحر واجب ہی نہیں، (۴) امام مالک فرماتے ہیں کہ رمی کی تقدیم حلق پر اسی طرح طواف پر واجب ہے باقی تمام امور میں ترتیب مندوب ہے۔

ترتیب کے عدم وجوب کے دلائل: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ترتیب واجب نہیں ہے انہوں نے ابن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ وغیرہ دیگر صحابہ کی روایتوں سے استدلال کیا ہے جس میں تقدیم و تاخیر کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا حرج لا حرج، یہ اپنے عموم کی وجہ سے اثم و دم دونوں کی نفی کو عام ہے، لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ناسی و عامد میں فرق ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے متعلق لا حرج کہا ہے؟ آنے والے سائلین آپ کی خدمت میں آتے ہیں کبھی کہتے ہیں فعلت کذا کبھی کہتے ہیں نسیت تو ان کا یہ تقدیم و تاخیر کرنا بر بناء جہالت یا بر بناء نسیان تھا، لہذا ناسی اور جاہل تو معذور ہے اور اسی کے حق میں لا حرج فرمایا گیا ہے اور باقی لوگ غیر معذور ہیں۔

وجوب کے دلائل: اور جو لوگ ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں وہ ایک روایت پیش کرتے ہیں ابن عباسؓ کہتے ہیں من قدّم شیئاً أو أخره فليهرق لذلك دمًا رواه ابن أبی شیبة والطحاوی، اسی کے ساتھ ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ قرآن کریم میں ہے وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ۔

جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ کا جو اثر ہے اول تو اس کی سند میں ابراہیم بن مہاجر ہے جو متکلم فیہ ہے،

اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ابن عباسؓ خود اپنی حدیث کے خلاف کوئی بات کہیں، اور اگر آپ اس سے استدلال کرتے ہیں تو اس کا اطلاق یہ چاہتا ہے کہ علی الاطلاق ترتیب واجب ہو، اور ترتیب کے موجبین میں کوئی بھی علی الاطلاق ترتیب کو واجب نہیں کہتا لہٰذا ابن عباسؓ کا یہ اثر اس کے دعوے کے مطابق نہیں، اور وَ لَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ کا مطلب امام بخاری نے یہ بیان کیا کہ یہ آیت مُحصر کے متعلق وارد ہے، اگر مُحصر کے ذمہ ترتیب واجب کردی گئی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ سب پر ہی ترتیب واجب ہو جائے۔

اور ترتیب کے موجبین یہ کہتے ہیں کہ اسامہ بن شریک کی روایت میں ابو داؤد، طحاوی اور اسی طرح دار قطنی وغیرہ میں وارد ہوا سائلین آتے تھے اور سوال کرتے تھے فعلت کذا قبل کذا تو آپ نے فرمایا لَا حَرَجَ لَا حَرَجَ إِلَّا رَجُلٌ اقْتَرَضَ مِنْ عِرْضِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ فَذَاكَ الَّذِي حَرِجَ وَهَلَكَ، اس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حرج منفی سے اثم مراد ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ حدیث تقدیم و تاخیر میں شارع نے مقام بیان میں علی الاطلاق لا حرج کہا ہے، اس حرج سے حرج کلی کی نفی مقصود ہے خواہ وہ دم ہو یا اثم ہو، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شارع بیان کے مقام میں سکوت فرمالیں۔

اس کے بعد پھر وہی بات آئے گی کہ شارع نے لا حرج ناسی اور جاہل کے متعلق فرمایا لہٰذا صرف ناسی اور جاہل سے دم ساقط ہو گا عامد اور ذاکر سے ساقط نہیں ہو گا، اور ابن عباسؓ سے جو ایجابِ دم منقول ہے غالب گمان یہ ہے کہ اس کا تعلق عامد و ذاکر سے ہی ہے، اس توجیہ کے بعد ابن مسعودؓ کے اثر مذکور اور ان کی روایت مرفوعہ میں کوئی تعارض ہی باقی نہیں رہا اور ساری روایات اپنے محل پر آ پہونچیں۔

یہ تو امام بخاری کے مقصد کی وضاحت پر تقریر ہوئی اور اسی میں دیگر مذاہب کی باتیں بھی آگئیں۔

لیکن کسی مجتہد کو دوسرے مجتہد پر اعتراض کا تو حق ہے مگر غیر مجتہد ناقل محض ہوتا ہے اسے کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں، اور اکابر پر اعتراض نہیں کیا جاتا بہت بہت یہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان کو اس سلسلہ کی روایات پوری نہیں پہونچیں یا ان کی اجتہادی نظر واقع ہوگئی۔

(ص ۲۳۴) بَابُ الْفُتْيَا عَلَى الدَّابَّةِ عِنْدَ الْجَمْرَةِ

١٧٣٦. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَجَعَلُوا يَسْأَلُونَهُ فَقَالَ رَجُلٌ لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ قَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ.

١٧٣٧. حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ كُنْتُ أَحْسِبُ أَنَّ كَذَا قَبْلَ كَذَا ثُمَّ قَامَ آخَرُ فَقَالَ كُنْتُ أَحْسِبُ أَنَّ كَذَا قَبْلَ كَذَا حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ وَأَشْبَاهَ ذَلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ لَهُنَّ كُلِّهِنَّ فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ.

١٧٣٨. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ وَقَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى نَاقَتِهِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ تَابَعَهُ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

ترجمہ: باب، جمرہ کے پاس سوار ہونے کی حالت میں مسئلہ بتانے کا بیان۔

روایات کا ترجمہ کتاب العلم میں گزر چکا

تشریح: اس نوع کا ترجمہ کتاب العلم میں دو جگہ گزر گیا ہے اور میں ان دونوں ترجموں کی وجہ بیان کر چکا ہوں، وہاں تو مصنف نے بحیثیت مسائل علم کے منعقد کیا تھا اور یہاں پر بحیثیت مسائل حج کے ذکر فرمایا ہے، اور مقصد مصنف کا یہ ہے کہ جمرہ کے پاس جو رمی کی جگہ ہے اور جہاں ازدحام ہوتا ہے اگر کوئی آدمی مسئلہ پوچھے اور مفتی صاحب دابہ پر سوار ہوں تو وہ سائل کو جواب دے سکتا ہے خصوصاً جب اس مسئلہ کا تعلق رمی ہی سے ہو اس لئے کہ وہ منسک اور عبادت کی جگہ ہے، ہو سکتا ہے اگر اس وقت مسئلہ کا جواب نہ دیا جائے تو مسئلہ ہی فوت نہ ہو جائے یعنی وہ عبادت ہی فوت نہ ہو جائے۔

روایت میں دابہ کا لفظ نہیں: امام بخاری پر امام اسماعیلی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ بخاری نے ترجمہ میں دابہ کا لفظ ذکر کیا ہے لیکن جو روایتیں اس باب میں ذکر کی ہیں ان میں دابہ کی کوئی تصریح ہے نہیں پھر مصنف کا یہ ترجمہ کیسے ثابت ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روایت میں وَقَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى نَاقَتِهِ وارد ہوا ہے اور ناقہ بھی احدی الدواب ہے لہذا جب ایک فرد دابہ پر فتیا دینا ثابت ہو گیا تو مطلقاً مسئلہ بالکل ثابت ہو گیا۔

وَقَفَ فِي حَجَّةِ الوَدَاعِ: یہ روایت اپنے عموم کی وجہ سے مثبتِ ترجمۂ مصنف ہو سکتی ہے جیسے روایت کے بعض طرق میں وقوف علی الناقہ کا ذکر ہے اور وہ مثبتِ ترجمہ ہے۔

يَخْطُبُ يَوْمَ النَّحْرِ: اس حدیث پاک سے خطبۂ یوم النحر کا ثبوت ہوتا ہے، یہ مسئلہ اختلافیہ ہے کہ یوم النحر یعنی دسویں تاریخ کو خطبہ دیا جائے گا یا نہیں؟

شافعی واحمد وزفر تو قائل ہیں اور باقی ائمہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک اس کا انکار کرتے ہیں، اور اس خطبہ کو وہ وصایا عامہ میں شمار کرتے ہیں، علامہ ابو عبد اللہ الابی فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری کا حدیث پر الفتیا کا ترجمہ منعقد کرنا اس بات پر دال ہے کہ یہ خطبہ نہیں ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ علامہ ابی کا یہ کلام منقوض ہے اس لئے کہ امام بخاری نے آگے الخطبة أيام منى کا ترجمہ منعقد کیا ہے اور اس میں یوم النحر بھی داخل ہے، حق یہ ہے کہ اگر روایت کے بعض مضامین پر ترجمہ منعقد کیا جائے تو اس سے بعض دیگر مضامین کی نفی نہیں ہوا کرتی ہے۔

تَابَعَهُ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: یعنی یہ روایت جیسے صالح بن کیسان، ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں معمر بھی نقل کرتے ہیں اور معمر کی روایت میں راحلہ کا ذکر واقع ہوا ہے أخرجه أحمد والنسائی۔

(ص ۲۳۴) بَابُ الْخُطْبَةِ أَيَّامَ مِنًى

۱۷۳۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قَالُوا يَوْمٌ حَرَامٌ قَالَ فَأَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟ قَالُوا بَلَدٌ حَرَامٌ قَالَ فَأَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟ قَالُوا شَهْرٌ حَرَامٌ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ

وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فَأَعَادَهَا مِرَارًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَوَصِيَّتُهُ إِلَى أُمَّتِهِ فَلْيُبْلِغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

١٧٤٠. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ بِعَرَفَاتٍ تَابَعَهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو.

١٧٤١. حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا قُرَّةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ وَرَجُلٌ أَفْضَلُ فِي نَفْسِي مِنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قُلْنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟ قُلْنَا بَلَى قَالَ أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟ قُلْنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ ذُو الحَجَّةِ؟ قُلْنَا بَلَى قَالَ أَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟ قُلْنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الحَرَامِ؟ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوا نَعَمْ قَالَ اللَّهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

١٧٤٢. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ المُثَنَّى حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بِمِنًى أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَقَالَ فَإِنَّ هَذَا يَوْمٌ حَرَامٌ أَفَتَدْرُونَ أَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ بَلَدٌ حَرَامٌ أَفَتَدْرُونَ أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهْرٌ حَرَامٌ قَالَ فَإِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا وَقَالَ هِشَامُ بْنُ الغَازِ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَفَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ بَيْنَ الجَمَرَاتِ فِي الحَجَّةِ الَّتِي حَجَّ بِهَذَا وَقَالَ هَذَا يَوْمُ الحَجِّ الأَكْبَرِ فَطَفِقَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ اللَّهُمَّ اشْهَدْ وَوَدَّعَ النَّاسَ فَقَالُوا هَذِهِ حَجَّةُ الوَدَاعِ.

ترجمہ: باب، منی کے ایام میں خطبہ کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دس ذی الحجہ کو لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ حرمت والا دن ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حرمت والا شہر ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حرمت والا مہینہ ہے، آپ نے فرمایا کہ بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبرو؛ تمہارے اوپر اس دن کی، اس شہر اور اس ماہ کی حرمت کی طرح حرام ہیں، آپ نے اس بات کو کئی بار دہرایا پھر اپنا سر اٹھایا اور فرمایا اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا؟ اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے امت کے لئے آپ کی وصیت یہی تھی کہ جو یہاں موجود ہے وہ غائب تک یہ باتیں پہنچائے، تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کا خون کرو، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر ﷺ کو عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے سنا۔

اس عمرو سے اس روایت کو بیان کرنے میں شعبہ کی متابعت ابن عیینہ نے کی ہے۔

اس کے آگے دونوں روایتوں کا ترجمہ ہو چکا

ہشام بن الغاز نے کہا کہ مجھے نافع نے خبر دی انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت بیان کی کہ پیغمبر ﷺ حج میں یوم نحر کو جمروں کے درمیان کھڑے ہوئے پھر اسی کے مانند روایت بیان کی اور مزید یہ فرمایا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے، پھر پیغمبر ﷺ یہ فرمانے لگے کہ اے اللہ! تو گواہ رہ، اور آپ نے لوگوں کو وداع کیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ حجۃ الوداع ہے۔

تشریح: ایام منیٰ؛ یوم النحر اور اس کے بعد کے تین ایام ہیں۔

حج میں کتنے خطبات ہوں گے؟ حج میں تین خطبات ہوں گے یا چار؟ اس میں دونوں قول ہیں،

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک اور زفر فرماتے ہیں کہ تین خطبات ہوں گے، پھر مالک وابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سات، نو اور گیارہ کو یہ تینوں خطبے دیئے جائیں گے یعنی بیچ میں ایک ایک دن چھوڑ دیا جائے گا، امام زفر فرماتے ہیں کہ یہ خطبات آٹھ، نو اور دس کو مسلسل تین خطبے دیئے جائیں گے، (۲) امام احمد فرماتے ہیں کہ حج میں چار خطبات ہوں گے، سات اور نو میں یہ پہلے فریق یعنی ابو حنیفہ اور مالک کے ساتھ شریک ہیں، پھر یہ حضرات کہتے ہیں کہ دسویں کو پھر بارہ کو بھی خطبہ ہوگا، تو کل چار خطبات سات، نو، دس اور بارہ کے ہوئے۔

حضرت امام بخاری نے اس میں کوئی تفصیل نہیں دی ہے، انہوں نے الْخُطْبَةُ أَيَّامَ مِنًى کا ترجمہ منعقد کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے میں ایام منیٰ میں خطبہ دیا جاسکتا ہے جس میں یوم النحر بھی داخل ہے، لہٰذا اس مضمون میں انہوں نے امام شافعی واحمد کی موافقت کی ہے اور ان لوگوں پر رد کیا ہے جو دسویں تاریخ کے خطبہ

کا انکار کرتے ہیں، مصنف نے دسویں تاریخ کے خطبہ کے اثبات کے لئے ابن عباسؓ کی روایت پیش کی ہے اسی طرح ابو بکرہؓ کی روایت بھی پیش کی ہے ان روایات میں دسویں تاریخ میں خطبہ کا تذکرہ وارد ہے۔

بعض مالکیہ اور حنفیہ نے جواب یہ دیا ہے کہ یہ خطبہ وصایا عامہ کے قبیل سے تھا، امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جب صحابی نے اس پر خطبہ کا اطلاق کیا جیسے خطبۂ عرفات پر خطبہ کا اطلاق کیا اور آپ خطبۂ عرفات کا اعتراف کرتے ہیں تو آپ کو خطبۂ یوم النحر کا بھی اعتراف کرنا چاہئے، اسی وجہ سے امام بخاری نے خطبۂ عرفات والی روایت خطبۂ ایام منیٰ میں ذکر فرمائی ہے، اور اس کی اور دو توجیہ یعنی خطبۂ عرفات والی روایت کے اس باب میں ذکر کرنے کی آگے آرہی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قَالُوا يَوْمٌ حَرَامٌ: ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے سوال کیا کہ آج کونسا دن ہے؟ تو صحابہ نے کہا کہ یوم حرام، آگے ابو بکرہؓ کی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے کوئی جواب نہیں دیا، اور یہ دونوں ایک ہی دن کا واقعہ ہے، اب یہاں پر یہ کہنا کہ ممکن ہے دو خطبے ہوں بعید معلوم ہوتا ہے اس واسطے کہ کسی روایت سے یوم النحر کے خطبہ کا تعدد ثابت نہیں ہے، ہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایک طرف کے لوگوں نے کہہ دیا ہو کہ یوم حرام اور ایک طرف کے لوگوں نے اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ کہہ دیا ہو مگر یہ چیز بھی بعید معلوم ہوتی ہے۔

اقرب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ابو بکرہؓ کی روایت مفصل ہے اور ابن عباسؓ کی مجمل ہے، اصل میں صورت حال یہ ہوئی تھی کہ حضور اکرم ﷺ نے اوّلاً یوں پوچھا کہ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ صحابہ نے اس کے جواب میں یہ کہا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ اس پر حضور پاک ﷺ نے فرمایا أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟ صحابہ نے جواباً عرض کیا بلی، تو گویا حضرات صحابہ نے أَيُّ يَوْمٍ هَذَا کے جواب میں یوم النحر کہہ دیا، یوم حرام کہہ دیا، یہی توجیہ بعینہ تمام سوالات کے جوابات کے متعلق کی جائے گی۔

ایک احتمال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک ہی خطبہ میں دو مرتبہ سوال کیا ہو، ایک مرتبہ صحابہ نے اللہ ورسولہ اعلم کہہ دیا ہو اور دوسری مرتبہ سوال کا جواب دے دیا ہو، مگر یہ سیاق سے بعید معلوم ہوتا ہے، جب دونوں روایتوں کو جمع کیا جائے تو جواب نمبر تین ہی ارجح معلوم ہوتا ہے۔

فإن دماءکم وأموالکم وأعراضکم علیکم حرام: حضور اکرم ﷺ نے حرمتِ دماء واموال واعراض کو حرمت یوم وشہر وبلد کے ساتھ تشبیہ دی ہے، سوال یہ ہے کہ تشبیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے اقوی ہوتا ہے، حالانکہ حرمتِ دم واموال واعراض؛ حرمتِ یوم وشہر وبلد سے اقویٰ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں تشبیہ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مشبہ بہ من کل الوجوہ مشبہ سے اقویٰ ہو کسی چیز میں قوت کافی ہے چاہے وہ شہرت ہی کیوں نہ ہو اور یہاں تشبیہ شہرت کے اعتبار سے ہے۔

اصل میں اہل عرب کے یہاں یوم وبلد اور شہر کی حرمت مشہور ومعروف تھی اور وہ اس کا بڑا لحاظ کرتے تھے، اور جان ومال وآبرو کی ان کے یہاں کوئی حقیقت نہیں تھی اس لئے حضور اکرم ﷺ نے جان ومال وآبرو کی حرمت کو حرمت یوم وشہر وبلد کے ساتھ تشبیہ دے کر یہ بتلادیا کہ جیسے تم ان چیزوں کا بڑا پاس ولحاظ اور احترام کرتے ہو ایسے ہی ان تین چیزوں کا احترام کرنا ضروری ہے۔

سمعت النبي ﷺ یخطب بعرفات: یہ آگئی وہ روایت، یہ روایت بظاہر ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں اس لئے کہ عرفہ کا دن ایام منیٰ میں سے نہیں ہے، ایام منیٰ دسویں تاریخ اور اس کے بعد کے تین ایام ہیں، اب یہاں اس روایت کو لانے کی وجہ بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

۱۔ ایک وجہ ہم علامہ ابن منیر کے کلام سے بیان کر چکے ہیں، ۲۔ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ امام بخاری نے یہاں اس کو تغلیباً ذکر کردیا ہے کیوں کہ یوم عرفہ ایام منیٰ سے متصل ہوتا ہے اس لئے اس کو یعنی یوم عرفات کو ایام منیٰ میں شمار کرلیا گیا، ۳۔ تیسرا جواب جو علامہ سندی نے دیا ہے کہ اصل میں یوم عرفہ کی ابتداء منیٰ سے ہوتی ہے اس واسطے اس کو ایام منیٰ میں شمار کرلیا گیا۔

فسکت حتی ظننا أنه سیسمیه بغیر اسمه: چونکہ حضور اکرم ﷺ نبی تھے اور بہت سی چیزوں میں تبدیل وتغییر فرماتے تھے اور بہت سی چیزوں کو بالکل بدل دیتے تھے اور نئی نئی باتیں بتاتے تھے اس لئے جب آپ نے یوم وشہر وبلد کے متعلق سوال کیا تو صحابۂ کرام یہ سمجھے کہ جیسے بہت سی چیزوں میں آپ نے تبدیلی فرمائی ہے شاید اس میں بھی کوئی تبدیلی فرمانے والے ہیں۔

وقف النبي ﷺ یوم النحر بین الجمرات: یوم النحر میں آپ نے جمرات یعنی احجار کے درمیان

وقوف فرمایا ہے، اس حدیث پاک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موضع وقوف کا پتہ چل گیا، اور باقی جو روایات ذکر کی ہیں اس سے یوم الوقوف اور مکان وقوف کا پتہ چل گیا اور نسائی کی ایک روایت سے وقت وقوف کا بھی علم ہوتا ہے اس میں ہے یَخْطُبُ النَّاسَ بِمِنًی حِینَ ارْتَفَعَ الضُّحَی کذا قالہ بعض الشراح، اس طرح تینوں باتیں معلوم ہو گئیں، یوم وقوف، مکان وقوف، وقت وقوف۔

هَذَا يَوْمُ الْحَجِّ الأَكْبَرِ: حج اکبر کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، بعض کہتے ہیں کہ یوم النحر، بعضوں نے کہا کہ یوم عرفہ، اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قران ہے اور حج اصغر افراد ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ حج اکبر حج ہے اور حج اصغر عمرہ ہے وقیل غیر ذلک۔

وَوَدَّعَ النَّاسَ: یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کچھ رخصت کی باتیں کرنی شروع کیں۔

مثلاً آپ نے یوں ارشاد فرمایا لَعَلِّي لَا أَلْقَاكُم بَعْدَ عَامِي هَذَا لوگو! شاید اب ہماری ملاقات نہ ہو، اس ارشاد عالی کا منشاء بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ اس وقت جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ إذا جاء نصر الله و الفتح نازل ہوئی تھی، چنانچہ بیہقی کی روایت میں یہ ہے کہ اس سورۂ شریفہ کا نزول ایام تشریق کے وسط میں ہوا ہے، اس سے آپ یہ سمجھ گئے کہ بس آپ کے اس دنیا سے جانے کا وقت آچکا ہے اسی لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے توبہ واستغفار کرنے کا حکم فرمایا اس لئے کہ توبہ واستغفار اختتام امور پر ہوا کرتا ہے، کام ہو گیا ہے جو کچھ کوتاہی وغیرہ ہوئی اس کی معذرت پیش کی جائے۔

(ص ۲۳۵) بَابُ هَلْ يَبِيتُ أَصْحَابُ السِّقَايَةِ أَوْ غَيْرُهُمْ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى

۱۷۴۳. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ ح.

۱۷۴۴. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَذِنَ ح.

۱۷۴۵. وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ

الْعَبَّاسَ اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ ﷺ لِيَبِيتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهِ فَأَذِنَ لَهُ تَابَعَهُ أَبُو أُسَامَةَ وَعُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ وَأَبُو ضَمْرَةَ.

ترجمہ: باب، کیا سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کی ذمہ داری والے لوگ یا ان کے علاوہ دیگر لوگ منی کی راتیں مکہ مکرمہ میں گزار سکتے ہیں؟

روایات کا ترجمہ باب سقایۃ الحاج میں گزر چکا

محمد بن عبد اللہ کی متابعت ابو اسامہ، عقبہ بن خالد اور ابو ضمرہ نے کی ہے۔

تشریح: **حج کے پانچ ایام کی ترتیبِ افعال:** منیٰ میں حاجی آٹھویں تاریخ کو روانہ ہو جاتا ہے نویں کی رات گزارتا ہے، اور نو کی صبح کو وہاں سے طلوع شمس کے بعد حجاج عرفات کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں، عرفات پہنچ کر ظہر کی نماز پڑھتے ہیں جب وقت ہو جاتا ہے تو وقوف کرتے ہیں اور دعاء میں مصروف رہتے ہیں، غروب شمس کے بعد عرفات سے مزدلفہ واپسی ہوتی ہے، مزدلفہ پہنچ کر مغرب وعشاء معًا ادا کی جاتی ہے اور اس کے بعد وہیں رات گزاری جاتی ہے، صبح صادق ہوتے ہی فورًا عین غلس میں فجر کی نماز ادا کی جاتی ہے اور اسکے بعد وقوف ہوتا ہے، دسویں کی صبح کو جب اسفار ہو جاتا ہے تو منیٰ کیلئے روانگی شروع ہو جاتی ہے، منیٰ پہونچنے کے بعد سب سے پہلا کام جمرۂ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے، پھر گیارہ، بارہ اور تیرہ کی راتوں میں منیٰ ہی میں قیام ہوتا ہے۔

ایام تشریق کی راتوں میں مبیت منیٰ کا حکم: ان راتوں میں منیٰ میں مبیت اور وہاں قیام کرنا کیسا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، (۱) امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ واجب ہے، امام احمد کی ایک روایت وجوب کی ہے اور یہی مشہور ہے اور (۲) دوسری روایت یہ ہے کہ واجب نہیں ہے، حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ مبیتِ منیٰ واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے، اس لئے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے اصحاب سقایہ ورعاۃ کو مبیتِ منیٰ کے ترک کی اجازت دی تھی۔

جو لوگ اس کو واجب کہتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہے تو فی نفسہ یہ فعل واجب اسی لئے آپ نے اصحاب اعذار سقاۃ ورعاۃ کو رخصت واجازت دی ہے، امام بخاری اس ترجمہ سے اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

مصنف کا رجحان اس مسئلہ میں جمہور کے قول کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ مبیت لیالیٔ منیٰ میں منیٰ کے اندر

واجب ہے، اب گفتگو یہ ہے کہ جو اصحاب اعذار ہیں سقاۃ، رعاۃ وغیرہ آیا ان کو ترک بیت کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ حدیث سے معلوم ہوا کہ رُعاۃ اور سُقاۃ دو کو اجازت ہے یہی امام احمد کی ایک روایت ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ رعاۃ وسقاۃ اور دیگر اصحاب اعذار سب کو اجازت ہے، یہی امام احمد کی دوسری روایت ہے۔

حضرت امام بخاری اس مسئلہ میں کچھ تعمیم ہی کے قائل معلوم ہوتے ہیں اسی لئے اصحاب السقایہ کے بعد أوْغَيْرُهُمْ کا لفظ ارشاد فرمایا ہے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ترجمہ میں لفظ ھل کیوں ذکر کیا ہے؟ حالانکہ روایت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ سقاۃ کو اجازت دی گئی، حضرت عباسؓ نے اجازت چاہی کہ لیالیٔ منیٰ میں سقایت کی وجہ سے وہ مکہ میں قیام کرے آپ نے اجازت دے دی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں چونکہ یہ مقام مقامِ احتمال تھا ممکن ہے کہ یہ اجازت سقاۃ ہی کے ساتھ خاص ہو کسی اور کا اس میں اشتراک نہ ہو اس لئے امام بخاری نے ترجمہ میں لفظ ھل ذکر فرمادیا۔

اہل سقایہ سے کون مراد ہیں؟ پھر یہ اختلاف ہے کہ آیا یہ حکم سقایت عباسؓ کے ساتھ خاص ہے یا عام ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ سقایت عباسؓ کے ساتھ خاص ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ اولاد عباسؓ کے ساتھ خاص ہے، ابو القاسم رافعی نے امام مالک اور ابو حنیفہ سے یہی نقل کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ ان کی قوم بنو ہاشم کے ساتھ خاص ہے، شافعیہ کہتے ہیں کہ عباسیہ کے ساتھ خاص ہے۔

(ص ۲۳۵) بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ

وَقَالَ جَابِرٌ رَمَى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَرَمَى بَعْدَ ذٰلِكَ بَعْدَ الزَّوَالِ.

١٧٤٦. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ وَبَرَةَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ مَتَى أَرْمِي الْجِمَارَ؟ قَالَ إِذَا رَمَى إِمَامُكَ فَارْمِهْ فَأَعَدْتُ عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ قَالَ كُنَّا نَتَحَيَّنُ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا.

ترجمہ: باب، جمروں کی رمی کا بیان، حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے یوم نحر کو چاشت کے وقت رمی کی اور یوم نحر کے بعد زوال کے بعد رمی کی۔

حضرت وبرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے سوال کیا کہ میں جمروں کی رمی کب کروں؟ انہوں نے فرمایا کہ جب تمہارا امام رمی کرے تم بھی رمی کرو، میں نے ان سے دوبارہ سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم وقت کا انتظار کرتے تھے جب سورج

ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے تھے۔

تشریح: حاجی مزدلفہ سے جب منیٰ پہونچتا ہے تو وہاں پہلے دن جمرۂ عقبہ کی رمی کرتا ہے اور باقی تین ایام گیارہ، بارہ اور تیرہ کو تینوں جمرات اولیٰ، ثانیہ اور عقبہ کی رمی کرتا ہے۔

جمرۂ عقبہ کی رمی یوم النحر میں بالاتفاق ضحیٰ یعنی چاشت کے وقت ہوگی۔

باقی ایام کی رمی ائمۂ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک زوال کے بعد ہوگی، عطاء اور طاؤس کہتے کہ اگر زوال سے پہلے رمی کرلی جائے تو کافی ہوگی، امام ابوحنیفہ اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ گیارہ اور بارہ کی رمی تو زوال کے بعد ہی ہوگی اور تیرہویں کی رمی جس کو یوم النفر الثانی کہتے ہیں اگر کوئی زوال سے پہلے کرکے پہلے ہی منیٰ چھوڑ کر جانا چاہے تو جائز ہے، لیکن اگر کسی نے رمی کرنے کے بعد وقوف کرلیا حتی کہ زوال شمس ہوگیا تو دوبارہ اس کو رمی کرنا پڑے گی۔

حضرت امام بخاری اس مسئلہ میں جمہور علماء کے ساتھ ہیں اسی لئے حضرت جابرؓ کی روایت کو معلقاً ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں وَقَالَ جَابِرٌ رَمَى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَرَمَى بَعْدَ ذٰلِكَ بَعْدَ الزَّوَالِ یہ حدیث امام مسلم نے موصولاً تخریج فرمائی ہے۔

رمی جمار کا حکم: رمی جمار جمہور علماء کے نزدیک واجب ہے اگر کوئی چھوڑ دے گا تو دم واجب ہوگا، امام مالک کہتے ہیں کہ سنت مؤکدہ ہے، مالکیہ کا ایک قول یہ ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی رکن ہے اگر کوئی اس کو ترک کردے تو حج ہی نہیں ہوگا، حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ مقصود رمی نہیں ہے بلکہ اقامۃ ذکر اللہ ہے إنما جعل رمی الجمار والسعی بین الصفا والمروۃ لإقامۃ ذکر اللہ، رواہ الدارمی عن عائشۃ موقوفاً ورواہ الترمذی عنہا مرفوعاً۔

إِذَا رَمَى إِمَامُكَ: وبرہ نے ابن عمرؓ سے پوچھا کہ کب رمی کروں؟ فرمایا کہ جب تمہارا امام رمی کرے، وجہ یہ ہے کہ اگر امام کے خلاف رمی کرتے تو لوگ مخالفت کا الزام لگاتے ہو سکتا کہ کسی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے اس لئے فرمادیا کہ امام جب رمی کرے تب رمی کرو، لیکن سائل نے جب دوبارہ سوال کیا تو پھر اس کا وقت مستحب بتلادیا۔

(ص ۲۳۵) بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي

۱۷٤۷. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ رَمَى عَبْدُ اللّٰهِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنَّ نَاسًا يَرْمُونَهَا مِنْ فَوْقِهَا؟ فَقَالَ وَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ هٰذَا مَقَامُ الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ ﷺ.

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ بِهٰذَا.

ترجمہ: باب، وادی کے نشیب سے جمروں کی رمی کرنے کا بیان۔

عبدالرحمن بن یزید نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے وادی کے نشیب سے رمی کی، میں نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمن! کچھ لوگ وادی کے اوپر سے رمی کرتے ہیں تو فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں یہی وہ مقام ہے جہاں سے اس ذات اقدس نے رمی کی جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی، عبداللہ بن الولید نے کہا کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہم سے یہ حدیث اعمش نے بیان کی۔

تشریح: حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یوں بتلا رہے ہیں کہ جمرۂ عقبہ کی رمی بطن وادی سے ہوگی، یہ مسئلہ متفق علیہا ہے کہ رمی جمرۂ عقبہ بطن وادی سے مستحب ہے اور ویسے جہاں سے بھی رمی کردے اوپر سے نیچے سے جائز ہے، عطاء بن ابی رباح نے مرسلاً ایک روایت نقل کی ہے أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْلُو إِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ رَوَاهُ ابن أَبِي شَيْبَةَ ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس کی تردید کی ہو، لیکن یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے جس حدیث کو نقل کیا ہے اس کا تعلق جمرۂ عقبہ سے نہیں بلکہ دیگر جمرات سے ہے، جمرۂ عقبہ کی رمی تو بطن وادی سے ہوتی ہے دیگر کی نہیں۔

هٰذَا مَقَامُ الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ: چونکہ سورۂ بقرہ میں حج کے احکام نازل ہوئے ہیں اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یوں فرمایا کہ یہی اس شخص کا مقام رمی ہے جس پر سورۂ بقرہ نازل کی گئی جس کے اندر حج کے احکام ہیں، لہذا وہ حج کو زیادہ جاننے والا تھا اور اسی کا اتباع اور تقلید کرنا چاہئے۔

(ص ۲۳۵) بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ

ذَكَرَهُ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

۱۷۴۸. حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى جَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ وَمِنًى عَنْ يَمِينِهِ وَرَمَى بِسَبْعٍ وَقَالَ هٰكَذَا رَمَى الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ ﷺ.

ترجمہ: باب، جمروں کی رمی سات کنکریوں سے کرنے کا بیان۔

اس مضمون کو حضرت ابن عمرؓ نے پیغمبر ﷺ سے روایت کیا ہے۔

عبدالرحمن بن یزید نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بڑے جمرے پاس پہنچے، بیت اللہ کو بائیں جانب اور منی کو دائیں جانب لیا اور سات کنکریوں سے رمی کی اور فرمایا کہ اسی طرح اس ذات اقدس نے رمی فرمائی تھی جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی، ﷺ۔

تشریح: رمی جمار میں کئی مسئلے ہیں، ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس کا حکم کیا ہے؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس کا وقت کیا ہے؟ یہ دونوں بیان ہو چکے۔

رمی جمار میں کتنے اعداد ہوں گے؟ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ رمی جمار میں کتنے اعداد ہوں گے؟ کے کنکریاں لی جائیں گی؟ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہی مسئلہ بیان کیا ہے اور یوں فرماتے ہیں کہ سات کنکریاں ماری جائیں گی، حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے مَا أُبَالِي رَمَيْتُ الْجِمَارَ بِسِتٍّ أَو سبع، رواه ابن أبی شیبة، بظاہر امام بخاری نے اسی پر رد کیا ہے، عطاء سے منقول ہے کہ اگر پانچ مار دے تو کافی ہے، طاؤس اور مجاہد کہتے ہیں کہ اگر چھ مار دے تو کافی ہے، شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک چھوڑ دے تو ایک مد صدقہ واجب ہو گا، دو چھوڑ دے تو دو مد، اور اگر تین یا اس سے زائد چھوڑ دے تو دم واجب ہو گا، حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ نصف یا اس سے زائد چھوڑے تو دم واجب ہو گا اور اس سے کم کم میں وہ نصف صاع کے وجوب کے قائل ہیں۔

ذَكَرَهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: امام بخاری بڑے لطیف آدمی ہیں، چونکہ ابن ابی شیبہ نے ابن عمرؓ سے نقل کیا تھا مَا أُبَالِي رَمَيْتُ الْجِمَارَ بِسِتٍّ أَو سبع لہٰذا اس کی تردید کرنے کے لئے مصنف نے ابن عمرؓ ہی کی روایت مرفوعہ پیش کر دی کہ ابن عمرؓ تو حضور سے سات کنکریوں کا مارنا نقل کرتے ہیں بھلاوہ خود اپنی روایت مرفوعہ ہی کے خلاف کیا فیصلہ کر سکتے ہیں؟

(ص ۲۳۵) بَابُ مَنْ رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ

۱۷۴۹. حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ حَجَّ مَعَ ابْنِ مَسْعُودٍ فَرَآهُ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الْكُبْرٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ وَمِنًى عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا مَقَامُ الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ.

ترجمہ: باب، جمرۂ عقبہ کی رمی کے وقت بیت اللہ کو بائیں جانب لینے کا بیان۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمرۂ عقبہ کی رمی کا مستحب طریقہ بتلایا ہے۔

اس میں اختلاف ہے علماء کے دو بلکہ تین مشہور قول ہیں، (۱) جمہور علماء جس میں حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ جب آدمی جمرۂ عقبہ کی رمی کرے تو بیت اللہ بائیں طرف ہونا چاہئے، (۲) بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا استقبال کرے اور جمرۂ عقبہ کو دائیں طرف کرلے یہی حنابلہ کا مسلک ہے، (۳) بعض شافعیہ فرماتے ہیں کہ جمرہ کا استقبال اور کعبہ کا استدبار کرے۔

تنبیہ: یہ باب بظاہر فتح الباری کے موجودہ نسخوں میں نہیں ملتا ہے مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ حافظ نے یہ باب لیا ہی نہیں، اصل میں حافظ نے اس باب کو مستقل عنوان نہیں دیا ضمنی طور پر اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(ص ۲۳۵) بَابٌ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ

قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

۱۷۵۰. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ الْحَجَّاجَ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ السُّورَةُ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا الْبَقَرَةُ وَالسُّورَةُ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا آلُ عِمْرَانَ وَالسُّورَةُ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا النِّسَاءُ قَالَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يَزِيدَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ ابْنِ مَسْعُودٍ حِينَ رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَاسْتَبْطَنَ الْوَادِيَ حَتّٰى إِذَا حَاذَى بِالشَّجَرَةِ اعْتَرَضَهَا فَرَمٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ: مِنْ هَا هُنَا وَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ قَامَ الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ ﷺ.

ترجمہ: باب، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہنے کا بیان۔

یہ مضمون حضرت ابن عمرؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

اعمش نے بیان کیا کہ میں نے حجاج کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے، وہ سورت جس میں آل عمران کا ذکر ہے، وہ سورت جس میں نساء (یعنی عورتوں) کا ذکر ہے، اعمش کہتے ہیں کہ میں نے اس کا ذکر ابراہیم نخعی سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے عبدالرحمن بن یزید نے بیان کیا کہ وہ حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ تھے انہوں نے جمرۂ عقبہ کی رمی کی، وادی کے نشیب میں گئے یہاں تک کہ جب وہ درخت کی برابری میں پہنچے تو اس کے سامنے آگئے اور آپ نے سات کنکریاں پھینکیں اس حال میں کہ آپ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے پھر فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں رمی کے لئے اسی مقام پر وہ ذات اقدس تشریف فرما ہوئی جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی، ﷺ۔

تشریح: ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھنا چاہئے، یہ تکبیر پڑھنا باجماع امت مستحب ہے۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اگر تکبیر ترک کردے تو کوئی چیز واجب نہیں ہوگی، لیکن حافظ ابن حجر نے سفیان ثوری سے نقل کیا ہے کہ آدمی فقیر کو کچھ کھلادے اور اگر دم کے ذریعہ اس کا کفارہ دیدے اور تدارک کردے تو یہ زیادہ اولیٰ ہے، امام بخاری بظاہر جمہور علماء کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں، ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ جو حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ مقصود رمی جمار میں اقامۃ ذکر اللہ ہے حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس کی تردید کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، ایک رمی اور دوسرے تکبیر لہٰذا دونوں کو جمع کیا جائے گا۔

سَمِعْتُ الحَجَّاجَ يَقُولُ عَلَى المِنْبَرِ: حجاج بن یوسف ثقفی یوں کہا کرتا تھا لا تقولوا سورۃ البقرۃ ولکن قولوا السورۃ التی تذکر فیھا البقرۃ، اعمش نے یہ بات ابراہیم نخعی سے ذکر کی تو وہ ناراض ہوئے اور یہ فرمایا کہ مجھ سے عبدالرحمن بن یزید نے بیان کیا انہوں نے ابن مسعودؓ سے سنا وہ فرمارہے تھے هَذَا مَقَامُ الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ البَقَرَةِ ﷺ، یعنی سورۃ کی بقرہ کی طرف اضافت کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے، حجاج بن یوسف سمجھا ہوگا کہ بھلا سورۃ جتنی اہم چیز کو بقرہ کی طرف کیسے منسوب کرسکتے ہیں؟ نساء کی طرف آل عمران کی طرف کیسے منسوب کرسکتے ہیں؟ لہٰذا ابراہیم نخعی نے اس کی تردید کردی اور یہ اضافت اضافتِ تعریف کے قبیل سے ہے جیسے مسجد فلاں کہا جاتا ہے۔

يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ: ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھتے تھے، یہ ہے مقصود بالترجمہ۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہر کنکری الگ الگ ماری جائے گی جبھی تو ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھی جائے گی، اس میں سب کا اتفاق ہے۔

ساری کنکریاں ایک ساتھ ماردے تو کیا حکم ہے؟ لیکن اگر کوئی آدمی ساری کنکریاں ایک ہی ساتھ ماردے تو یہ کافی ہوگا یا نہیں؟ حافظ ابن حجر نے عطاء بن ابی رباح اور امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ کافی ہو جائے گا، عطاء کے متعلق تو واللہ اعلم، باقی امام ابو حنیفہ سے اس نقل میں اشکال ہے اس لئے کہ صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے کہ رمی میں مقصود تفریق فی الافعال ہے، البتہ علامہ کرمانی حنفی نے یہ نقل کر دیا ہے کہ اگر کوئی آدمی ساتوں کنکریاں ایک مرتبہ مارے اور ساتوں الگ الگ سات جگہ پر پڑ جائے تو پھر رمی ہو جائے گی، غالبًا حافظ صاحب نے اسی مرجوح قول کو لیکر امام ابو حنیفہ کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ ایک مرتبہ میں ساتوں کا رمی کر دینا کافی ہو جائے گا، مگر یہ ہماری کتب مشہورہ میں نہیں ہے ہماری مشہور کتابوں میں تو یہی ہے کہ الگ الگ رمی ہوگی۔

علامہ موفق الدین بن قدامہ مقدسی نے المغنی شرح مختصر خرقی میں جب مسائل نقل کئے تو صرف عطاء بن ابی رباح کا اختلاف نقل کیا اور امام ابو حنیفہ کا مسلک جمہور کے موافق نقل کیا ہے، اس لئے یہ کہا جائے گا کہ حافظ نے یہاں پر نقل کرنے میں کچھ ذرا احتیاط نہیں فرمائی ہے اور یہ اکثر ہو جاتا ہے، دوسرے کا مذہب نقل کرنے میں آدمی کو لغزش ہو جایا کرتی ہے اس کی ساری کتابوں پر عبور نہیں ہوتا ہے اس کے اقوال مرجوحہ وراجحہ کا پتہ نہیں ہوتا ہے، اور یہ تو اس زمانہ کی بات تھی اور اب ہم لوگوں کو تو اپنے ہی اقوال راجحہ و مرجوحہ کا پتہ نہیں۔

مزاحیہ جملہ: ہم لوگوں سے مراد مجھ جیسے لوگ ہیں، باقی آپ جیسے اکابر ائمہ کے نزدیک سارے ہی اقوال واضح اور ظاہر ہوں گے۔

(ص ۲۳۶) بَابُ مَنْ رَمٰی جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَلَمْ یَقِفْ

قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو جمرۂ عقبہ کی رمی کرے اور وہاں کھڑا نہ رہے۔

یہ مضمون پیغمبر ﷺ سے حضرت ابن عمرؓ نے نقل کیا ہے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے جو مسئلہ بیان کیا ہے وہ اتفاقی ہے، یعنی رمی جمرۂ عقبہ کے بعد وقوف نہ کرے بلکہ آگے چل دے، صاحب حصن حصین نے ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن بصری تمام جمرات کے پاس دعا کرتے تھے کان یدعو عندالجمرات کلھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سارے ہی جمرات کے پاس وقوف کرتے تھے، لیکن اول تو وہ اثر ہے جو روایت مرفوعہ کا معارض نہیں ہو سکتا ہے اور دوسرے یہ کہ دعا کے لئے وقوف تھوڑے ضروری ہے، ہر جمرہ کے پاس دعا کرتے ہوں گے لیکن جو محل وقوف ہے وہاں ٹھہر کر اور جو محل وقوف نہیں ہے وہاں چلتے ہوئے دعا کرتے جاتے ہوں گے، ملا علی قاری نے الحرز الثمین شرح مختصر حصن حصین میں حضرت حسن بصری کے اثر کا یہی محمل بیان کیا۔

قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ابن عمرؓ کی روایت پیچھے گزر گئی ہے اور آگے آرہی ہے۔

(ص ۲۳۶) بَابُ إِذَا رَمَى الْجَمْرَتَيْنِ يَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَيُسْهِلُ

۱۷۵۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلَى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتَّى يُسْهِلَ فَيَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ فَيَقُومُ طَوِيلًا وَيَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطَى ثُمَّ يَأْخُذُ ذَاتَ الشِّمَالِ فَيَسْتَهِلُ وَيَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُومُ طَوِيلًا ثُمَّ يَرْمِي جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ وَيَقُولُ هَكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَفْعَلُهُ.

ترجمہ: باب، جب دونوں جمروں کی رمی کرے تو قبلہ رخ ہو کر ہموار زمین پر کھڑا ہو۔

حضرت ابن عمرؓ جمرۂ اولی کی رمی سات کنکری سے کرتے تھے ہر کنکر، کے بعد تکبیر کہتے تھے پھر آگے بڑھتے، قبلہ رخ ہو کر دیر تک کھڑے ہوتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے پھر جمرۂ وسطی کی رمی کرتے پھر شمال کی جانب تشریف لے جاتے پھر ہموار زمین پر قبلہ رخ ہو کر دیر تک کھڑے ہوتے، اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے اور دیر تک کھڑے رہتے پھر وادی کے نشیب سے جمرۂ عقبہ کی رمی کرتے اور اس کے پاس کھڑے نہیں ہوتے تھے پھر واپس آتے اور کہتے کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح: جب جمرتین کی رمی سے آدمی فارغ ہو جائے اور دعا کے لئے کھڑا ہو تو مستقبل القبلہ کھڑا ہو

اور مقام سہل میں داخل ہو جائے یعنی جو نرم مقام ہے وادی میں اس میں داخل ہو جائے اور وہاں کھڑا ہو کر استقبال قبلہ کرے اور پھر دعا کرے، یہاں جمرتین سے مراد جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ ثانیہ ہے جس کو جمرۂ دنیا اور جمرۂ وسطیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

(ص ۲۳٦) بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ جَمْرَةِ الدُّنْيَا وَالْوُسْطَى

۱۷۵۲. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ ثُمَّ يُكَبِّرُ عَلَى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُسْهِلُ فَيَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ قِيَامًا طَوِيلًا فَيَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الْوُسْطَى كَذَلِكَ فَيَأْخُذُ ذَاتَ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ قِيَامًا طَوِيلًا فَيَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْجَمْرَةَ ذَاتَ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا وَيَقُولُ هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَفْعَلُ.

ترجمہ: باب، جمرۂ اولی اور جمرۂ وسطیٰ کے پاس دونوں ہاتھ اٹھانے کا بیان۔

تشریح: جب آدمی جمرۂ دنیا و وسطیٰ یعنی پہلے اور دوسرے جمرہ کے پاس دعا کرنے کے لئے کھڑا ہو تو ہاتھ اٹھا کر دعا کرے، ائمۂ ثلاثہ ابو حنیفہ، شافعی اور احمد کا یہی مسلک ہے، بلکہ ابن منذر یہ فرماتے ہیں کہ مجھے تو کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ اس نے رفع یدین عند الجمرتین فی الدعاء کا انکار کیا ہو سوائے اس روایت کے جو ابن قاسم نے امام مالک سے نقل کی ہے، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور کی تائید کی ہے اور ابن قاسم کی اس مذکورہ روایت کی تردید کی ہے۔

علامہ ناصر الدین بن منیر نے امام مالک کی تائید کی میں یہ پیش کیا ہے کہ اگر رفع یدین عند الجمرتین سنت ہوتا تو حضرت امام مالک کو یقیناً پتہ ہوتا کیوں کہ امام مالک اہل مدینہ کے اعمال سے زیادہ واقف ہیں، اہل مدینہ کا اس پر عمل ہوتا، امام مالک کا انکار کر دینا دلیل ہے اس بات کی کہ اہل مدینہ کا اس پر عمل نہیں تھا۔

حضرت امام بخاری کو خدائے پاک نے بڑی بالغ نظری اور بڑی نکتہ رسی عطا فرمائی ہے وہ خود مالکیہ کے اس طرز سے واقف ہیں کہ وہ اہل مدینہ کو حجت بناتے ہیں انہوں نے رفع یدین عند الجمرتین کے اثبات کے لئے جو

روایت پیش کی وہ اہل مدینہ ہی کی سند سے پیش کی، اس کے ناقل ابن شہاب زہری مدنی ہیں اور اپنے زمانہ میں سنت اور حدیث کے سب سے بڑے عالم ہیں، اس کے بعد ان کے استاذ سالم بن عبد اللہ بن عمر مدنی ہیں اور ان کے استاذ عبد اللہ بن عمرؓ ہیں جو مدنی ہیں، یہ سارے مدنیین رفع یدین عند الجمرتین نقل کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ مالکیہ کا عمل اہل مدینہ ترک رفع میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

فَیُسْهِلُ: أی یدخل فی المقام السهل۔

(ص ۲۳۶) بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ

۱۷۵۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ الَّتِي تَلِي مَسْجِدَ مِنًى يَرْمِيهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمَى بِحَصَاةٍ ثُمَّ تَقَدَّمَ أَمَامَهَا فَوَقَفَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ رَافِعًا يَدَيْهِ يَدْعُو وَكَانَ يُطِيلُ الْوُقُوفَ ثُمَّ يَأْتِي الْجَمْرَةَ الثَّانِيَةَ فَيَرْمِيهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمَى بِحَصَاةٍ ثُمَّ يَنْحَدِرُ ذَاتَ الْيَسَارِ مِمَّا يَلِي الْوَادِيَ فَيَقِفُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ رَافِعًا يَدَيْهِ يَدْعُو ثُمَّ يَأْتِي الْجَمْرَةَ الَّتِي عِنْدَ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَنْصَرِفُ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا،

قَالَ الزُّهْرِيُّ سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يُحَدِّثُ مِثْلَ هَذَا عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ.

ترجمہ: باب، دونوں جمروں کے پاس دعا کرنے کا بیان۔

روایت کا ترجمہ گزر چکا

تشریح: حضرت امام بخاری نے پہلے یہ بیان فرمایا تھا کہ جمرتین کی رمی کر کے آدمی مقام سہل میں داخل ہو اور مستقبل القبلہ کھڑا ہو جائے پھر باب رفع الیدین سے یہ بتلادیا کہ وہاں ہاتھ اٹھائے، اب اس باب سے یہ بتلاتے ہیں کہ جمرتین کے پاس دعا کرے، اور ہو سکتا ہے کہ حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے دعا کی مقدار بیان کرنا چاہتے ہوں قالہ الحافظ بن حجر، ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے مطلقاً یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہاں طویل دعا کی جائے کوئی تحدید اس میں نہیں ہے۔

(ص ۲۳۶) بَابُ الطِّيبِ بَعْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ وَالْحَلْقِ قَبْلَ الْإِفَاضَةِ

۱۷۵۴. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ وَكَانَ أَفْضَلَ أَهْلِ زَمَانِهِ يَقُولُ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ طَيَّبْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِيَدَيَّ هَاتَيْنِ حِينَ أَحْرَمَ وَلِحِلِّهِ حِينَ أَحَلَّ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ وَبَسَطَتْ يَدَيْهَا.

ترجمہ: باب، جمروں کی رمی اور حلق کے بعد طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگانے کا بیان۔

تشریح: حج میں دو تحلّل ہوتا ہے، ایک تحلّل اصغر اور دوسرا تحلّل اکبر، تحلّل اکبر رمی جمار، حلق اور طواف افاضہ کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ تمام چیزیں مباح ہو جاتی ہیں جو احرام کے بعد حرام ہو گئی تھیں، تحلّل اصغر کب حاصل ہوتا ہے اور اس سے کیا چیزیں مباح ہوتی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

۱۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ صرف رمی سے حاصل ہو جاتا ہے، ۲۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ رمی اور حلق سے حاصل ہوتا ہے، شافعی واحمد کی یہی ایک ایک روایت ہے ۳۔ لیکن ان دونوں حضرات کا راجح مذہب جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ رمی، حلق اور طواف افاضہ میں سے دو کر لینے سے تحلّل اصغر حاصل ہو جائے گا، رمی اور حلق کر لے تو بھی؛ اور رمی اور افاضہ کر لے تو بھی؛ اور حلق اور افاضہ کر لے تو بھی۔

مالکیہ نے یہ جو دعویٰ کیا تھا کہ تحلّل اصغر صرف رمی سے حاصل ہو جاتا ہے وہ اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں إذا رمی أحدکم جمرة العقبة فقد حل له کل شيء إلا النساء رواه أبو داؤد، حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ اسی روایت میں رمی کے ساتھ حلق کا بھی ذکر دوسری کتب حدیث میں وارد ہوا ہے، سعید بن منصور نے اپنی سنن میں یہی حدیث حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ ہیں إذا رميتم وحلقتم فقد حلّ لكم الطيب والثياب وكل شيئ إلا النساء اور ان دونوں کی سندوں میں حجاج بن ارطاۃ ہے وهو بمجرده تقوم به الحجة۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ تحلّل اصغر سے کیا چیز مباح ہوتی ہے؟ اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ جماع مباح نہیں ہوتا ہے وہ تو تحلّل اکبر ہی سے ہو گا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ مخیط کا پہننا مباح ہو جاتا ہے، صرف اس میں اختلاف ہے کہ طیب کا استعمال مباح ہوتا ہے یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں کہ مباح ہو جاتا ہے اور امام مالک فرماتے ہیں

کہ مباح نہیں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ طیب دواعیِ جماع میں سے ہے اور جماع چونکہ تحلّل اصغر سے مباح نہیں ہوتا تو جو چیز اس کے دواعی میں سے ہوگی وہ بھی مباح نہیں ہوگی۔

لیکن جمہور علماء یوں فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ طیب دواعی میں سے ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خوشبو انسان کو جماع میں ڈال ہی دیا کرتی ہے لہٰذا خوشبو کا عین وہ حکم ہو جو جماع کا ہے یہ بعید ہے، اور جو حدیث ہم نے بروایتِ سعید بن منصور پڑھی ہے اگر لفظ اس کے ثابت ہوں تو وہ جمہور کی دلیل اور مالکیہ کی صاف تردید ہے، اس میں ہے إذا رمیتم و حلقتم فقد حل لکم الطیب و الثیاب و کل شيئ إلا النساء۔

حضرت امام بخاری نے اس پورے ترجمۃ الباب سے حنفیہ کی موافقت کی ہے، یوں فرماتے ہیں الطِّیب بَعْدَ رَمْيِ الجِمَارِ وَ الحَلْقِ قَبلَ الإِفَاضَة، طواف افاضہ سے پہلے رمیِ جمار اور حلق کے بعد خوشبو لگانی جائز ہے جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے، تو اب یوں کہیے کہ پہلے مسئلہ میں تو حضرت امام بخاری امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں اور دوسرے مسئلہ میں جمہور علماء کے ساتھ ہیں۔

قَبلَ أَنْ يَطوف: اس سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے، طواف سے پہلے خوشبو لگاتی تھیں معلوم ہوا کہ تحلّل اصغر سے خوشبو جائز ہو جاتی ہے۔

(ص ۲۳۶) بَابُ طَوَافِ الْوَدَاعِ

۱۷۵۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلَّا أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ.

۱۷۵۶۔ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ رَكِبَ إِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهِ تَابَعَهُ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي خَالِدٌ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، طواف وداع کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ پر ہو (یعنی آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہو) لیکن حیض والی عورت کو اس سلسلے میں رخصت دی گئی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں پھر محصب میں کچھ دیر آرام کیا پھر بیت اللہ کے لئے سوار ہوئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔

عمرو بن حارث کی متابعت لیث نے کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی خالد نے، ان سے سعید نے، ان سے قتادہ نے، ان سے انس بن مالکؓ نے اور انہوں نے حدیث پیغمبر ﷺ سے بیان کی۔

تشریح: طواف وداع آخری طواف کہلاتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک واجب ہے، امام مالک، داؤد ظاہری اور ابن منذر اس کو سنت کہتے ہیں۔

طواف وداع مناسک میں ہے یا نہیں؟ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ مناسک حج میں سے ہے یا نہیں؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ مناسک میں سے ہے، بعض شافعیہ اس کو مناسک میں سے نہیں مانتے ہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ یہ مطلقاً ہر اس شخص کے حق میں سنت ہے جو مکہ مکرمہ سے رخصت ہو رہا ہو۔

طواف وداع کر کے مکہ میں رک جائے تو کیا حکم ہے؟ پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی آدمی طواف وداع کر لے اور اس کے بعد کسی وجہ سے مکہ میں ٹھہر جائے اور پھر کچھ تاخیر کے بعد وہاں سے روانگی ہو تو آیا وہ طواف اس کے لئے کافی ہو جائے گا یا دوبارہ بیت اللہ حاضر ہو کر طواف کرنا پڑے گا؟ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ دوبارہ اس کو جا کر طواف کرنا پڑے گا، حدیث میں ہے أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ، حنفیہ کہتے ہیں کہ وہی پہلا طواف کافی ہو جائے گا۔

حضرۃ الاستاذ کا ذوق: بھئی اس باب میں جو کچھ بھی مسلک ہو مجھ کو تو جمہور ہی کا مسلک ارجح معلوم ہوتا ہے، اصل میں یہ طواف سلامی ہے، دربار شاہی کی سلامی ہے، وہاں کی حاضری ہے، اور حاضری کے لئے جب یہ قاعدہ ہے کہ رخصت کے وقت حاضری ہونی چاہئے تو پھر اگر کوئی آدمی ایک مرتبہ حاضری دے کر دس دن ٹھہر گیا تو حقیقۃً وہ رخصت کے وقت حاضری دے کر نہیں روانہ ہوا اسے پھر حاضری دینی چاہئے اور دینے کے بعد روانہ ہونا چاہئے۔

یہ مسئلہ جب میں نے مکہ مکرمہ میں بیان کیا تو بعض ایسے لوگ جن کو صرف فقہ ہی سے مناسبت تھی وہ مجھ سے لڑنے لگے، لیکن جو بعض اکابر علماء احناف اور میرے اساتذہ بھی تھے انہوں نے میری موافقت کی اور کہا کہ

مسلک اور چیز ہے، بیت اللہ کی سلامی اور چیز ہے، بہر حال روانگی کے وقت مناسب یہی ہے کہ آدمی بیت اللہ حاضر ہو اور سلامی دے کر روانہ ہو۔

(ص ۲۳۷) بَابُ إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ بَعْدَ مَا أَفَاضَتْ

۱۷۵۷ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ حَاضَتْ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ أَحَابِسَتُنَا هِيَ قَالُوا إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ قَالَ فَلَا إِذًا.

۱۷۵۸و۱۷۵۹ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ أَهْلَ الْمَدِينَةِ سَأَلُوا ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ امْرَأَةٍ طَافَتْ ثُمَّ حَاضَتْ قَالَ لَهُمْ تَنْفِرُ قَالُوا لَا نَأْخُذُ بِقَوْلِكَ وَنَدَعُ قَوْلَ زَيْدٍ قَالَ إِذَا قَدِمْتُمُ الْمَدِينَةَ فَسَلُوا فَقَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَسَأَلُوا فَكَانَ فِيمَنْ سَأَلُوا أُمُّ سُلَيْمٍ فَذَكَرَتْ حَدِيثَ صَفِيَّةَ رَوَاهُ خَالِدٌ وَقَتَادَةُ عَنْ عِكْرِمَةَ.

۱۷۶۰. حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رُخِّصَ لِلْحَائِضِ أَنْ تَنْفِرَ إِذَا أَفَاضَتْ.

۱۷۶۱. قَالَ وَسَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ إِنَّهَا لَا تَنْفِرُ ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ بَعْدُ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ لَهُنَّ.

۱۷۶۲. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا نَرَى إِلَّا الْحَجَّ فَقَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلَمْ يَحِلَّ وَكَانَ مَعَهُ الْهَدْيُ فَطَافَ مَنْ كَانَ مَعَهُ مِنْ نِسَائِهِ وَأَصْحَابِهِ وَحَلَّ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ الْهَدْيُ فَحَاضَتْ هِيَ فَنَسَكْنَا مَنَاسِكَنَا مِنْ حَجِّنَا فَلَمَّا كَانَ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ لَيْلَةُ النَّفْرِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ كُلُّ أَصْحَابِكَ يَرْجِعُ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ غَيْرِي قَالَ مَا كُنْتِ تَطُوفِينَ بِالْبَيْتِ لَيَالِيَ قَدِمْنَا قُلْتُ لَا قَالَ فَاخْرُجِي مَعَ أَخِيكِ إِلَى التَّنْعِيمِ فَأَهِلِّي بِعُمْرَةٍ وَمَوْعِدُكِ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا فَخَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِلَى التَّنْعِيمِ فَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ وَحَاضَتْ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَقْرَى حَلْقَى إِنَّكِ لَحَابِسَتُنَا أَمَا كُنْتِ طُفْتِ يَوْمَ النَّحْرِ؟ قَالَتْ بَلَى قَالَ فَلَا بَأْسَ انْفِرِي فَلَقِيتُهُ مُصْعِدًا عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ وَأَنَا مُنْهَبِطَةٌ أَوْ أَنَا مُصْعِدَةٌ وَهُوَ مُنْهَبِطٌ وَقَالَ مُسَدَّدٌ قُلْتُ لَا، تَابَعَهُ

جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ فِي قَوْلِهِ لَا.

ترجمہ: باب، عورت کو طواف زیارت کے بعد حیض آنے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ کی زوجہ صفیہ بنت حییؓ کو حیض آگیا، میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا وہ ہمیں (مکہ سے واپسی میں) روکنے والی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ طواف زیارت کر چکی ہیں، آپ نے فرمایا کہ تب تو (وہ ہمیں روکنے کا سبب) نہیں۔

حضرت عکرمہ نے بیان کیا کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا جس نے طواف کیا اور پھر اس کو حیض آیا حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ وہ مکہ سے واپس چلی جائے، لوگوں نے کہا کہ ہم حضرت زیدؓ کے قول کو چھوڑ کر آپ کا قول اختیار نہیں کریں گے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب تم مدینہ پہنچو تو وہاں مسئلہ دریافت کرو، وہ مدینہ آئے اور انہوں نے مسئلہ دریافت کیا انہوں نے جن سے مسئلہ پوچھا تھا ان میں حضرت ام سلیمؓ بھی تھیں، ام سلیمؓ نے صفیہؓ والی حدیث ذکر کی، اس حدیث کو عکرمہ سے خالد اور قتادہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ حیض والی عورت کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ اگر وہ طواف زیارت کر چکی ہے تو (مکہ سے) واپس چلی جائے، طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ واپس نہ جائے، پھر میں نے بعد میں ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ پیغمبر ﷺ نے ان کو رخصت دی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ہم پیغمبر ﷺ کے ساتھ نکلے اور ہمارا خیال صرف حج کرنے کا تھا پیغمبر ﷺ مکہ مکرمہ پہنچے آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی اور احرام نہیں کھولا آپ کے پاس ہدی تھی آپ کے ساتھ جو آپ کی ازواج تھیں اور صحابہ تھے انہوں نے طواف کیا اور ان میں سے جن کے ساتھ ہدی نہیں تھی انہوں نے احرام کھول دیا، حضرت عائشہؓ کو حیض آگیا ہم نے اپنے حج کے مناسک ادا کئے جب محصب کی رات یعنی روانگی کی رات آئی تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! میرے علاوہ آپ کے تمام صحابہ حج اور عمرہ کر کے واپس ہوں گے، آپ نے فرمایا کہ کیا تم ان راتوں میں طواف نہیں کرتی تھیں جب ہم (مکہ مکرمہ) آئے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کے ساتھ تنعیم جاؤ، عمرہ کا احرام باندھو اور پھر فلاں مقام پر ملو، تو میں عبد الرحمٰنؓ کے ساتھ تنعیم کی طرف نکلی میں نے عمرے کا احرام باندھا، حضرت صفیہ بنت حییؓ کو حیض آگیا تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تمہارا بھلا کرے تم تو ہمیں روکنے والی ہو، کیا تم نے دس ذی الحجہ کو طواف کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ بے شک، تو آپ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں روانہ ہو جاؤ، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے ملاقات کی اس حال میں کہ آپ اہل مکہ کے اوپر چڑھ رہے تھے (یعنی مکہ سے باہر تشریف لا رہے تھے) اور میں نشیب کی طرف اتر رہی تھی (یعنی مکہ کی طرف اتر رہی تھی) یا میں اوپر کی طرف جا رہی تھی اور حضور نیچے کی طرف اتر رہے تھے، مسدد کی روایت

میں قُلْتُ لَا ہے، مسدد کی متابعت جریر نے کی ہے جریر نے بھی منصور سے لَا ہی روایت کیا ہے۔

تشریح: حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر طواف زیارت کے بعد عورت کو حیض آجائے تو وہ کیا کرے گی؟ روایت نے بتلادیا کہ طواف وداع کے لئے اس کو وقوف کرنا ضروری نہیں ہے روانہ ہو جائے گی، اب تو اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ سلف اور صحابہ کے دور میں اختلاف تھا، عامۂ صحابہ اسی بات کے قائل تھے کہ طواف وداع کے لئے اس کو ٹھہرنا ضروری نہیں ہے لیکن حضرت عمر بن خطابؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور زید بن ثابتؓ ٹھہرنے کے قائل تھے، اس کے بعد زید بن ثابتؓ اور ابن عمرؓ نے تو رجوع کر لیا حضرت عمرؓ کا رجوع منقول نہیں ہے، اگر ثابت ہو جائے تو مسئلہ اجماعی ہو جائے گا اور اگر ثابت نہ ہو تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے، سنت ثابتہ فعل عمرؓ کے خلاف ہے اس واسطے یہ سنت ثابتہ عمرؓ کے فعل کے خلاف ترجیح پائے گی۔

فَلَا إِذًا: أی فلا تحبسنا إذن۔

سَأَلُوا ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ امْرَأَةٍ طَافَتْ: ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک عورت کو طواف زیارت کے بعد حیض آگیا، فرمانے لگے کہ روانہ ہو جائے، کہنے لگے کہ ہم تمہارا قول نہیں لے سکتے ہیں اور زیدؓ کا قول نہیں چھوڑ سکتے ہیں، طیالسی کی روایت میں ہے فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ لَا نتابعک یا ابن عَبَّاسٍ وَأَنْتَ تُخَالِفُ زَيْدًا، ابن عباس! ہم تیرا اتباع نہیں کریں گے تو تو زیدؓ کی مخالفت کرتا ہے، غالباً اس کا منشاء یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ تلمیذ ہیں اور حضرت زیدؓ استاذ ہیں، ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات رچی ہوئی تھی کہ زید بن ثابتؓ استاذ ہیں تو ان کو زیادہ علم ہو گا لہٰذا ان کی بات ابن عباسؓ کی بات پر مقدم ہو گی، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا إِذَا قَدِمْتُمُ الْمَدِينَةَ فَسَلُوا، فَقَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَسَأَلُوا جب مدینہ جاؤ تو پوچھ لینا، آئے، پوچھا، فَكَانَ فِيمَنْ سَأَلُوا أُمَّ سُلَيْمٍ فَذَكَرَتْ حَدِيثَ صَفِيَّةَ جن سے سوال کیا تھا ام سلیمؓ بھی انہیں میں تھیں انہوں نے صفیہؓ کا قصہ سنا دیا۔

وَسَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ إِنَّهَا لَا تَنْفِرُ: ابن عمرؓ ابتداءً تو لَا تَنْفِرُ کہتے تھے لیکن جب بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کا پتہ چلا تو پھر وہ کہنے لگے إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَخَّصَ لَهُنَّ۔

قُلْتُ بَلَى: اس روایت میں اسی طرح واقع ہوا ہے قُلْتُ بَلَى، لیکن اکثر حضرات کی روایت میں ہے قلت

لا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہی روایت روایۃً ودرایۃً صحیح ہے اس لئے کہ مَا کُنْتِ تَطُوفِینَ میں ہمزۂ استفہامیہ ہے، کیا تم نے طواف نہیں کیا تھا؟ اس کے جواب میں ان کو امر واقعی بیان کرنا تھا کہنا تھا "لا"، نہیں طواف کیا، اگر بلیٰ کہیں تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ طواف کر لیا حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے، لیکن اگر بلیٰ ہو تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ بلیٰ مَا کُنْتِ تَطُوفِینَ۔

عَقْرَیٰ حَلْقَی: عقری أی عقرها الله، و حلقی أی أصابها الله بوجع فی حلقها ہم لوگ اردو میں اس کا ترجمہ کردیں گے نکٹی، سرمنڈی۔

فَلَقِيتُهُ مُصْعِدًا عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ وَأَنَا مُنْهَبِطَةٌ أَوْ أَنَا مُصْعِدَةٌ وَهُوَ مُنْهَبِطٌ: یہ لفظ بَاب التَّمَتُّعِ وَالإِقْرَانِ وَالإِفْرَادِ بِالْحَجِّ میں گزر چکا ہے اور وہاں میں تفصیل سے اس پر کلام کر چکا ہوں۔

وَقَالَ مُسَدَّدٌ: قُلْتُ لَا: حضرت امام بخاری کی عادت ہے کہ جب روایت میں کوئی ایسا لفظ آجاتا ہے جو بظاہر وہم ہوتا ہے تو اصل لفظ پر تنبیہ کیا کرتے ہیں، یہ روایت جیسے ابو نعمان نقل کرتے ہیں ایسے ہی مسدد بھی نقل کرتے ہیں، ابو نعمان کی روایت میں ہے مَا كُنْتِ تَطُوفِينَ بِالْبَيْتِ لَيَالِيَ قَدِمْنَا، قُلْتُ بَلَى اور یہ بلیٰ کا لفظ معناً وہم تھا لہٰذا امام بخاری نے یہ بتلا دیا کہ اس میں ابو نعمان کو وہم ہوا ہے ان کے دوسرے ساتھی مسدد اسی روایت میں بلیٰ کی جگہ "لا" نقل کرتے ہیں۔

تَابَعَهُ جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ فِي قَوْلِهِ لَا: اور یہ نہیں کہ مسدد صرف منفرد ہیں بلکہ ان کے متابعین اوپر سے موجود ہیں۔

(ص ۲۳۷) بَابُ مَنْ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ بِالْأَبْطَحِ

۱۷۶۳. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ؟ قَالَ بِمِنًى قُلْتُ فَأَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ؟ قَالَ بِالْأَبْطَحِ افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ أُمَرَاؤُكَ.

۱۷۶٤. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمُتَعَالِ بْنُ طَالِبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ أَنَّ قَتَادَةَ حَدَّثَهُ أَنَّ

أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ صَلَّى الظُّهْرَ وَالعَصْرَ وَالمَغْرِبَ وَالعِشَاءَ وَرَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ رَكِبَ إِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهِ.

ترجمہ: باب، روانگی کے دن عصر کی نماز ابطح میں پڑھنے میں بیان۔

عبد العزیز بن رفیع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی بات سنائیں جو آپ کو پیغمبر ﷺ کے حوالے سے یاد ہو کہ آپ نے آٹھ ذی الحجہ کو ظہر کی نماز کہاں پڑھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ منی میں، میں نے کہا کہ روانگی کے دن عصر کہاں پڑھی؟ فرمایا کہ ابطح میں، پھر فرمایا کہ جیسے تمہارے حکمران کریں تم بھی ویسے ہی کرو۔

حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے محصب میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء پڑھی اور کچھ دیر سوئے پھر بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔

تشریح: حضرت امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ یوم النفر یعنی تیرہویں تاریخ کو عصر کی نماز ابطح میں پڑھنی چاہئے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ تیرہویں کے دن کی رمی کرکے آدمی روانہ ہو جائے اور ابطح میں نزول کرے اور وہاں پر عصر کی نماز پڑھے۔

أبطح، بطحاء محصب، خیف منی، خیف بنی کنانہ سب ایک ہی جگہ کے متعدد نام ہیں، منیٰ کے بعد یہ حصہ شروع ہو جاتا ہے، حضرت امام شافعی نے اپنے ان اشعار میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

یا راکباً قِف بالمُحَصَّبِ من مِنی — واهتف بقاعد خِیفها والناهض
سَحَراً إذا فاض الحجیجُ إلی مِنی — فَیضاً کمُلتَطم الفُراتِ الفائض
إن کان رَفْضاً حبُّ آلِ محمدٍ — فَلْیَشْهَدِ الثقلانِ أني رافض

افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ أُمَرَاؤُكَ: اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یوم النفر میں عصر کی نماز تو ابطح ہی میں ادا کی تھی لیکن تم اپنے امراء کا اتباع کرنا ان کی مخالفت نہ کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان کے خلاف نماز پڑھو تو لوگ تم پر خارجی ہونے کا الزام لگائیں اور خواہ مخواہ بغاوت سے متہم ہو کر پریشان ہو۔

أَنَّهُ صَلَّى الظُّهْرَ: حضور اکرم ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء یہ نمازیں محصب میں ادا کیں اور اس کے بعد تھوڑا سا آرام فرمانے کے بعد بیت اللہ شریف گئے طواف وداع کیا اور پھر آگے مدینہ کو روانہ ہو گئے، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے کہ آدمی منیٰ سے محصب روانہ ہو اور وہاں پر قیام کرے اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء

کی نماز پڑھے اور رات میں کچھ آرام کرے، اس کے بعد پھر صبح کو طواف کرے طواف وداع یعنی اگر اس کو آگے روانہ ہونا ہو۔

(ص ۲۳۷) بَابُ الْمُحَصَّبِ

۱۷۶۵. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّمَا كَانَ مَنْزِلٌ يَنْزِلُهُ النَّبِيُّ ﷺ لِيَكُونَ أَسْمَحَ لِخُرُوجِهِ يَعْنِي بِالأَبْطَحِ.

۱۷۶۶. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَيْسَ التَّحْصِيبُ بِشَيْءٍ إِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ.

ترجمہ: باب، محصب میں قیام کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بے شک وہ (محصب) دوران سفر ایک ٹھہرنے کی جگہ تھی جہاں پیغمبر ﷺ (تھوڑی مدت) اس لئے ٹھہرتے تھے کہ آپ کا روانہ ہونا آسان ہو جائے، اس مقام سے ابطح مراد ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ محصب میں ٹھہرنا مناسک حج میں سے نہیں ہے وہ تو سفر میں ٹھہرنے کی ایک جگہ تھی جہاں نبی کریم ﷺ نے (کچھ دیر کے لئے) قیام فرمایا تھا۔

تشریح: محصب کے متعلق میں بیان کر چکا کہ یہ جگہ منیٰ کے بعد شروع ہوتی ہے اور اس کو ابطح، بطحاء اور خیف بنی کنانہ کہا جاتا ہے وہاں پر اترنا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان مختلف فیہ رہ چکا ہے، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ تحصیب کا انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ تحصیب سنت نہیں ہے، ابن عباسؓ کہتے ہیں لَيْسَ التَّحْصِيبُ بِشَيْءٍ إِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں إِنَّمَا كَانَ مَنْزِلٌ يَنْزِلُهُ النَّبِيُّ ﷺ لِيَكُونَ أَسْمَحَ لِخُرُوجِهِ يَعْنِي بِالأَبْطَحِ، ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ہی حضور ﷺ کا خیمہ وہاں نصب کر دیا تھا۔

لیکن ابن عمرؓ تحصیب کو سنت سمجھتے تھے اور یہی حضرات ائمۂ اربعہ کا مسلک ہے، البتہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ تحصیب مناسک حج میں سے نہیں ہے، حضور پاک ﷺ وہاں اترے ہیں اس لئے اگر حاجی حضور کا اتباع کرتے ہوئے وہاں اترے تو یہ ثواب کا کام اور اچھی چیز ہے، اور یہ کہنا کہ حضور ﷺ بالقصد وہاں نہیں اترے ہیں بعید

معلوم ہوتا ہے اس واسطے کہ کتاب الحج میں ص ۲۱۶ پر حضرت ابوہریرہؓ کی روایت گزری ہے قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الغَدِ يَوْمَ النَّحْرِ وَهُوَ بِمِنًى نَحْنُ نَازِلُونَ غَدًا بِخَيفِ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوا عَلَى الكُفْرِ يَعْنِي ذَلِكَ المُحَصَّبَ، معلوم ہوا کہ حضور پاک ﷺ نے محصب میں بالقصد قیام کا ارادہ فرمایا تھا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کل جہاں پر اسلام کے خلاف سازش کرنے کے لئے کفار کے سرغنے جمع ہوئے تھے آج وہاں پیغمبر اسلام ﷺ بنفس نفیس داعی اسلام بن کر اسلام کے عمل کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ نزول فی المحصب تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے البتہ حجازیین کے نزدیک بنسبت کوفیین کے زیادہ اوکد ہے، اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ یہ تحصیب واجب نہیں ہے۔

لِيَكُونَ أَسْمَحَ لِخُرُوجِهِ: یعنی مدینہ نکلنے کے لئے آسانی ہو۔

(ص ۲۳۷) بَابُ النُّزُولِ بِذِي طُوًى قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ وَالنُّزُولِ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ إِذَا رَجَعَ مِنْ مَكَّةَ

۱۷۶۷. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَبِيتُ بِذِي طُوًى بَيْنَ الثَّنِيَّتَيْنِ ثُمَّ يَدْخُلُ مِنَ الثَّنِيَّةِ الَّتِي بِأَعْلَى مَكَّةَ وَكَانَ إِذَا قَدِمَ مَكَّةَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا لَمْ يُنِخْ نَاقَتَهُ إِلَّا عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيَأْتِي الرُّكْنَ الْأَسْوَدَ فَيَبْدَأُ بِهِ ثُمَّ يَطُوفُ سَبْعًا ثَلَاثًا سَعْيًا وَأَرْبَعًا مَشْيًا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَنْطَلِقُ قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى مَنْزِلِهِ فَيَطُوفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَكَانَ إِذَا صَدَرَ عَنِ الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُنِيخُ بِهَا.

۱۷۶۸. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ سُئِلَ عُبَيْدُ اللَّهِ عَنِ الْمُحَصَّبِ فَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ نَزَلَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَعُمَرُ وَابْنُ عُمَرَ وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي بِهَا يَعْنِي الْمُحَصَّبَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ أَحْسِبُهُ قَالَ وَالْمَغْرِبَ قَالَ خَالِدٌ لَا أَشُكُّ فِي الْعِشَاءِ وَيَهْجَعُ هَجْعَةً وَيَذْكُرُ ذَلِكَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ذی طوی میں قیام کرنے کا بیان اور مکہ مکرمہ سے واپسی میں ذوالحلیفہ میں جو وادی بطحاء ہے وہاں قیام کرنے کا بیان۔

نافع نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمرؓ ذی طوی میں دونوں گھاٹیوں کے درمیان رات گزارتے تھے اور پھر اس گھاٹی سے داخل ہوتے تھے جو مکہ مکرمہ کی بالائی جانب ہے، اور جب حج یا عمرے کے لئے مکہ مکرمہ آتے تو اپنی اونٹنی کو مسجد کے دروازے کے پاس بٹھاتے پھر اندر داخل ہوتے، رکن اسود کے پاس آتے اور وہاں سے (حج یا عمرے کے افعال) شروع کرتے، پھر سات شوط طواف کرتے، تین شوط تیز چل کر اور چار شوط (معمول کی رفتار سے) چل کر، پھر لوٹتے اور دو رکعت نماز پڑھتے، پھر اپنے مقام کی طرف جانے سے پہلے چلتے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے، اور جب حج یا عمرے سے لوٹتے تو ذوالحلیفہ کی وادی بطحاء میں قیام کرتے جہاں پیغمبر ﷺ اپنی اونٹنی بٹھاتے تھے۔

نافع نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ نے وادی محصب میں قیام کیا، نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ وہاں یعنی محصب میں ظہر، عصر پڑھتے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی کہا کہ مغرب بھی پڑھتے تھے، خالد نے کہا کہ مجھے عشاء کے بارے میں شک نہیں اور وہ وہاں کچھ دیر آرام بھی کرتے تھے اور اس کو پیغمبر ﷺ سے نقل کرتے تھے۔

تشریح: مکہ سے پہلے مدینہ کی جانب ایک مقام آتا ہے اس کو ذی طویٰ کہتے ہیں، حضور پاک ﷺ جب حج کے لئے تشریف لائے تو ذی طویٰ میں نزول فرمایا تھا، رات گزار کر صبح کے وقت آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے، امام بخاریؒ اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ذی طویٰ میں رات گزارے اور صبح کو مکہ میں داخل ہو تو یہ مستحب ہے، اس لئے کہ اس میں حضور اکرم ﷺ کے منازل میں نزول کا اتباع ہے اور آپ کے افعال کا صورۃً اتباع کرنا بھی مستحبات میں سے ہے۔

اسی طرح آگے مصنف یوں فرماتے ہیں وَالنُّزُولِ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ إِذَا رَجَعَ مِنْ مَكَّةَ یعنی اگر آدمی مکہ سے واپس ہو تو اس وقت بطحاء میں نزول کرے جہاں حضور ﷺ نے ذوالحلیفہ میں نزول فرمایا ہے، یہ نزول بھی مستحبات میں سے ہے، بقول حافظ ابن حجر وغیرہ شراح کرام کے کہ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے منازل میں نزول کرنا صرف محصب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جن مواقع میں حضور اترے ہیں وہاں ان مواقع میں اسی نیت سے اترنا مستحب ہے مگر یہ چیز مناسک حج میں سے نہیں ہے۔

(ص ۲۳۸) بَابُ مَنْ نَزَلَ بِذِي طُوًى إِذَا رَجَعَ مِنْ مَكَّةَ

۱۷۶۹۔ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَقْبَلَ بَاتَ بِذِي

طُوًى حَتَّى إِذَا أَصْبَحَ دَخَلَ وَإِذَا نَفَرَ مَرَّ بِذِي طُوًى وَبَاتَ بِهَا حَتَّى يُصْبِحَ وَكَانَ يَذْكُرُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ.

ترجمہ: باب، مکہ مکرمہ سے واپس ہوتے ہوئے ذی طوی میں قیام کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ جب (مدینہ منورہ سے) آتے تو ذی طوی میں رات گزارتے یہاں تک کہ جب صبح ہوتی تو (مکہ مکرمہ میں) داخل ہوتے، اسی طرح جب (منیٰ سے) روانہ ہوتے تو ذی طوی سے گزرتے اور صبح ہونے تک وہیں قیام فرماتے اور یہ بیان کرتے کہ پیغمبر ﷺ کا معمول یہی تھا۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ جیسے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے ذی طویٰ میں نزول سنت سے ثابت ہے ایسے ہی اگر کوئی آدمی مکہ سے نکلتے ہوئے ذی طویٰ میں نزول کرے تو اس کی بھی اصل موجود ہے۔

ایک تنبیہ سنو! بعض شارحین جیسے علامہ داودی نے یہ سمجھ لیا کہ ذی طویٰ اور محصب ایک ہے، یہ غلط ہے ذی طویٰ دوسری جگہ کا نام ہے اور محصب دوسری۔

(ص ۲۳۸) بَابُ التِّجَارَةِ أَيَّامَ الْمَوْسِمِ وَالْبَيْعِ فِي أَسْوَاقِ الْجَاهِلِيَّةِ

۱۷۷۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَانَ ذُو الْمَجَازِ وَعُكَاظُ مَتْجَرَ النَّاسِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ كَأَنَّهُمْ كَرِهُوا ذَلِكَ حَتَّى نَزَلَتْ {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ} فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ.

ترجمہ: باب، حج کے موسم میں تجارت کرنے اور زمانۂ جاہلیت کے بازاروں میں بیع کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ ذوالمجاز اور عکاظ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کے بازار تھے، جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے اس کو ناپسند کیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ کہ تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں اس میں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو یعنی حج کے موسم میں۔

تشریح: حضرت امام بخاری پورا حج بیان کر چکے، دین بیان کر چکے، اب تھوڑی سے دنیا بیان کرتے ہیں اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ موسم حج میں اگر کوئی آدمی تجارت کرے تو شریعت میں اس کی گنجائش ہے۔

علامہ موفق فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن صاحب منہل نے ابوداؤد کی شرح میں ابومسلم

خولانی سے اور ابو بکر جصاص رازی نے احکام القرآن میں سعید بن جبیر سے ممانعت نقل کی ہے۔

وَالبَيْعِ فِي أَسْوَاقِ الجَاهِلِيَّةِ: چونکہ جاہلیت کے بازاروں میں جاہلیت کے افعال ہوتے تھے اور مآثرِ جاہلیہ کو حضور ﷺ نے مٹا دیا تھا اس سے یہ خیال گزرتا ہے کہ پھر یہ اسواق جاہلیہ بالکل متروک ہو جانے چاہئیں اور وہاں بیع وشراء نہ ہونی چاہئے، تو حضرت امام بخاری نے بتلا دیا کہ جاہلیت کے بازاروں میں بیع وشراء کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جاہلیت کے بازاروں میں جاہلیت کے افعال جو کئے جاتے تھے کئے جاتے تھے اب ان جگہوں میں کیا عیب ہے؟ اگر ان جگہوں میں اچھے اعمال اور شریعت کے مطابق افعال کئے جائیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

(ص ۲۳۸) بَابُ الِادِّلَاجِ مِنَ الْمُحَصَّبِ

۱۷۷۱. حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنِ الأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَاضَتْ صَفِيَّةُ لَيْلَةَ النَّفْرِ فَقَالَتْ مَا أُرَانِي إِلَّا حَابِسَتَكُمْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَقْرَى حَلْقَى أَطَافَتْ يَوْمَ النَّحْرِ؟ قِيلَ نَعَمْ قَالَ فَانْفِرِي.

۱۷۷۲. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَزَادَنِي مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا مُحَاضِرٌ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَا نَذْكُرُ إِلَّا الحَجَّ فَلَمَّا قَدِمْنَا أَمَرَنَا أَنْ نَحِلَّ فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ النَّفْرِ حَاضَتْ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ حَلْقَى عَقْرَى مَا أُرَاهَا إِلَّا حَابِسَتَكُمْ ثُمَّ قَالَ كُنْتِ طُفْتِ يَوْمَ النَّحْرِ؟ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَانْفِرِي قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي لَمْ أَكُنْ حَلَلْتُ قَالَ فَاعْتَمِرِي مِنَ التَّنْعِيمِ فَخَرَجَ مَعَهَا أَخُوهَا فَلَقِينَاهُ مُدَّلِجًا فَقَالَ مَوْعِدُكِ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا.

ترجمہ: باب، محصب سے سحر کے وقت روانہ ہونے کا بیان۔

دونوں روایت کا ترجمہ گزر چکا

تشریح: اِدّلاج دال کی تشدید کے ساتھ سیر آخر اللیل کو کہتے ہیں، اور ادلاج مطلقاً رات کے چلنے پر بولا جاتا ہے، یہاں بظاہر اول ہی مراد ہے اور حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ حاجی نے جب محصب میں رات گزاری ہو تو آخر شب میں وہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے جیسے حضور اکرم ﷺ وہاں سے روانہ ہو گئے اور مکہ

تشریف لائے اور طواف کیا اور پھر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

اور اگر یہ اِدلاج بتخفیف الدال ہو تو اس صورت میں حضرت عائشہؓ کے فعل سے بخاری نے استدلال کیا ہے اور مقصود یہ ہے کہ محصب میں رات ہی سے روانگی جائز ہے، حضرت عائشہؓ کو حضور ﷺ نے بہت رات باقی تھی تب ہی تنعیم روانہ کر دیا تھا کہ وہ وہاں جائیں اور احرام باندھ کر عمرہ کریں اور عمرہ سے فارغ ہو کر پھر آگے روانگی ہو۔

فَلَقِينَاهُ مُدَّلِجًا: ہم حضور اکرم ﷺ سے ملے اس حال میں کہ آنحضور ﷺ آخری شب میں نکل رہے تھے روانہ ہو رہے تھے۔

اسی سے براعت اختتام نکلتی ہے کہ آپ نے محصب کو رات کے وقت چھوڑ دیا، واللہ تعالی اعلم۔

کتاب الحج پورا ہوا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(ص ۲۳۸) أبْوَابُ العُمْرَةِ

تشریح: امام بخاری حج کے بیان سے فارغ ہوگئے اب عمرہ کا بیان شروع فرمارہے ہیں۔

عمرہ لغت میں زیارت کو کہتے ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ مکان عامر (آباد) کا قصد کرنا عمرہ کہلاتا ہے، علامہ راغب نے لکھا ہے کہ عمرہ کہتے ہی ایسی زیارت کو جو عمارۃ الوُد کے واسطے ہو یعنی محبت کی تعمیر کے لئے ہو۔

اصطلاح میں عمرہ نام ہے افعال مخصوصہ کے ساتھ امکنہ مخصوصہ کی زیارت کرنے کا۔

عمرہ کے ارکان کے متعلق کلام ص ۲۴۱ پر بَاب يَفْعَلُ فِي الْعُمْرَةِ مَا يَفْعَلُ فِي الْحَجِّ کے ذیل میں آرہا ہے، عمرہ سنت قدیمہ ہے، حضور پاک ﷺ کے پہلے ہی سے عمرہ کرنا چلا آرہا ہے اور پھر آنحضور ﷺ نے بھی عمرے کئے، آپکے عمرہ کی تعداد کے متعلق امام بخاری نے مستقل ترجمہ منعقد کیا ہے وہیں اس پر کلام آئے گا۔

(ص ۲۳۸) بَابُ وُجُوبِ العُمْرَةِ وَفَضْلِهَا

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَيْسَ أَحَدٌ إِلَّا وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّهَا لَقَرِينَتُهَا فِي كِتَابِ اللهِ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلهِ.

۱۷۷۳. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ.

ترجمہ: باب، عمرے کے واجب ہونے اور اس کی فضیلت کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہر شخص کے اوپر ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عمرے کی

دلیل اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے ارشاد ہے اور پورا کرو حج اور عمرے کو۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنا ان کے درمیان کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے، اور مقبول حج کی جزا جنت کے علاوہ کچھ نہیں۔

تشریح: امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ جہاں نئی کتاب شروع کرتے ہیں وہیں فضائل بھی بیان کرتے ہیں، چنانچہ کتاب الحج کی ابتداء میں بھی باب وجوب الحج وفضلها کا ترجمہ منعقد کیا تھا یہاں پر بھی اسی طرح کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے۔

مسئلۂ عمرہ میں اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت؟

مذاہب اربعہ میں دو دو قول ہیں، شافعیہ اور حنابلہ کا مشہور قول وجوب ہے اور حنفیہ ومالکیہ کا مشہور قول عدم الوجوب ہے، لیکن بہت سے احناف نے وجوب ہی کے قول کو راجح قرار دیا ہے، صاحب فتاویٰ قاضی خان، صاحب بدائع اور صاحب جوہرہ نے وجوب ہی کو راجح قرار دیا ہے، صاحب بدائع فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا مذہب وجوب ہی ہے اور بعضوں نے اس پر سنت کا اطلاق کر دیا ہے اور یہ وجوب کے منافی نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں اکثر سلف سے عدم وجوب کا قول نقل کیا ہے اور اسی کو اظہر قرار دیا ہے، اور یہ فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے حق تعالیٰ شانہ نے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ کہہ کر حج کی فرضیت کو تو بیان فرمایا ہے لیکن عمرہ کی فرضیت بیان نہیں فرمائی البتہ وأتموا الحجّ والعمرة لله ارشاد فرمایا ہے یعنی اگر کوئی آدمی حج وعمرہ شروع کر دے تو اب اس کا اتمام اس کے ذمہ ہے۔

امام بخاری وجوب کے قائل ہیں، انہوں نے بغیر کسی تردد کے صاف صاف وجوب العمرہ کی تصریح فرمائی ہے، اور دلیل میں حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد لَيْسَ أَحَدٌ إِلَّا وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ پیش فرمایا ہے نیز حضرت ابن عباسؓ کا قول إِنَّهَا لَقَرِينَتُهَا فِي كِتَابِ اللهِ ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ پیش کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جب حج کا قرین عمرہ ٹھہرا اور حج فرائض وواجبات میں سے ہے تو عمرہ بھی واجب ہونا چاہئے۔

اور وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ سے وجوب عمرہ وحج پر استدلال یوں کیا جاسکتا ہے کہ جب ان کا اتمام واجب ہوگا تو یقینی بات ہے کہ وہ خود واجب ہیں، اگر وہ خود ہی واجب نہ ہوتے تو ان کا اتمام کیوں واجب ہوتا؟

مگر علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ہم نوا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ابتداء میں تو عمرہ واجب نہ ہو لیکن شروع کرنے کی وجہ سے واجب ہو جائے، بعض وقت ایک چیز جب تک شروع نہ کی جائے اس وقت تک اس میں اہمیت نہیں ہوتی مگر شروع کر دینے کے بعد اہمیت پیدا ہو جاتی ہے، یہی رہبانیت ہے جن لوگوں نے ابتداع نہیں کیا تھا ان سے ان کا مطالبہ نہیں لیکن جنہوں نے ابتداع کر لیا وہ اس کو نبھا نہیں سکے تو اس پر نکیر کی گئی۔

روایات اس سلسلہ میں کچھ زیادہ قوی نہیں ملتی ہیں، دو طرح کی روایتیں ملتی ہیں، سنن ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ واجب نہیں ہے حضرت جابرؓ کی روایت ہے أَتَى أَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الْعُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ فَقَالَ لَا مگر اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ ہے وهو بانفراده لا يحتج به، علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے تو حد ہی کر دی یہ کہہ دیا کہ وہ روایت ہی بے اصل اور باطل ہے، والعلم عند اللہ۔

وَفَضْلُهَا: امام بخاری نے عمرہ کی فضیلت روایت مرفوعہ سے ثابت کی ہے جو آ رہی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: لَيْسَ أَحَدٌ إِلَّا وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ: ابن عمرؓ کا یہ اثر ابن خزیمہ نے موصولاً روایت کیا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: إِنَّهَا لَقَرِينَتُهَا فِي كِتَابِ اللهِ: یہ اثر امام شافعی نے موصولاً روایت کیا ہے۔

الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا: ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہے بیچ کے گناہوں کا، یعنی ایک عمرہ کر لینے کے بعد دوسرا عمرہ کیا جائے تو بیچ میں جتنے گناہ ہوں گے یہ دونوں عمرے ان کے لئے کفارہ ہو جائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ کثرت سے عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ایک سال میں آیا ایک ہی عمرہ کرنا چاہئے؟ یا متعدد عمرے کئے جا سکتے ہیں؟ تکرار عمرہ فی السنہ میں اختلاف ہے، ابن سیرین، حسن بصری اور امام مالک فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے اور بظاہر محقق ابن ہمام اور علامہ ابن قیم کا رجحان اسی طرف ہے، حنابلہ تکرار کو مستحب کہتے ہیں اور یہی بظاہر حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک ہے، نووی اور ملا علی قاری نے جو عبارتیں نقل کی ہیں اس سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

اکثار یعنی بار بار عمرہ کرنا: دوسرا مسئلہ ہے اکثار کا یعنی بار بار عمرہ کرنا، ایک مہینہ میں کئی کئی عمرہ کرنا

یا روزانہ کرنا؟ حنابلہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور صاحب روض المربع نے کراہت کی تصریح کی ہے، صرف رمضان شریف کا استثناء کیا ہے، لیکن حنفیہ اور حنابلہ کے مسلک پر کراہت نہ ہونی چاہئے جیسا کہ نووی اور قاری وغیرہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دیکھی جائے تو پھر اکثار نہیں ہے اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل چار عمرے کئے ہیں اور ہر عمرہ سال میں ایک مرتبہ ہوا ہے، مگر یہ حدیث الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا اکثار کے لئے بظاہر مؤید ہے مگر اس اکثار سے مراد وہ اکثار کہ یومیہ عمرہ کیا جائے بظاہر مستفاد نہیں ہوتا ہے، آگے اللہ ہی کو علم ہے۔

وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ: حج مبرور وہ حج جو گناہ سے، ریاء سے، رفث سے اور فسق وجدال سے پاک ہو، ایسا ہی حج حج مقبول ہوتا ہے اسی لئے بعض نے حج مبرور کی تفسیر حج مقبول سے کی ہے۔

(ص ۲۳۸) بَابُ مَنِ اعْتَمَرَ قَبْلَ الْحَجِّ

۱۷۷۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ: «أَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ خَالِدٍ، سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ الْعُمْرَةِ قَبْلَ الْحَجِّ؟ فَقَالَ: لَا بَأْسَ، قَالَ عِكْرِمَةُ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: اعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ»

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ: حَدَّثَنِي عِكْرِمَةُ بْنُ خَالِدٍ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ: مِثْلَهُ

(م) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ عِكْرِمَةُ بْنُ خَالِدٍ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: مِثْلَهُ

ترجمہ: باب، حج سے پہلے عمرہ کرنے کا بیان۔

عکرمہ بن خالد نے حضرت ابن عمرؓ سے حج سے پہلے عمرہ کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، عکرمہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرنے سے پہلے عمرہ کیا، عکرمہ بن خالد سے یہی روایت اس طریق سے بھی مروی ہے إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي عِكْرِمَةُ بْنُ خَالِدٍ، اسی طرح یہی مضمون اس طریق سے بھی آیا ہے حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الخ مگر اس میں ابن جریج نے یہ بیان کیا کہ عکرمہ بن خالدؒ نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے سوال کیا اور پھر سابقہ حدیث کے مثل حدیث بیان کی۔

تشریح: حج سے پہلے عمرہ کرنا بالاجماع جائز ہے، ابوداؤد شریف میں ایک صحابی کی روایت منقول ہے أنه سمعَ رسولَ الله ﷺ في مرضه الذي قُبِضَ فيه ينهى عن العُمرةِ قبلَ الحجِّ، غالبًا امام بخاری نے اس ترجمة الباب سے اس پر رد کیا ہے، لیکن اگر وہ روایت ثابت ہو تو اس کا محمل یہ ہوگا کہ اصل میں حج میں آدمی کو دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے اس کے لئے بہت سی چیزیں ضروری ہوتی ہیں، زادراہ ضروری ہوتا ہے راحلہ ضروری ہوتی ہے اور ہر وقت یہ چیزیں میسر نہیں آتی ہیں، اب اگر اتفاق سے کسی آدمی نے زمانۂ حج سے پہلے عمرہ کر لیا اور واپس آگیا تو ہو سکتا ہے کہ بعد میں اس کو یہ چیزیں میسر نہ آسکیں، ہمیشہ آدمی تیاری نہیں کر پاتا ہے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ آدمی کو یہ چاہئے کہ پہلے حج کرے اور پھر اس کے بعد توفیق ہو تو عمرہ کے لئے مستقل سفر کرے، یہ نہیں کہ عمرہ کا سفر تو پہلے کر لیا اور حج التوا میں پڑ گیا اور بعد میں توفیق ہی نہ ہو سکے، اب اگر وہ مال جو عمرہ کے سفر میں کام آیا تھا مہیا ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ حج کے سفر میں کام آتا۔

اعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ قَبلَ أَنْ يَحُجَّ: مصنف نے اس سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ اعتمار قبل الحج جائز ہے، لیکن مصنف کا استدلال اسی وقت مکمل ہو سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ حج کی فرضیت سن ۹ھ سے پہلے ہو چکی تھی حالانکہ یہ مسئلہ خود مختلف فیہا ہے، ابوحاتم بن حبان البستی، قاضی عیاض، ابن بطال اور ابن قیم وغیرہ حضرات کی رائے ہے کہ سن ۹ھ سے پہلے حج فرض نہیں ہوا اگرچہ بہت سے علماء کہتے ہیں کہ سن ۶ھ میں حج فرض ہو گیا ہے، اور امام نووی، حافظ ابن حجر وغیرہ نے جمہور علماء سے یہی نقل کیا ہے۔

(ص ۲۳۸) بَابٌ كَمْ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ؟

۱۷۷۵ . حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: «دَخَلْتُ أَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ: فَإِذَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: جَالِسٌ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ، وَإِذَا نَاسٌ يُصَلُّونَ فِي الْمَسْجِدِ صَلَاةَ الضُّحَى، قَالَ: فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ، فَقَالَ: بِدْعَةٌ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: كَمِ اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ أَرْبَعًا: إِحْدَاهُنَّ فِي رَجَبٍ. فَكَرِهْنَا أَنْ نَرُدَّ عَلَيْهِ.

۱۷۷۶ . قَالَ: وَسَمِعْنَا اسْتِنَانَ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْحُجْرَةِ، فَقَالَ عُرْوَةُ: يَا أُمَّاهُ، يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، أَلَا

تَسْمَعِينَ مَا يَقُولُ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ قَالَتْ: مَا يَقُولُ؟ قَالَ: يَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمُرَاتٍ، إِحْدَاهُنَّ فِي رَجَبٍ. قَالَتْ: يَرْحَمُ اللهُ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، مَا اعْتَمَرَ عُمْرَةً إِلَّا وَهُوَ شَاهِدُهُ، وَمَا اعْتَمَرَ فِي رَجَبٍ قَطُّ

۱۷۷۷. حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: «مَا اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي رَجَبٍ

۱۷۷۸. حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ: «سَأَلْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: كَمِ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: أَرْبَعٌ؛ عُمْرَةُ الْحُدَيْبِيَةِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَدَّهُ الْمُشْرِكُونَ، وَعُمْرَةٌ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَالَحَهُمْ، وَعُمْرَةُ الْجِعْرَانَةِ إِذْ قَسَمَ غَنِيمَةَ أُرَاهُ حُنَيْنٍ، قُلْتُ: كَمْ حَجَّ؟ قَالَ: وَاحِدَةً

۱۷۷۹. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ: «اعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ حَيْثُ رَدُّوهُ، وَمِنَ الْقَابِلِ عُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَعُمْرَةً فِي ذِي الْقَعْدَةِ، وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ

۱۷۸۰. حَدَّثَنَا هُدْبَةُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ وَقَالَ: «اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ فِي ذِي الْقَعْدَةِ، إِلَّا الَّتِي اعْتَمَرَ مَعَ حَجَّتِهِ: عُمْرَتَهُ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَمِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ، وَمِنَ الْجِعْرَانَةِ حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ، وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ

۱۷۸۱. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَأَلْتُ مَسْرُوقًا وَعَطَاءً وَمُجَاهِدًا فَقَالُوا: «اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي ذِي الْقَعْدَةِ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ». وَقَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي ذِي الْقَعْدَةِ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ مَرَّتَيْنِ

ترجمہ: باب، پیغمبر ﷺ نے کل کتنے عمرے کئے؟

مجاہد نے بیان کیا کہ میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بدعت ہے، پھر ان سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنے عمرے کئے؟ تو فرمایا کہ چار اور ان میں سے ایک رجب میں کیا، ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ ان کی بات کارد کریں، مزید کہتے ہیں کہ ہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے حجرے میں مسواک کرنے کی آواز سنی، عروہ نے کہا کہ اماں جان ام المؤمنین! کیا آپ وہ بات سن رہی ہیں جو

ابو عبد الرحمن فرمار ہے ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ عروہ نے کہا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے اور ان میں سے ایک رجب میں کیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ ابو عبد الرحمن پر رحم کرے! حضور ﷺ نے ایسا کوئی عمرہ نہیں کیا جس میں ابن عمر موجود نہ ہوں اور آپ ﷺ نے رجب میں عمرہ کبھی نہیں کیا۔

حضرت عروہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے (عمرے کے بارے میں) سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے رجب میں عمرہ نہیں فرمایا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ پیغمبر ﷺ نے کتنے عمرے کئے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ چار عمرے کئے، ایک حدیبیہ والا عمرہ جب کہ مشرکین نے آپ کو روک دیا تھا، ایک اس سے آئندہ سال کا عمرہ جو ذی قعدہ میں ہوا جب کہ آپ نے ان سے مصالحت کی، ایک جعرانہ والا عمرہ جب کہ آپ نے (راوی کہتا ہے میرا خیال ہے کہ) حنین کی غنیمت تقسیم کی، میں نے کہا کہ حج کتنے کئے؟ تو فرمایا کہ ایک۔

قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ پیغمبر ﷺ نے ایک عمرہ (کا ارادہ) اس وقت کیا جب کہ آپ کو مشرکین نے روک دیا، اور اگلے سال حدیبیہ کا عمرہ کیا، ایک عمرہ ذی قعدہ میں ہوا اور ایک عمرہ اپنے حج کے ساتھ کیا، اور فرمایا کہ پیغمبر ﷺ نے چار عمرے کئے اور سوائے اس کے جو اپنے حج کے ساتھ کیا تھا باقی سب ذی قعدہ میں کئے، ایک حدیبیہ کا عمرہ، ایک اس کے بعد والے سال کا، ایک جعرانہ سے جب کہ آپ نے حنین کے اموال غنیمت کو تقسیم کیا اور ایک عمرہ اپنے حج کے ساتھ۔

ابو اسحاق نے بیان کیا کہ میں نے مسروق، عطاء اور مجاہد سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کرنے سے پہلے ذی قعدہ میں عمرہ کیا اور کہا کہ میں نے براء بن عازبؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کرنے سے پہلے ذی قعدہ میں دو مرتبہ عمرہ کیا۔

تشریح: حضور اکرم ﷺ کے عمرات کے بارے میں دو چیزوں میں اختلاف ہے۔

اول تعداد میں اور دوسرے زمانہ کے بیان میں۔

کتنے عمرے کئے اور کب؟ خود حضرت عائشہؓ سے اس میں تین طرح کی روایتیں نقل کی گئی ہیں، ایک روایت میں فرماتی ہیں اعتمرَ عُمرتین: عمرةً في ذي القعدة، وعمرةً في شوال رواه أبو داؤد، اور ایک دوسری روایت میں ارشاد فرماتی ہیں اعتمر ثلاث عمرة، عمرتين فی ذی القعدة وعمرة فی شوال رواه سعيد بن منصور، اور تیسری روایت میں جو بخاری شریف میں آگے آنے والی ہے چار عمرات کی تصریح کرتی ہیں۔

دوسرے صحابہ کی بھی روایات مختلف ہیں، بخاری شریف میں حضرت براء بن عازبؓ کی روایت میں وارد ہوا ہے اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي ذِي الْقَعْدَةِ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ مَرَّتَيْنِ۔

عبد الرزاق نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عمرے کئے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے چار عمرے کئے ہیں۔

ابن عباسؓ کی روایت میں ابوداؤد و ترمذی وغیرہ میں چار عمروں کا تذکرہ وارد ہوا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے تعداد کے بارے میں دو روایتیں نقل کی جاتی ہیں، ابتداءً وہ دو عمروں کے قائل تھے پھر جب حضرت عائشہؓ نے ان کی تردید کی تو چار عمروں کے قائل ہوئے لیکن کہنے لگے کہ ایک عمرہ آپ نے رجب میں کیا ہے، حضرت عائشہؓ نے اس پر بھی رد کیا اور یہ بتلایا کہ کوئی عمرہ آپ نے رجب میں نہیں کیا۔

حق یہ ہے کہ رجب میں تو کوئی عمرہ آپ کا ہوا نہیں، شوال کے سلسلہ میں خود حضرت عائشہؓ کی روایت ابوداؤد میں وارد ہوئی ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کا کوئی عمرہ غیر اشہر حج میں واقع نہیں ہوا، خود حضرت عائشہؓ سے تصریح منقول ہے لم یعتمر إلا في ذي القعدة، اب شوال کی جو روایت نقل کی جاتی ہے اگر اس کو محفوظ مان لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۂ جعرانہ کا ارادہ بالکل اواخر شوال میں کیا تھا اور اس کی تکمیل ہوئی ذی القعدہ کی پہلی تاریخ کو، اس لئے اسی کو یہ کہہ دیا گیا کہ آپ نے ایک عمرہ شوال میں کیا ہے۔

رہ گیا تعداد کا اختلاف؛ تو جن حضرات نے دو عمروں کا ذکر کیا ہے اس کے جمع کی صورت یہ ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ نے بظاہر جیسے عمرۂ حج کا اعتبار نہیں کیا ایسے ہی عمرۂ جعرانہ کا اعتبار نہیں کیا کیوں کہ وہ اکثر لوگوں پر مخفی رہ گیا تھا جیسا کہ ترمذی وغیرہ میں وارد ہے، یا پھر عمرۂ حدیبیہ کا اعتبار نہیں کیا اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ ہی سے واپس ہو گئے تھے۔

اور جن لوگوں نے تین عمرات کا ذکر کیا ہے بظاہر انہوں نے عمرۂ حج کا اعتبار نہیں کیا کیوں کہ وہ حج کے ساتھ ہوا ہے، یا حدیبیہ اور جعرانہ میں سے کسی ایک کا انکار کیا ہے، جعرانہ کا لاعلمی کی وجہ سے اور حدیبیہ کا اس لئے کہ وہ صورۃً مکمل نہیں ہوا۔

کل چار عمرے ہیں: اور میں ماقبل میں بیان کر چکا ہوں کہ ان عمرات کی شکل کیا ہوئی؟ عمرۂ حدیبیہ

سن ۶ھ میں ہوا ہے لیکن حدیبیہ پہنچ کر کفار نے آپ کو آگے نہیں جانے دیا، ردوقدح کے بعد یہ طے پایا کہ آپ اگلے سال تشریف لائیں چنانچہ سن ۷ھ میں آپ عمرۂ قضا کے لئے تشریف لے گئے اور آپ نے عمرہ فرمایا، پھر آٹھویں سال فتح مکہ ہوا ہے، جب حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ مکہ فتح کر کے حنین اور وہاں سے طائف تشریف لے گئے اور طائف سے جعرانہ واپسی ہوئی اور وہاں کئی روز قیام رہا تو ایک دن موقع پا کر آپ نے عمرہ کیا، اور اس کے بعد چوتھا عمرہ سن ۱۰ھ میں حج کے سال حج کے ساتھ ہوا ہے۔

فَكَرِهْنَا أَنْ نَرُدَّ عَلَيْهِ: اس سے معلوم ہوا کہ بڑوں سے اگر کہیں غلطی اور لغزش ہو جائے تو ایک دم منھ پر ان کی تردید نہیں کرنا چاہئے، اگر کہیں ناگزیر ہو تو ادب کا طریقہ اختیار کیا جائے جیسے عروہ نے کیا کہ وہاں سب سے بڑی ام المؤمنین موجود تھیں، پوچھنے لگے کہ ام المؤمنین! یہ ابوعبدالرحمن کیا کہہ رہے ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے بتلا دیا کہ آپ نے کوئی عمرہ رجب میں نہیں کیا ہے، لیکن اگر کہیں ایسی صورت پیش آجائے کہ اس طرح کا کوئی حیلہ اختیار کرنے کی شکل موجود نہ ہو تو آدمی وہاں ادب کے ساتھ کہہ سکتا ہے۔

حضرت اقدس تھانویؒ کا واقعہ: ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانویؒ نے مسجد میں کسی شخص سے روپیہ کی ریزگاری لی تو حضرت کے بڑے خادم نے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت! یہ بیع میں تو داخل نہیں ہے؟ ایک دم حضرت کو تذکّر ہوا، حضرت نے فرمایا کہ ہاں واقعی یہ بیع وشراء میں داخل ہے اور اس کے بعد اس سے پیسے واپس لے لئے اور مسجد سے باہر تشریف لائے، اسی بات کو یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ حضرت! یہ تو غلط ہو گیا، بیع ہو گئی، یہ بات کتنی بھونڈی ہو جاتی اور اسی کو ادب کے ساتھ کہہ دیا گیا کہ کہیں یہ بیع میں تو داخل نہیں؟ خود حضرت اقدس نے اس کا کسی جگہ تذکرہ فرمایا ہے۔

إِحْدَاهُنَّ فِي رَجَبٍ: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ میں اختلاف مہینہ کی تعیین میں تھا، لیکن ابوداؤد میں ہے کہ اختلاف عدد میں تھا، حضرت ابن عمرؓ؛ عمرتین کے قائل تھے حضرت عائشہؓ نے ان پر رد کیا اور یہ بتلا دیا کہ چار عمرے ہوئے ہیں مگر اس میں کوئی تعارض نہیں، دونوں چیزوں میں اختلاف ہوا ہو گا۔

وَعُمْرَةُ الْجِعْرَانَةِ: جِعِرّانہ اور جِعْرَانہ دونوں جائز ہیں، اس عمرہ کا ابن عمرؓ اور ان کے تلمیذ

نافع نے انکار کیا ہے، ابن عمرؓ کا انکار مسلم شریف جلد ثانی ص ۵۰ پر وارد ہے اور حضرت نافع کا انکار آئندہ اسی جلد میں ص ۴۴۵ پر آرہا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ عمرہ نہایت خفیہ طور پر چند آدمی کے ساتھ ہوا تھا اکثر لوگوں کو اس کا پتہ بھی نہیں چل سکا جیسا کہ محرش کعبیؓ کی روایت میں مسند احمد وغیرہ میں وارد ہوا ہے، اس لئے جن کو علم نہیں تھا وہ اس کا انکار کیا کرتے تھے، ورنہ اس عمرہ کا ثبوت بکثرت روایات میں وارد ہوا ہے، حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ابوداؤد میں، حضرت انسؓ کی روایت بخاری اور مسلم میں، محرش کعبیؓ کی روایت مسند احمد اور ترمذی میں، اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ اور دیگر صحابہؓ کی روایات میں وارد ہوا ہے، اور تمام ارباب مغازی وسیر عروہ، اسحاق، ابن سعد اور واقدی وغیرہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے والحافظ حجة علی من لم یحفظ۔

قُلْتُ: كَمْ حَجَّ؟ قَالَ: وَاحِدَةً: یعنی ہجرت کے بعد آنحضور ﷺ نے ایک حج کیا ہے، ورنہ ہجرت سے پہلے تو آپ نے متعدد حج کئے ہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ ہجرت سے پہلے ہر سال حج کرتے تھے۔

وَمِنَ الْقَابِلِ عُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ وہم ہے اسلئے کہ عمرۂ حدیبیہ من قابل یعنی اگلے سال نہیں ہوا ہے، اور بعض حضرات نے اس کی توجیہ کی ہے کہ من القابل کا تعلق عمرۂ حدیبیہ سے نہیں ہے بلکہ اگلا آنے والا جو عمرہ ہے وَعُمْرَةً فِي ذِي الْقَعْدَةِ سے اس کا تعلق ہے اور عمرۂ حدیبیہ کا تعلق حَيْثُ رَدُّوهُ سے ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اگر روایت کو وہم نہ مانا جائے تو لفظ میں تقدیم وتاخیر ماننی ہی پڑے گی۔

حَدَّثَنَا هُدْبَةُ: امام بخاری نے ہدبہ بن خالد کی حدیث کی سند نقل نہیں فرمائی بلکہ ماقبل پر حوالہ کر دیا ہے، یہی روایت حضرت امام نے کتاب الجہاد میں تخریج فرمائی ہے اور وہاں سند ومتن مکمل طور پر ذکر کیا ہے، نیز مکمل سند ومتن کتاب المغازی میں ص ۵۹۷ پر آرہا ہے۔

(ص ۲۳۹) بَابُ عُمْرَةٍ فِي رَمَضَانَ

۱۷۸۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُخْبِرُنَا يَقُولُ: «قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، سَمَّاهَا ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَسِيتُ اسْمَهَا. مَا مَنَعَكِ أَنْ

تَحُجِّيْنَ مَعَنَا؟ قَالَتْ: كَانَ لَنَا نَاضِحٌ فَرَكِبَهُ أَبُو فُلَانٍ، وَابْنُهُ لِزَوْجِهَا وَابْنِهَا، وَتَرَكَ نَاضِحًا نَنْضَحُ عَلَيْهِ، قَالَ: فَإِذَا كَانَ رَمَضَانُ اعْتَمِرِي فِيهِ، فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ حَجَّةٌ، أَوْ نَحْوًا مِمَّا قَالَ

ترجمہ: باب، رمضان میں عمرے کا بیان۔

عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کی ایک عورت سے فرمایا جس کا نام حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا تھا لیکن میں بھول گیا، فرمایا کہ تم کو ہمارے ساتھ حج کرنے سے کس چیز نے روکا؟ اس نے عرض کیا کہ ہمارے پاس پانی لانے کا ایک اونٹ تھا اس پر ابو فلاں اور ان کا بیٹا (اس سے اس عورت کا خاوند اور بیٹا مراد ہے) سوار ہو گیا اور پانی لانے کا ایک اونٹ چھوڑا جس پر ہم پانی لاد کر لاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب رمضان آئے تو عمرہ کر لینا اس لئے کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے یا اس کے مثل ارشاد فرمایا۔

تشریح: امام بخاری نے اب چند ابواب ایسے بیان کئے ہیں جن سے کسی زمان میں یا مکان میں احادیث میں عمرہ کا ثبوت معلوم ہوتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے قولاً یا فعلاً بعض زمان یا بعض مکان میں عمرہ کا ثبوت نقل کیا گیا ہے، امام بخاری نے مستقل تراجم کے ذریعہ سے اس پر تنبیہ کی ہے۔

رمضان شریف میں عمرہ کی فضیلت: رمضان شریف کے عمرہ کی فضیلت حدیث میں وارد ہوئی ہے اس لئے امام بخاری نے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے یہ ترجمہ منعقد فرمایا ہے اور مقصد یہ ہے کہ رمضان میں عمرہ کرنا ایک حج کے برابر ہے، اور غالباً مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث پاک میں جو فضیلت وارد ہوئی ہے وہ عام ہے کسی شخص کے ساتھ خاص نہیں۔

اور یہ جو بعض محدثین کرام نے کہہ دیا ہے کہ روایۃ الباب اسی عورت کے ساتھ خاص ہے چنانچہ محدث احمد بن منیع نے سعید بن جبیرؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ فضیلت اس عورت کے ساتھ خاص ہے مصنف نے اس کی تردید کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لیکن سعید بن جبیر نے جو تخصیص کا دعویٰ کیا ہے وہ ایک مخصوص صورت میں کیا ہے اور وہ یہ کہ روایت کو فرض پر محمول کیا جائے، یعنی روایت کا مطلب یہ قرار دیا جائے کہ رمضان شریف میں عمرہ کرنا حج فرض کے برابر ہے یعنی معتمر سے حج کا فریضہ ساقط ہو جائے گا تو پھر اس صورت میں سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ اسی عورت کی خصوصیت ہوگی جس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا، ورنہ یہ ظاہر بات ہے کہ اگر حج فریضہ نہ ہو اور یہ نہ کہا

جائے کہ عمرۂ رمضان مُسقطِ حج فرض ہے تو پھر اس صورت میں دعویٰ خصوصیت کی کوئی ضرورت ہی نہیں، فضائل تو عام ہوا ہی کرتے ہیں۔

فَنَسِيتُ اسْمَهَا: قائل ابن جریج ہیں، لیکن آئندہ یہی روایت آئے گی بطریق حبیب المعلم عن عطاء اس میں اس عورت کا نام ام سنان واقع ہوا ہے۔

نَاضِحٌ: وہ اونٹنی جس پر پانی کھینچ کر لایا جائے۔

فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ حَجَّةٌ أَوْ نَحْوًا مِمَّا قَالَ: مطلب یہ ہے کہ اگر رمضان میں عمرہ کرلو گی تو تمہارا حج ہو جائے گا تب تو اس کو خصوصیت پر محمول کئے بغیر چارہ ہی نہیں ہے، اور احمد بن منیع نے سعید بن جبیر سے جو نقل کیا ہے بظاہر اس کا یہی محمل ہے، اور اگر حجۂ فریضہ نہ مانا جائے تو پھر اس صورت میں کوئی اشکال ہوتا ہی نہیں ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ رمضان شریف میں عمرہ کرلینا ثواب میں ایک حج نفل کے برابر ہے، محدث ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ثواب میں مساوات ہے اِجزاء میں نہیں یعنی رمضان کا عمرہ حج فرض کی طرف سے کافی نہیں ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ عورت جس حج کا ارادہ کر رہی تھی وہ حج نفل تھا لہٰذا اب بھی کوئی اشکال نہیں ہے، اور مطلب یہ ہو جائے گا کہ تمہارا رمضان کا عمرہ حج نفل کے برابر ہو جائے گا، لیکن ابن بطال کی یہ توجیہ قابل اشکال ہے اس لئے کہ وہ حج نفل کیسے تھا؟ حضور ﷺ نے جو حج کیا وہ حج فرض ہے، پہلا حج ہے اس سے پہلے آپ نے یا آپ کے صحابہ نے کوئی حج کیا ہی نہیں، سن ۹ھ میں حضرت صدیق اکبرؓ نے ضرور حج کیا ہے، اگر اس عورت نے سن ۹ھ میں حج کر لیا ہو تب تو ابن بطال کی توجیہ چل سکتی ہے اور اگر نہیں کیا ہے تو ابن بطال کی توجیہ ظاہر الاشکال ہے۔

بہر حال خلاصہ کے طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر مقصود یہ ہے کہ یہ حج کے برابر ہے یعنی حج کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور اِجزاء مقصود ہے تب تو یہ اس کی خصوصیت ہے کما قاله ابن جبیر، اور اگر اِجزاء مقصود نہیں بلکہ مقصود ثواب کے اندر مساوات ہے تو پھر حدیث الباب بالکل کھلی ہوئی اور ظاہر المعنی ہے اور خصوصیت وغیرہ پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، مصنف کا ترجمہ اسی بات کی طرف مشیر ہے کہ یہ حج نفل سے متعلق ہے

اِجزاء مقصود نہیں محض ثواب میں مساوات مقصود ہے۔

(ص ۲۳۹) بَابُ العُمْرَةِ لَيْلَةَ الحَصْبَةِ وَغَيْرِهَا

۱۷۸۳ . حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: «خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ مُوَافِينَ لِهِلَالِ ذِي الحِجَّةِ، فَقَالَ لَنَا: مَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُهِلَّ بِالحَجِّ فَلْيُهِلَّ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهِلَّ بِعُمْرَةٍ، فَلَوْلَا أَنِّي أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ. قَالَتْ: فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ، وَكُنْتُ مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، فَأَظَلَّنِي يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَشَكَوْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: ارْفُضِي عُمْرَتَكِ، وَانْقُضِي رَأْسَكِ، وَامْتَشِطِي وَأَهِلِّي بِالحَجِّ، فَلَمَّا كَانَ لَيْلَةُ الحَصْبَةِ أَرْسَلَ مَعِي عَبْدَ الرَّحْمَنِ إِلَى التَّنْعِيمِ، فَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِي

ترجمہ: باب، محصب کی رات میں اور اس کے علاوہ کسی اور رات میں عمرہ کرنے کا بیان۔

روایت کا ترجمہ کئی بار گزر چکا

تشریح: لیلۃ الحصبہ ذی الحجہ کی چودہویں رات ہے، حاجی تیرہویں کی شام کو رمی کر کے منٰی سے روانہ ہو جاتا ہے اس کے بعد بہت سے لوگ محصب میں جا کر رات گزارتے ہیں۔

لیلۃ الحصبہ میں حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو عمرہ کرایا تھا، اب مصنف یوں فرماتے ہیں کہ لیلۃ الحصبہ میں اور اسی طرح اور دیگر راتوں میں عمرہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس باب کا فقہ یہ ہے کہ حاجی کو اتمام حج کے بعد ایام تشریق کے گزرنے کے بعد عمرہ کرنا جائز ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ویسے اس میں اختلاف ہے، (۱) حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ پورے سال عمرہ کیا جاسکتا ہے صرف پانچ دن عمرہ کرنا مکروہ ہے، یوم عرفہ اور یوم النحر اور ایام تشریق میں، (۲) امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ کسی وقت بھی مکروہ نہیں ہے، (۳) امام مالک کے نزدیک اشہر حج میں کراہت ہے اور اس کے ماسوا میں نہیں۔

امام بخاری نے عمرۃ لیلۃ الحصبہ کو تو روایت سے ثابت کیا ہے اور فی غیر لیلۃ الحصبہ کو استدلالاً ثابت فرمایا

ہے، بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں بعض صحابہ وتابعین سے بعض ایسے آثار نقل کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ الحصبہ کا عمرہ ترک کردینا ہی اولیٰ ہے، چنانچہ عبد الرزاق نے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ ان سے لیلۃ الحصبہ کے عمرہ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا هِيَ خَيْرٌ مِنْ لَا شَيْءَ، اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی نقل کیا گیا ہے، مصنف نے اس کی تردید کی طرف اشارہ کردیا کہ لیلۃ الحصبہ کا عمرہ کرنا حدیث میں منقول ہے اس لئے اگر اس رات میں عمرہ کیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

رہا حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا یہ فرمانا هِيَ خَيْرٌ مِنْ لَا شَيْءَ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اہتمام کرتا ہے اور خواہ مخواہ کے لئے اس کو ایک ضروری درجہ قرار دیتا ہے، اس پر ان لوگوں نے یوں فرمایا کہ لاشئ سے بہرحال بہتر ہے، نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے، یعنی بہت ضروری اور اہم نہیں ہے اور یہ بھی نہیں کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں ہے، بس یہ کہا ہے کہ خیر ہے، نہ ہونے سے بہتر ہے۔

(ص ۲۳۹) بَابُ عُمْرَةِ التَّنْعِيمِ

١٧٨٤. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ عَمْرَو بْنَ أَوْسٍ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهُ أَنْ يُرْدِفَ عَائِشَةَ وَيُعْمِرَهَا مِنَ التَّنْعِيمِ» قَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: سَمِعْتُ عَمْرًا، وَكَمْ سَمِعْتُهُ مِنْ عَمْرٍو

١٧٨٥. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ عَنْ حَبِيبٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَطَاءٍ حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ «أَهَلَّ وَأَصْحَابُهُ بِالْحَجِّ، وَلَيْسَ مَعَ أَحَدٍ مِنْهُمْ هَدْيٌ غَيْرَ النَّبِيِّ ﷺ وَطَلْحَةَ، وَكَانَ عَلِيٌّ قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ وَمَعَهُ الْهَدْيُ، فَقَالَ: أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَذِنَ لِأَصْحَابِهِ أَنْ يَجْعَلُوهَا عُمْرَةً: يَطُوفُوا بِالْبَيْتِ، ثُمَّ يُقَصِّرُوا وَيَحِلُّوا إِلَّا مَنْ مَعَهُ الْهَدْيُ، فَقَالُوا: نَنْطَلِقُ إِلَى مِنًى وَذَكَرُ أَحَدِنَا يَقْطُرُ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ، وَلَوْلَا أَنَّ مَعِي الْهَدْيَ لَأَحْلَلْتُ. وَأَنَّ عَائِشَةَ حَاضَتْ، فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنَّهَا لَمْ تَطُفْ بِالْبَيْتِ، قَالَ: فَلَمَّا طَهُرَتْ وَطَافَتْ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَتَنْطَلِقُونَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ وَأَنْطَلِقُ بِالْحَجِّ؟ فَأَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهَا إِلَى التَّنْعِيمِ، فَاعْتَمَرَتْ بَعْدَ الْحَجِّ فِي ذِي الْحَجَّةِ. وَأَنَّ سُرَاقَةَ بْنَ

مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ لَقِيَ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ بِالْعَقَبَةِ وَهُوَ يَرْمِيهَا، فَقَالَ: أَلَكُمْ هَذِهِ خَاصَّةً يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: لَا، بَلْ لِلْأَبَدِ

ترجمہ: باب، تنعیم سے عمرہ کرنے کا بیان۔

حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ حضرت عائشہؓ کو اپنا ردیف بنائیں اور ان کو تنعیم سے عمرہ کرائیں، سفیان نے بعض مرتبہ سَمِعْتُ عَمْرًا وَكَمْ سَمِعْتُهُ مِنْ عَمْرٍو کہا یعنی یہ کہ میں نے عمرو سے سنا اور میں نے اس کو عمرو سے کتنی ہی مرتبہ سنا۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ اور آپ کے صحابہ نے حج کا احرام باندھا اور ان میں سے کسی کے پاس ہدی نہیں تھی علاوہ پیغمبر ﷺ کے اور طلحہؓ کے، ادھر حضرت علیؓ یمن سے آئے اور ان کے ساتھ ہدی تھی انہوں نے کہا کہ میں نے اسی چیز کا احرام باندھا ہے جس کا رسول اللہ ﷺ نے باندھا، پیغمبر ﷺ نے صحابہ کو اس کی اجازت دی کہ وہ اس کو عمرہ بنا دیں، بیت اللہ کا طواف کریں، پھر قصر کریں اور حلال ہو جائیں علاوہ اس کے جس کے ساتھ ہدی ہو، صحابہ نے کہا کہ ہم منیٰ میں اس حال میں جائیں گے کہ ہم میں سے بعض کے ذکر سے منی ٹپک رہی ہو گی (یعنی جماع کئے ہوئے ایک دو دن ہی گزرے ہوں گے) یہ بات پیغمبر ﷺ کے علم میں آئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنے معاملہ کی وہ بات پہلے معلوم ہو جاتی جو بعد میں معلوم ہوئی تو میں ہدی نہ لاتا اور اگر میرے پاس ہدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا، ادھر حضرت عائشہؓ کو حیض شروع ہو گیا انہوں نے حج کے تمام افعال کئے علاوہ اس کے کہ بیت اللہ کا طواف نہیں کیا، راوی کہتا ہے کہ جب وہ پاک ہو گئیں تو انہوں نے طواف کیا، حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ عمرہ اور حج دونوں ادا کر کے جائیں گے اور میں صرف حج کر کے جاؤں گی؟ تو آپ نے حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ تنعیم جائیں، تو انہوں نے حج کے بعد عمرہ کیا ذی الحجہ میں، نیز سراقہ بن مالک بن جعشمؓ نے پیغمبر ﷺ سے ملاقات کی جب آپ جمرۂ عقبہ پر تھے اور اسکی رمی فرما رہے تھے اور یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ آپ کیلئے خاص ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ ہمیشہ کیلئے ہے۔

تشریح: مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام تنعیم کہلاتا ہے، مکہ تو حرم میں گھرا ہوا ہے، سب سے قریب ترحِلّ کی جگہ تنعیم ہے، حضرت عائشہؓ نے جب حضور اکرم ﷺ سے حج سے فراغت کے بعد یہ اصرار کیا کہ مجھے مستقل عمرہ کرایا جائے تو آنحضور ﷺ نے ان کے بھائی عبد الرحمن بن ابی بکرؓ سے ارشاد فرمایا کہ لے جاکر تنعیم سے ان کو عمرہ کراؤ، اب چونکہ حدیث پاک میں تنعیم سے عمرہ کرنے کا ثبوت ہے تو مصنف نے اس پر ترجمہ منعقد فرما دیا۔

کیا عمرۂ تنعیم مکروہ ہے؟ طاؤس سے منقول ہے الذین یَعْتَمِرُونَ من التَّنْعِیمِ، ما أَدْرِی یُؤجَرُونَ علیھا أو یُعَذَّبُونَ؟ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمرۂ تنعیم کو مکروہ سمجھتے تھے تو ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے ان پر اس ترجمہ سے رد کیا ہو، اسی طرح سے بعض مشائخ واکابر نے ارشاد فرمایا ہے، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمہ سے طاؤس پر رد نہیں کیا ہے بلکہ وہ مطلقاً یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی تنعیم سے عمرہ کرنا چاہے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے، اور طاؤس کا قول ایک مخصوص حالت کے متعلق ہے، اصل میں انہوں نے ان لوگوں پر نکیر کی ہے جو طواف کو چھوڑ کر تنعیم جا کر عمرہ کیا کرتے تھے، طاؤس کی رائے یہ تھی کہ مکہ میں جو آفاقی آئے اس کو طواف میں مشغول ہونا چاہیے۔

مکہ میں مقیم احرام عمرہ کہاں سے باندھے؟ اگر مکہ کا مقیم شخص عمرہ کرنا چاہے تو اس کے لئے احرام عمرہ باندھنے کے لئے سب سے افضل جگہ کونسی ہے؟ (۱) حنفیہ کہتے ہیں کہ تنعیم ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے وہاں سے احرام کرایا تھا، (۲) شافعیہ کہتے ہیں کہ سب سے افضل جعرانہ ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے وہاں سے عمرہ کیا ہے اور پھر اس کے بعد تنعیم ہے اس لئے کہ حضور پاک ﷺ نے وہاں سے عمرہ کرایا، اور اگر یہ دونوں جگہیں نہ ہوں تو جتنا بھی آدمی دور سے آئے گا اتنا افضل ہوگا، بعض شافعیہ اور حنابلہ حنفیہ کے ساتھ ہیں اور بعض مالکیہ جیسے دردیر شافعیہ کے ساتھ ہیں، (۳) اور بعض مالکیہ علامہ دسوقی وغیرہ عدم تفضیل کی طرف مائل معلوم ہوتے ہیں۔

(۴) حضرت امام احمد بن حنبل کا مسلک کیا ہے؟ صاحب شافی نے نقل کیا ہے کہ افضل یہ ہے کہ تنعیم سے احرام باندھے اور لکھا ہے کہ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ المَكِّيُّ كلَّما تباعَدَ في العُمْرَةِ فهو أعْظَمُ لِلأَجْرِ مکی جب جب عمرہ کے احرام کے لئے جتنا دور جائے اتنا ہی زیادہ اس کو اجر وثواب ملے گا۔

وَلَيْسَ مَعَ أَحَدٍ مِنهُم هَدْيٌ غَيرَ النَّبِيِّ ﷺ وَطَلْحَةَ: حضور ﷺ اور طلحہؓ کے علاوہ اور کسی کے ساتھ بھی ہدی نہیں تھی، اس میں روایات میں اختلاف ہے کہ کتنوں کے ساتھ ہدی تھی؟ اگلے صفحہ میں روایت آرہی ہے وَكَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَرِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِهِ ذَوِي قُوَّةٍ الهَدْيُ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے جو صحابہ ذوی القوہ یعنی ذوی الیسار مالدار تھے ان کے ساتھ ہدی تھی، چنانچہ مسلم شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضرت

ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہدی تھی۔

أَلَكُمْ هَذِهِ خَاصَّةً يَا رَسُولَ اللهِ؟ هذہ سے مراد کیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں، (۱) بعض کہتے ہیں کہ اعتمار فی اشہر الحج یعنی اشہر حج میں عمرہ کرنا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ خاص ہے یا آپ کے بعد بھی جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ جائز ہے، (۲) سیاق روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر فسخ الحج الی العمرہ کے متعلق ان کا سوال تھا اور اسی کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا بَلْ لِلأَبَدِ ہمیشہ کے لئے ہے، اور یہی حضرات حنابلہ کی رائے ہے اور اسی لئے وہ فرماتے ہیں کہ فسخ الحج الی العمرہ منسوخ نہیں اور مخصوص نہیں، ہمیشہ کے لئے مباح اور جائز ہے، اور میں اس مسئلہ میں علماء کے تین قول بیان کر چکا ہوں۔

(ص ۲۴۰) بَابُ الِاعْتِمَارِ بَعْدَ الحَجِّ بِغَيْرِ هَدْيٍ

١٧٨٦. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: «خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ مُوَافِينَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهِلَّ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُهِلَّ بِحَجَّةٍ فَلْيُهِلَّ، وَلَوْلَا أَنِّي أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ. فَمِنْهُمْ مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنْهُمْ مَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ، وَكُنْتُ مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، فَحِضْتُ قَبْلَ أَنْ أَدْخُلَ مَكَّةَ، فَأَدْرَكَنِي يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَشَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: دَعِي عُمْرَتَكِ، وَانْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي، وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ. فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ، أَرْسَلَ مَعِي عَبْدَ الرَّحْمَنِ إِلَى التَّنْعِيمِ، فَأَرْدَفَهَا فَأَهَلَّتْ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِهَا، فَقَضَى اللهُ حَجَّهَا وَعُمْرَتَهَا، وَلَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ هَدْيٌ، وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا صَوْمٌ

ترجمہ: باب، حج کے بعد قربانی کے بغیر عمرہ کرنے کا بیان۔

ترجمہ باب الأمر بالنفساء إذا نفسن میں گزر چکا

تشریح: حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ اشہر حج تین مہینے ہیں شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ، امام شافعی سے بھی یہی ایک روایت ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی حج کے بعد عمرہ کرلے تو متمتع ہو جائے، اور بعض لوگوں نے تمتع کی تعریف ہی احرام العمرۃ فی اشہر الحج کی ہے، لہذا اگر کوئی حج

سے فراغت کے بعد ذی الحجہ میں عمرہ کرے تو وہ متمتع ہونا چاہئے اور اس پر ہدی واجب ہونی چاہئے۔

کیا حج کے بعد فوراً عمرہ کرنے سے متمتع ہو جائے گا؟ مصنف نے اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلادیا کہ اگرچہ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ اشہر حج شوال، ذی القعدہ عشر من ذی الحجہ ہے یا پورا ذی الحجہ ہے اور اگرچہ بعض لوگوں نے تمتع کی تعریف الاعتمار فی اشہر الحج سے کی ہے لیکن بہر حال تمتع کا تحقق اس وقت ہوگا جب حج سے پہلے اشہر حج میں عمرہ کیا جائے، اور اگر اشہر حج کے بعد عمرہ کیا جائے تو اس کی وجہ سے آدمی متمتع نہیں ہوگا اور اس پر ہدی واجب نہیں ہوگی۔

دوسرے علماء نے اس مسئلہ پر اتفاق نقل کیا ہے، حافظ کے کہنے کا خلاصہ یہی ہے کہ اصل میں امام مالک اور امام شافعی فی روایۃ کہتے ہیں کہ اشہر حج میں پورا ذی الحجہ داخل ہے، اور ابن عبد البر نے تمتع کی تعریف الاعتمار فی اشہر الحج سے نقل کی ہے اور اس پر اتفاق بھی نقل کر دیا ہے اس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ کوئی شخص حج کرنے کے بعد ذی الحجہ ہی میں عمرہ کرلے تو وہ متمتع ہو جائے گا اور اس پر ہدی واجب ہوگی، تو امام بخاری نے بتلادیا کہ اعتمار بعد الحج ہدی کے لئے موجب نہیں ہے لہذا تمتع نہیں ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور ایک اور بات بھی ہے جس کو میں ان شاء اللہ روایت کے ذیل میں بتلاؤں گا۔

وَكُنْتُ مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا لیکن مکہ میں داخل ہونے سے پہلے مجھے حیض آگیا، ان کو حیض مقام سرف میں آیا ہے۔

فَأَدْرَكَنِي يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ فَشَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ: یوم عرفہ میں حائضہ تھی میں نے حضور اکرم ﷺ سے اس کا شکوہ کیا، آپ نے فرمایا دَعِي عُمْرَتَكِ، وَانْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي، وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ، اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شکوہ یوم عرفہ میں کیا، بظاہر تکرار ہوا ہوگا ورنہ یہ شکوہ تو انہوں نے سرف ہی میں کر لیا تھا اور وہیں حضور پاک ﷺ نے سب کچھ ارشاد فرما دیا تھا اور وہیں انہوں نے حج کا احرام بھی باندھ لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی عورت نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور اس کو حیض آجائے اور وہ عمرہ نہ کر سکے تو وہ حج کا احرام باندھ لے گی، اس میں اختلاف ہے کہ افعال عمرہ اور احرام عمرہ کو ترک کر کے حج کا احرام باندھے گی

یا احرام عمرہ پر احرام حج کو داخل کر کے قارنہ بن جائے گی؟

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ احرام عمرہ کو ترک کر کے حج کا احرام باندھے گی،

(۲) ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ احرام عمرہ ہی پر احرام حج داخل کر کے قارنہ بن جائے گی، دونوں فریق حضرت عائشہؓ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔

عمرہ ترک کر کے حج کا احرام باندھنے کے دلائل: جو حضرات قول اول کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ (۱) حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا دَعِي عُمْرَتَکِ اور (۲) بعض الفاظ میں ہے ارْفُضِي عُمْرَتَکِ اور (۳) فرمایا وَانْقُضِي رَأْسَکِ (۴) وَامْتَشِطِي، ظاہر ہے کہ اگر ان کا احرام باقی ہوتا تو آپ ان کو امتشاط کا حکم کیسے دیتے؟ نیز احادیث میں وارد ہے کہ (۵) حضرت عائشہؓ نے یوں ارشاد فرمایا یرجع الناس بحجة وعمرة وأرجع بحجة اور بعض الفاظ میں ہے (۶) یصدر الناس بنسکین وأصدر بنسک اور بعض روایات میں ہے (۷) یرجع الناس بحجة وعمرة وأرجع بحجة لیس معها عمرة اسی طرح سے یہ بھی وارد ہے کہ (۸) عروہ فرماتے ہیں وَلَمْ یَکُنْ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِکَ هَدْيٌ، وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا صَوْمٌ نہ ہدی واجب ہوئی نہ صدقہ اور نہ صوم، اگر وہ قارنہ ہوتی تو بہر حال ان پر ہدی واجب ہوتی یا اس کا بدل واجب ہوتا۔

عمرہ پر حج کا احرام اور قران کے دلائل: اور جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ قارنہ تھیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ احرام عمرہ پر احرام حج کو داخل کرلے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے جدید عمرہ کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا تھا طوافک یَسَعُکِ لِحَجِّکِ وَعُمْرَتِکِ تمہارا وہی طواف تمہارے حج و عمرہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

جن الفاظ سے حضرات احناف نے استدلال کیا ہے اس کی وہ حضرات تاویل کرتے ہیں، دَعِي عُمْرَتَکِ اور ارْفُضِي عُمْرَتَکِ کے معنی وہ یہ بتلاتے ہیں کہ افعال عمرہ کو چھوڑ دو، وَانْقُضِي رَأْسَکِ کے معنی یہ ہیں کہ سر کے بال آہستہ سے کھول دو اس طرح کہ کوئی بال ٹوٹے نہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ بعض تاویلات تو قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں مگر وَامْتَشِطِي کی تاویل تو انتہائی بعید معلوم ہوتی ہے، اسی طرح یرجع الناس بحجة وعمرة

وارجع بحجة لیس معها عمرة کی تاویل وہ حضرات یہ کرتے ہیں أی لیس معها عمرة منفردة یہ بھی تاویل چل سکتی ہے، رہ گئی آخری دلیل یعنی وَلَمْ یَکُنْ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِکَ هَدْيٌ، وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا صَوْمٌ۔

اس کا ائمہ ثلاثہ کی طرف سے مختلف طریقوں سے جواب دیا گیا ہے۔

(۱) پہلا جواب یہ ہے کہ اس لفظ میں اختلاف ہے کہ آیا یہ موصول ہے یا ہشام کا قول ہے؟ ابو اسامہ، وکیع بن جراح، وہیب، حماد بن سلمہ اور حماد بن زید اس کو ہشام کا قول نقل کرتے ہیں، ابو اسامہ کا قول بخاری شریف کتاب الحیض میں ص ۴۵ پر گزر چکا ہے، وکیع کی روایت مسلم شریف میں وارد ہے، اور وہیب اور حمادین کی روایت ابو داؤد میں وارد ہوئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں رواۃ کا اختلاف ہے، اگر ایک جماعت اس کو ہشام کا قول قرار دیتی ہے تو ایک دوسری جماعت جو پہلوں سے احفظ ہیں اس کو موصول بالخبر نقل کرتی ہے، چنانچہ یحی بن سعید قطان، عبدہ بن سلیمان، ابن نمیر اور علی بن مسہر اس کو موصول بالخبر نقل کرتے ہیں، یحی القطان کی روایت بخاری شریف میں سامنے موجود ہے، عبدہ بن سلیمان کی روایت امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے، اور ابن نمیر کی امام مسلم نے، اور علی بن مسہر کی امام اسماعیلی نے تخریج کی ہے۔

(۲) دوسرا جواب امام خطابی اور امام نووی نے یہ دیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کوئی ایسا فعل نہیں صادر ہوا جس کو جنایت علی الاحرام سے تعبیر کیا جائے جس کی وجہ سے ان پر ہدی وصوم وغیرہ واجب ہوا ہو۔

مگر یہ چیز نداء من بعید کے قبیل سے ہے، کہاں یہاں پر کسی جنایت وغیرہ کا کوئی تذکرہ ہے جو یہاں جنایت کے جواب کو گھسایا جائے۔

(۳) امام ابو العباس قرطبی نے یہ جواب دیا ہے کہ لم یکن کا مطلب یہ ہے کہ میں اس ہدی کی ذمہ دار نہیں ہوئی بلکہ رسول پاک ﷺ اس کے کفیل بنے، یہ چیز بھی بعید ہے دل اس کو قبول نہیں کرتا ہے۔

(۴) امام بخاری نے ایک جواب کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ اصل میں لم یکن فی شیئ من ذلک کا تعلق اس عمرہ سے ہے جو حج کے بعد ہوا یعنی حج کے بعد جو عمرہ کیا گیا تھا اس عمرہ پر کوئی ہدی وغیرہ واجب

نہیں ہوئی، یہ ہے الاعتمار بعد الحج بغیر ھدی کا مطلب، اگر کسی نے حج کے بعد عمرہ کیا تو وہاں ہدی نہیں ہے، حضرت عائشہؓ یوں فرماتی ہیں کہ میں نے حج کے بعد تنعیم سے عمرہ کیا وَلَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ هَدْيٌ، وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا صَوْمٌ، یہی توجیہ محدث ابن خزیمہ نے کی ہے، لیکن انہوں نے ذرا اس کو اضافات کے ساتھ واضح طور پر ذکر کیا ہے۔

(۵) ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے جو اپنا عمرہ چھوڑا اور اس سے منتقل ہوئیں حج کی طرف اور پھر اس کے بعد حج سے فراغت پر دوسرا عمرہ کیا اس مجموعہ میں نہ ہدی واجب ہوئی نہ صوم اور نہ صدقہ واجب ہوا۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ انتقال میں تو ٹھیک ہے کہ کوئی چیز واجب نہیں ہوئی مگر قران جب کیا تھا تو اس پر تو کوئی چیز واجب ہونی چاہئے تھی؟

محدث ابن خزیمہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ وہ تو یہ نہیں فرمارہی ہیں کہ قران میں کوئی چیز واجب نہیں ہوئی بلکہ حضرت عائشہؓ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو انتقال پایا گیا کہ عمرہ کا احرام باندھ کر اس کے افعال ترک کر دیئے گئے مجبوری کی وجہ سے پھر حج کا احرام باندھ لیا گیا اور حج کیا گیا اور اس کے بعد پھر اخیر میں عمرہ ہوا اس میں کوئی چیز واجب نہیں ہوئی، حافظ ابن حجر نے اسی توجیہ کو توجیہ حسن قرار دیا ہے۔

بہر حال حضرت عائشہؓ کا قصہ ہے مشتبہ اور اس میں دونوں فریقوں کو بولنے کی گنجائش موجود ہے۔

(ص ۲۴۰) بَابُ أَجْرِ العُمْرَةِ عَلَى قَدْرِ النَّصَبِ

۱۷۸۷ . حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَعَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَا قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: «يَا رَسُولَ اللهِ، يَصْدُرُ النَّاسُ بِنُسُكَيْنِ وَأَصْدُرُ بِنُسُكٍ؟ فَقِيلَ لَهَا: انْتَظِرِي، فَإِذَا طَهُرْتِ فَاخْرُجِي إِلَى التَّنْعِيمِ فَأَهِلِّي، ثُمَّ ائْتِينَا بِمَكَانِ كَذَا، وَلَكِنَّهَا عَلَى قَدْرِ نَفَقَتِكِ أَوْ نَصَبِكِ

ترجمہ: باب، عمرے کا اجر مشقت کے بقدر ہونے کا بیان۔

آخری جملہ کا ترجمہ یہ ہے: لیکن عمرہ (کا اجر) تمہارے خرچ اور تمہاری مشقت کے بقدر ہوگا۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ عمرہ میں اتنا ثواب ملتا ہے جتنی مشقت ہوتی ہے لہذا مکہ سے جتنی دور جاکر احرام باندھ کر آئے گا اتنا ہی اس کو ثواب ملے گا۔

میں ابھی بتلا چکا ہوں کہ (۱) حنفیہ کے یہاں افضل یہ ہے کہ تنعیم سے احرام باندھے، (۲) شافعیہ فرماتے ہیں کہ افضل جعرانہ ہے پھر اس کے بعد تنعیم ہے، (۳) حنابلہ تنعیم کو افضل کہتے ہیں، اور امام احمد سے مروی ہے کلما تباعد کان أفضل، (۴) حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ آدمی اپنی میقات سے احرام باندھے اور اس کے بعد کلما تباعد کان أفضل۔

امام بخاری نے حدیث کے لفظ کو سامنے رکھ کر ترجمہ منعقد کر دیا أَجْرُ الْعُمْرَةِ عَلَى قَدْرِ النَّصَبِ جتنی مشقت ہوگی اتنا ہی ثواب ملے گا لہذا جتنا دور جاکر آدمی احرام باندھ کر آئے گا اتنا ہی اس کو اجر و ثواب ملے گا، غالبًا امام احمد کے قول کلما تباعد کان أفضل و أحب کی طرف اشارہ کیا ہے، حضرت امام شافعی کا مسلک تو یہی ہے کہ اصل جعرانہ اور پھر تنعیم، لیکن فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ان دونوں میقات سے احرام نہ باندھے تو پھر وہ وہی فرماتے ہیں جو بخاری کہتے ہیں أی کلما تباعد کان أکثر و أوفر لأجره۔

(ص ۲۴۰) بَابُ الْمُعْتَمِرِ إِذَا طَافَ طَوَافَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ خَرَجَ، هَلْ يُجْزِئُهُ مِنْ طَوَافِ الْوَدَاعِ

۱۷۸۸. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا أَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: «خَرَجْنَا مُهِلِّينَ بِالْحَجِّ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَحُرُمِ الْحَجِّ فَنَزَلْنَا سَرِفَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ فَأَحَبَّ أَنْ يَجْعَلَهَا عُمْرَةً فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلَا. وَكَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَرِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِهِ ذَوِي قُوَّةٍ الْهَدْيُ، فَلَمْ تَكُنْ لَهُمْ عُمْرَةً، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا أَبْكِي، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكِ، قُلْتُ: سَمِعْتُكَ تَقُولُ لِأَصْحَابِكَ مَا قُلْتَ، فَمُنِعْتُ الْعُمْرَةَ، قَالَ: وَمَا شَأْنُكِ، قُلْتُ: لَا أُصَلِّي، قَالَ: فَلَا يَضِرْكِ، أَنْتِ مِنْ بَنَاتِ آدَمَ كُتِبَ عَلَيْكِ مَا كُتِبَ عَلَيْهِنَّ فَكُونِي فِي حَجَّتِكِ، عَسَى اللهُ أَنْ يَرْزُقَكِهَا. قَالَتْ: فَكُنْتُ حَتَّى نَفَرْنَا مِنْ مِنًى، فَنَزَلْنَا الْمُحَصَّبَ، فَدَعَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ، فَقَالَ: اخْرُجْ بِأُخْتِكَ الْحَرَمَ، فَلْتُهِلَّ بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ افْرُغَا

مِنْ طَوَافِكُمَا، أَنْتَظِرُكُمَا هَاهُنَا، فَأَتَيْنَا فِي جَوْفِ اللَّيْلِ فَقَالَ: فَرَغْتُمَا، قُلْتُ: نَعَمْ، فَنَادَى بِالرَّحِيلِ فِي أَصْحَابِهِ، فَارْتَحَلَ النَّاسُ وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، ثُمَّ خَرَجَ مُوَجِّهًا إِلَى الْمَدِينَةِ

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ اگر عمرہ کرنے والا عمرے کا طواف کر چکا ہو اور پھر روانہ ہو تو کیا وہ طواف، وداع کے طواف کی طرف سے کافی ہے؟

ترجمہ کتاب الحیض اور کئی جگہ گزر چکا

تشریح: اگر کسی آدمی نے حج کے بعد عمرہ کر لیا اور عمرہ کا طواف کر کے وطن چلا گیا تو کیا یہ طوافِ وداع کی طرف سے کافی ہو جائے گا؟ روایت الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ کافی ہو جائے گا اس لئے کہ حضرت عائشہؓ نے اس کے علاوہ کوئی اور طواف نہیں کیا، اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے جیسا کہ ابن بطال نے نقل کیا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ امام بخاری کو کیا اشکال پیش آیا کہ ترجمہ کو احتمال کے درجہ میں ذکر کر دیا؟ حافظ ابن حجر وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث باب میں یہ کوئی تصریح نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے طوافِ وداع نہیں کیا اس لئے امام بخاری نے بھی اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی، حدیث میں صرف اتنا ہی ہے کہ انہوں نے حج کے بعد عمرہ کیا تھا، یہ کہاں ہے کہ عمرہ کے بعد طوافِ وداع نہیں کیا۔

اخْرُجْ بِأُخْتِكَ الْحَرَمَ: اس حدیث میں اسی طرح إلی الحرم واقع ہوا ہے لیکن یہ بظاہر وہم ہے۔ اور اگر ثابت ہو تو مراد ہوگا إلی انتهاء الحرم، حاشیہ کا نسخہ ہے اخرج بأختک من الحرم یہ نسخہ ارجح ہے۔

فَارْتَحَلَ النَّاسُ وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ: ومن طاف کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ از قبیل عطف الخاص علی العام ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ صفت ہے الناس کی اور موصوف وصفت کے درمیان بعض وقت عاطف کی حیلولت پائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَرَضٌ، والذین فی قلوبھم مرض منافقین کی صفت ہے اور واو عاطفہ مذکور ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میرا ظن غالب یہ ہے کہ یہاں تحریف ہو گئی ہے اور صواب ہے فَارْتَحَلَ النَّاسُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ، ابوداؤد شریف میں وارد ہوا ہے فَارْتَحَلَ فَمَرَّ بِالْبَيْتِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ فَطَافَ بِهِ حِينَ خَرَجَ۔

(ص ٢٤١) بَابٌ يَفْعَلُ فِي الْعُمْرَةِ مَا يَفْعَلُ فِي الْحَجِّ

١٧٨٩. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ قَالَ حَدَّثَنِي صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ يَعْنِي عَنْ أَبِيهِ: «أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ بِالْجِعْرَانَةِ، وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ، وَعَلَيْهِ أَثَرُ الْخَلُوقِ، أَوْ قَالَ: صُفْرَةٌ، فَقَالَ: كَيْفَ تَأْمُرُنِي أَنْ أَصْنَعَ فِي عُمْرَتِي؟ فَأَنْزَلَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَسُتِرَ بِثَوْبٍ، وَوَدِدْتُ أَنِّي قَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَقَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ، فَقَالَ عُمَرُ: تَعَالَ، أَيَسُرُّكَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ أَنْزَلَ اللهُ الْوَحْيَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَرَفَعَ طَرَفَ الثَّوْبِ فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ لَهُ غَطِيطٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ كَغَطِيطِ الْبَكْرِ، فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْهُ، قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَنِ الْعُمْرَةِ؟ اخْلَعْ عَنْكَ الْجُبَّةَ، وَاغْسِلْ أَثَرَ الْخَلُوقِ عَنْكَ، وَأَنْقِ الصُّفْرَةَ، وَاصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ

١٧٩٠. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: «قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ: أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: {إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا} فَلَا أَرَى عَلَى أَحَدٍ شَيْئًا أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: كَلَّا، لَوْ كَانَتْ كَمَا تَقُولُ، كَانَتْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا، إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي الْأَنْصَارِ: كَانُوا يُهِلُّونَ لِمَنَاةَ، وَكَانَتْ مَنَاةُ حَذْوَ قُدَيْدٍ، وَكَانُوا يَتَحَرَّجُونَ أَنْ يَطُوفُوا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: {إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا}» زَادَ سُفْيَانُ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامٍ: مَا أَتَمَّ اللهُ حَجَّ امْرِئٍ، وَلَا عُمْرَتَهُ، لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

ترجمہ: باب، جو افعال حج میں کئے جاتے ہیں عمرے میں بھی ان کو کرنے کا بیان۔

پہلی روایت کا ترجمہ باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب میں گزر چکا

دوسری روایت کا ترجمہ باب وجوب الصفا والمروۃ وجعل من شعائر اللہ میں گزر چکا

تشریح: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں أَيْ مِنَ التُّرُوكِ لَا مِنَ الْأَفْعَالِ، أَوِ الْمُرَادُ بَعْضُ الْأَفْعَالِ لَا كُلُّهَا، وَالْأَوَّلُ أَرْجَحُ لِمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ سِيَاقُ حَدِيثِ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ، حافظ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حج میں جن چیزوں سے اجتناب کیا جاتا ہے عمرہ میں بھی انہی چیزوں سے اجتناب کیا جائے گا، یا مطلب یہ ہے کہ جو افعال حج میں

ہوتے ہیں وہی عمرہ میں بھی کئے جائیں گے، حافظ فرماتے ہیں کہ ان دونوں احتمالوں میں سے احتمال اول ارجح ہے، اسلئے کہ مصنف نے حضرت یعلیٰؓ کی جو حدیث اس باب میں ذکر کی ہے وہ اسی بات پر دلالت کرتی ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے افعال عمرہ کی طرف اشارہ کیا ہے، عمرہ میں چار کام کئے جاتے ہیں، ۱۔احرام، ۲۔طواف، ۳۔سعی، ۴۔حلق یا تقصیر، حضرت امام نے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے، رہ گیا وقوف عرفہ اور مزدلفہ اور منیٰ جانا تو یہ خصائص حج میں سے ہیں، دوسرے دلائل سے ان کا مخصوص ہونا ثابت ہے لہٰذا ان کا عمرہ سے کوئی سروکار نہیں۔

افعال اربعہ کا درجہ: ہم نے جو افعال اربعہ ذکر کئے ہیں ائمۂ اربعہ کے یہاں ان کا کیا درجہ ہے؟

(۱) شافعیہ کے یہاں یہ سارے رکن ہیں، (۲) مالکیہ اخیر کو چھوڑ کر پہلے تین کی رکنیت کے قائل ہیں، (۳) حنابلہ فرماتے ہیں کہ طواف رکن ہے اور احرام وسعی میں ان کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ دونوں رکن ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ رکن نہیں، پھر حنابلہ کا اختلاف ہے کہ وہ ہیں کیا؟ بعض کہتے ہیں کہ دونوں واجب ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ سنت ہیں، اور حلق یا تقصیر کے بارے میں ان کے یہاں ایک روایت یہ ہے کہ واجب ہے، (۴) حنفیہ فرماتے ہیں کہ معظم طواف رکن ہے اور احرام شرط ہے اور باقی واجب ہیں، بعض احناف نے طواف کی طرح سعی کو بھی رکن قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلایا ہے کہ حج میں جو افعال ہوتے ہیں یعنی احرام، طواف، سعی اور حلق، بعینہ یہی افعال اس میں بھی ہوں گے، اور میں نے جو بات کہی ہے امام بخاری نے اس باب میں جو دونوں روایتیں ذکر کی ہیں اس کے مجموعہ سے وہ بات نکلتی ہے۔

فَأَنْزَلَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ: طبرانی کی معجم اوسط میں وارد ہوا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ شانہ کا قول وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ نازل ہوا تھا اور یہ واقعہ عمرۂ جعرانہ کا ہے، تو مطلب یہ نکلا کہ یہ آیت شریفہ عمرۂ جعرانہ کے وقت سن ۸ھ میں نازل ہوئی، حالانکہ مشہور یہ ہے کہ یہ آیت شریفہ سن ۶ھ میں نازل ہوئی ہے، بہر حال اس کے ملانے سے مدعا یہ نکلتا ہے کہ اُس وقت قرآن کی آیت وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ نازل ہوئی ہے، معلوم ہوا کہ حج وعمرہ دونوں اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں کا اتمام کیا جائے گا ہیئات وصفات کے ساتھ، یعنی جو ہیئات

وصفاتِ حج میں مطلوب ہیں وہی عمرہ میں بھی إلا ما خصه الدلیل نیز حدیث کے آخر میں وَاصْنَعْ فِي عُمْرَتِکَ کَمَاتَصْنَعُ فِي حَجِّکَ ہے، یہ ہے مقصود بالترجمہ۔

زَادَ سُفْيَانُ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامٍ: سفیان کی روایت طبری نے موصولًا اور ابو معاویہ کی روایت امام مسلم نے موصولًا تخریج فرمائی ہے۔

قَالَ مَا أَتَمَّ اللهُ إلخ: یہ مقولہ ہے حضرت عائشہؓ کا اور مطلب یہ ہے کہ زَادَ سُفْيَانُ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامٍ بإسناده عن عائشة۔

مَا أَتَمَّ اللهُ حَجَّ امْرِئٍ، وَلَا عُمْرَتَهُ: حق تعالیٰ نے کسی کے حج و عمرہ کو تام نہیں کیا جس نے صفا و مروہ کا طواف نہیں کیا، معلوم ہوا کہ صفا و مروہ کا طواف جیسے حج میں مطلوب ہے ایسے ہی عمرہ میں بھی مطلوب ہے، اب اگر حافظ ابن حجر کی غرض کو لیا جائے یعنی یہ کہ امام بخاری نے یہ بتلایا کہ جن چیزوں سے حج میں اجتناب کیا جاتا ہے عمرہ میں بھی اجتناب کیا جائے تو اِس روایت کو اُس سے کیا تعلق ہوگا؟ یہ روایت ترجمہ سے بالکل الگ ہو جائے گی، اس لئے صحیح وہی ہے جو میں نے ترجمہ کی غرض بیان کی ہے۔

(ص ۲۴۱) بَابُ مَتَى يَحِلُّ المُعْتَمِرُ

وَقَالَ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْحَابَهُ أَنْ يَجْعَلُوهَا عُمْرَةً وَيَطُوفُوا ثُمَّ يُقَصِّرُوا وَيَحِلُّوا

۱۷۹۱. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ جَرِيرٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ: «اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَاعْتَمَرْنَا مَعَهُ، فَلَمَّا دَخَلَ مَكَّةَ طَافَ وَطُفْنَا مَعَهُ، وَأَتَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ وَأَتَيْنَاهَا مَعَهُ، وَكُنَّا نَسْتُرُهُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ أَنْ يَرْمِيَهُ أَحَدٌ، فَقَالَ لَهُ صَاحِبٌ لِي: أَكَانَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ؟ قَالَ: لَا

۱۷۹۲. قَالَ: فَحَدِّثْنَا مَا قَالَ لِخَدِيجَةَ؟ قَالَ: بَشِّرُوا خَدِيجَةَ بِبَيْتٍ مِنَ الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ، لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ

۱۷۹۳. حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ: «سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ فِي عُمْرَةٍ، وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، أَيَأْتِي امْرَأَتَهُ؟ فَقَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ فَطَافَ

بِالْبَيْتِ سَبْعًا، وَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعًا، وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

١٧٩٤. قَالَ: وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَقَالَ: لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتَّى يَطُوفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

١٧٩٥. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِالْبَطْحَاءِ، وَهُوَ مُنِيخٌ، فَقَالَ: أَحَجَجْتَ، قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: بِمَا أَهْلَلْتَ، قُلْتُ: لَبَّيْكَ بِإِهْلَالٍ كَإِهْلَالِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: أَحْسَنْتَ، طُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ أَحِلَّ، فَطُفْتُ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ أَتَيْتُ امْرَأَةً مِنْ قَيْسٍ فَفَلَتْ رَأْسِي، ثُمَّ أَهْلَلْتُ بِالْحَجِّ، فَكُنْتُ أُفْتِي بِهِ حَتَّى كَانَ فِي خِلَافَةِ عُمَرَ، فَقَالَ: إِنْ أَخَذْنَا بِكِتَابِ اللهِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُنَا بِالتَّمَامِ، وَإِنْ أَخَذْنَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ فَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ

١٧٩٦. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا عَمْرٌو عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ مَوْلَى أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ «كَانَ يَسْمَعُ أَسْمَاءَ تَقُولُ كُلَّمَا مَرَّتْ بِالْحَجُونِ: صَلَّى اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ، لَقَدْ نَزَلْنَا مَعَهُ هَاهُنَا وَنَحْنُ يَوْمَئِذٍ خِفَافٌ، قَلِيلٌ ظَهْرُنَا قَلِيلَةٌ أَزْوَادُنَا، فَاعْتَمَرْتُ أَنَا وَأُخْتِي عَائِشَةُ وَالزُّبَيْرُ وَفُلَانٌ وَفُلَانٌ، فَلَمَّا مَسَحْنَا الْبَيْتَ أَحْلَلْنَا، ثُمَّ أَهْلَلْنَا مِنَ الْعَشِيِّ بِالْحَجِّ

ترجمہ: باب، عمرہ کرنے والا کب حلال ہوگا؟ حضرت عطاء نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا کہ پیغمبر ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ وہ حج کو عمرہ بنادیں، طواف کریں، پھر بالوں کو چھوٹا کرائیں اور حلال ہو جائیں۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ عمرہ کیا جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو طواف فرمایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ طواف کیا آپ صفا ومروہ پر آئے ہم بھی آپ کے ساتھ آئے ہم نے آپ کو مکے والوں سے آڑ میں کر لیا تھا کہ کہیں ان میں سے کوئی آپ کو تیر نہ مار دے، راوی حدیث اسماعیل کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ سے میرے ایک ساتھی نے سوال کیا کہ کیا آپ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، اس ساتھی نے عرض کیا کہ ہمیں وہ ارشاد سنائیں جو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے لئے فرمایا تو انہوں نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ خدیجہ کو جنت میں ایسے گھر کی خوش خبری سنادو جو کشادہ خول دار موتی کا بنا ہوا ہوگا اور اس میں نہ شور ہوگا نہ تکلیف۔

حضرت عمرو بن دینارؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابن عمرؓ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے عمرے میں بیت اللہ

کا طواف کر لیا ہو اور صفا و مروہ کے درمیان سعی نہ کی ہو کیا وہ اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ پیغمبر ﷺ (مکہ مکرمہ) تشریف لائے، بیت اللہ کا سات شوط طواف کیا، مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی، صفا و مروہ کے درمیان سعی کی (پھر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا) تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، راوی نے بیان کیا کہ ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے یہی سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع نہ کرے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیان کیا کہ میں بطحاء میں پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ وہاں ٹھہرے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے حج کا ارادہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا کہ کس چیز کا احرام باندھا؟ میں نے کہا کہ اس چیز کا احرام باندھا جس کا احرام پیغمبر ﷺ نے باندھا، آپ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا، اب بیت اللہ کا طواف کرو، صفا اور مروہ کی سعی کرو پھر حلال ہو جاؤ تو میں نے بیت اللہ کا طواف کیا صفا اور مروہ کی سعی کی پھر میں قبیلۂ قیس کی ایک خاتون کے پاس آیا اس نے میرے سر سے جوں نکالیں پھر میں نے حج کا احرام باندھا تو میں اسی کے مطابق فتویٰ دیتا تھا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا دور آیا انہوں نے کہا کہ اگر ہم اللہ کی کتاب کو لیں تو وہ ہمیں حج و عمرے کو مکمل کرنے کا حکم دیتی ہے اگر ہم پیغمبر ﷺ کے قول (سنت) کو لیں تو آپ نے احرام نہیں کھولا یہاں تک کہ ہدی اپنے محل کو پہنچ گئی۔

حضرت اسماءؓ کے غلام عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماءؓ جب بھی حجون سے گزرتیں میں ان کو یہ کہتے ہوئے سنتا کہ اللہ حضرت محمد پر رحمت نازل کرے، ہم آپ کے ساتھ یہاں اترے تھے اس وقت ہم ہلکے تھے ہماری سواریاں بھی کم تھیں ہمارے توشے بھی کم تھے میں نے اور میری بہن عائشہ نے اور زبیر نے اور فلاں فلاں نے عمرہ کیا تو جب ہم بیت اللہ کا طواف کر چکے تو (سعی کے بعد) حلال ہو گئے پھر ہم نے حج کے لئے (یوم عرفہ سے قبل کی) شام کو احرام باندھا۔

تشریح: معتمر کب حلال ہو گا؟ اب تو کسی کا بھی اختلاف نہیں، سارے یہی کہتے ہیں کہ احرام کے بعد طواف کرے پھر سعی کرے پھر حلق یا قصر کر کے حلال ہو گا، البتہ قدیم زمانہ میں اس میں اختلاف رہ چکا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ محض طواف کرنے ہی سے معتمر حلال ہو جاتا ہے، یہی اسحاق بن راہویہ سے منقول ہے، قاضی عیاض نے بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ جب معتمر مکہ میں داخل ہو گا تو داخل ہوتے ہی حلال ہو جائے گا اور باقی طواف، سعی وغیرہ اس کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے حاجی کے لئے رمی وغیرہ، لیکن یہ نہایت ہی شاذ مذہب ہے، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور علماء کے قول کی تائید فرمائی ہے اسی لئے حضرت جابرؓ اور ابن ابی اوفیؓ وغیرہ کی حدیثیں ذکر کی ہیں۔

وَقَالَ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ: یہ روایت ماقبل میں ابواب حج میں ص ۲۲۳ پر موصولاً گزر چکی ہے، یہاں مقصود یہ لفظ ہے وَیَطُوفُوا ثُمَّ یُقَصِّرُوا وَیَحِلُّوا، معلوم ہوا کہ پہلے طواف کریں گے بیت اللہ کا اور صفا و مروہ کا پھر قصر کریں گے اور حلال ہوں گے۔

اِعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: یہ حدیث امام بخاری نے اسی سند سے غزوۂ حدیبیہ میں تخریج فرمائی ہے اور یہ واقعہ عمرۂ قضا کا ہے جو سن ۷ھ میں ہوا ہے۔

بَشِّرُوا خَدِیجَةَ بِبَیْتٍ مِنَ الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ، لَا صَخَبَ فِیهِ وَلَا نَصَبَ: جناب رسول اکرم ﷺ کو جب حق تعالیٰ نے مقام نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپ نے سب سے پہلے اہلیۂ محترمہ وزوجۂ محبوبہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے سامنے بات پیش کی اور اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے بغیر کسی چوں وچرا کے اور بغیر کسی پس وپیش کے فوراً قبول کر لیا نہ رسول پاک ﷺ کو کچھ مشقت برداشت کرنا پڑی اور نہ ڈانٹ ڈپٹ وشور وشغب اور صخب کرنے کی ضرورت پیش آئی، تو چونکہ انہوں نے رسول پاک ﷺ کو کسی مشقت میں نہیں ڈالا اور شور وشغب اور صخب کرنے پر مجبور نہیں کیا تو ان کو جزاء بھی یہ ملی کہ جنت میں ایسا مکان ملے گا جو نہایت پر سکون اور نہایت راحت دہ وآرام رساں ہوگا نہ کوئی مشقت نہ کوئی کام جس کی وجہ سے تکان ہو اور نہ شور وشغب ہوگا کہ راحت وآرام میں کوئی خلل پڑے، رضی اللہ تعالیٰ عنہا وصلی اللہ تعالیٰ علی بعلها ونبینا محمد وسلم۔

لَا یَقْرَبَنَّهَا حَتَّى یَطُوفَ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ: معلوم ہوا کہ جب تک معتمر صفا ومروہ کا طواف نہیں کرے گا اس سے پہلے بیوی کے قریب نہیں جائے گا یعنی حلال نہیں ہو سکتا ہے، یہ حدیث اسی سند سے ابواب قبلہ میں ص ۵۷ پر گزر چکی ہے اور میں نے وہاں پر تنبیہ بھی کی تھی۔

طُفْ بِالْبَیْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ أَحِلَّ: حضور نے فرمایا کہ بیت اللہ کا طواف کرو اور صفا ومروہ کا اور پھر حلال ہو، معلوم ہوا کہ طواف صفا ومروہ سے پہلے حلال ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔

مَرَرْتُ بِالْحَجُونِ: حاشیہ کا نسخہ ہے مَرَّتْ بِالْحَجُونِ، اگر مررت بالحجون ہو تو اس کی بھی تصحیح ہو سکتی ہے، حجون محصب کے پاس ایک جگہ ہے اصل میں جنت المعلیٰ کے پاس یہ ایک پہاڑ ہے۔

وَنَحْنُ يَوْمَئِذٍ خِفَافٌ: ہم اس دن ہلکے تھے، اور ہلکے پھلکے ہونے کا آگے بیان آتا ہے قَلِيلٌ ظَهْرُنَا قَلِيلَةٌ أَزْوَادُنَا سواریاں بھی ہماری کم توشے بھی کم تھے۔

فَاعْتَمَرْتُ أَنَا وَأُخْتِي عَائِشَةُ وَالزُّبَيْرُ وَفُلَانٌ وَفُلَانٌ: میں نے، میری بہن عائشہؓ نے اور زبیرؓ اور فلاں فلاں نے عمرہ کیا، جب ہم نے بیت اللہ کا مسح کیا تو ہم حلال ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زبیرؓ اپنے احرام سے حلال ہو گئے، حالانکہ مسلم میں تصریح ہے کہ وہ سائق الہدی تھے اور سائق الہدی کے متعلق حضور کا یہ اعلان تھا کہ وہ حلال نہیں ہوں گے، تو اب یہ روایت بظاہر مسلم کی روایت کے معارض ہو گئی، جواب ا بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت مسلم کی روایت پر ارجح ہے، اور مسلم کی روایت میں یہ جو وارد ہوا ہے کہ وہ سائق الہدی تھے یہ اوہام میں سے ہے، ۲ اور بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ کوئی اور قصہ ہے جو اس حدیث پاک میں ذکر کیا گیا ہے اس کا حجۃ الوداع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نیز حضرت عائشہؓ کے ذکر پر بھی اشکال ہوتا ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ نے تو حجۃ الوداع میں عمرہ کا احرام باندھا تھا لیکن حیض آجانے کی وجہ سے عمرہ نہیں کر سکتی تھیں اس لئے حضور ﷺ نے ان سے یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ حج کا احرام باندھ لو اور انہوں نے حج کا احرام باندھ کر حج کیا تھا، اب اگر یہ غیر حجۃ الوداع پر محمول ہے تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر خدانخواستہ یہ حجۃ الوداع پر محمول ہو تو یقیناً عائشہؓ کا ذکر یہاں پر وہم ہو گا یا یوں ہی تبرک کے طور پر کر دیا ہو گا۔

فَلَمَّا مَسَحْنَا الْبَيْتَ أَحْلَلْنَا: جب ہم نے بیت کا مسح کیا یعنی طواف کیا پھر ہم حلال ہوئے، بہر حال مصنف نے جو روایات ذکر فرمائی ہیں ان کے مجموعہ کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معتمر بیت اللہ کا طواف کرے گا صفا و مروہ کی سعی کرے گا اور اس کے بعد حلق کرے گا اور پھر حلال ہو گا اس سے پہلے نہیں۔

(ص ۲۴۲) بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا رَجَعَ مِنَ الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَوِ الْغَزْوِ

۱۷۹۷. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ

رَسُولَ اللهِ ﷺ «كَانَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ يُكَبِّرُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْأَرْضِ ثَلَاثَ تَكْبِيرَاتٍ، ثُمَّ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ

ترجمہ: باب، جب حج یا عمرہ یا غزوے سے واپس آئے تو کیا دعا پڑھے؟ اس کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوے سے یا حج سے یا عمرے سے واپس آتے تو ہر چڑھائی پر تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے پھر یہ دعائیں وردِ زبان ہوتیں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللہ الخ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں بادشاہت اسی کی ہے ہر طرح کی تعریف اسی کے لئے ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے ہم لوٹنے والے ہیں توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے ہیں اپنے رب کے سامنے سجدہ کرنے والے ہیں اس کی حمد بیان کرنے والے ہیں اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا اپنے بندے کی مدد کی اور (کفار کی) سب فوجوں کو تنہا پسپا کر دیا۔

تشریح: حاجی حج کر کے فارغ ہو گیا، اب مصنف حج سے واپسی کے کچھ آداب بیان کرتے ہیں کہ کیا دعا پڑھنی چاہیئے، کس وقت مکان پہنچنا چاہیئے، اپنی سواری کس طرح چلانی چاہیئے اور لوگوں کو کیا کرنا چاہیئے۔

(ص ۲۴۲) بَابُ اسْتِقْبَالِ الْحَاجِّ الْقَادِمِينَ وَالثَّلَاثَةِ عَلَى الدَّابَّةِ

١٧٩٨. حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: «لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ، اسْتَقْبَلَتْهُ أُغَيْلِمَةُ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَحَمَلَ وَاحِدًا بَيْنَ يَدَيْهِ وَآخَرَ خَلْفَهُ

ترجمہ: باب، حج کیلئے آنے والوں کے استقبال اور ایک سواری پر تین آدمیوں کے سوار ہونے کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ جب پیغمبر ﷺ مکہ مکرمہ آئے تو عبدالمطلب کی اولاد میں سے کئی لڑکوں نے آپ کا استقبال کیا آپ ﷺ نے ایک کو اپنے آگے بٹھایا اور دوسرے کو اپنے پیچھے۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب میں دو جزء ذکر کئے ہیں، پہلا ہے استقبال الحاج القادمین، الحاج میں الف ولام جنس کا بھی ہو سکتا ہے اور استغراق کا بھی، لیکن القادمین کے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کو جنس کا مانا جائے اور حاج بمعنی الحجاج ہو، اور مطلب یہ ہے کہ جو حجاج حج سے آتے ہیں انکا استقبال کیا جا سکتا

ہے، گویا مصنف لوگوں کے معمول کی اصل سنت سے پیش کر رہے ہیں، چونکہ یہ معمول ہے کہ حاجی جب حج کرکے آتا ہے تو لوگ اس کے استقبال کیلئے جایا کرتے ہیں امام بخاری نے سنت سے اس کی اصل پیش کردی۔

مگر اشکال یہ ہے کہ بخاری نے جو روایت ذکر فرمائی ہے اس میں صورت حال یہ مذکور ہے کہ جب جناب رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عبد المطلب کی اولاد کے نوجوان بچوں نے آپ کا استقبال کیا تھا، تو یہ استقبال قادم للحج (حج کے لئے آنے والوں) کا ہوا، حالانکہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حج سے واپس ہونے والے کا استقبال کیا جاسکتا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں معنیً مشترک ہیں، اس لئے کہ مقصود حاجی کی تعظیم و تکریم اور اس کی آمد پر اظہار مسرت ہوتی ہے وہ جیسے حج کے لئے جانے کی صورت میں ہوتی ہے؛ حج سے واپس ہونے کی صورت میں بھی ہوا کرتی ہے، حج کے جانے میں بھی خوشی ہوتی ہے اور حج سے واپسی میں بھی ایک قسم کی خوشی ہوتی ہے۔

ایک مولوی صاحب ہیں حضرت ناظم (مولانا اسعد اللہ) صاحبؒ کے مرید اور ان ہی سے ان کو اجازت ہے انہوں نے ایک حاجی صاحب کی حج سے واپسی پر نظم کہی تھی اس نظم کا ایک شعر ہے

فراق و وصل دونوں کی جدا ہیں لذتیں شاکر
اُدھر جانا مبارک ہو اِدھر آنا مبارک ہو

دونوں ہی مبارک ہیں، جانا بھی مبارک ہے اور آنا بھی مبارک ہے، اگر جانے والے کا استقبال کیا گیا تو آنے والے کا بھی استقبال کیا جاسکتا ہے کیوں کہ وہ ایک بڑا فریضہ انجام دے کر واپس ہو رہا ہے۔

دوسرا جزء ہے الثلاثۃ علی الدابۃ، امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین آدمی ایک سواری پر بضرورت سوار ہو جائیں تو کوئی حرج کی بات نہیں، علماء نے لکھا ہے کہ ارتداف وغیرہ میں دار و مدار طاقتِ دابہ پر ہے۔

أُغَیْلِمَۃٌ: یہ أغلِمۃ کی تصغیر ہے۔

(ص ۲۴۲) باب القدوم بالغداة

١٧٩٩. حدَّثنا أحمد بن الحجّاج حدّثنا أنس بن عياض عن عُبيد الله عن نافع عن ابن عُمر رضي الله عنهما: أنّ رسول الله ﷺ «كان إذا خرج إلى مكّة يصلّي في مسجد الشّجرة، وإذا رجع صلّى بذي الحُليفة ببطن الوادي، وبات حتّى يُصبح

ترجمہ: باب، (گھر میں) صبح کے وقت آنے کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ جاتے تو درخت والی مسجد میں نماز ادا کرتے اور جب لوٹتے تو ذوالحلیفہ میں وادی کے نشیب میں نماز پڑھتے اور صبح تک وہیں قیام کرتے تھے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ مسافر کو صبح کے وقت اپنے مکان پر آنا چاہئے اس لئے کہ اس میں استقبال کرنے والوں کو بھی آرام ہوگا نیز عورت رات میں تیار بھی ہو جائے گی۔

(ص ۲۴۲) باب الدُّخول بالعشيّ

١٨٠٠. حدّثنا موسى بن إسماعيل حدّثنا همّام عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة عن أنس رضي الله عنه قال: «كان النّبيّ ﷺ: لا يطرُقُ أهلَه، كان لا يدخُل إلّا غُدوةً أو عشيّةً

ترجمہ: باب، (گھر میں) شام کے وقت داخل ہونے کا بیان۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ اپنے اہل خانہ کے پاس رات کے وقت نہیں آتے تھے، آپ گھر میں یا تو صبح کے وقت داخل ہوتے تھے یا شام کے وقت۔

تشریح: عشی کا اطلاق زوال کے بعد کے وقت پر ہوتا ہے اور بعض مرتبہ غروب شمس کے بعد سے لیکر عتمہ تک کے وقت پر ہوتا ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہی مراد ہے، گویا امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی سرشام اپنے شہر میں داخل ہوتا ہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اور سنت میں اس کی اصل موجود ہے، صبح کے وقت آنا متعین اور لازم نہیں ہے البتہ رات کے وقت اپنے گھر (بلا اطلاع) نہ آئے۔

كان النّبيّ ﷺ: لا يطرق أهلَه: حضور اکرم ﷺ اچانک رات میں اپنے گھر اپنے اہل کے ہاں تشریف نہیں لاتے تھے صبح کو داخل ہوتے تھے یا شام کو داخل ہوتے تھے۔

طروق (رات میں آنے) سے اس لئے اجتناب فرماتے تھے تاکہ اہل کو کسی ایسے حال میں نہ پائے جو ناپسندیدہ ہو مثلاً بیوی خاوند نہ ہونے کی وجہ سے غیر مزین ہو، اب اگر خاوند بیوی کو غیر مزین حالت میں دیکھے گا تو ممکن ہے کہ اس کی طبیعت متنفر ہو جائے اس لئے اچانک نہیں پہنچ جایا کرتے تھے۔

(ص ۲۴۲) بَابُ لَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ إِذَا بَلَغَ الْمَدِينَةَ

۱۸۰۱. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَارِبٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَطْرُقَ أَهْلَهُ لَيْلًا

ترجمہ: باب، اگر مدینہ (شہر) پہنچ جائے تو رات کے وقت گھر والوں کے پاس نہ جائے۔

حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے رات کے وقت گھر والوں کے پاس آنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: مدینہ سے مراد وہ شہر ہے جس میں آدمی داخل ہونے کا ارادہ کرتا ہے، مقصد یہ ہے کہ آدمی جب اپنے شہر میں داخل ہونا چاہے تو اس کو طروق یعنی رات میں اچانک نہیں پہنچنا چاہئے، ہو سکتا ہے کہ اس کی بیوی غیر مزین ہو اور اسے دیکھ کر نفرت ہو جائے بجائے انس و مقاربت کے نفرت و مباعدت پیدا ہو جائے۔

(ص ۲۴۲) بَابُ مَنْ أَسْرَعَ نَاقَتَهُ إِذَا بَلَغَ الْمَدِينَةَ

۱۸۰۲. حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ، فَأَبْصَرَ دَرَجَاتِ الْمَدِينَةِ، أَوْضَعَ نَاقَتَهُ وَإِنْ كَانَتْ دَابَّةً حَرَّكَهَا» قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: زَادَ الْحَارِثُ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ: حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: جُدُرَاتِ. تَابَعَهُ الْحَارِثُ بْنُ عُمَيْرٍ

ترجمہ: باب، مدینہ (شہر) پہنچتے وقت اپنی اونٹنی کو تیز چلانے کا بیان۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے آتے اور مدینہ منورہ کی اونچی سڑکوں کو دیکھتے تو اپنی اونٹنی کو تیز چلاتے اور اگر کوئی اور سواری ہوتی تو اس کو تیز چلاتے۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ حارث بن عمیر نے حمید کے واسطے سے نقل کیا کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ سے سواری

کو تیز چلاتے تھے، اسماعیل نے سابقہ سند ہی سے (دَرَجَاتِ کے بجائے) جُدُرَاتِ روایت کیا ہے ان کی متابعت حارث بن عمیر نے کی ہے۔

تشریح: اگر کوئی آدمی اپنے شہر سے قریب اپنی سواری کو شوق میں تیز کر دے تو سنت میں اس کی بھی اصل موجود ہے کوئی مضائقہ نہیں۔

دَرَجَاتِ الْمَدِينَةِ: درجۃ کی جمع ہے مراد اس سے اس کے بلند راستے ہیں، اور بعض نسخوں میں دوحات واقع ہوا ہے دوحۃ کی جمع ہے بڑے درخت۔

جُدُرَاتِ: یعنی درجات کے بجائے جُدُرَاتِ کا لفظ واقع ہوا ہے، یہی روایتی حیثیت سے ارجح معلوم ہوتا ہے، امام بخاری نے یہاں پر یہ روایت بہت مختصراً ذکر کی ہے، اسی سند کے ساتھ یہ روایت فضائل مدینہ میں ص ۲۵۳ پر مکمل آرہی ہے۔

حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا: سواری کو متحرک کر دیتے تھے مدینہ کی محبت کی وجہ سے، ہر انسان کو اپنے وطن سے ایک خاص تعلق اور محبت ہوتی ہے۔

(ص ۲۴۲) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾

۱۸۰۳. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: «نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِينَا، كَانَتِ الْأَنْصَارُ إِذَا حَجُّوا فَجَاؤُوا، لَمْ يَدْخُلُوا مِنْ قِبَلِ أَبْوَابِ بُيُوتِهِمْ، وَلَكِنْ مِنْ ظُهُورِهَا، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَدَخَلَ مِنْ قِبَلِ بَابِهِ، فَكَأَنَّهُ عُيِّرَ بِذَلِكَ، فَنَزَلَتْ: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾

ترجمہ: باب، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا کا بیان کہ گھروں میں دروازوں سے آؤ۔
حضرت براءؓ نے نقل کیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی، انصار کا دستور یہ تھا کہ جب وہ حج کر کے آتے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کی پشت کی طرف سے آتے تھے تو انصار میں سے ایک شخص آیا اور دروازے سے داخل ہوا تو اس کو اس کی وجہ سے ملامت کی گئی تب یہ آیت نازل ہوئی وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا، وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى، وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت سے آؤ بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو

تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو۔

تشریح: امام بخاری نے یہ بتلا دیا کہ جب آدمی اپنے مکان واپس آئے تو مکان کے دروازے سے اندر داخل ہو یہی سنت ہے۔

نَزَلَتْ هَٰذِهِ الْآيَةُ فِينَا: براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ آیت شریفہ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی، انصار جب حج کرتے تھے اور واپس آتے تو دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے بلکہ پشت کی جانب سے داخل ہوا کرتے تھے، یہی حدیث سورۂ بقرہ کی تفسیر میں آ رہی ہے اس میں ہے إِذَا أَحْرَمُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ جب جاہلیت میں وہ احرام باندھا کرتے تھے، اور دوسری مفصل روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورتحال یہ تھی کہ جب اہل جاہلیت احرام باندھ لیا کرتے اور حج کی تکمیل سے پہلے گھر واپس آنے کی کوئی ضرورت پیش آتی تو قریش جو حمس کہلاتے تھے وہ تو دروازوں سے داخل ہوتے اور باقی سارے لوگ گھر کی پشت کی جانب سے داخل ہوا کرتے تھے تاکہ چھت ان کے سر پر سایہ فگن نہ ہو جائے، اسلام نے آکر اس سنت جاہلیت کا ابطال فرما دیا۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رسول اکرم ﷺ احرام کے بعد مکان میں دروازہ کی طرف سے داخل ہوگئے تو حضرت قطبہ بن عامرؓ بھی آپ کی اتباع میں داخل ہوگئے حضور اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کیوں داخل ہوئے میں تو حمس میں سے ہوں انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کے دین پر ہوں اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔

فَكَأَنَّهُ عُيِّرَ بِذَٰلِكَ: بعض لوگ کہنے لگے کہ قطبہ بن عامر تو فاجر آدمی ہے برا آدمی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا اس آیت شریفہ کے شان نزول میں یہی حدیث اور یہی چیز زیادہ مشہور معروف ہے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ جب معتکف اعتکاف کرتا تھا تو باب سے داخل نہیں ہوا کرتا تھا، اور بعضوں نے کہا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کام کے لئے جایا کرتا تھا اتفاق سے وہ بضرورت بیچ میں سے واپس آئے تو ظہور بیت سے داخل ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سنت کا ابطال فرمایا۔

(ص ۲۴۲) بَابُ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ العَذَابِ

۱۸۰٤ . حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ، يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَنَوْمَهُ، فَإِذَا قَضَى نَهْمَتَهُ فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ سفر عذاب کا ایک حصہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ سفر عذاب کا ایک حصہ ہے وہ تمہیں کھانے، پینے اور سونے سے روکتا ہے لہذا جب کوئی اپنی ضرورت پوری کرلے تو اپنے گھر والوں کے پاس پہنچنے میں جلدی کرے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سفر میں بہر حال انسان کو جسمانی وروحانی تکلیف پہنچتی ہے لہذا جب مقصد سفر پورا ہو جائے تو پھر خواہ مخواہ کے لئے باہر قیام نہیں کرنا چاہئے اپنے وطن واپس ہو جانا چاہئے۔

علامہ ناصر الدین بن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اقامت فی الاھل افضل ہے مجاہدہ سے، یعنی بلاوجہ کے مجاہدہ سے، امام حاکم، دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے إِذَا قَضَى أَحَدُكُمْ حَجَّهُ فَلْيُعَجِّلِ الرُّجُوعَ إِلَى أَهْلِهِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِأَجْرِهِ۔

أعظم لأجره کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی اپنے گھر پہنچے گا تو سکون کا سانس لے گا نماز وعبادات میں جی لگے گا، سفر کے اندر انسان کے بہت سے اعمال واشغال اور وظائف واوراد چھوٹ جایا کرتے ہیں۔

فَإِذَا قَضَى نَهْمَتَهُ: أي حاجته جب آدمی اپنی حاجت پوری کرلے، فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ اپنے گھر لوٹنے میں عجلت کرے۔

مکہ کی مجاورت کا حکم: بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ اخذ کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کی مجاورت نہیں کرنا چاہئے، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ مکہ کی مجاورت کا حکم کیا ہے؟ (۱) امام ابو حنیفہ اس کی کراہت کے قائل تھے، ملا علی قاری نے امام مالک سے بھی یہی نقل کیا ہے، (۲) لیکن علامہ ابن تیمیہ نے ان سے مجاورت کا استحباب نقل کیا ہے اور یہی شافعی واحمد اور صاحبین کا مسلک ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مجاورت حرمین افضل ہے الا یہ کہ انسان کو اس بات کا ظن غالب ہو کہ وہاں کے حقوق ادا نہیں کر پائے گا، کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے گا تو پھر ایسی

صورت میں بہتر یہ ہے کہ حرمین کا قیام نہ کرے، اس لئے کہ جیسے وہاں طاعت کا ثواب اوفر واکثر ہے وہیں معصیت پر عقاب اور گرفت زیادہ ہوتی ہے، حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ میں حرم سے باہر ستر گناہ کروں یہ بہتر ہے اس سے کہ حرم میں ایک گناہ کروں أو کما قال۔

(ص ۲۴۳) بَابُ الْمُسَافِرِ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ وَتَعَجَّلَ إِلَى أَهْلِهِ

۱۸۰۵۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: «كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَبَلَغَهُ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِي عُبَيْدٍ شِدَّةُ وَجَعٍ، فَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى كَانَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّفَقِ نَزَلَ، فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعَتَمَةَ، جَمَعَ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ: إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا

ترجمہ: باب، جب مسافر کو تیز چلنے کا تقاضہ ہو تو اپنے گھر والوں کے پاس آنے میں جلدی کرے۔

حضرت اسلم نے بیان کیا کہ میں مکہ مکرمہ کے راستے میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھا ان کو حضرت صفیہ بنت ابی عبید کے بارے میں تکلیف کے بڑھ جانے کی خبر پہنچی تو انہوں نے رفتار تیز کر دی یہاں تک کہ وہ شفق غروب ہونے کے بعد سواری سے اترے اور مغرب وعشاء کی نمازیں ملا کر پڑھیں پھر فرمایا کہ میں نے پیغمبر ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب آپ کو چلنے کی جلدی ہوتی تو مغرب کو مؤخر فرماتے اور دونوں کو جمع کر کے پڑھتے۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر مسافر کو عجلت پیش آجائے اور وہ سیر اور سفر میں تعجیل کرتا ہے اور سواری کو تیز چلاتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں، بضرورت ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور یہ جو احادیث میں وارد ہوا ہے إن البرّ لیس بالإیضاع سواری کو دوڑانا یہ نیکی کا کام نہیں ہے یہ بے سود اور بلاوجہ دوڑانے کی صورت میں ہے، میرے نزدیک ترجمہ کی یہی غرض ہے۔

علامہ سندی فرماتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ جب آدمی کو عجلت ہو تو وہ جمع بین الصلاتین کر سکتا ہے، مگر یہ غرض یہاں کے مناسب نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(أبواب المحصر و جزاء الصيد)

(ص ۲۴۳) باب المحصر و جزاء الصيد

وَقَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾

وَقَالَ عَطَاءٌ: الْإِحْصَارُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يَحْبِسُهُ. قال أبو عبد الله: ﴿حَصُورًا﴾ لا يأتي النساء.

محصر اور شکار کی جزا سے متعلق ابواب

ترجمہ: باب، محصر یعنی حج یا عمرہ سے روکے جانے والے محرم اور شکار کی جزا سے متعلق ابواب کا بیان۔

نیز اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بیان فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ الآية کہ جب تم کو (احرام باندھنے کے بعد حج یا عمرے سے) روک دیا جائے تو جو ہدی میسر ہو (قربان کرو) اور اپنے سروں کا حلق نہ کراؤ یہاں تک کہ ہدی اپنے محل (یعنی حرم) کو پہنچ جائے، عطاء کہتے ہیں کہ احصار ہر اس چیز سے محقق ہوتا ہے جو انسان کو روک دے۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ (آل عمران میں جو) حصوراً (آیا ہے اس) کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص جو عورت کے قریب نہ جائے۔

تشریح: امام بخاری نے یہاں سے محصر کے ابواب اور اس کے متعلق احکام ذکر فرمائے ہیں۔

محصر وہ شخص کہلاتا ہے جس کو کوئی ایسا مانع پیش آجائے جس کی وجہ سے وہ نسک (افعال حج) ادا نہ کر سکے۔

احصار کے بہت سے مسائل ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی احصار ہے یا نہیں؟

ابن جریر طبری نے بسند صحیح حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے **لا إحصار بعد النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن زبیرؓ سے بھی بسند ضعیف نقل کیا گیا ہے، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ احصار کا حکم عہد نبوت کے ساتھ خاص نہیں ہے، اب بھی اگر کوئی صورت پیش آجائے تو وہ حکم معتبر مانا جائے گا۔

احصار کا تحقق کب اور کیسے ہوتا ہے؟ (۱) حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد اپنے مشہور قول

میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ احصار کا تحقق عدو سے ہوتا ہے، اگر کوئی دشمن سفر سے مانع ہو جائے اور حج یا عمرہ نہ کرنے دے تب احصار کا تحقق ہو گا اور صاحب نسک اس وقت محصر کہلائے گا۔

(۲) امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، داؤد ظاہری، ابو محمد بن حزم ظاہری اور امام احمد ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شیئ بھی انسان کو نسک سے روک دے وہ حصر کا سبب ہے اور ایسا شخص محصر کہلائے گا اور اس کے حق میں احصار محقق ہو گیا، امام بخاری کا رجحان و میلان اسی بات کی طرف ہے۔

فریق اول کا استدلال یہ ہے کہ آیت کریمہ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ احصار من العدو کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرات جمہور ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے لیکن قاعدہ ہے العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد، فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ اپنے عموم کی وجہ سے احصار من العدو اور احصار بغیر العدو والمرض وغیرہ سب کو شامل ہے۔

بلکہ بہت سے اہل لغت اخفش، کسائی، ثعلب، ابو عبیدہ معمر بن مثنی اور ان کے تلمیذ ابو عبید القاسم بن سلام، ابن سکیت اور ثعلب وغیرہ نے یہ تصریح کی ہے کہ دشمن کے مانع ہونے کے اوپر حصر کا اطلاق ہوتا ہے اور اگر مرض مانع ہو تو اس کو احصار کہتے ہیں۔

لہذا اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت سبب نزول کے اعتبار سے تو عدو کو شامل ہے اور اپنے منطوق اور لفظ کے اعتبار سے مرض کو بھی شامل ہے، لہذا اسی آیت سے احصار بالعدو کا بھی ثبوت ہوتا ہے اور احصار بالمرض کا بھی۔

نیز دوسری دلیل جمہور کی حضرت حجاج بن عمرو غفاری انصاریؓ کی حدیث ہے قال قال رسول الله ﷺ من كسر أو عرج أو حبس أو مرض فقد حلّ و عليه حجّة من قابل، أخرجه الإمام أحمد و أصحاب السنن الأربعة و الدارمي و الدارقطني و ابن خزيمة و الحاكم و البيهقي، امام بغوی نے مصابیح اور معالم التنزیل میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن ان کا یہ قول غلط ہے، امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے، ابن خزیمہ اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے، حضرت امام نووی نے شرح مہذب میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ محصر احصار کے تحقق کے بعد نحر ہدی کر کے حلال ہو جائے گا۔

نحر ہدی زمان یا مکان کے ساتھ مقید ہے یا نہیں؟ حضرات ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ زمان

ومکان کے ساتھ مقید نہیں ہے، جس وقت احصار کا تحقق ہو آدمی حلال ہو سکتا ہے اور جہاں تحقق ہو وہیں ہدی کا نحر کر سکتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ احصار بالعمرہ زمان کے ساتھ تو مقید نہیں ہے لیکن مکان کے ساتھ تقید ہے یعنی احصار کبھی بھی ہو سکتا ہے مگر ہدی کو حرم میں نحر کرنا پڑے گا، اور احصار بالحج میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ یہاں بھی وہی بات کہتے ہیں اور صاحبین فرماتے ہیں کہ احصار بالحج میں تقید بالزمان والمکان ہے، حرم میں اور یوم النحر میں نحر کیا جائے گا۔

احرام بشرط التحلل: علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اگر کوئی احرام باندھتے ہوئے شرط لگا لے تو اب اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، مانع کے پیش آنے کی صورت میں بلا کسی شرط کے حلال ہو سکتا ہے، لہذا اگر کوئی یہ کہہ دے کہ اے اللہ! میں احرام باندھتا ہوں مگر جہاں کوئی مانع پیش آئے گا میں حلال ہو جاؤں گا، وہ وہیں حلال ہو سکتا ہے۔

یہ اشتراط (۱) ظاہریہ کے یہاں واجب ہے اور (۲) حنابلہ کے یہاں مستحب اور (۳) شافعیہ کے یہاں مباح ہے، (۴) مالکیہ اور حنفیہ اس کا انکار کرتے ہیں، اشتراط کی روایت بخاری شریف کتاب النکاح میں آرہی ہے، امام بخاری نے اس کو یہاں یعنی کتاب الحج میں لینے کے بجائے کتاب النکاح میں لی ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث یعنی اشتراطی والی ان کے یہاں صحیح تو ہے مگر معمول بہا نہیں ہے۔

(ص ۲۴۳) بَابُ إِذَا أُحْصِرَ الْمُعْتَمِرُ

١٨٠٦. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ: «أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، حِينَ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ مُعْتَمِرًا فِي الْفِتْنَةِ، قَالَ: إِنْ صُدِدْتُ عَنِ الْبَيْتِ صَنَعْتُ كَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ. فَأَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، مِنْ أَجْلِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ

١٨٠٧. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَاهُ: «أَنَّهُمَا كَلَّمَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، لَيَالِيَ نَزَلَ الْجَيْشُ بِابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقَالَا: لَا

يَضُرُّكَ أَنْ لَا تَحُجَّ الْعَامَ، وَإِنَّا نَخَافُ أَنْ يُحَالَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْبَيْتِ، فَقَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُونَ الْبَيْتِ، فَنَحَرَ النَّبِيُّ ﷺ هَدْيَهُ وَحَلَقَ رَأْسَهُ، وَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ أَوْجَبْتُ الْعُمْرَةَ إِنْ شَاءَ اللهُ، أَنْطَلِقُ، فَإِنْ خُلِّيَ بَيْنِي وَبَيْنَ الْبَيْتِ طُفْتُ، وَإِنْ حِيلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَعَلْتُ كَمَا فَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا مَعَهُ، فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا شَأْنُهُمَا وَاحِدٌ، أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ أَوْجَبْتُ حَجَّةً مَعَ عُمْرَتِي، فَلَمْ يَحِلَّ مِنْهُمَا حَتَّى حَلَّ يَوْمَ النَّحْرِ وَأَهْدَى، وَكَانَ يَقُولُ: لَا يَحِلُّ حَتَّى يَطُوفَ طَوَافًا وَاحِدًا يَوْمَ يَدْخُلُ مَكَّةَ

۱۸۰۸۔ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ بَعْضَ بَنِي عَبْدِ اللهِ قَالَ لَهُ: لَوْ أَقَمْتَ بِهٰذَا

۱۸۰۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ: فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: «قَدْ أُحْصِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَحَلَقَ رَأْسَهُ، وَجَامَعَ نِسَاءَهُ، وَنَحَرَ هَدْيَهُ، حَتَّى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا»

ترجمہ: باب، معتمر کو روکے جانے کا بیان۔

حضرت نافع نے بیان کیا کہ جب حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فتنہ کے زمانہ میں عمرے کی نیت سے مکہ کی جانب نکلے تو فرمایا کہ اگر مجھے بیت اللہ سے روک دیا گیا تو میں ایسے ہی کروں گا جیسے ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا، انہوں نے عمرے کا احرام باندھا اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی حدیبیہ والے سال عمرے کا احرام باندھا تھا۔

نافع کہتے ہیں کہ ان سے عبید اللہ بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ ان دونوں نے ان راتوں میں جب کہ (حجاج کی) فوج نے حضرت ابن زبیرؓ پر حملہ کیا تھا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے گفتگو کی اور یہ عرض کیا کہ اگر اس سال آپ حج نہ کریں تو آپ کے لئے کوئی مضائقہ تو ہے نہیں، ہمیں ڈر ہے کہ آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان رکاوٹ ڈالی جائے گی، حضرت نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے، کفار قریش بیت اللہ جانے میں حائل ہوئے تو پیغمبر ﷺ نے اپنی ہدی کا نحر کیا، اپنے سر کا حلق کرایا، میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرے کو واجب کر لیا، ان شاء اللہ میں جاؤں گا، اگر میرے اور بیت اللہ کے درمیان راستہ چھوڑ دیا گیا تو میں طواف کروں گا اور اگر میرے اور بیت اللہ کے درمیان رکاوٹ ڈالی گئی تو میں ایسے ہی کروں گا جیسے پیغمبر ﷺ نے کیا تھا جب کہ میں آپ کے ہمراہ تھا، حضرت ابن عمرؓ نے ذو الحلیفہ سے عمرے کا احرام باندھا پھر کچھ دیر چلے پھر فرمایا کہ ان دونوں کا معاملہ ایک جیسا ہی ہے میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرے کے ساتھ حج کو بھی واجب کر لیا، وہ ان دونوں سے یوم نحر سے

قبل حلال نہیں ہوئے نیز ہدی بھی قربان کی، وہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان اس وقت تک (مکمل) حلال نہیں ہوتا جب تک کہ مکہ داخل ہونے والے دن ایک طواف (طواف زیارت) نہ کر لے۔

حضرت نافع نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اولاد میں سے کسی نے ان سے یہ کہا کہ اگر آپ (سفر نہ کرتے اور یہیں مقیم رہتے تو اچھا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو روک دیا گیا، آپ نے اپنے سر کا حلق کرایا، اپنی بیویوں سے مجامعت کی، اپنی ہدی کا نحر کیا اور آئندہ سال عمرہ کیا۔

تشریح: امام بخاری نے شرط ذکر فرمائی ہے اور جواب شرط اعتمادًا علی الحدیث حذف کر دیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ معتمر کو اگر احصار پیش آجائے تو وہ بھی ہدی نحر کر کے حلال ہو جائے گا۔

کیا احصار عمرہ میں بھی متحقق ہے؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عمرہ میں احصار کا تحقق ہوتا ہے یا یہ حج کے ساتھ خاص ہے؟ جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ جیسے احصار حج میں پایا جاتا ہے عمرہ میں بھی پایا جاتا ہے۔

لیکن مالکیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ احصار حج اور عمرہ دونوں میں پایا جاتا ہے اور یہی ان کے متون میں مشہور و معروف ہے، قاضی ابن عربی، قاضی باجی، علامہ ابوعبداللہ الابی وغیرہ نے مالکیہ کا جمہور کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں بتلایا، اور ابن قاسم نے مدونہ میں امام مالک سے اس کی تصریح بھی کی ہے کہ احصار عمرہ میں پایا جاتا ہے، لیکن ان کی دوسری روایت یہ ہے کہ احصار حج کے ساتھ خاص ہے اور شراح بخاری نے یہ روایت نقل کی ہے، اسی طرح شراح ہدایہ اور موفق الدین بن قدامہ صاحب مغنی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے اس روایت پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ ابن قاسم نے مدونہ میں احصار فی العمرۃ کی تصریح کی ہے نیز کبار مالکیہ ابن عربی، باجی، ابی وغیرہ اس کی تصریح کرتے ہیں، علامہ ابن عربی نے صرف ابن سیرین کا اختلاف نقل کیا ہے، اسی طرح ابوبکر جصاص رازی نے بھی صرف ابن سیرین کا اختلاف نقل کیا ہے کہ وہ احصار کو حج کے ساتھ مختص مانتے ہیں۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ شراح نے جو ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے کہ امام مالک کی ایک روایت یہ ہے، قاضی اسماعیل مالکی جو اکابر مالکیہ میں سے ہیں انہوں نے احصار کے حج کے ساتھ مختص ہونے پر دلیل یہ پیش کی ہے کہ ابوقلابہ فرماتے ہیں کہ میں عمرہ کے لئے نکلا سواری سے گر گیا میری پنڈلی ٹوٹ گئی، میں نے ابن عباسؓ و ابن عمرؓ کے پاس

پیغام بھیجا انہوں نے فرمایا لَيسَ لَهَا وَقتٌ كَالحَجِّ يَكُونُ عَلَى إِحرَامِهِ حَتَّى يَصِلَ إِلَى البَيتِ، إسناده صحیح، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کر کے جمہور علماء کی تائید کی ہے۔

حِينَ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ مُعتَمِرًا فِي الفِتنَةِ: فتنہ سے مراد فتنۂ ابن الزبیر ہے یعنی جس زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور شامیوں میں قتل وقتال اور جنگ وجدال چل رہا تھا اس وقت ابن عمرؓ عمرہ کے لئے نکلے۔

صَنَعتُ كَمَا صَنَعنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ: اس میں قاضی عیاض نے تین احتمالات ذکر کئے ہیں، ایک یہ کہ اگر میں محصر ہو گیا تو میں حلال ہو جاؤں گا، دوسرا احتمال یہ کہ میں عمرہ کا احرام باندھ لوں گا، تیسرا احتمال یہ کہ میں عمرہ کا احرام باندھ لوں گا اور جب محصر ہو جاؤں گا تو حلال ہو جاؤں گا، امام نووی نے احتمال اول ہی کو اختیار فرمایا ہے اور یہی ظاہر بھی ہے۔

أُشهِدُكُم أَنِّي قَد أَوجَبتُ حَجَّةً مَعَ عُمرَتِي: اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی آدمی نے پہلے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو وہ اس پر حج کا احرام داخل کر سکتا ہے، ابو ثور منع کرتے ہیں اور جمہور علماء قائل ہیں، پھر اس کے بعد اکثر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ طواف عمرہ کے شروع کرنے سے پہلے پہلے حج کا احرام باندھنا چاہئے، اور حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ چار اشواط گزرنے سے پہلے پہلے احرام عمرہ پر احرام حج کو داخل کیا جا سکتا ہے اور داخل کر کے قارن بن سکتا ہے۔

وَأَهدَى: اس سے معلوم ہوا کہ قارن پر ہدی واجب ہے، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے، صرف اس میں اختلاف ہے کہ یہ ہدیِ جبر ہے یا ہدیِ شکر؟ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ہدیِ شکر ہے اور مالکیہ اور شافعیہ اس کو ہدیِ جبر مانتے ہیں، گویا دو نسکوں کو ایک ساتھ جوڑ لینے سے ایک نقص پیدا ہو گیا اس کا تدارک ہدی سے کیا جا رہا ہے، فریق اول کہتا ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ ادا کرنے میں اللہ کا بڑا احسان ہوا اس کا شکریہ ادا کیا جا رہا ہے، داؤد ظاہری اور ابن حزم اس کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قارن پر ہدی نہیں ہے وقولھما شاذ۔

أَنَّ بَعضَ بَنِي عَبدِ اللهِ: بعض بنی عبداللہ کا مصداق سالم بھی ہو سکتے ہیں عبید اللہ بھی ہو سکتے ہیں اور عبداللہ بھی، روایت میں سبھی کا نام آیا ہے۔

قَالَ لَهُ: لَوْ أَقَمْتَ بِهٰذَا: بهذا، أى بالمضمون الذى تقدم فى الحديث السابق۔
موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی کی روایت مصنف نے یہاں مختصراً ذکر کی ہے، مفصل طور پر کتاب المغازی میں ص ۶۰۱ پر آرہی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: ابوعبد اللہ الحاکم کہتے ہیں کہ یہ محمد بن یحیی الذہلی ہیں، ابو مسعود دمشقی کہتے ہیں کہ محمد بن مسلم بن وارہ ہیں، ابو نصر کلاباذی کہتے ہیں کہ یہ ابو حاتم رازی ہیں، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ محمد بن اسحاق صغانی ہوں۔

عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ: فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قال کے بعد کی چیز ایسی ہے جس پر فقال کی فاء مرتب ہو رہی ہے، عام شارحین نے اس پر کوئی گفتگو نہیں کی ہے اور نہ ابو نعیم واسماعیلی نے اپنے مستخرج میں کوئی تنبیہ کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کو حق تعالیٰ شانہ نے بڑی استیعابی نظر عطا فرمائی ہے اور انہوں نے شرح بخاری میں بڑی محنت بھی کی ہے، فرماتے ہیں کہ میں اس کی تلاش میں رہا یہاں تک کہ ابن السکن کی کتاب معرفۃ الصحابہ پڑھی اور اس میں قدر محذوف کا پتہ چل گیا، اور پھر حافظ ابن حجر نے اس مقدار محذوف کی تعیین فرمائی ہے کہ عکرمہ نے عبد اللہ بن نافع سے پوچھا جو ام سلمہؓ کے مولیٰ تھے انہوں نے فرمایا کہ حضرت ام سلمہؓ نے حجاج بن عمرو سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر کوئی حاجی احرام باندھے اور محبوس ہو جائے تو کیا کرے؟ تو حجاج بن عمرو نے فرمایا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من عرج أو كسر أو حبس فليجزئ مِثْلَهَا وَهُوَ فِي حِلٍّ قَالَ: فَحَدَّثْتُ بِهِ أَبَا هُرَيْرَةَ فَقَالَ: صدق، یوں کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا صدق، پھر ابن عباسؓ سے ذکر کیا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَدْ أُحْصِرَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَحَلَقَ رَأْسَهُ، وَجَامَعَ نِسَاءَهُ، وَنَحَرَ هَدْيَهُ، حَتَّى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا اس سے بیچ کا محذوف حصہ معلوم ہو گیا۔

امام بخاری نے حجاج بن عمروؓ کی روایت کو جو حذف فرمادیا اس کی دو وجہیں ہیں، اول یہ کہ اس میں عبد اللہ بن رافع کا ذکر ہے وہ ان کی شرط پر نہیں، دوسرے اس کی سند میں اختلاف ہے کہ یہ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو ہے یا عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ عَنِ الْحَجَّاجِ مروی ہے۔

(ص ۲۴۳) بَابُ الإِحْصَارِ فِي الحَجِّ

۱۸۱۰. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: «أَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ إِنْ حُبِسَ أَحَدُكُمْ عَنِ الحَجِّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ، حَتَّى يَحُجَّ عَامًا قَابِلًا، فَيُهْدِي أَوْ يَصُومُ إِنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا» وَعَنْ عَبْدِ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: نَحْوَهُ

ترجمہ: باب، حج سے روک دیئے جانے کا بیان۔

سالم نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمرؓ یہ فرمایا کرتے تھے کہ کیا تمہارے واسطے رسول اللہ ﷺ کی سنت کافی نہیں؟ اگر تم میں سے کسی کو حج سے روک دیا جائے تو وہ بیت اللہ کا طواف کرے صفا اور مروہ کی سعی کرے اور پھر ہر چیز سے حلال ہو جائے یہاں تک کہ آئندہ سال حج کرے اور ہدی قربان کرے اور اگر ہدی نہ پائے تو روزے رکھے، یہ روایت عبد اللہ بن مبارک نے معمر سے بھی نقل کی ہے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد ظاہر ہے کہ جیسے احصار عمرہ میں متحقق ہوتا ہے حج میں بھی متحقق ہوتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ کو احصار عمرہ میں پیش آیا تھا حج میں نہیں تو پھر مصنف نے احصار فی الحج کیسے ثابت فرمایا؟ علامہ ابن منیر فرماتے ہیں کہ امام مصنف نے قیاساً مسئلہ ثابت فرمایا ہے۔

لیکن یہ استدلال مبنی ہے اس بات پر کہ یہ ثابت ہو جائے کہ امام بخاری قائسین اور قیاس کے قائلین میں سے ہیں اگرچہ اکثر علماء یہی سمجھتے ہیں، لیکن بعض علماء داؤدی وغیرہ امام بخاری کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ قائسین میں سے نہیں ہیں، متاخرین میں سے حضرت علامہ کشمیری نے اسی کو اختیار کیا ہے اور میرے نزدیک یہی راجح بھی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں ممکن ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے پاس احصار حج کے بارے میں حضور ﷺ کی کوئی سنت قولیہ ہو اسی لئے فرمایا ہو أَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟

ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى يَحُجَّ عَامًا قَابِلًا فَيُهْدِي: یعنی اگر کوئی آدمی محصر ہو جائے حج سے تو وہ بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا و مروہ کا اور پھر ہر شیٔ سے حلال ہو جائے گا اور اگلے سال حج کرے گا اور ہدی دے، اس سے معلوم ہوا کہ محصر پر ہدی واجب ہے۔

آیا محصر پر ہدی واجب ہے یا قضا یا کچھ نہیں؟ یہ مسئلہ مسائل مختلف فیہا میں سے ہے، حضرات

ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ہدی واجب ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ہدی واجب نہیں ہے۔

اور قضاء کے وجوب میں اختلاف ہے، امام شافعی ومالک فرماتے ہیں کہ قضا واجب نہیں ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ واجب ہے، امام احمد بن حنبل کے مذہب میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ واجب نہیں یہ غیر مشہور روایت ہے، ان کی مشہور روایت یہ ہے کہ قضاء واجب ہے۔

تنبیہ: ایک اور بات پر تنبیہ کر دوں کہ بخاری میں تو اتنا ہی ہے كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: أَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ لیکن ترمذی، دار قطنی اور اسماعیلی وغیرہ کی روایت میں بطریق معمر عن الزہری اسی حدیث میں وارد ہوا ہے أَنَّهُ كَانَ يُنْكِرُ الِاشْتِرَاطَ وَيَقُولُ أَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، یعنی وہ اشتراط کے اور حج میں شرط لگانے کے قائل نہیں تھے، بلکہ کہتے تھے کہ حضور کی سنت یہ ہے کہ آدمی احرام باندھ کر جائے اور اگر احصار پیش آجائے تو جو احصار کا حکم ہے اس پر عمل کرے، یعنی ہدی کا نحر کر دے اور اس کے بعد حلال ہو جائے۔

(ص ۲۴۳) بَابُ النَّحْرِ قَبْلَ الحَلْقِ فِي الحَصْرِ

۱۸۱۱. حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَحْلِقَ، وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ بِذَلِكَ

۱۸۱۲. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ أَخْبَرَنَا أَبُو بَدْرٍ شُجَاعُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْعُمَرِيِّ قَالَ: وَحَدَّثَ نَافِعٌ: «أَنَّ عَبْدَ اللهِ وَسَالِمًا كَلَّمَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَقَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مُعْتَمِرِينَ، فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُونَ الْبَيْتِ، فَنَحَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بُدْنَهُ وَحَلَقَ رَأْسَهُ

ترجمہ: باب، احصار کی صورت میں سر منڈانے سے قبل قربانی کا بیان۔

حضرت مسورؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حلق سے پہلے نحر کیا اور اپنے صحابہ کو اسی کا حکم دیا۔

نافع نے بیان کیا کہ عبد اللہ اور سالم نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا کہ ہم پیغمبر ﷺ کے ساتھ عمرے کا احرام باندھ کر نکلے، کفار قریش بیت اللہ پہنچنے میں حائل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اونٹوں کو قربان کیا اور اپنے سر کا حلق کرایا۔

تشریح: امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے ایک خاص بات پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر احصار محقق ہو

جائے تو ایسی صورت میں نحر حلق سے پہلے ہوگا یعنی نحر کی تقدیم حلق پر واجب ہے۔

امام بخاری بھی بہت دور سفر کیا کرتے ہیں، کتاب الحج میں بَابُ إِذَا رَمَى بَعْدَمَا أَمْسَى أَوْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ نَاسِيًا أَوْ جَاهِلًا میں یہ بیان کر آئے ہیں کہ یوم النحر میں جو چار افعال کئے جاتے ہیں یعنی رمی، نحر، حلق اور طواف زیارت ان میں ترتیب واجب نہیں، اب فرماتے ہیں کہ لیکن اگر حصر پیش آجائے تو وہاں پر نحر کا حلق پر تقدم واجب ہے، یہیں سے ابراہیم نخعی کے استدلال کا ضعف بھی معلوم ہوگیا، انہوں نے افعال کی ترتیب کے وجوب پر وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ سے استدلال کیا ہے، امام بخاری نے فی الحصر کی قید لگا کر اس بات پر تنبیہ کردی کہ یہ حکم حصر کے ساتھ خاص ہے اور آیت محصر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ افعال اربعہ میں ترتیب واجب ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ گزر چکا ہے، بخاری کی رائے ہے کہ واجب نہیں ہے لیکن فرماتے ہیں کہ اگر حصر پیش آجائے تو وہاں نحر و حلق میں ترتیب واجب ہے نحر مقدم اور حلق مؤخر ہے، اللہ میاں فرماتے ہیں وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ، ابراہیم نخعی نے اس سے مطلق وجوب پر استدلال کیا تھا اس کو امام بخاری نے رد کر دیا کہ یہ حکم محصر کے ساتھ خاص ہے اور آیت بھی محصر کے بارے ہی میں نازل ہوئی ہے۔

(ص ۲۴۳) بَابُ مَنْ قَالَ لَيْسَ عَلَى الْمُحْصَرِ بَدَلٌ

وَقَالَ رَوْحٌ عَنْ شِبْلٍ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِنَّمَا الْبَدَلُ عَلَى مَنْ نَقَضَ حَجَّهُ بِالتَّلَذُّذِ، فَأَمَّا مَنْ حَبَسَهُ عُذْرٌ أَوْ غَيْرُ ذَلِكَ فَإِنَّهُ يَحِلُّ وَلَا يَرْجِعُ وَإِنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ وَهُوَ مُحْصَرٌ نَحَرَهُ إِنْ كَانَ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَبْعَثَ بِهِ وَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَبْعَثَ بِهِ لَمْ يَحِلَّ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ

وَقَالَ مَالِكٌ وَغَيْرُهُ يَنْحَرُ هَدْيَهُ وَيَحْلِقُ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَصْحَابَهُ بِالْحُدَيْبِيَةِ نَحَرُوا وَحَلَقُوا وَحَلُّوا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ قَبْلَ الطَّوَافِ وَقَبْلَ أَنْ يَصِلَ الْهَدْيُ إِلَى الْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ يُذْكَرْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ أَحَدًا أَنْ يَقْضُوا شَيْئًا وَلَا يَعُودُوا لَهُ وَالْحُدَيْبِيَةُ خَارِجٌ مِنَ الْحَرَمِ

۱۸۱۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ: «أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ، حِينَ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ مُعْتَمِرًا فِي الْفِتْنَةِ: إِنْ صُدِدْتُ عَنِ الْبَيْتِ صَنَعْنَا كَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَأَهَلَّ

بِعُمْرَةٍ مِنْ أَجْلِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، ثُمَّ إِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ نَظَرَ فِي أَمْرِهِ فَقَالَ: مَا أَمْرُهُمَا إِلَّا وَاحِدٌ، فَالْتَفَتَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: مَا أَمْرُهُمَا إِلَّا وَاحِدٌ، أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ أَوْجَبْتُ الْحَجَّ مَعَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ طَافَ لَهُمَا طَوَافًا وَاحِدًا، وَرَأَى أَنَّ ذَلِكَ مُجْزِئٌ عَنْهُ، وَأَهْدَى.

ترجمہ: باب، ان لوگوں کے موقف کا بیان جو یہ کہتے ہیں کہ محصر پر قضالازم نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قضا اس پر ہے جو اپنا حج لذت حاصل کر کے توڑ دے لیکن جس کو کسی عذر نے روکا ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی بات درپیش ہو تو وہ حلال ہو جائے اور اسے (حج کے لئے) دوبارہ آنے کی ضرورت نہیں اور اگر کسی کے پاس ہدی ہو اور وہ محصر ہو جائے تو اگر وہ اس کو (حرم) بھیجنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو نحر کر دے اور اگر اس کو (حرم) بھیجنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس وقت تک حلال نہ ہو جب تک کہ ہدی اپنے محل کو نہ پہنچ جائے، امام مالک وغیرہ نے فرمایا کہ وہ اپنی ہدی کا نحر کر دے اور حلق کرالے خواہ کسی بھی مقام پر ہو اور اس پر قضا واجب نہیں کیوں کہ پیغمبر ﷺ اور آپ کے صحابہ نے نحر کیا حلق کرایا نیز طواف سے قبل اور ہدی کے بیت اللہ تک پہنچنے سے قبل ہی ہر چیز سے حلال ہو گئے، پھر یہ منقول نہیں کہ پیغمبر ﷺ نے کسی کو یہ حکم دیا ہو کہ وہ کسی چیز کی قضا کرے یا یہ حکم دیا ہو کہ وہ بیت اللہ کو لوٹ کر آئیں اور حدیبیہ حرم سے خارج ہے۔

نافع نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب جنگ کے زمانہ میں عمرے کی نیت سے مکہ مکرمہ کی جانب نکلے تو فرمایا کہ اگر مجھے بیت اللہ سے روکا گیا تو ہم اسی طرح کریں گے جیسے ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا، انہوں نے عمرے کا احرام باندھا کیوں کہ حدیبیہ کے سال پیغمبر ﷺ نے بھی عمرے کا احرام باندھا تھا، پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے معاملہ پر غور کیا اور یہ خیال کیا کہ حج اور عمرے کا معاملہ ایک ہی ہے، پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ان دونوں کا معاملہ یکساں ہے میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرے کے ساتھ حج کو واجب کر لیا پھر دونوں کے لئے ایک طواف کیا اور یہ سمجھا کہ ایک ہی طواف کافی ہے اور ہدی قربان کی۔

تشریح: یہ باب اس شخص کے بیان میں ہے جس نے یہ کہا کہ محصر پر بدل نہیں ہے۔

اگر کوئی آدمی محصر ہو جائے تو اس کے ذمہ بدل یعنی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ دو چیزیں ہیں، ایک ہے قضاء اور دوسرے ہے ہدی، میں دونوں کا مسئلہ ماقبل میں بیان کر چکا ہوں۔

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ قضاء اور ہدی دونوں واجب ہے، یہی امام احمد کا مشہور مذہب ہے، (۲) حضرت امام مالک ارشاد فرماتے ہیں کہ نہ ہدی واجب ہے اور نہ قضاء واجب ہے، (۳) حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہدی واجب ہے لیکن قضاء واجب

نہیں ہے، امام بخاری فرماتے ہیں لَیسَ عَلَى الْمُحْصَرِ بَدَلٌ، ان کی رائے بظاہر امام مالک کے ساتھ معلوم ہوتی ہے اور اصل میں وہ اس مسئلہ میں شاید کسی قدر تفصیل کے قائل ہیں جیسا کہ آگے اس کی طرف اشارہ آئے گا۔

وجوب قضاء وہدی کی دلیل: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ محصر کے ذمہ قضاء واجب ہے اور ہدی کی تبدیلی بھی واجب ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ عمرۂ حدیبیہ میں محصور ہو گئے اور آپ عمرہ نہیں کر سکے تو اگلے سال آپ نے اعلان کیا کہ جو لوگ عمرۂ حدیبیہ میں شریک تھے وہ سارے لوگ عمرہ کے لئے چلیں، حاکم نے اکلیل میں یہ روایت نقل کی ہے اور ابوداؤد شریف میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں وارد ہے إن رسول الله ﷺ أمر أصحابه أن يبدلوا الهدي الذي نحروا عام الحديبية في عمرة القضاء، حدیبیہ کے سال جو ہدی نحر کی تھی اس کا بدلہ دیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدی بھی دینی پڑے گی اور بدلہ بھی واجب ہوگا، نیز حجاج بن عمرو غفاریؓ کی جو روایت ابھی ہم نے پڑھی ہے من كسر أو عرج أو حبس أو مرض فقد حلَّ وعليه الحج من قابل، أخرجه الإمام أحمد وأصحاب السنن الأربعة وابن خزيمة والحاكم، یہ بھی حنفیہ کے لئے مؤید ہے۔

إِنَّمَا الْبَدَلُ عَلَى مَنْ نَقَضَ حَجَّهُ بِالتَّلَذُّذِ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بدل تو اس پر واجب ہے جس نے لذت کے ذریعہ اپنے حج میں کوتاہی پیدا کر دی ہے یعنی جماع کر لیا ہے۔

فَأَمَّا مَنْ حَبَسَهُ عُذْرٌ أَوْ غَيْرُ ذَلِكَ فَإِنَّهُ يَحِلُّ وَلَا يَرْجِعُ: یعنی اس پر قضاء واجب نہیں۔

وَإِنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ وَهُوَ مُحْصَرٌ نَحَرَهُ: اگر ہدی ساتھ ہے اور محصر ہے تو نحر کرے گا۔

وَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَبْعَثَ بِهِ: اگر وہ ہدی کو حرم بھیج نہیں سکتا ہے تب تو وہیں نحر کر دے اور اگر بھیج سکتا ہے تو جب تک ہدی حرم میں نہیں پہونچے گی حلال ہونے کی گنجائش نہیں۔

وَقَالَ مَالِكٌ وَغَيْرُهُ: يَنْحَرُ هَدْيَهُ وَيَحْلِقُ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ: امام مالک فرماتے ہیں کہ جہاں بھی ہو آدمی اپنی ہدی کا نحر کر سکتا ہے اور سر منڈوائے اور حلال ہو جائے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ قول جمہور کی طرف منسوب کیا ہے، حنفیہ فرماتے ہیں کہ ہدی تو بہر حال حرم میں ذبح کی جائے گی، اور دوسرے حضرات تفصیل کے قائل ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر حرم جا سکتی ہو تب تو حرم میں ورنہ جہاں موقع ہو وہیں پر نحر کر دی جائے، یہی امام بخاری کا رجحان معلوم ہوتا ہے اور یہی وہ تفصیل ہے جس کی طرف ابھی میں نے اشارہ کیا تھا۔

ثُمَّ لَمْ يُذْكَرْ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَمَرَ: لیکن میں نے بتلایا کہ حاکم نے الاکلیل میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے شرکاء حدیبیہ سے فرمادیا تھا کہ جو لوگ بھی شریک تھے وہ سب کے سب عمرۂ قضاء میں شریک ہوں اور حجاج بن عمروؓ کی روایت گزر چکی ہے وعلیہ الحج من قابل۔

وَالْحُدَيْبِيَةُ خَارِجٌ مِنَ الْحَرَمِ: یہ مسئلہ ہے مختلف فیہا کہ حدیبیہ حرم میں داخل ہے یا باہر، امام مالک کہتے ہیں کہ خارج من الحرم ہے لیکن حضرت امام شافعی ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض حدیبیہ حِلّ میں ہے اور بعض حرم میں ہے، علامہ زمخشری اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسی کی تصریح کی ہے، امام مالک سے ایک قول منقول ہے کلھا من الحرم کذا حکاہ شیخنا فی الأوجز بہر حال اگر کل حدیبیہ حرم سے ہو تب تو حنفیہ پر کوئی اشکال نہیں اور اگر بعض ہو تب بھی کوئی اشکال نہیں، یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی ہدی حرم میں نحر کی گئی تھی، اور اگر بالکل ہی خارج از حرم ہو تب بھی ظاہر یہ ہے کہ ہدی حرم ہی میں نحر کی گئی تھی، طحاوی نے مسور بن مخرمہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں قیام پذیر تھے آپ کا خیمہ تو حِلّ میں تھا اور مصلیٰ حرم میں، جب آپ حرم میں نماز پڑھتے تھے تو حرم میں آپ کی ہدی کا نحر کیوں نہیں ہو سکتا تھا۔

(ص ۲۴۴) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ وَهُوَ مُخَيَّرٌ فَأَمَّا الصَّوْمُ فَثَلَاثَةُ أَيَّامٍ

۱۸۱٤. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ: «لَعَلَّكَ آذَاكَ هَوَامُّكَ، قَالَ: نَعَمْ، يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: احْلِقْ رَأْسَكَ، وَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ، أَوِ انْسُكْ بِشَاةٍ

ترجمہ: باب، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا﴾ الآیۃ کا بیان یعنی تم میں جو بیمار ہو یا کسی کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ واجب ہے روزوں سے یا صدقہ سے یا قربانی سے اور اس کو اختیار دیا گیا ہے اور روزے تین دن رکھنے ہیں۔

حضرت کعب بن عجرۃؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا کہ شاید تمہاری (سر کی) جوں تمہیں تکلیف دے رہی

ہیں؟ میں نے کہا ہاں، یارسول اللہ! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے سر کے بال منڈا دو اور پھر یا تو تین دن کے روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو یا ایک بکری قربان کر دو۔

تشریح: اگر کوئی آدمی مریض ہو تو اس کے لئے بنص القرآن والحدیث واجماع الامہ حلق راس مباح اور جائز ہے لیکن اس پر فدیہ آئے گا صیام یا صدقہ یا نسک، امام بخاری فرماتے ہیں وھو مخیّر یعنی ان انواع ثلاثہ میں اس کو اختیار ہے جس کو چاہے اختیار کرلے، حضرات ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں اختیار ہے چاہے عذر کی وجہ سے کرے یا بلا عذر کرے، حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر عذر کی وجہ سے کرے تب تو ہے اختیار اور اگر بلا عذر حلق راس کرتا ہے تو دم متعین ہے، یہی امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے۔

اس کے بعد مصنف فرماتے ہیں فَأَمَّا الصَّوْمُ فَثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، اس تصریح کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس میں حسن بصری، عکرمہ اور نافع کا اختلاف نقل کیا گیا ہے وہ حضرات فرماتے ہیں کہ دس روزے رکھے جائیں گے، اسی طرح مسئلۂ اطعام میں تمام امت کا اتفاق ہے کہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا جیسا کہ اگلے باب میں مصنف نے تصریح فرمائی ہے، لیکن ان حضرات ثلاثہ نے چھ کے بجائے دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کو واجب قرار دیا ہے، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ فقہاء امصار میں سے کوئی بھی اس قول کا قائل نہیں ہے یعنی سارے حضرات مسئلۂ صوم میں تین دن کے اور مسئلۂ صدقہ میں چھ مسکینوں کے قائل ہیں۔

احْلِقْ رَأْسَكَ: اپنا سر منڈا دو، حلق راس کے لئے جمہور علماء کے نزدیک کوئی خاص صورت متعین نہیں ہے، چاہے استرا سے منڈا دے یا قینچی سے کاٹے یا چونا لگا کر اڑا دے یا نتف کرلے نوچ لے، لیکن ابو محمد بن حزم ظاہری نے سب دنیا سے الگ ہو کر نتف کو اس سے خارج قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ تمام ازالات حلق کے ساتھ لاحق ہیں سوائے نتف کے۔

حلق چار وجہ سے: یہ مسئلہ میں بیان کر چکا ہوں کسی مقام پر کہ شریعت میں حلق کی چار قسمیں ہیں، (۱) ایک حلق ہوتا ہے مرض کی وجہ سے اس کا ثبوت کتاب وسنت سے ہے، (۲) دوسرا حلق ہوتا ہے نسک میں اس کا بھی نصوص سے ثبوت ہے، (۳) تیسرا حلق ہوتا ہے عبادت وزہد سمجھ کر، علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اس کا کوئی بھی ثبوت نہیں ہے نہ کتاب سے نہ سنت سے اور نہ سلف صالح کے عمل سے، (۴) چوتھا حلق یوں ہی (اپنی رغبت

سے) ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے دیار وامصار میں متعارف ہے، اس میں حضرت امام احمد بن حنبل کی دو روایتیں ہیں، ایک کراہت اور یہی امام مالک کا مذہب ہے اور دوسری اباحت اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے، فقہاء احناف میں سے علامہ زندوستی نے روضۃ العلماء میں لکھا ہے کہ حلق وفرق دونوں برابر ہیں، لیکن عام طور سے احناف کی کتابوں سے حلق کی ترجیح نکلتی ہے۔

سنت نبویہ پر نظر کرنے والے کو یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ بال رکھنا سنت ہے، کیوں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ساری عمر بال رکھا ہے اور آپ سے سوائے نسک کے حلق راس ثابت نہیں ہے، لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ یہ اسی وقت ہے جبکہ بنیت اتباعِ سنت ہو اور سنت کے طریق پر بال رکھا جائے، اور اگر مقصود زینت ہو تزین ہو تحسین ہو تو یہ چیز زیبا نہیں ہے اور اس سے ہمارے اکابر نے منع کیا ہے، آج کل ہم لوگوں میں یہ صورت چل پڑی ہے اور نام سنت کا رکھ لیا گیا ہے اسی لئے مدرسہ کے اکابر اور دوسرے حضرات منع کرتے ہیں۔

استاد محترم کا اپنا واقعہ: طالب علمی کا زمانہ تھا اور بخاری شریف کا درس ہو رہا تھا یہی مسئلہ آگیا تو میں نے پوچھ لیا حضرت سے کہ حضرت! میں بال رکھ سکتا ہوں؟ اس وقت میرے ڈاڑھی نہیں تھی، حضرت نے فرمایا کہ نہیں، میں نے کہا کہ حضرت! شجاع الدین رکھ سکتا ہے؟ یہ میرے ایک ساتھی تھے ڈاڑھی بھی تھی اور سانولے رنگ کے آدمی تھے، حضرت نے اول تو فرمایا کہ ہاں! رکھ سکتا ہے، پھر اس کے بعد فرمایا کہ اس کے لئے بھی مکروہ ہے اور تیرے لئے ناجائز ہے، اس کی علت میں یہ سمجھا کہ شجاع الدین کے لئے براہ راست تو مکروہ نہیں لیکن چونکہ اس کا بال رکھنا سبب بن جاتا بہت سوں کے بال رکھنے کا اس لئے حضرت دامت برکاتہم نے اس کے لئے کراہت کا حکم لگا دیا تھا، اب تم لوگ اس سے اپنے فعل پر حکم لگالو اور فیصلہ کرلو کہ تمہارا یہ بال رکھنا کس نیت سے ہے اور کیا حکم ہے؟

(ص ۲۴۴) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى ﴿أَوْ صَدَقَةٍ﴾ وَهِيَ إِطْعَامُ سِتَّةِ مَسَاكِينَ

۱۸۱۵. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سَيْفٌ قَالَ حَدَّثَنِي مُجَاهِدٌ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى أَنَّ كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ: «وَقَفَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَرَأْسِي يَتَهَافَتُ قَمْلًا، فَقَالَ: يُؤْذِيكَ

هَوَامُّكَ، قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَاحْلِقْ رَأْسَكَ، أَوْ قَالَ: احْلِقْ، قَالَ فِيَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾ إِلَى آخِرِهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ تَصَدَّقْ بِفَرَقٍ بَيْنَ سِتَّةٍ، أَوِ انْسُكْ بِمَا تَيَسَّرَ

ترجمہ: باب، اللہ تعالیٰ کے اس قول أَوْ صَدَقَةٍ کا بیان اور وہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

حضرت کعب بن عجرہؓ نے بیان کیا کہ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ میرے قریب تشریف فرما ہوئے جب کہ میرے سر میں جوں گر رہی تھیں آپ نے فرمایا کہ کیا تمہاری جوں تمہیں تکلیف دے رہی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، آپ نے فرمایا کہ اپنا سر منڈالو یا فقط یہ فرمایا کہ حلق کرالو، کعب کہتے ہیں کہ یہ آیت فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا الآية میرے بارے میں نازل ہوئی حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم تین دن کے روزے رکھو یا چھ مسکینوں کے درمیان ایک فرق یعنی تین صاع صدقہ کردو یا جو میسر ہو اس کی قربانی کرو۔

تشریح: اس باب کے متعلق باب گزشتہ ہی میں کلام ہو چکا۔

(ص ۲۴۴) بَابُ الْإِطْعَامِ فِي الْفِدْيَةِ نِصْفُ صَاعٍ

۱۸۱۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَعْقِلٍ قَالَ: «جَلَسْتُ إِلَى كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْفِدْيَةِ، فَقَالَ: نَزَلَتْ فِيَّ خَاصَّةً، وَهِيَ لَكُمْ عَامَّةً، حُمِلْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلَى وَجْهِي، فَقَالَ: مَا كُنْتُ أُرَى الْوَجَعَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى، أَوْ: مَا كُنْتُ أُرَى الْجَهْدَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى، تَجِدُ شَاةً، فَقُلْتُ: لَا، فَقَالَ: فَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ، لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ

ترجمہ: باب، فدیہ میں اطعام سے نصف صاع مراد ہے۔

تشریح: امام بخاری نے باب گزشتہ میں یہ بتلایا تھا کہ اطعام کتنوں کا واجب ہے، بتلادیا کہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا، اب اس باب سے یہ بتلاتے ہیں کہ کتنی مقدار واجب ہے؟ یوں فرماتے ہیں کہ نصف صاع بلا کسی تفصیل کے مصنف نصف صاع وجوب کے قائل ہیں یہی حضرات جمہور کا جس میں ائمہ ثلاثہ بھی ہیں مسلک ہے، گیہوں ہو تو بھی نصف صاع، جو ہو یا تمر ہو یا اور کوئی جنس ہو تب بھی نصف صاع ہی واجب ہو گا،

حضرات حنفیہ ہر جگہ اپنے اصل قانون پر چلے ہیں وہ فرماتے ہیں نصف صاع من برّ و صاع من غیرہ گیہوں کا تو آدھا صاع اور اس کے علاوہ کا ایک صاع واجب ہوگا۔

جمہور علماء نے حضرت کعب بن عجرہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تَصَدَّقْ بِفَرَقٍ بَيْنَ سِتَّةٍ اور ایک فرق تین صاع کا ہوتا ہے لہٰذا جب چھ میں تقسیم کیا جائے گا تو ہر شخص کو نصف صاع ملے گا اور اسی روایت کے دوسرے طریق میں ہے أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ، لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ ہر مسکین کو نصف صاع کھلاؤ یہ روایت بالکل نص فی المسالہ ہے۔

بعض احناف نے جواب یہ دیا ہے کہ اس روایت میں طعام سے مراد بُرّ ہے جیسا کہ حدیث صدقۃ الفطر میں طعام سے مراد شافعیہ نے بُرّ یعنی حنطہ لیا ہے، لیکن میں یہ بتلا چکا ہوں کہ وہاں پر حنطہ مراد لینا بعید ہے، ابن منذر وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے، بعینہ وہی اشکال یہاں پر بھی ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت حضرت کعب بن عجرہؓ سے دو آدمی نقل کرتے ہیں، ایک عبداللہ بن معقل اور دوسرے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ۔

عبداللہ بن معقل سے نقل کرتے ہیں عبدالرحمن بن الاصبہانی اور ان سے شعبہ، اور شعبہ کے تلامذہ میں اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے، کوئی تمر نقل کرتا ہے اور کوئی حنطہ اور کوئی لفظ طعام نقل کرتا ہے، محدثانہ حیثیت سے یہی لفظ محفوظ ہے۔

اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی روایت نقل کرتے ہیں ابو قلابہ، اور ابو قلابہ کی روایت میں أَوْ أَطْعِمْ ثَلَاثَةَ آصُعٍ مِنْ تَمْرٍ عَلَى سِتَّةِ مَسَاكِينَ کا لفظ مسلم شریف میں وارد ہوا ہے اور اس میں کسی راوی کا کوئی اختلاف نہیں اس لئے روایتی حیثیت سے یہی ارجح ہے۔

معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ نے ہر مسکین کو نصف صاع تمر کھلانے کا حکم دیا تھا، اور اس سے معلوم ہو گیا کہ جمہور کا مسلک اس باب میں ارجح و اقویٰ ہے، ہمارے حضرت اقدس حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے بذل المجہود میں اعتراف کیا ہے کہ مجھ کو اس حدیث کا کوئی ایسا جواب معلوم نہیں جو پیش کیا جا سکے۔

(ص ۲۴۴) بَابُ النُّسُكُ شَاةٌ

۱۸۱۷. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شِبْلٌ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَآهُ وَأَنَّهُ يَسْقُطُ عَلَى وَجْهِهِ فَقَالَ: أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ، قَالَ: نَعَمْ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَحْلِقَ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ، وَلَمْ يَتَبَيَّنْ لَهُمْ أَنَّهُمْ يَحِلُّونَ بِهَا، وَهُمْ عَلَى طَمَعٍ أَنْ يَدْخُلُوا مَكَّةَ، فَأَنْزَلَ اللهُ الْفِدْيَةَ، فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُطْعِمَ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةٍ، أَوْ يُهْدِيَ شَاةً، أَوْ يَصُومَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

۱۸۱۸. وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَآهُ وَقَمْلُهُ يَسْقُطُ عَلَى وَجْهِهِ»: مِثْلَهُ

ترجمہ: باب، قربانی سے مراد بکری ہے۔

حضرت کعب بن عجرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے چہرے پر (جوں) گر رہی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ کیا تمہاری جوں تمہیں تکلیف دے رہی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں، تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ سر منڈالیں (یہ اس وقت کی بات ہے) جب کہ آپ حدیبیہ میں تھے اور لوگوں کو معلوم نہیں ہوا تھا کہ وہ حدیبیہ ہی میں رہ جائیں گے نیز وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے مشتاق تھے تو اللہ تعالیٰ نے فدیہ کا حکم نازل فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ چھ مسکینوں کے درمیان تین صاع اناج تقسیم کریں یا ایک بکری قربان کریں یا تین دن کے روزے رکھیں، ایک دیگر طریق سے بھی یہی مضمون وارد ہوا ہے اور اس میں قمل یعنی جوں کے لفظ کی تصریح ہے جو کہ سابقہ روایت میں نہیں تھی۔

تشریح: چونکہ فدیۃ الاذیٰ میں تین چیزیں مذکور تھیں، صیام، صدقہ اور نسک، صیام و صدقہ کا تو بیان ہو چکا اور نسک رہ گیا، لہٰذا اب مصنف فرماتے ہیں کہ نسک کا ادنیٰ درجہ شاۃ ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کما قالہ ابن عبدالبر و القاضی عیاض۔

مصنف نے اس کے اثبات کے لئے بھی کعب بن عجرہؓ کی روایت پیش کی ہے اس میں ہے أَوْ يُهْدِي شَاةً لیکن ابوداؤد شریف میں حضرت کعبؓ ہی کی روایت میں شاۃ کے بجائے یھدی بقرۃ کا لفظ وارد ہوا ہے، یہ لفظ محدثانہ حیثیت سے معلول ہے ثابت نہیں ہے۔

(ص ۲۴۴) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَلَا رَفَثَ﴾

۱۸۱۹. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ، فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ

ترجمہ: باب، اللہ تعالیٰ کے قول ﴿فَلَا رَفَثَ﴾ کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اس گھر کا حج کیا اس طرح کہ نہ تو شہوت کی گفتگو کی اور نہ ہی گناہ کیا تو وہ ایسا واپس ہوگا جیسا اس کی ماں نے اس کو جنا تھا، اور آئندہ باب کی روایت میں یہ ہے کہ وہ اس دن کی طرح ہو کر لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

تشریح: حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ امام بخاری نے یہاں ابواب فدیہ میں اس کا ترجمہ منعقد کیا ہے، اس ترجمہ کو ابواب فدیہ کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ مصنف نے یہ بتلا دیا کہ ارتکاب افعال پر فدیہ واجب ہوتا ہے، محض قولی لغزشوں پر فدیہ واجب نہیں ہوتا ہے لہٰذا کوئی آدمی رفث وفسوق وجدال کرے تو موجب فدیہ نہ ہوگا۔

امام بخاری نے رفث کے لئے مستقل ترجمہ منعقد کیا اور آیت ذکر فرمائی اور پھر روایت ذکر فرمائی، اس لئے کہ جیسے آیت میں رفث کی ممانعت مصرح ہے ایسے ہی روایت میں بھی رفث کی نفی مصرح ہے۔

اور فسوق وجدال دونوں کے لئے امام بخاری نے ترجمہ ایک ساتھ ذکر فرمایا مگر روایت جو ذکر کی ہے اس میں صرف فسوق کی نفی مذکور ہے جدال کی نفی نہیں، غالباً مصنف نے اسی لئے فسوق وجدال کو الگ الگ تراجم میں ذکر نہیں فرمایا کہ فسوق کی تو روایت ہے اور جدال کی صریح کوئی روایت نہیں، اور بہت ممکن ہے کہ مصنف نے لم یفسق ہی سے جدال کو ثابت کیا ہو اس واسطے کہ یہی فسوق یعنی گالی گلوچ، جدال تک منتہی ہو جایا کرتا ہے۔

فَلَمْ يَرْفُثْ: فاء پر تینوں حرکات جائز ہیں، ضمہ مشہور ہے، رفث لغو کلام کو کہتے ہیں، وقیل الرفث ذکر الجماع بحضرۃ النساء۔

(ص ۲۴۵) بَابُ قَوْلِ اللهِ: ﴿وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾

۱۸۲۰. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ حَجَّ هَذَا الْبَيْتَ، فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»

ترجمہ: باب، اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ کا بیان۔

حدیث کا ترجمہ باب گزشتہ میں گزر چکا ہے۔

تشریح: یہ آگیا وہ ترجمہ، اس کے متعلق کلام ہو چکا۔

(کتاب جزاء الصید)

(ص ۲۴۵) بَابُ جَزَاءِ الصَّیْدِ وَنَحْوِهِ وَقَوْلِ اللهِ تَعَالٰی

﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْکُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْکُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْکُمْ هَدْیًا بَالِغَ الْکَعْبَةِ أَوْ کَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاکِینَ أَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا﴾ إلی قوله ﴿وَاللهُ عَزِیزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾، ﴿أُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَکُمْ﴾ إلی قوله ﴿إِلَیْهِ تُحْشَرُونَ﴾

ترجمہ: باب، شکار وغیرہ کی جزا کا بیان، اور اللہ تعالیٰ کے اس قول لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ الآیۃ کا بیان کہ جب تم محرم ہو تو شکار نہ کرو اور تم میں سے جو بھی جان بوجھ کر شکار کرے گا اس پر جزا واجب ہوگی اس شکار کے مثل جو اس نے قتل کیا ہے مویشی میں سے، اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کریں گے، اس طرح کہ وہ ہدی کعبہ شریف کو پہنچنے والی ہو، یا کفارہ واجب ہوگا چند مسکینوں کو کھانا کھلانا یا اس کے برابر روزے واجب ہوں گے تا کہ وہ اپنے کئے کا مزہ چکھے، اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا جو پہلے ہوا اور جو دوبارہ کرے گا اس سے اللہ بدلہ لے گا اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور انتقام لینے والا ہے، تمہارے لئے دریا کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا تمہارے فائدے کے لئے اور دیگر مسافروں کے فائدے کے لئے اور خشکی کا شکار تمہارے اوپر حرام کیا گیا جب تک کہ تم محرم ہو اور اس اللہ سے ڈرو جس کی بارگاہ میں تم کو جمع کیا جائے گا۔

تشریح: امام بخاری نے ماقبل میں فدیۃ الاذیٰ کو بیان فرمایا تھا، اب یہاں سے جزاء صید کو بیان کر رہے ہیں، دونوں کی مناسبت ظاہر ہے۔

صید معنی مصدری اور حاصل بالمصدر دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، یوں کہئے کہ صید مصدر اور اسم مفعول دونوں معنوں میں آتا ہے۔

بحری شکار کرنا بالاتفاق جائز ہے اور قرآن پاک میں منصوص ہے أُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَکُمْ اور برّی شکار سے حق تعالیٰ نے منع کیا ہے اور ارشاد فرمایا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ۔

جزاء عامد پر ہے یا ناسی پر یا دونوں پر؟ اس میں اختلاف ہے کہ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْکُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ میں

بری شکار پر جو جزاء واجب ہو گی کس پر واجب ہو گی؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔

(۱) ظاہریہ، ابو ثور، ابن منذر اور امام احمد ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ جزاء عامد پر ہے اس لئے کہ قرآن میں مُتَعَمِّدًا ہی کا ذکر ہے ناسی پر نہیں، (۲) اس کے بر خلاف حسن بصری اور مجاہد کہتے ہیں کہ جزاء ناسی پر ہے، جو خطاءً قتل کر دے اور عامد پر جزاء نہیں بلکہ اس پر تو نقمت ہے، علامہ موفق صاحب مغنی کہتے ہیں کہ کوئی بھی وجوب جزاء علی العامد کا سوائے ان دونوں کے منکر نہیں ہے، (۳) جمہور علماء جن میں ائمۂ اربعہ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ عامد وناسی سب پر جزاء واجب ہو گی۔

اور مُتَعَمِّدًا کی قید کے دو جواب دیتے ہیں، ۱۔ یہ تقبیح فی الفعل کے واسطے ہے یعنی مسلمان کے لئے بہت بعید ہے کہ بحالت احرام حرم میں قصداً شکار کرے، ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ جزاء تو جزاء المحل ہے اور جب حرم محل محترم ہے تو اس کے انتہاک (بے حرمتی) کرنے کی وجہ سے ہر شخص پر جزاء ہو گی، چاہے عمداً انتہاک ہوا ہو یا سہواً، اسی طرح یہ جزاء جنایت علی الاحرام کی وجہ سے واجب ہوتی ہے، اب محرم سے چاہے عمداً فعل اور جنایت صادر ہو اور چاہے سہواً، بہر حال اس پر جزاء واجب ہو گی۔

آیا جزاء مثلِ صوری ہو گی یا مثلِ معنوی؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، (۱) حضرات ائمۂ ثلاثہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ چیزوں کا مثل صوری ممکن ہو تو جزاءِ صوری واجب ہو گی اور وہ مثل حکمین متعین کریں گے، (۲) امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جزاءِ معنوی مراد ہے یعنی قیمت واجب ہو گی، اس لئے کہ صورت میں تو اختلاف ہو تا رہتا ہے اور قیمت ایک ایسی چیز ہے جس میں قدرِ قلیل اختلاف ہو تا ہے، عام طور سے فیصلہ کرنے والے اور قیمت لگانے والے ایک جگہ پر جا کر منتہی ہو جایا کرتے ہیں۔

اصل میں مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ میں اختلاف ہے کہ من النعم؛ ماقتل کا بیان ہے یا جزاء کا بیان ہے؟ اگر یہ ماقتل کا بیان ہے تب تو ابو یوسف اور ان کے استاذ کا قول ارجح معلوم ہو تا ہے، اور اگر یہ جزاء کا بیان ہے تو پھر اس صورت میں جمہور کا قول اقویٰ معلوم ہو تا ہے، اور قربِ ذکر جمہور ہی کی تائید کر تا ہے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ دو عادل آدمی فیصلہ کریں گے۔

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ: کعبہ پہنچنے سے کیا مراد ہے؟ امام مالک فرماتے ہیں کہ منیٰ ومکہ میں اس کو ذبح کیا

جائے، شافعی وابو حنیفہ کہتے ہیں کہ حدود حرم میں کہیں بھی ذبح کیا جائے۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا، یعنی ان چیزوں میں اختیار ہوگا، یہی حضرات ائمہ ثلاثہ کا مسلک اور امام احمد بن حنبلؒ کا فی اظہر القولین مذہب ہے، ان سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ ترتیب واجب ہے جیسا کہ آیت میں مذکور ہے، اور ایک روایت ان کی یہ بھی ہے لا إطعام فی الکفارۃ غالبا، مطلب یہ ہے کہ وہ اطعام کو بالکل آخری درجہ دیتے ہیں۔

ان تین چیزوں کی تعیین میں اختلاف ہو تو اختیار قاتل صید کو ہوگا یا حکمین کو؟

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، حضرات جمہور کہتے ہیں کہ قاتل صید کو اختیار ہوگا، امام محمد بن حسن شیبانی کہتے ہیں کہ اختیار حکمین کو ہوگا۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے قاتل صید پر ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک چیز واجب قرار دی ہے لہذا قاتل صید ہی کو اختیار ہوگا کہ جو چاہے دیدے، امام محمد کہتے ہیں کہ اللہ نے اختیار حکمین کو دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ الی آخرہ تو حکمین کا بیان معتبر ہوگا، ہم نے جو مسلک یہاں نقل کیا ہے یعنی اختیار کس کو ہوگا یہی صحیح ہے اور حاشیہ میں جو مذہب نقل کر دیا گیا ہے یہ منعکس ہے صحیح نہیں ہے۔

(ص ۲۴۵) بَابٌ وَإِذَا صَادَ الْحَلَالُ، فَأَهْدَى لِلْمُحْرِمِ الصَّيْدَ أَكَلَهُ

وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَأَنَسٌ بِالذَّبْحِ بَأْسًا وَهُوَ غَيْرُ الصَّيْدِ نَحْوُ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ وَالْبَقَرِ وَالدَّجَاجِ وَالْخَيْلِ، يُقَالُ ﴿عَدْلُ﴾ مِثْلُ، فَإِذَا كَسَرْتَ قُلْتَ عِدْلٌ فَهُوَ زِنَةُ ذَلِكَ، ﴿قِيَامًا﴾ قِوَامًا، يَعْدِلُونَ يَجْعَلُونَ لَهُ عَدْلًا

١٨٢١. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ: «انْطَلَقَ أَبِي عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، فَأَحْرَمَ أَصْحَابُهُ وَلَمْ يُحْرِمْ، وَحُدِّثَ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّ عَدُوًّا يَغْزُوهُ فَانْطَلَقَ النَّبِيُّ ﷺ، فَبَيْنَمَا أَنَا مَعَ أَصْحَابِهِ تَضَحَّكَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا أَنَا بِحِمَارٍ وَحْشٍ، فَحَمَلْتُ عَلَيْهِ فَطَعَنْتُهُ فَأَثْبَتُّهُ، وَاسْتَعَنْتُ بِهِمْ فَأَبَوْا أَنْ يُعِينُونِي، فَأَكَلْنَا مِنْ لَحْمِهِ، وَخَشِينَا أَنْ نُقْتَطَعَ، فَطَلَبْتُ النَّبِيَّ ﷺ، أُرَفِّعُ فَرَسِي شَأْوًا وَأَسِيرُ شَأْوًا، فَلَقِيتُ رَجُلًا مِنْ بَنِي غِفَارٍ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ، قُلْتُ: أَيْنَ تَرَكْتَ النَّبِيَّ ﷺ؟ قَالَ: تَرَكْتُهُ

بِتِعْهِنَ، وَهُوَ قَايِلٌ السُّقْيَا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَهْلَكَ يَقْرَؤُونَ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَرَحْمَةَ اللهِ، إِنَّهُمْ قَدْ خَشُوا أَنْ يُقْتَطَعُوا دُونَكَ فَانْتَظِرْهُمْ. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَصَبْتُ حِمَارَ وَحْشٍ، وَعِنْدِي مِنْهُ فَاضِلَةٌ؟ فَقَالَ لِلْقَوْمِ: كُلُوا، وَهُمْ مُحْرِمُونَ

ترجمہ: باب، جب حلال شخص شکار کرے اور محرم کو اس شکار کا ہدیہ پیش کرے تو محرم اس کو کھا سکتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ نے ذبح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جب کہ وہ مذبوح جانور شکار نہ ہو، جیسے اونٹ، بکری، مرغی اور گھوڑے، عَدَلُ (عین کے فتحہ کے ساتھ) مثل کے معنیٰ میں بولا جاتا ہے، اور جب اس کو کسرہ دیا جائے اور عِدْلٌ پڑھا جائے تو ہم وزن کے معنیٰ میں ہوگا، قِیَامًا قوام کے معنیٰ میں ہے یعنی دار و مدار، یَعْدِلُونَ کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ بتوں کو اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں۔

عبداللہ بن ابی قتادہ نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے سال میرے والد چلے، آپ کے صحابہ نے احرام باندھا اور انہوں نے احرام نہیں باندھا، حضور ﷺ کو خبر دی گئی کہ کوئی دشمن جنگ پر آمادہ ہے پیغمبر ﷺ آگے کی طرف بڑھ گئے، قتادہ کہتے ہیں کہ جس وقت میں آپ کے صحابہ کے ساتھ تھا اس وقت میں نے دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر ہنس رہے ہیں میں نے دیکھا تو ایک گورخر میرے سامنے تھا میں نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا اس کو نیزہ مارا اور اس کو اسی جگہ ڈھیر (بے حس و حرکت) کر دیا پھر میں نے ان سے مدد مانگی انہوں نے میری مدد کرنے سے انکار کر دیا پھر ہم نے اس کے گوشت میں کھایا ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں ہم الگ نہ ہو جائیں تو میں نے پیغمبر ﷺ کو تلاش کیا اس حال میں کہ میں کبھی اپنے گھوڑے کو تیز دوڑا رہا تھا اور کبھی معمول کی چال سے چل رہا تھا (شَأْوًا کے معنیٰ تارۃً یعنی کبھی کے ہیں: فتح الباری) تو میں نے رات کی تاریکی میں بنو غفار کے ایک شخص سے ملاقات کی میں نے کہا کہ تم نے پیغمبر ﷺ کو کہاں چھوڑا؟ اس نے کہا کہ میں نے آپ کو تعہن میں چھوڑا اور آپ سُقیا میں قیلولہ فرمائیں گے، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے صحابہ نے آپ کو سلام کہا ہے اور ان کو اندیشہ ہو رہا ہے کہ وہ آپ سے جدا نہ ہو جائیں، آپ ان کا انتظار فرمالیں، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک گورخر کا شکار کیا اور اس کا بچا ہوا گوشت میرے پاس ہے آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ کھاؤ حالانکہ وہ محرم تھے۔

تشریح: امام بخاری نے پہلے یہ مسئلہ بیان فرمایا تھا کہ مُحرم کے لئے بذات خود شکار کرنا ناجائز ہے، اب یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر حلال آدمی شکار کر کے مُحرم کو ہدیہ کر دے تو وہ کھا سکتا ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کے تین قول ہیں، (۱) بعض سلف جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت علیؓ کی رائے یہ ہے کہ مُحرم کو شکار کھانا مطلقاً جائز نہیں ہے، (۲) حضرات ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ

محرم کو شکار کھانا جائز نہیں ہے بشرطیکہ اس نے خود کیا ہو یا اس کی نیت سے شکار کیا گیا ہو، (۳) حضرات حنفیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محرم کو شکار کھانا اس وقت جائز نہیں جب خود کیا ہو یا شکار میں اعانت کی ہو، اور اگر کسی نے اس کی نیت سے شکار کر کے ہدیہ کر دیا تو اس کا کھانا جائز ہے۔

فریق اول کی دلیل حضرت صعب بن جثامہ لیثیؓ کی روایت ہے انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حمار وحشی پیش کیا تو آپ نے اس کو واپس کر دیا اور فرمایا إنا لم نرده عليك إلا أنا حرم۔

اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر محرم کی نیت سے شکار کیا گیا ہو تو وہ بھی ناجائز ہے وہ حضرت جابرؓ کی حدیث صيد البر لكم حلال مالم تصيدوه أو يصاد لكم سے استدلال کرتے ہیں جو ابوداؤد و ترمذی وغیرہ حضرات نے اپنی کتابوں میں تخریج فرمائی ہے۔

حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو قتادہؓ نے تنہا گورخر حمار وحشی کا شکار کیا تھا اور یہ ظاہر بات ہے کہ وہ اپنے رفقاء کے ساتھ تھے تو تنہا اپنے واسطے کیا شکار کریں گے اور اپنی ہی تنہا کیا نیت رکھیں گے؟ ظاہر ہے کہ اس میں اپنے ساتھیوں کی بھی نیت کی ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر محرم کی نیت سے شکار ہو تو بھی جائز ہے، اور مزید اس حدیث میں دلیل یہ ہے کہ جب صحابۂ کرام کو اس گورخر کے کھانے میں تأمل و تردد ہوا تو انہوں نے حضور پاک ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، آنحضور ﷺ نے حضرات صحابۂ کرام سے یہ سوال فرمایا کہ آیا تم لوگوں نے اعانت کی تھی مدد کی تھی، اشارہ کیا تھا یا نہیں؟ صحابۂ کرام نے صاف کہہ دیا کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا تھا، اس حدیث کے بعض الفاظ میں ہے قَالَ: مِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا، قَالُوا: لَا، قَالَ: فَكُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا جو باقی رہ گیا ہے وہ تم لوگ کھا سکتے ہو، حضور اکرم ﷺ نے ابو قتادہؓ سے یہ نہیں پوچھا کہ تم نے اپنے رفقاء کی نیت کی تھی یا نہیں؟ اس لئے کہ یہ بدیہی چیز ہے کہ جب ابو قتادہؓ اپنے ہم سفر ساتھیوں کے ساتھ تھے تو تنہا اپنی نیت تو کیا کرتے؟ اپنے رفقاء کو بھی اس میں یقیناً شامل کیا ہوگا۔

رہ گئی حضرت جابرؓ کی روایت، اس کا بعض علماء نے جواب دیا ہے أو يصاد لكم کا مطلب ہے إلا أن يصاد لكم مگر میرے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں اس لئے کہ اس حدیث کے لفظ میں رواۃ کا اختلاف ہے، بعض تو أو يصاد لكم نقل کرتے ہیں اور بہت سے أو يُصَد لكم نقل کرتے ہیں، اور أو يُصَد لكم میں یہ تاویل چل نہیں سکتی، اس

لئے اگر اس کا کوئی جواب ہو سکتا ہے تو بس یہی کہ ابو قتادہؓ کی روایت متفق علیہ ہے لہذا اس کو حضرت جابرؓ کی روایت پر ترجیح حاصل ہو گی۔

اور ابو قتادہؓ اور صعب بن جثامہؓ کی روایت کا تعارض؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت صعب بن جثامہؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حمار وحشی زندہ پیش کیا تھا جیسا کہ حضرت امام مالک، امام بخاری، ترمذی وغیرہ حضرات کی رائے ہے اور امام مالک کی روایت میں حمارا وحشیا کا لفظ اسی بات کی طرف مشیر ہے۔

قاضی ابن عربی اور حضرت گنگوہی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

بعض علماء نے جمع کیا ہے کہ ممکن ہے اولاً مکمل حمار پیش کیا ہو پھر اس کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر پیش کیا ہو اور حضور ﷺ نے اس کو رد کر دیا ہو، اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو پھر جمہور ہی کا قول اقویٰ ہو گا اس لئے کہ آنحضور ﷺ کا حمار مذبوح کے ٹکڑے کو بھی واپس کر دینا سوائے اس کے اور کس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ آپ محرم تھے، اور محرم کی نیت سے وہ شکار ہوا اور اس کے کھانے کی محرم کو گنجائش نہیں ہے، بہر حال اگر ابن عیینہ کی روایت مرجوح ہے تب تو حنفیہ کا قول ارجح ہے اور اگر ابن عیینہ کی روایت راجح ہے تو پھر ائمہ ثلاثہ کا قول ارجح ہے۔

وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَأَنَسٌ بِالذَّبْحِ بَأْسًا: ذبح بمعنی المذبوح اور مراد وہ جانور ہے جو اہلی ہوتے ہیں اور ذبح کئے جاتے ہیں یعنی محرم اگر کوئی اہلی جانور ذبح کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وَالْخَيْلِ: لحوم خیل کا مسئلہ مختلف فیہا ہے، جمہور جواز کے قائل ہیں، حنفیہ اور مالکیہ اس کو ناجائز کہتے ہیں، پھر مالکیہ کا مشہور قول حرمت کا ہے، حنفیہ کے یہاں دونوں قول ہیں، بعض تحریم کے قائل ہیں اور ابو بکر رازی کراہت تنزیہی کے قائل ہیں، اور بعضوں نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا رجوع نقل کیا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ یہی صواب ہے۔

فَإِذَا كُسِرَتْ قُلْتَ عِدْلٌ فَهُوَ زِنَةُ ذَلِكَ: یعنی عَدل؛ مثل کے معنی میں آتا ہے، اور عِدل؛ وزن کے معنی میں، ہم وزن اور برابر ہونے کے معنی میں آتا ہے۔

انْطَلَقَ أَبِي عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، فَأَحْرَمَ أَصْحَابُهُ وَلَمْ يُحْرِمْ: حضور اکرم ﷺ حدیبیہ کے سال تشریف لے چلے صحابہ نے احرام باندھ لیا لیکن ابو قتادہؓ نے احرام نہیں باندھا۔

حضرت ابو قتادہؓ نے احرام کیوں نہیں باندھا؟ یہ حدیث مشکلات میں شمار کی جاتی ہے اس لئے کہ میقات سے نسک کے لئے بلا احرام کے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے، بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ (۱) اس وقت تک توقیتِ میقات نہیں ہوئی تھی، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ مواقیت کی توقیت حجۃ الوداع کے سال ہوئی ہے، (۲) لیکن امام احمد کے تلمیذ امام اثرم کو یہ اشکال پیش آیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کو بہت مشکل شمار کیا، پھر خود اس کا ایک جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل میں حضرت ابو قتادہؓ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نہیں نکلے تھے بلکہ ابو قتادہؓ کو حضور اکرم ﷺ نے صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا تھا اور اس کے بعد حضور پاک ﷺ اور آپ کے رفقاء احرام باندھ کر چل پڑے کذا رواہ الطحاوی وابن حبان والبزار وغیرھم۔

ابو قتادہؓ جب واپس ہوئے تو سرکار دو عالم ﷺ سے غالباً مقام روحاء میں ملے، حضور اکرم ﷺ کو یہ بتلایا گیا کہ کوئی دشمن مقام غیقہ میں تیاری میں مشغول ہے، آنحضور ﷺ نے تحقیق حال کے لئے ابو قتادہؓ کو مع ان کے رفقاء کے روانہ کر دیا، یہ چلے گئے اور آنحضور ﷺ آگے چل پڑے، جب ابو قتادہؓ وغیرہ واپس ہوئے تو مقام قاحہ میں ان لوگوں کو ایک حمار وحشی نظر آیا اور وہیں پر حمار وحشی کے شکار کا قصہ پیش آیا اس کے بعد وہاں سے شکار کرکے یہ لوگ آگے چلے، حضور ﷺ سُقیا میں قیلولہ کرنے کا ارادہ فرما رہے تھے وہیں پر سوال وجواب کا قصہ پیش آیا۔

تو اصل میں چونکہ ابو قتادہؓ پہلے ہی نکل پڑے تھے اور انہیں ارادۂ عمرہ معلوم نہیں تھا اس لئے انہوں نے احرام باندھا ہی نہیں اور اسی حال میں چلتے رہے تا آنکہ حضور اکرم ﷺ سے مقام سُقیا میں جا کر ملاقات ہوئی۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو قتادہؓ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ چلے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح روایات میں تھوڑا سا تجوّز ہو جایا کرتا ہے اگرچہ خَرَجَ کا لفظ وارد ہوا ہے لیکن مطلب یہ ہے کہ سفر میں شرکت ہو گئی تھی۔

وَحُدِّثَ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّ عَدُوًّا يَغْزُوهُ: نبی کریم ﷺ کو یہ بتایا گیا کہ ایک دشمن آپ کا قصد کر رہا ہے وہ دشمن مقام غیقہ میں تھا جیسا کہ اطلاع دی گئی تھی حضور اکرم ﷺ چلنے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ تھا۔

یَضحَکُ بَعضُھُم إِلَی بَعضٍ: بعض بعض کو دیکھ کر ہنس رہا تھا، مسلم شریف میں واقع ہوا ہے فَجَعَلَ بَعضُھُم یَضحَکُ إِلَيَّ، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہاں سقوط واقع ہو گیا ہے اصل لفظ تھا یَضحَکُ بَعضُھُم إِلَی بَعضٍ ہے، اگر فَجَعَلَ بَعضُھُم یَضحَکُ إِلَيَّ ہو تو یہ عین اشارہ بن جائے گا، امام نووی فرماتے ہیں کہ ضحک تھوڑے اشارہ ہوتا ہے؟ دونوں روایتیں صحیح ہیں، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے قاضی عیاض کی موافقت کی ہے، اس لئے کہ ایک ہے آپس میں ہنسنا اور ایک ہے کسی کی طرف رخ کر کے ہنسنا، دونوں میں فرق ہے، پہلی صورت تو واقعۃً اشارہ نہیں بنتی ہے اور دوسری صورت اشارہ بنا کرتی ہے۔

فَنَظَرتُ: میں نے دیکھا تو ایک وحشی گدھا یعنی گورخر تھا میں نے اس پر حملہ کیا اور وہیں اس کو گھایل کر دیا۔

وَاستَعَنتُ بِھِم فَأَبَوا أَن یُعِینُونِي: استعانت سے مراد یہ ہے کہ ان کا کوڑا گر گیا تھا انہوں نے مانگا کسی نے کوڑا نہیں دیا، یہ ناراض ہوئے خود اتر کر اپنا کوڑا اٹھایا اور گھوڑے پر سوار ہوئے۔

وَخَشِینَا أَن نُقتَطَعَ: ہمیں یہ خطرہ ہوا کہ کہیں ہم حضور ﷺ سے کٹ نہ جائیں، یعنی آپ بالکل آگے چلے جائیں اور ہم پیچھے رہ جائیں، یا کوئی دشمن ہمارے اور آپ کے درمیان حائل ہو جائے، میں نے نبی کریم ﷺ کو تلاش کیا اپنے گھوڑے کو دوڑاتا تھا ایک شوط اور چلاتا تھا ایک شوط، یہی طریقہ ہے گھوڑے کو ایک دم سرپٹ نہیں دوڑاتے ہیں، دوڑا دیا، وہ ایک چال میں جتنا دوڑ سکا دوڑا پھر تھوڑی دیر اس کو سانس لینے کا موقع دیا جاتا ہے آہستہ آہستہ چلتا ہے۔

فَلَقِیتُ رَجُلًا مِن بَنِي غِفَارٍ: بنو غفار کے ایک شخص سے رات میں ملاقات ہوئی، میں نے کہا کہ تو نے نبی کریم ﷺ کو کہاں چھوڑا؟ اس نے کہا کہ مقام تعہن میں چھوڑا ہے۔

یہ تِعهن، تَعِهن اور تُعهن سب جائز ہے، یہ مقام کہاں پر آیا ہے؟ امام مجد الدین فیروزآبادی صاحب قاموس کہتے ہیں کہ یہ قاحہ اور سُقیا کے بیچ میں ہے، پہلے قاحہ ہے پھر تعہن ہے اور پھر سقیا ہے، بخاری کی روایت سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

وَھُوَ قَایِلٌ السُّقیَا: اور قیلولہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں سقیا میں، قایل قیلولہ سے ماخوذ ہے، بعض

روایات میں ہے قابل السقیا اور وہ مقابل میں ہے سقیا کے، اگر قابل کا لفظ ہو تو اس صورت میں توجیہ ممکن ہو جائے گی اور یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے تعہن میں پایا تھا اور تعہن سقیا کے مقابل میں ہے یعنی اس سے آگے ہے۔

نوٹ از مرتب: ۱۹۸۲ کے درس میں وَھُوَ قَایِلٌ السُّقْیَا پر تین سطر کی ہی تشریح ہے، بعد میں حضرۃ الاستاذ نے اس پر مکمل تحقیق فرمائی تو ۱۹۹۶ کے درس میں اس پر مفصل بیان فرمایا جس کو مولانا رشید احمد بن مولانا ہاشم پٹیل جو گواڑی صاحب نے نقل کیا ہے، وہیں سے ہم اگلی تشریح ذکر کر رہے ہیں۔

غور سے سنو! اسی طرح بخاری شریف میں وَھُوَ قَایِلٌ سُقْیَا واقع ہوا ہے، اس لفظ کی حقیقت کیا ہے؟

امام نووی نے لکھا ہے کہ اس میں دو روایتیں ہیں، ۱۔ قَائِلٌ بالکسرۃ والھمزۃ، ۲۔ قَابِلٌ بالباء المکسورۃ۔

پھر اس کے بعد قَائِلٌ کی روایت کو امام نووی نے راجح قرار دیا ہے اور اکثر حضرات اسی کی ترجیح کی طرف مائل ہیں یہی حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے ہے۔

اس سے کیا مراد ہے؟ یہ قَائِلٌ قول بمعنی الکلام سے ہے یا کسی قول سے ماخوذ ہے جو کلام کے علاوہ کسی اور معنی میں مستعمل ہوا ہے؟ اس میں دونوں قول ہیں۔

۱۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ قول بمعنی الکلام سے ماخوذ ہے اور کہتے ہیں کہ السقیا منصوب ہے اور فعل محذوف کا مفعول ہے، تقدیر عبارت ہے وَھُوَ یَقُولُ لِأَصْحَابِہِ اقْصِدُوا السُّقْیَا، حافظ ابن حجر نے اس معنی کو غریب قرار دیا اور کہتے ہیں کہ دوسری روایت میں وَھُوَ قَائِمٌ بِالسُّقْیَا ہے أخرجہ الإسماعیلی جو اس معنی کی تردید کرتا ہے، ۲۔ حافظ ابو موسیٰ المدینی فرماتے ہیں کہ یہ قول سے ہی ماخوذ ہے لیکن کلام کے معنی میں نہیں ہے مگر آگے اس کی کوئی تشریح نہیں کی، ۳۔ حافظ ابن اثیر جزری فرماتے ہیں کہ یہاں قَائِلٌ کے معنی قائم کے ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سقیا میں ہوں گے یہ معنی انہوں نے احتمال کے درجہ میں ذکر کئے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ قَائِلٌ من القیلولۃ ہے، امام نووی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے اور ابن اثیر جزری نے احتمال کے طور پر ذکر کیا ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ وَھُوَ یَقِیلُ بِالسُّقْیَا یا یکون عند القائلۃ بالسقیا۔

اب رہ جاتی ہے دوسری روایت قابل بالباء الموحدة، امام نووی فرماتے ہیں وھو ضعیف غریب و کأنه تصحیف، وإنْ صَحّ فَمَعْنَاهُ أَنَّ تِعْهِنَ مَوْضِعٌ مُقَابِلٌ لِلسُّقْيَا، حافظ کہتے ہیں کہ اگر قائل بالہمزۃ ہو تو ھو کی ضمیر حضور ﷺ کی طرف عائد ہے اور اگر قابل بالباء ہو تو ھو کی ضمیر تعھن کی طرف عائد ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تو بالکل واضح بات ہے، حافظ کہتے ہیں وَلَا شَكَّ أَنَّ الْأَوَّلَ أَصْوَبُ وَأَكْثَرُ فَائِدَةً یعنی ھو کی ضمیر حضور کی طرف عائد ہے اور یہ قائل قیلولہ سے ماخوذ ہے۔

لیکن میرے نزدیک وہی روایت راجح ہے جن کو ان اکابر نے مرجوح ضعیف اور تصحیف قرار دیا ہے یعنی صواب قابل بالباء الموحدة ہے اور معنی یہ ہے کہ تعھن سقیا کے بالکل بالمقابل ہے، یعنی بس سقیا کے بعد تعھن آنے والا ہے، اور اس کی دو وجہ ترجیح ہے۔

پہلی وجہ ترجیح روایتی حیثیت سے ہے کہ اس روایت میں مسند احمد میں واقع ہوا ہے تَرَكْتُهُ وَهُوَ بِتِعْهِنَ: وَهُوَ مِمَّا يَلِي السُّقْيَا، والروایة یفسّر بعضها بعضًا، اس دوسری روایت سے معلوم ہو گیا کہ پہلی روایت میں لفظ قابل ہے یعنی وہ سقیا کے مقابل ہے اس کے سامنے ہے اور یہی وَهُوَ مِمَّا يَلِي السُّقْيَا کے معنی ہے۔

دوسری وجہ ترجیح جغرافیائی حیثیت سے ہے اور وہ یہ ہے کہ جب آدمی مدینہ سے مکہ روانہ ہوتا ہے تو پہلے قاحة آتا ہے اس کے ایک میل کے بعد سقیا ہے اس کے تین میل کے بعد تعھن، دیکھئے! ابو قتادہؓ نے غفاری سے پوچھا أَيْنَ تَرَكْتَ النَّبِيَّ ﷺ؟ قَالَ: تَرَكْتُهُ بِتِعْهِنَ، وَهُوَ قَابِلُ السُّقْيَا میں نے تعھن میں چھوڑا ہے اور وہ جگہ سقیا کے مقابل میں ہے، یہ معنی آپ لیں گے تو عبارت بالکل بے غبار ہو جائے گی۔

اور اگر اس کو قیلولہ سے لیا جائے تو یہ قصہ رات میں پیش آیا، صحابی نے یہ فرمایا میں نے حضور کو تعھن میں دیکھا اور سقیا میں آپ قیلولہ کریں گے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ تعھن اور سقیا میں خاصا فاصلہ ہے جو آپ رات بھر چلتے رہیں گے حتی کہ قیلولہ کے وقت آپ سقیا میں پہونچیں گے حالانکہ تعھن اور سقیا میں کل تین میل کا فاصلہ ہے، تین میل کی مسافت قطع کرنے کے لئے اتنی لمبی مدت درکار نہیں جس میں رات بھی خرچ ہو جائے اور صبح کا خاصا حصہ خرچ ہو جائے حتی آدمی قیلولہ کے وقت سقیا میں پہونچے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر شراح کی بات مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہے کہ تعہن پہلے ہے اور سقیا بعد میں ہے، حضور کو میں نے تعہن میں چھوڑا تھا آپ سقیا میں قیلولہ کرنے والے ہیں یعنی آگے جائیں گے سقیا پہونچیں گے وہاں قیلولہ کریں گے، حالانکہ جغرافیائی حیثیت سے یہ بات ثابت ہے کہ پہلے قاحۃ ہے پھر ایک میل پر سقیا ہے اور پھر تین میل پر تعہن ہے اور حضور تعہن پہونچ چکے تھے تو کیا الٹے لوٹ کر سقیا تشریف لائیں گے؟

اس لئے صحیح یہ ہے کہ یہ قابل بالباء الموحدۃ ہے لیکن ان حضرات نے بہت زیادہ تحقیق نہیں کی اس لئے روایت میں تصحیف کر ڈالی اور قابل بالباء کو قائل بالہمزۃ بنادیا اور اس کی شرح اپنی اپنی فہم کے اعتبار سے کرنے لگے، کسی نے قول بمعنی الکلام سے ماخوذ مانا، کسی نے قول بمعنی غیر الکلام سے ماخوذ مانا، کسی نے قیلولہ سے ماخوذ مانا، غرضکہ یہ سب کے سب شراح متقدمین کی ساری تشریحات غلط ہیں، صحیح وہ ہے جو ہم نے بیان کیا اور دلائل کے ذریعہ اس کو ثابت کیا ہے، ہم خواہ مخواہ کے لئے شراح کی مخالفت نہیں کرتے ہیں۔

فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ: یارسول اللہ! آپ کے صحابہ آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور انہیں خطرہ ہے کہ کہیں آپ سے کٹ نہ جائیں، انتظار فرمالیجئے اور پھر عرض کیا یارسول اللہ! مجھے ایک حمار وحشی ملا اور میرے پاس کچھ بچا ہوا ہے آپ نے فرمایا قوم سے کہ کھاؤ حالانکہ وہ محرم تھے۔

(ص ۲۴۵) بَابُ إِذَا رَأَى الْمُحْرِمُونَ صَيْدًا فَضَحِكُوا، فَفَطِنَ الْحَلَالُ

۱۸۲۲۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ: أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ قَالَ: «انْطَلَقْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، فَأَحْرَمَ أَصْحَابُهُ وَلَمْ أُحْرِمْ، فَأُنْبِئْنَا بِعَدُوٍّ بِغَيْقَةَ، فَتَوَجَّهْنَا نَحْوَهُمْ، فَبَصُرَ أَصْحَابِي بِحِمَارِ وَحْشٍ، فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَضْحَكُ إِلَى بَعْضٍ، فَنَظَرْتُ فَرَأَيْتُهُ، فَحَمَلْتُ عَلَيْهِ الْفَرَسَ فَطَعَنْتُهُ فَأَثْبَتُّهُ، فَاسْتَعَنْتُهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُعِينُونِي، فَأَكَلْنَا مِنْهُ، ثُمَّ لَحِقْتُ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ، وَخَشِينَا أَنْ نُقْتَطَعَ، أُرَفِّعُ فَرَسِي شَأْوًا وَأَسِيرُ عَلَيْهِ شَأْوًا، فَلَقِيتُ رَجُلًا مِنْ بَنِي غِفَارٍ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ، فَقُلْتُ: أَيْنَ تَرَكْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ: تَرَكْتُهُ بِتَعْهِنَ، وَهُوَ قَائِلٌ السُّقْيَا، فَلَحِقْتُ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ حَتَّى أَتَيْتُهُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَصْحَابَكَ أَرْسَلُوا يَقْرَؤُونَ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَرَحْمَةَ اللهِ وَبَرَكَاتِهِ، وَإِنَّهُمْ قَدْ خَشُوا أَنْ يَقْتَطِعَهُمُ الْعَدُوُّ دُونَكَ فَانْظُرْهُمْ، فَفَعَلَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا اصَّدْنَا حِمَارَ وَحْشٍ، وَإِنَّ عِنْدَنَا

فَاضِلَةٌ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: كُلُوا. وَهُمْ مُحْرِمُونَ

ترجمہ: باب، اگر محرمین کسی شکار کو دیکھ کر ہنسے اور حلال شخص سمجھ جائے (اور وہ شکار کرلے تو محرمین کے لئے بھی اس کا کھانا حلال ہے)۔

روایت کا ترجمہ اوپر کے باب میں گزر چکا

تشریح: اگر مُحرم شکار دیکھ کر ہنس پڑے اور حلال سمجھ جائے تو کیا یہ اشارہ بن جائے گا یا نہیں؟ مصنف نے یہ بتلادیا کہ یہ اشارہ کے باب میں داخل نہیں ہے، لہذا اگر صاحب حلال نے شکار کرلیا تو محرمین کو شکار کھانا جائز ہے۔

ضحک الی الحلال کا مسئلہ: اگر محرم حلال کی طرف نظر کر کے ہنستا ہے تو یہ مسئلہ مذاہب اربعہ کی کتابوں میں مذکور نہیں ہے البتہ شرح منہاج میں یہ مسئلہ مذکور ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ہنسا اور صائد کو پتہ چل گیا اور تنبہ ہو گیا اس کے ہنسنے کی وجہ سے تو یہ اشارہ کے باب میں داخل ہو جائے گا اور اس ہنسنے والے کو کھانا جائز نہیں ہو گا، شرح منہاج ابن حجر مکی شافعی کی کتاب ہے۔

(ص ۲۴۵) بَابُ لَا يُعِينُ الْمُحْرِمُ الْحَلَالَ فِي قَتْلِ الصَّيْدِ

۱۸۲۳. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ سَمِعَ أَبَا قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْقَاحَةِ، مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى ثَلَاثٍ (ح) وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ، عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْقَاحَةِ، وَمِنَّا الْمُحْرِمُ وَمِنَّا غَيْرُ الْمُحْرِمِ، فَرَأَيْتُ أَصْحَابِي يَتَرَاءَوْنَ شَيْئًا، فَنَظَرْتُ، فَإِذَا حِمَارُ وَحْشٍ يَعْنِي وَقَعَ سَوْطُهُ فَقَالُوا: لَا نُعِينُكَ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ، إِنَّا مُحْرِمُونَ، فَتَنَاوَلْتُهُ فَأَخَذْتُهُ، ثُمَّ أَتَيْتُ الْحِمَارَ مِنْ وَرَاءِ أَكَمَةٍ فَعَقَرْتُهُ، فَأَتَيْتُ بِهِ أَصْحَابِي، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: كُلُوا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَأْكُلُوا، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، وَهُوَ أَمَامَنَا، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: كُلُوهُ حَلَالٌ»

قَالَ لَنَا عَمْرٌو: اذْهَبُوا إِلَى صَالِحٍ فَسَلُوهُ عَنْ هَذَا وَغَيْرِهِ، وَقَدِمَ عَلَيْنَا هَاهُنَا

ترجمہ: باب، مُحرم شکار کے سلسلہ میں غیر محرم کی مدد نہ کرے۔

ہم سے عمرو بن دینار نے کہا کہ صالح بن کیسان کے پاس جاؤ اور ان سے اس حدیث کے بارے میں اور دیگر احادیث کے بارے میں پوچھو، وہ ہمارے یہاں آئے ہیں۔

تشریح: اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ محرم کو صاحب حلال کی اعانت قتل صید میں جائز نہیں ہے لیکن آیا مطلق اعانت یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ مصنف کی رائے معلوم ہوتی ہے کہ مطلقاً ہر اعانت ممنوع ہے اور یہی جمہور علماء کا مسلک ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جس اعانت سے صید کی تکمیل ہوتی ہو وہ تو ہے حرام اور جس سے تکمیل نہ ہوتی ہو وہ حرام نہیں ہے، لہٰذا اگر شکار کو اس دیوار کی آڑ میں محرم بھی دیکھ رہا ہے اور غیر محرم صائد بھی دیکھ رہا ہے اب اگر محرم اشارہ کر دے تو اس کے اشارہ کو کیا دخل ہے؟ صائد تو خود ہی پہلے سے دیکھے ہوئے ہے، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب کے اطلاق سے امام ابو حنیفہ پر رد کیا ہے، لیکن ابو حنیفہ کے کلام کی جو ہم نے وضاحت کی اس سے جواب بھی ظاہر ہے۔

وَمِنَّا الْمُحْرِمُ وَمِنَّا غَيْرُ الْمُحْرِمِ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو قتادہؓ کے رفقاء بھی مختلف تھے بعض محرم تھے اور بعض غیر محرم، لیکن قسطلانی وغیرہ فرماتے ہیں کہ وَمِنَّا غَيْرُ الْمُحْرِمِ بول کر انہوں نے صرف اپنے آپ کو مراد لیا ہے۔

قَالَ لَنَا عَمْرٌو: اذْهَبُوا إِلَى صَالِحٍ فَسَلُوهُ عَنْ هَذَا: اس کے قائل سفیان بن عیینہ ہیں، ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث پہلے تو ہم نے عمرو بن دینار سے سنی تھی لیکن جب صالح بن کیسان مدینہ سے مکہ مکرمہ آئے تو ہمارے استاذ عمرو بن دینار نے فرمایا کہ دیکھو صالح آئے ہوئے ہیں ان کے پاس جا کر یہ حدیث براہ راست سن لو تا کہ تم لوگوں کی سند عالی ہو جائے، اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی بڑا عالم آجائے تو وہاں کے علماء کو یہ چاہئے کہ اپنے تلامذہ کو متوجہ کریں کہ اس سے استفادہ کریں۔

(ص ۲۴۶) بَابٌ لَا يُشِيرُ الْمُحْرِمُ إِلَى الصَّيْدِ لِكَيْ يَصْطَادَهُ الْحَلَالُ

۱۸۲۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ هُوَ ابْنُ مَوْهَبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ: أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ حَاجًّا، فَخَرَجُوا مَعَهُ، فَصَرَفَ طَائِفَةً مِنْهُمْ فِيهِمْ أَبُو قَتَادَةَ، فَقَالَ: خُذُوا سَاحِلَ الْبَحْرِ حَتَّى نَلْتَقِيَ، فَأَخَذُوا سَاحِلَ الْبَحْرِ، فَلَمَّا انْصَرَفُوا، أَحْرَمُوا كُلُّهُمْ إِلَّا

أَبُو قَتَادَةَ لَمْ يُحْرِمْ، فَبَيْنَمَا هُمْ يَسِيرُونَ إِذْ رَأَوْا حُمُرَ وَحْشٍ، فَحَمَلَ أَبُو قَتَادَةَ عَلَى الْحُمُرِ فَعَقَرَ مِنْهَا أَتَانًا، فَنَزَلُوا فَأَكَلُوا مِنْ لَحْمِهَا، وَقَالُوا: أَنَأْكُلُ لَحْمَ صَيْدٍ وَنَحْنُ مُحْرِمُونَ؟ فَحَمَلْنَا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِ الْأَتَانِ، فَلَمَّا أَتَوْا رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا كُنَّا أَحْرَمْنَا، وَقَدْ كَانَ أَبُو قَتَادَةَ لَمْ يُحْرِمْ، فَرَأَيْنَا حُمُرَ وَحْشٍ فَحَمَلَ عَلَيْهَا أَبُو قَتَادَةَ فَعَقَرَ مِنْهَا أَتَانًا، فَنَزَلْنَا فَأَكَلْنَا مِنْ لَحْمِهَا، ثُمَّ قُلْنَا: أَنَأْكُلُ لَحْمَ صَيْدٍ وَنَحْنُ مُحْرِمُونَ؟ فَحَمَلْنَا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا. قَالَ مِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا، قَالُوا: لَا، قَالَ: فَكُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا

ترجمہ: باب، غیر محرم کے شکار کرنے کی خاطر محرم شکار کی طرف اشارہ نہ کرے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد ظاہر ہے یعنی محرم کو اس طرح اشارہ کرنا کہ صائد شکار کر لے جائز نہیں ہے، اچھا اگر محرم نے اشارہ کر دیا اور شکار ہو گیا تو جزاء کس کے اوپر واجب ہو گی؟ مشیر پر بھی آئے گی یا نہیں؟ حنفیہ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ جزاء مشیر پر آئے گی، امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ مشیر پر نہیں آئے گی فاعل پر آتی ہے۔

خَرَجَ حَاجًّا: امام ابو بکر اسماعیلی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ واقعہ عمرۂ حدیبیہ کے سال کا ہے پھر حاجًّا کیوں فرمایا؟ جبکہ خروج الی الحج ایک مخلوق کثیر کے ساتھ ہوا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حج سے اس کا لغوی معنی مراد ہے أی قاصدًا اور مراد قصدِ عمرہ ہے۔

فَلَمَّا انْصَرَفُوا، أَحْرَمُوا كُلُّهُمْ إِلَّا أَبُو قَتَادَةَ: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ابو قتادہؓ کے ساتھ جن لوگوں کو ساحل بحر کی طرف بھیجا تھا سب غیر محرم تھے، جب تک گئے تب تک تو غیر محرم رہے لیکن جب واپس ہونے لگے تو سب نے احرام باندھ لیا تنہا ابو قتادہؓ نے احرام نہیں باندھا، لیکن قسطلانی وغیرہ کی رائے ہے کہ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سب پہلے ہی سے احرام باندھے ہوئے تھے اس لئے علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ فَلَمَّا انْصَرَفُوا کا جواب أَحْرَمُوا نہیں ہے بلکہ فَبَيْنَمَا هُمْ ہے اور تقدیر عبارت ہے فَلَمَّا انْصَرَفُوا وَقَدْ أَحْرَمُوا كُلُّهُمْ إِلَّا أَبُو قَتَادَةَ لَمْ يُحْرِمْ، فَبَيْنَمَا هُمْ يَسِيرُونَ جب وہ لوگ لوٹے حال یہ ہے کہ سب کے سب محرم تھے سوائے ابو قتادہؓ کے تو انہوں نے چلتے ہوئے یہ دیکھا کہ ایک گاؤخر ہے۔

(ص ۲۴۶) بَابُ إِذَا أَهْدَى لِلْمُحْرِمِ حِمَارًا وَحْشِيًّا حَيًّا لَمْ يَقْبَلْ

۱۸۲۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيِّ: «أَنَّهُ أَهْدَى لِرَسُولِ اللهِ ﷺ حِمَارًا وَحْشِيًّا، وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ، فَرَدَّهُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَأَى مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ: إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ

ترجمہ: باب، اگر محرم کو گورخر زندہ ہدیہ کیا جائے تو قبول نہ کرے۔

صعب بن جثامہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک گورخر ہدیہ کیا جب کہ آپ ابواء یا ودّان میں تھے آپ نے ان کا ہدیہ واپس فرمادیا اور جب ان کے چہرے پر اس کا تاثر دیکھا تو فرمایا کہ ہم نے تمہارا یہ ہدیہ صرف اس وجہ سے واپس کیا ہے کہ ہم محرم ہیں۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر محرم کو حلال شکار کر کے دے اور مذبوح ہو تو اس کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، دیکھو ابو قتادہؓ نے گورخر کا شکار کیا اور اس کا بقیہ لحم خدمت والا میں پیش کیا تو آپ نے قبول کر لیا لیکن حضرت صعب بن جثامہؓ نے جب حمار وحشی پیش کیا تھا تو آپ نے إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ ارشاد فرمایا تھا اور اس کو واپس کر دیا تھا۔

اب یہ کہا جائے گا کہ صعب بن جثامہؓ نے زندہ حمار خدمت والا شان میں پیش کیا تھا، یہی توجیہ و تاویل بہت سے ائمۂ حدیث نے کی ہے اور امام مالک کی روایت کا سیاق اسی کا مقتضی ہے، لیکن ابن عیینہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذبوح تھا، اس لئے اس میں اختلاف ہے کہ کونسی روایت راجح ہے؟

۱۔ امام بخاری کا رجحان یہ ہے کہ مالک کی روایت راجح ہے، ترمذی، بیہقی اور ابن عربی وغیرہ بھی اسی کی ترجیح کی طرف مائل ہیں، ۲۔ حافظ ابن قیم اور امام نووی نے ابن عیینہ کی روایت کی ترجیح کو اختیار کیا ہے، ۳۔ اور بعض لوگوں نے جمع کیا ہے کہ پہلے مکمل حمار پیش کیا ہوگا اور اس کے بعد ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا پیش کر دیا ہوگا، ۴۔ یا یہ کہ کل بول کر بعض مراد لے لیا گیا، غرضکہ مختلف رائیں ہیں بعض آراء مسلک حنفی کے موافق ہیں اور بعض آراء مسلک حنفی کے خلاف ہیں۔

حِمَارًا وَحْشِيًّا: اسی طرح سے ابن شہاب زہری سے سوائے امام مالک کے نو حفاظ نقل کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی روایت ارجح ہے۔

(ص ۲۴۶) بَابُ مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ

١٨٢٦ . حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِي قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ، ح وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ ح

١٨٢٧ . وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: حَدَّثَتْنِي إِحْدَى نِسْوَةِ النَّبِيِّ ﷺ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ ح

١٨٢٨ . وَحَدَّثَنِي أَصْبَغُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: قَالَتْ حَفْصَةُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ لَا حَرَجَ عَلَى مَنْ قَتَلَهُنَّ: الْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ

١٨٢٩ . حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ، كُلُّهُنَّ فَاسِقٌ يَقْتُلُهُنَّ فِي الْحَرَمِ: الْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ

١٨٣٠ . حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَارٍ بِمِنًى، إِذْ نَزَلَ عَلَيْهِ: {وَالْمُرْسَلَاتِ} وَإِنَّهُ لَيَتْلُوهَا، وَإِنِّي لَأَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيهِ، وَإِنَّ فَاهُ لَرَطْبٌ بِهَا، إِذْ وَثَبَتْ عَلَيْنَا حَيَّةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اقْتُلُوهَا، فَابْتَدَرْنَاهَا فَذَهَبَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا

١٨٣١ . حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِلْوَزَغِ: فُوَيْسِقٌ. وَلَمْ أَسْمَعْهُ أَمَرَ بِقَتْلِهِ

ترجمہ: باب، ان جانوروں کا بیان جن کو مارنا مُحرم کے لئے جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ جانور ایسے ہیں کہ محرم پر ان کو مارنے میں کوئی حرج نہیں، یہی مضمون عبداللہ بن دینار کے طریق سے مروی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے پیغمبر ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ایک نے پیغمبر ﷺ کے واسطے سے یہ

بیان کیا کہ محرم مار سکتا ہے (پہلی سند سے متن صرف اتنا ہی ہے، دوسری سند میں یہ تفصیل آئی ہے) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ جانور ایسے ہیں جن کے مارنے میں کوئی حرج نہیں، کوا، چیل، چوہا، بچھو، اور کٹکھنا کتا۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ جانور جو کہ سب کے سب موذی ہیں ایسے ہیں جن کو حرم میں مارنا جائز ہے کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کٹکھنا کتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ ہم پیغمبر ﷺ کے ساتھ منیٰ کے غار میں تھے کہ آپ پر سورۂ مرسلات نازل ہوئی، آپ اس کی تلاوت فرما رہے تھے میں اس کو آپ کے دہن مبارک سے سن رہا تھا اور آپ کا دہن مبارک اس کی تلاوت میں تروتازہ تھا کہ اچانک ایک سانپ ہمارے اوپر کودا، پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو، ہم اس پر لپکے مگر وہ نکل گیا تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ وہ تمہاری گرفت سے بچ گیا اور تم اس کے شر سے بچ گئے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کے بارے میں فرمایا کہ وہ بڑا موذی ہے لیکن میں نے یہ نہیں سنا کہ آپ نے اس کو مارنے کا حکم دیا ہو۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ اس روایت کو ذکر کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ منیٰ حرم میں داخل ہے نیز یہ کہ سانپ کو مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح: امام بخاری نے یہ بتلایا تھا کہ وحشی جانوروں کا شکار مُحرم کے لئے جائز نہیں، اب یہ بتلاتے ہیں کہ کچھ دواب اور وحشی جانور ایسے ہیں کہ شریعت نے ان کے قتل کرنے کی اجازت دی ہے، مصنف نے اس میں کوئی تحدید نہیں کی ہے بلکہ جو روایتیں اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں جو مصنف کی شرط کے مطابق ہیں ان کو یہاں پر پیش کر دیا ہے، گویا اس سے مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس باب میں کوئی تحدید نہیں بلکہ روایت کی روشنی میں جن جانوروں کے قتل کا جواز ثابت ہوگا ان سب کا قتل کرنا جائز ہوگا، ایک روایت میں ہے خَمسٌ مِنَ الدَّوَابِ لَيسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِي قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ اور پھر اس کے بعد آگے اس کی تعیین وارد ہوئی ہے الغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالفَأْرَةُ، وَالعَقْرَبُ، وَالكَلْبُ العَقُورُ۔

آیا پانچ کا عدد تحدید کے واسطے ہے یا نہیں؟ صاحب ہدایہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ تحدید کے لئے ہے، لیکن عام علماء اس کو تحدید کے لئے نہیں مانتے ہیں بلکہ یہ حکم معلل بالعلت مانتے ہیں۔

(۱) امام مالک کی رائے یہ ہے کہ اس کی علت موذی ہونا ہے لہٰذا جو بھی موذی ہو اس کو قتل کیا جاسکتا ہے۔

(۲) امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی علت محرَّم الاکل ہونا ہے لہٰذا جو غیر ماکول ہو اس کو قتل کیا جاسکتا ہے۔

(۳) امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ دونوں علتیں ہیں یعنی محرَّم الاکل ہونا بھی اور موذی ہونا بھی۔

(۴) ہمارے فقہاء میں سے صاحب در مختار نے سات جانوروں کا نام علی التعیین لیا ہے کہ ان کے قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، فرماتے ہیں وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِ غُرَابٍ وَحِدَأَةٍ وَذِئْبٍ وَعَقْرَبٍ وَحَيَّةٍ وَفَأْرَةٍ وَكَلْبٍ عَقُورٍ، آگے چل کر فرماتے ہیں وَسَبُعٍ صَائِلٍ لَا يُمْكِنُ دَفْعُهُ إِلَّا بِالْقَتْلِ، فَلَوْ أَمْكَنَ بِغَيْرِهِ فَقَتَلَهُ لَزِمَهُ الْجَزَاءُ۔

صاحب در مختار کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ محرم؛ غراب یعنی کوا، حداء یعنی چیل، ذئب یعنی بھیڑیا، عقرب یعنی بچھو، حیہ یعنی سانپ، فارہ یعنی چوہا اور کلب عقور یعنی کٹکھنا کتا کو اگر قتل کردے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، پھر فرماتے ہیں کہ اگر سبع صائل یعنی کوئی درندہ حملہ آور ہو اور اس کے حملہ کو کسی طرح دفع کرنا ممکن ہو اور قتل کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو تو اگر قتل کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر اس کے دفع کرنے کی کوئی اور صورت ہو اور پھر اس کے باوجود قتل کر دیا تو جزاء واجب ہو گی، اس سے معلوم ہوا کہ احناف کے یہاں بھی پانچ کا عدد تحدید کے واسطے نہیں ہے۔

صاحب بدائع کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جو جانور ایسا ہے کہ عام طور سے ابتداء بالعدوان کرتا ہے جیسے شیر اور چیتا وغیرہ اس کا قتل جائز ہے اور جو ابتداء بالعدوان عامۃً نہیں کرتا ہے اس کا قتل جائز نہیں ہے، اس اعتبار سے احناف کا قول بھی جمہور کے قول کے قریب ہو جاتا ہے اور یہ ظاہر بات ہے شیر ببر اور چیتا وغیرہ کب زندہ سلامت جانے دیں گے اس اعتبار سے جمہور ہی کا مسلک قوی معلوم ہوتا ہے۔

اَلْغُرَابُ: غراب سے مراد مطلقاً کوا ہے یا غراب ابقع ہے؟ اس میں دونوں قول ہیں۔

وَالْحِدَأَةُ: چیل، چیل کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ ہمیشہ دائیں طرف جھپٹا مارتی ہے بائیں طرف سے نہیں، جمہور کہتے ہیں کہ ہر چیل کو قتل کیا جاسکتا ہے صغیر ہو یا کبیر، مالکیہ کا صغیر میں اختلاف ہے، مشہور قول ان کا جو علامہ ابن الشاش نے الجواہر میں نقل کیا ہے جمہور کے موافق ہے۔

وَالْفَأْرَةُ: چوہیا کا قتل کرنا جمہور علماء کے یہاں بلا اختلاف جائز ہے، ابراہیم نخعی سے منقول ہے فیه الجزاء أخرجه ابن المنذر و قال إنه خلاف السنة۔

وَالْعَقْرَبُ: بچھو، مسلم کی روایت میں عقرب کے بجائے حیّہ کا لفظ واقع ہوا ہے۔

وَالْکَلْبُ الْعَقُوْرُ: کاٹ کھانے والا کتا، کلب عقور کی تفسیر میں اختلاف ہے، ائمۂ ثلاثہ شافعی، مالک اور احمد فرماتے ہیں کُلُّ مَا عَقَرَ النَّاسَ وَعَدَا عَلَیْهِمْ وَأَخَافَهُمْ مِثْلُ الْأَسَدِ وَالنَّمِرِ وَالْفَهْدِ وَالذِّئْبِ، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اَلْمُرَادُ بِالْکَلْبِ هٰنَا الْکَلْبُ خَاصَّةً وَلَا یَلْتَحِقُ بِهٖ فِي هٰذَا الْحُکْمِ سِوَی الذِّئْبِ، امام زفر فرماتے ہیں کہ کلب عقور سے مراد ذئب ہے۔

إِذْ وَثَبَتْ عَلَیْنَا حَیَّةٌ: یہ واقعہ عرفہ کی رات کا ہے جیسا کہ اسماعیلی کی روایت میں وارد ہوا ہے لہٰذا مطابقت ظاہر ہوگئی، اور یوں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے عدم احرام کی حالت رہی ہو۔

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: إِنَّمَا أَرَدْنَا بِهٰذَا أَنَّ مِنًی مِنَ الْحَرَمِ: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ پانچ کا عدد تحدید کے واسطے نہیں ہے، صحابۂ کرامؓ نے منیٰ یعنی حرم میں قتل حیّہ میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا، معلوم ہوا کہ لاحصر في الخمسة، حیّہ کا ذکر جیسا کہ میں نے بتلایا مسلم شریف میں اور مسند احمد میں بھی وارد ہوا ہے، سبع صائل کی تصریح ابوداؤد شریف میں واقع ہوئی ہے، اور ابن خزیمہ کی روایت میں ذیب اور نمر کی تصریح وارد ہوئی ہے، لیکن ابن خزیمہ نے محمد بن یحی الذہلی سے نقل کیا ہے کہ اصل میں ذیب اور نمر کا لفظ حضور اکرم ﷺ کا نہیں، یہ راوی کی تفسیر ہے جس میں اس نے کلب عقور کی شرح کی ہے۔

لِلْوَزَغِ: سام ابرص، چھپکلی، اور اس میں گرگٹ بھی داخل ہے، ابن عبد البر نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ اس کا قتل جائز ہے، لیکن ابن قاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ قتل نہ کرے اور اگر قتل کرے گا تو تصدق واجب ہوگا۔

فُوَیْسِقٌ، وَلَمْ أَسْمَعْهُ أَمَرَ بِقَتْلِهٖ: یعنی حضور ﷺ نے اس کو فویسق تو کہا ہے مگر قتل کا حکم دیا ہے اس کی کوئی تصریح نہیں، لیکن فویسق کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے قتل کی اجازت ہے اس لئے کہ آپ نے جن پانچ کے قتل کا حکم اور اجازت دی ہے ان کے متعلق یوں فرمایا خمس فواسق پانچ فواسق ہیں۔

(ص ۲۴۷) بَابُ لَا يُعْضَدُ شَجَرُ الْحَرَمِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ

۱۸۳۲. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ: «أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ، وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ: ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِلْغَدِ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ، فَسَمِعَتْهُ أُذُنَايَ، وَوَعَاهُ قَلْبِي، وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ، إِنَّهُ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا، وَلَا يَعْضُدَ بِهَا شَجَرَةً، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقُولُوا لَهُ: إِنَّ اللهَ أَذِنَ لِرَسُولِهِ ﷺ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ، وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ، وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ. فَقِيلَ لِأَبِي شُرَيْحٍ: مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو؟ قَالَ: أَنَا أَعْلَمُ بِذَلِكَ مِنْكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ، إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيذُ عَاصِيًا، وَلَا فَارًّا بِدَمٍ، وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ» خَرْبَةٌ: بَلِيَّةٌ

ترجمہ: باب، حرم کے درخت نہ کاٹے جائیں، حضرت ابن عباسؓ نے حضور ﷺ سے روایت نقل کی کہ حرم کے کانٹے نہ کاٹے جائیں۔

یہ روایت کتاب العلم باب لیبلّغ العلم الشاهد الغائب میں گزر چکی

تشریح: درختانِ حرم کو نہیں کاٹا جائے گا، یہ مسئلہ کتاب العلم میں بیان کر چکا ہوں اور بہت تفصیل سے، یہاں اجمالی طور پر ائمۂ اربعہ کے مسالک و مذاہب بیان کروں گا، (۱) حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ جو درخت خودرو ہو اس کا کاٹنا جائز نہیں چاہے اس کی جنس خودرو ہو یا نہ ہو، (۲) مالکیہ فرماتے ہیں کہ جس کی جنس خودرو ہو اس کا کاٹنا جائز نہیں ہے چاہے اس کو کسی نے اگایا ہو یا وہ خود اگا ہو، (۳) حنفیہ فرماتے ہیں کہ جس کی جنس خودرو ہو اور وہ خود اگا بھی ہو اس کو تو کاٹنا جائز نہیں اور باقی کاٹ سکتے ہیں، (۴) شافعیہ فرماتے ہیں کہ تمام اشجار حرم کا کاٹنا ممنوع ہے الا یہ کہ جو اشجار کاٹنے ہی کے لئے لگائے جاتے ہیں جیسے بقول و خضراوات وغیرہ، امام بخاری اس مسئلہ میں شافعیہ کے موافق ہیں۔

لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ: اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں، ائمۂ ثلاثہ کا یہی مسلک ہے، شافعیہ میں اختلاف ہے، متولی وغیرہ تو جمہور کے ساتھ ہیں لیکن جمہور شافعیہ کہتے ہیں کہ حرم میں کانٹوں کو توڑ سکتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: یہ حدیث اسی سند سے امام مسلم نے بھی تخریج فرمائی ہے لہذا یہ حدیث متفق علیہ بیک سندوالمتن ہے، نیز یہ حدیث کتاب العلم میں ص ۲۱ پر گزر چکی ہے۔

قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ، وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ: امیر معاویہؓ نے آخری زمانہ میں اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کو ولی عہد کر دیا تھا اور اس کے لئے خلافت کا سب سے وعدہ لے لیا گیا تھا، چند لوگ تھے جنہوں نے اس وقت انکار کر دیا تھا، ان میں حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر الصدیقؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، امام حسینؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ تھے، عبد الرحمن بن ابی بکرؓ کا تو انتقال ہو گیا اور ابن عمرؓ کے متعلق کوئی خطرہ نہیں تھا وہ عبادت میں مصروف رہنے والے آدمی تھے اور وہ اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تھے جس پر سارے مسلمان جمع ہو جائیں، خطرہ زیادہ امام حسینؓ اور ابن زبیرؓ سے تھا، چنانچہ یزید نے والیٔ مدینہ ولید بن عتبہ کو خط لکھا تھا کہ تم ان دونوں سے بیعت لے لو، لیکن اس نے بیعت نہیں لی تو چپکے سے مکہ چلے گئے، یزید ناراض ہو گیا اور اس کو معزول کر دیا، اس کی جگہ عمرو بن سعید کو والی بنایا، عمرو بن سعید نے مکہ پر چڑھائی کے لئے لشکر روانہ کیا تا کہ عبد اللہ بن زبیرؓ کو زیر کیا جائے، اُس وقت حضرت ابو شریحؓ تشریف لائے تھے اور یہ حدیث سنائی تھی **قَامَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِلْغَدِ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ** یعنی خطبہ دیا فتح مکہ کے دن۔

فَسَمِعَتْهُ أُذُنَايَ: میں نے خود سنا کوئی واسطہ نہیں۔

وَوَعَاهُ قَلْبِي: مجھے یاد ہے نسیان نہیں طاری ہوا۔

وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ: اپنی آنکھوں سے خطبہ دیتے ہوئے دیکھا کوئی اشتباہ نہیں لگا، اور پھر فرمایا **إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ** اللہ نے مکہ کو حرام بنایا ہے لوگوں نے اس کو حرام نہیں کیا ہے، حضرت انسؓ کی روایت میں بخاری شریف میں ہے **إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ**۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مکہ کی تحریم کب ہوئی ہے؟ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ مکہ ہمیشہ ہی سے مُحرّم رہا ہے اور بعض علماء کی رائے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک حلال تھا اور اس کے بعد تحریم ہوئی ہے یہ روایت اکثرین کے قول کے مطابق ہے اور حضرت انسؓ کی روایت اکثرین کے قول کے خلاف پڑتی ہے۔

اب اگر اس روایت کو اصل بنایا جائے تو حضرت انسؓ کی روایت کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد

اس کی تحریم مخفی ہوگئی ہوگی لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا اعلان کیا ہوگا، اور اگر حضرت انسؓ کی روایت کو اصل بنایا جائے اور بعض حضرات کا قول تسلیم کیا جائے تو اس روایت کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ نے مکہ کو حرم کیا ہے بغیر کسی کی درخواست اور سبب کے، یا مطلب یہ ہے کہ مکہ کی تحریم مقدر ہوچکی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے زمانہ میں اس کا اعلان فرمائیں گے، اس کے علاوہ اور بھی بعض حضرات نے اس کی توجیہات کی ہیں، یا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنی وحی سے اس کو حرام فرمایا کسی نبی کے اجتہاد کو اس میں دخل نہیں ہے۔

أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا: وہاں خونریزی جائز نہیں ہے۔

وہاں قتال کا حکم کیا ہے؟ آگے لَا يَحِلُّ الْقِتَالُ بِمَكَّةَ مستقل ترجمہ آرہا ہے اس پر کلام آئے گا اور ویسے میں اس پر کتاب العلم میں کلام بھی کرچکا ہوں نیز یہ بھی بیان کرچکا ہوں کہ مکہ مکرمہ میں قصاص لینے کا حکم کیا ہے؟ مالک وشافعی کہتے ہیں کہ مطلقاً وہاں قصاص لیا جاسکتا ہے، ابو حنیفہ واحمد فرماتے ہیں کہ اگر اندر کسی نے جنایت کی ہو تو قصاص لے سکتے ہیں اور اگر باہر سے اندر کوئی گھس آیا ہو تو قصاص نہیں لے سکتے ہیں بلکہ اس کو مجبور کیا جائے گا اور جب حرم سے باہر نکلے گا تب حرم کے باہر قصاص لیا جائے گا، البتہ جنایۃ الاطراف میں امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ حرم میں ہی قصاص لیا جاسکتا ہے فإن الأطراف ملحقة بالأموال۔

وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ: مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ ساعت صبح کے وقت سے لیکر عصر کے وقت تک تھی۔

(ص ۲۴۷) بَابُ لَا يُنَفَّرُ صَيْدُ الْحَرَمِ

۱۸۳۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مَكَّةَ، فَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِي، وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُعَرِّفٍ. وَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِلَّا الْإِذْخِرَ، لِصَاغَتِنَا وَقُبُورِنَا؟ فَقَالَ: إِلَّا الْإِذْخِرَ» وَعَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ

قَالَ: هَلْ تَدْرِي مَا لَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا؟ هُوَ أَنْ يُنَحِّيَهُ مِنَ الظِّلِّ يَنْزِلُ مَكَانَهُ

ترجمہ: باب، حرم کے شکار کو بھگایا نہ جائے۔

روایت کا ترجمہ کتاب الجنائز باب الإذخر والحشیش فی القبر میں گزر چکا

خالد کہتے ہیں کہ عکرمہ نے ان سے کہا کہ تم جانتے ہو لَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ شکار کو سایہ سے بھگائے اور اس کی جگہ خود آرام کرے۔

تشریح: حرم کے شکار کو بھگایا نہ جائے، اس کی شرح راوی نے کی ہے أَنْ يُنَحِّيَهُ مِنَ الظِّلِّ يَنْزِلُ مَكَانَهُ سایہ میں بیٹھے ہوئے ہوں اور تم جاکر ہٹادو اور خود جاکر وہاں پر بیٹھ جاؤ، لہٰذا اگر ہرن وغیرہ سایہ میں بیٹھے ہوں تو ان کو بھگایا نہ جائے دوسرا راستہ اختیار کیا جائے، اچھا اگر کسی نے بھگا دیا تو گنہگار ہوگا اور اگر بھگانے کے درمیان ہی تلف ہو گیا تو اس صورت میں اس بھگانے والے پر جزاء واجب ہو گی، لیکن اگر وہ بھگانے کے درمیان تلف نہیں ہوا وہ بھاگا، ٹھہرا اور اس کے کچھ دیر بعد مرتا ہے تو پھر جزاء نہیں آئے گی۔

(ص ۲۴۷) بَابٌ لَا يَحِلُّ الْقِتَالُ بِمَكَّةَ

وَقَالَ أَبُو شُرَيْحٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا يَسْفِكُ بِهَا دَمًا

۱۸۳۴. حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: «قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ افْتَتَحَ مَكَّةَ: لَا هِجْرَةَ، وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا، فَإِنَّ هَذَا بَلَدٌ حَرَّمَ اللهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، وَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهَا. قَالَ الْعَبَّاسُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِلَّا الْإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوتِهِمْ، قَالَ: قَالَ إِلَّا الْإِذْخِرَ

ترجمہ: باب، مکہ مکرمہ میں قتال جائز نہیں، حضرت ابو شریح حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ہاں خون نہ بہائے۔

روایت کا ترجمہ کتاب الجنائز باب الإذخر والحشیش فی القبر میں گزر چکا

تشریح: مکہ مکرمہ میں قتال جائز نہیں ہے اور بلا وجہ مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

لیکن اگر خدانخواستہ وہاں پر کفار کا غلبہ ہو جائے تو ہمیں کفار کے واسطے چڑھائی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، امام طحاوی نے ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مسلک نقل کیا ہے کہ قتال کرنا اور چڑھائی کرنا جائز ہے بلکہ انہوں نے اس پر اجماع تک نقل کیا ہے، یہی حنابلہ کا مسلک ہے اور حضرت امام شافعی سے منصوص ہے، امام نووی، قسطلانی، زین زکریا انصاری نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، یہی بعض مالکیہ کا خیال ہے۔

ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ قتال جائز نہیں اسی کو قاضی ابن عربی، ابن منیر، ابن دقیق العید اور قرطبی وغیرہ نے راجح قرار دیا ہے، یہی امام شافعی کا ایک قول ہے، امام بخاری کی یہی رائے ہے، اسی لئے امام نے صاف صاف لَا يَحِلُّ الْقِتَالُ بِمَكَّةَ ارشاد فرمایا ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا تھا فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقُولُوا لَهُ: إِنَّ اللهَ أَذِنَ لِرَسُولِهِ ﷺ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ، وَإِنَّمَا أُذِنَ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ، یہ لفظ باب لَا يُعْضَدُ شَجَرُ الْحَرَمِ میں گزر چکا ہے۔

امام بخاری نے یہاں جو روایت ذکر کی ہے اس کے الفاظ ہیں فَإِنَّ هَذَا بَلَدٌ حَرَّمَ اللهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، وَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، واقعہ یہ ہے کہ آپ کے بعد اگر غیر کے لئے کفار کے غلبہ کی صورت میں چڑھائی جائز ہو تو پھر آپ کی کیا خصوصیت باقی رہی؟

(ص ۲۴۷) بَابُ الْحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ

وَكَوَى ابْنُ عُمَرَ ابْنَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَيَتَدَاوَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ طِيبٌ

۱۸۳۵. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ عَمْرٌو أَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُ عَطَاءً يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: «احْتَجَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ» ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: حَدَّثَنِي طَاوُسٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقُلْتُ: لَعَلَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُمَا

۱۸۳۶. حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ عَنِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «احْتَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ، بِلَحْيِ جَمَلٍ، فِي وَسَطِ رَأْسِهِ

ترجمہ: باب، محرم کے لئے پچھنے لگوانے کا حکم، حضرت ابن عمرؓ نے اپنے فرزند کا علاج جب کہ وہ محرم تھے داغ دینے کے عمل سے کیا، محرم ایسی چیز سے علاج کر سکتا ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار نے ہم سے کہا کہ سب سے پہلی چیز جو میں نے عطاء سے سنی وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب کہ آپ محرم تھے پچھنے لگوائے، سفیان کہتے ہیں کہ پھر میں نے عمرو بن دینار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث مجھ سے طاؤس نے بیان کی اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی (سفیان کہتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ شاید عمرو بن دینار نے یہ روایت ان دونوں سے سنی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن بحینہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے محرم ہونے کی حالت میں لحی جمل نامی مقام پر اپنے سر مبارک کے درمیان میں پچھنے لگوائے۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ محرم حجامت کرا سکتا ہے، پچھنا لگوا سکتا ہے بضرورت۔

یہ ائمہ اربعہ کے یہاں بالاتفاق جائز ہے، لیکن اگر بال کاٹے گا تو فدیہ دینا پڑے گا اور اگر بلا ضرورت کرتا ہے تو اس صورت میں اگر بال کٹے گا تو حرام ہوگا ورنہ مباح ہے، یہ ہے ائمۂ ثلاثہ کا مسلک، اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر بلا ضرورت کرتا ہے تو بال کٹنے کی صورت میں حرام کام کیا، اور اگر بال نہیں کٹا تو کراہت لازم آئے گی۔

وَكَوَى ابْنُ عُمَرَ ابْنَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ: امام بخاری نے کی کا مسئلہ اس وجہ سے ذکر فرمایا ہے کہ حجامت اور کیؔ دونوں تداوی میں جمع ہیں دونوں من باب التداوی ہیں، نیز بعض وقت داغ دینے میں بھی بال جلتے ہیں۔

وَيَتَدَاوَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ طِيبٌ: اور ایسی چیز کو استعمال کیا جائے جس میں خوشبو نہ ہو، دواء میں خوشبودار چیز سے احتراز کیا جائے۔

بِلَحْيِ جَمَلٍ: لحی جمل ایک مقام کا نام ہے۔

فِي وَسَطِ رَأْسِهِ: آپ نے اپنے سر کے بیچ میں یعنی ہامہ میں پچھنا لگوایا تھا، ابو داؤد، نسائی، مسند احمد اور شمائل ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر قدم پر پچھنا لگوایا تھا موچ لگ جانے کی وجہ سے، یہ دوسرا واقعہ ہے۔

(ص ۲۴۸) بَابُ تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ

۱۸۳۷. حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ الْحَجَّاجِ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ

عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ»

ترجمہ: باب، مُحرم کے نکاح کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا جب کہ آپ محرم تھے۔

تشریح: امام بخاری نے یہاں ترجمہ منعقد کیا ہے بَاب تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ اور کتاب النکاح میں ترجمہ منعقد کیا ہے باب نکاح المحرم، اور دونوں جگہوں پر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ تخریج فرمائی ہے۔

نکاح محرم کے مسئلہ میں اختلاف ہے، حضرات ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ مباح ہے، امام بخاری کا میلان اسی طرف ہے، اور ان حضرات کی دلیل یہی ابن عباسؓ کی حدیث أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ رواه الأئمة الستة فی کتبهم ہے۔

اور جو لوگ نکاح محرم سے منع کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی روایت قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ہے۔

روایت ابن عباسؓ کے جوابات: حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے وہ حضرات مختلف جوابات دیتے ہیں۔

(۱) پہلا جواب ان کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ خود ابن عباسؓ کی روایت میں اختلاف ہے، امام طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ۔

مگر یہ جواب صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اگر ایک سند سے ابن عباسؓ سے تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حلال مروی ہے تو امام طبرانی نے اس کے بعد پندرہ سند سے تزوج رسول الله ﷺ وهو محرم نقل کیا ہے اور تمام کتب احادیث صحاح ستہ، مسند احمد وغیرہ میں یہی وارد ہوا ہے، لہٰذا طبرانی کی جس روایت میں وهو حلال وارد ہوا ہے یہ کسی راوی کا وہم ہے اور شاذ ہے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ خود حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ محرم کو بحالت احرام نکاح کرنا جائز ہے نقله الطحاوی، اب اگر انہیں کی روایت میں تزوج وهو حلال ہوتا تو وہ کس دلیل کی بناء پر تزویج محرم کے جواز کا فتویٰ دیتے؟

(۲) دوسرا جواب ان حضرات نے یہ دیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ تنہا تزوج وھو محرم نقل کرتے ہیں اور کوئی بھی انکی موافقت نقل نہیں کرتا ہے، بلکہ دوسرے جتنے حضرات نکاح میمونہ کا تذکرہ کرتے ہیں وہ سب کے سب یہی نقل کرتے ہیں کہ یہ حلال ہونے کی حالت میں نکاح ہوا، یہ جواب حافظ ابن عبد البر، قاضی عیاض اور امام نووی نے دیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ متعدد روایات میں یہ وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا نکاح حضرت میمونہؓ سے حلال ہونے کی حالت میں ہوا ہے۔

ابورافعؓ فرماتے ہیں تزوج رسول اللہ ﷺ وھو حلال وبنیٰ بھا وھو حلال وکنت أنا الرسول بینھما، رواہ أحمد والترمذی وابن خزیمة وابن حبان وقال الترمذی ھذا حدیث حسن۔

یزید بن اصم کہتے ہیں حَدَّثتنِي مَيمُونَةُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ تزوجھا وَھُوَ حَلَال، قَالَ: وَکَانَت خَالَتِي وَخَالَةَ ابنِ عَبَّاس رواہ مسلم، یہی حدیث حضرت امام ابوداؤد نے تخریج فرمائی ہے اس کے الفاظ ہیں تزوجنی رسول اللہ ﷺ ونحن حلالان بسرف، ابویعلیٰ کی روایت میں اس کے آگے یہ اضافہ ہے بعد أن رجعنا من مکة۔

صفیہ بنت شیبہ نقل کرتی ہیں تزوج رسول اللہ ﷺ میمونة وھو حلال رواہ ابن سعد والطبرانی۔

اب اتنی بڑی جماعت کے بیان کے بعد تنہا ابن عباسؓ کا تزوج وھو محرم کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کو وہم ہو گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ابن عباسؓ جیسے شخص کا کسی بات کو نقل کرنا خود یہ اس کی بڑی ضمانت ہے، حضور اکرم ﷺ نے ان کے لئے علم وفضل کی دعا فرمائی تھی اور ان کا تفقہ اور تحقیق مسائل اور ان کی ذہانت اور قوت حافظہ ایک مسلم حقیقت ہے، وہ ہمیشہ ہی یہ فتویٰ دیتے رہے کہ محرم نکاح بحالت احرام کر سکتا ہے، اگر یہ بیان ان کا خلاف واقعہ ہوتا تو کیا ساری عمر ان کو حقیقت واقعہ کا علم نہ ہوا ہوتا، یہ بہت ہی بعید ہے۔

اور یہ ہماری گفتگو بر سبیل تنزل ہے ورنہ یہ کہنا کہ صرف ابن عباسؓ ہی تزوج النبی ﷺ وھو محرم نقل کرتے ہیں اور کوئی دوسرا نقل نہیں کرتا صحیح نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ دو صحابی یہ مضمون نقل کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں تزوج رسول اللہ ﷺ وھو محرم رواہ الطحاوی والطبرانی والدارقطنی

باسناد ضعیف۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض نساءہ وھو محرم رواہ الطحاوی وابن حبان والبزار، امام ابو القاسم سہیلی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے اگرچہ اس عورت کا نام ذکر نہیں کیا جس سے بحالت احرام نکاح ہوا ہے لیکن اس سے مراد حضرت میمونہؓ ہی ہیں۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ طبرانی کی روایت میں حضرت میمونہؓ کے نام کی تصریح وارد ہوئی ہے، یہ حدیث بطریق مسروق عن عائشۃ مروی ہے، اس پر زیادہ سے زیادہ ارسال کا اشکال کیا جاتا ہے لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ مضر نہیں ہے، یہی حدیث امام نسائی نے بطریق ابو سلمۃ بن عبد الرحمن حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔

(۳) تیسرا جواب ان حضرات کی طرف سے دیا گیا ہے کہ وھو محرم کا مطلب ہے وھو فی الحرم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں تھے آپ نے حرم میں نکاح کیا تھا جیسے شاعر کا شعر ہے

قتلوا ابن عفّان الخلیفۃ محرما ودعا فلم أر مثلہ مقتولا

(۴) بعضوں نے اس کے قریب قریب چوتھا جواب دیا ہے کہ تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الشھر الحرام شہر حرام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے نکاح فرمایا، لیکن یہ جو شاہد پیش کیا گیا ہے یعنی اس سے مراد فی الحرم ہے یا وہ فی الشھر الحرام مراد لیا گیا ہے محققین عربیت نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اسحاق موصلی سے نقل کیا ہے کہ ہارون رشید نے اصمعی سے کسائی کی موجودگی میں اس شعر کا مطلب پوچھا تو اصمعی نے یوں کہا کہ اس کے یہ معنیٰ ہے ہی نہیں، نہ فی الشھر الحرام ہے نہ فی الحرم ہے اور نہ ہی فی الاحرام ہے، کسائی نے کہا کہ پھر آخر کیا معنیٰ ہیں؟ اصمعی نے کہا کہ عدی بن زید کے قول

قَتَلوا کِسرَی بِلَیلٍ مُحرِمًا غَادَرُوہُ لَم یُمَتَّعْ بِکَفَنٍ

کا کیا مطلب ہوگا؟ کسریٰ کا کون سا احرام تھا؟ ہارون نے پوچھا کہ آخر کیا مطلب ہے؟ اصمعی نے کہا کہ اصل میں قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو بلا کسی جنایت کے قتل کر دیا جائے تو یوں کہہ دیتے ہیں قتلوہ محرمًا، ہارون رشید نے کہا أنت لا تطاق تیرا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

مزید یہ ہے کہ ابن عباسؓ کی حدیث میں کتاب المغازی میں آئے گا اس میں ہے تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَیْمُونَۃَ وَھُوَ مُحْرِمٌ، وَبَنَی بِھَا وَھُوَ حَلَالٌ، مُحرم اور حلال کا تقابل اس بات کو چاہتا ہے کہ یہاں محرم سے مراد فی حالۃ

الاحرام ہے، فی الشہر الحرام اور فی الحرم مراد نہیں ہے۔

(۵) پانچواں جواب امام ترمذی نے دیا کہ نکاح تو ہوا تھا حلال ہونے کی حالت میں لیکن اس کی شہرت ہوئی احرام کی حالت میں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام مالک نے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابورافعؓ اور ایک انصاری صحابی کو مکہ مکرمہ روانہ کیا انہوں نے جاکر آپ کا نکاح کردیا اور آپ مدینہ ہی میں مقیم تھے۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ اگر اس روایت کو بالکل اپنے ظاہر پر رکھ لیا جائے تو پھر لازم آتا ہے کہ آپ کے نکاح کا مسئلہ مدینہ سے لیکر سرف تک مستور رہا جبکہ سرف اور مکہ میں کل گیارہ بارہ میل ہیں، تو یہ پونے دو سو میل سے زائد مسافت گزر گئی اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلا؟ سرف میں پہنچ کر یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کر لیا ہے۔

نیز ابن عباسؓ کی روایت کا تقابل اس بات کے معارض ہے کہ تَزَوَّجَ وَهُوَ مُحْرِمٌ، وَبَنَى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ اور نسائی شریف میں تصریح ہے تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِسَرِفَ حضور نے میمونہؓ سے نکاح کیا اس حال میں کہ آنحضور ﷺ سرف میں تھے، مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے إِنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ بِمَاءٍ، يُقَالُ لَهُ: سَرِفُ وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَلَمَّا قَضَى نَبِيُّ اللهِ حَجَّتَهُ، أَقْبَلَ، حَتَّى إِذَا كَانَ بِذَلِكَ الْمَاءِ أَعْرَسَ بِهَا، حج سے مراد یہاں پر عمرہ ہے، اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ نکاح جاتے ہوئے ہوا ہے اور مقام سرف میں ہوا ہے لہذا امام ترمذی کا جواب نہیں چلتا ہے۔

(۶) چھٹا جواب ابو حاتم بن حبان البستی نے دیا وہ یہ فرماتے ہیں کہ اصل صورتحال یہ ہوئی کہ رسول پاک ﷺ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، عمرہ سے فارغ ہو گئے آپ نے اس کے بعد نکاح کیا، اب جس نے کہا نکح وھو حلال اس نے بھی صحیح کہا کہ حلال ہو گئے تھے اور جس نے کہا کہ تزوج وھو محرم اس نے بھی صحیح کہا کہ آپ حرم میں تھے۔

لیکن میں بیان کر چکا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ ارشاد تزوج وھو محرم وبنی بھا وھو حلال یہ تقابل ابن حبان کی اس تاویل کو رد کرتا ہے، اور نسائی کے الفاظ اور مسند احمد کے الفاظ بھی ابن حبان کی تاویل کی تردید کرتے ہیں، لہذا یہ تاویل بھی ضعیف ہے، اور اصل چیز تو یہ دیکھنے کی ہے کہ نکاح جاتے ہوئے ہوا ہے یا واپسی پر ہوا ہے؟ ابن عباسؓ کی جو حدیث ہم نے مسند احمد کے حوالہ سے پیش کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرف میں

نکاح ہوا اور جاتے ہوئے ہوا ہے تو یقیناً آپ محرم تھے۔

مزید اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام طحاوی نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جب تین دن قیام کر لیا تو حویطب بن عبد العزیٰ حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا کہ اپنے صاحب سے کہو کہ یہاں سے چلے جائیں میعاد پوری ہوگئی، حضور اکرم ﷺ نے کہلوایا کہ تمہاری ایک عورت سے ہم نے نکاح کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ یہاں ان کا ولیمہ کروں، تمہاری دعوت کروں، انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی دعوت کی ضرورت نہیں ہے آپ یہاں سے تشریف لے جائیں، چنانچہ آنحضور ﷺ وہاں سے لوٹے اور سرف میں آپ نے بناء کی، معلوم ہوا کہ نکاح پہلے ہو چکا تھا پھر بناء سرف میں جاکر ہو رہی ہے۔

(۷) ساتواں جواب دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو بقیہ حضرات وھو حلال، وھو حلال نقل کرتے ہیں ان سب کے بیانات کو ابن عباسؓ کے بیان کے مقابل میں کیسے چھوڑا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں ان حضرات کی روایتیں ابن عباسؓ کی روایت کے مقابل مرجوح ہوں گی۔

اصل میں صورت حال یہ ہوئی کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو رافعؓ اور انصاری صحابی کو مکہ بھیجا انہوں نے حضرت عباسؓ کو اطلاع کی، اِدھر جب حضرت میمونہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے معاملہ اپنی بہن ام فضلؓ کے سپرد کر دیا اور ام فضلؓ نے اپنے خاوند عباسؓ کے سپرد کر دیا، اب جتنا عباسؓ کے بیٹے ابن عباسؓ کو معلوم ہو سکتا ہے نہ ابو رافعؓ کو معلوم ہو سکتا ہے اور نہ میمونہؓ کو معلوم ہو سکتا ہے، میمونہؓ جو نقل کرتی ہیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واپسی کا قصہ نقل کرتی ہیں، چنانچہ فرماتی ہیں تزوجنی النبی ﷺ ونحن حلالان، ابو یعلیٰ کی روایت میں جس کو میں نقل کر چکا ہوں اس میں ہے بعد أن رجعنا من مكة جب ہم مکہ سے لوٹے، معلوم ہوا کہ یہ سارا بعد کا قصہ نقل کر رہی ہیں اور بعد کے قصہ کا تعلق نکاح سے ہے ہی نہیں اس کا تعلق تو بناء سے ہے۔

رہ جاتے ہیں یزید بن اصم؛ ان کی روایت ابن عباسؓ کی روایت کے مقابل میں مرجوح ہوگی، ابن شہاب زہری نے جب عمرو بن دینار کے سامنے یزید بن اصم کی روایت نقل کی تو عمرو بن دینار ناراض ہوگئے اور فرمانے لگے یزید بن الأصم أعرابی بوّال علی عقبیه أتجعله مثل ابن عباس؟

(۸) آگے ایک جواب اور دیا گیا، وہ یہ کہ نکاح میمونہ کے سلسلہ میں اول تو روایات میں اختلاف ہے اور اگر

مان لیا جائے کہ نکاح بحالت احرام ہوا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ یہ حضور ﷺ کا فعل ہے جو آپ کے ساتھ خاص ہے، امت کے لئے آپ نے قاعدہ بیان فرمادیا لا ینکح المحرم و لا ینکح اور جب قول و فعل میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح ہوتی ہے۔

نیز ابن عباسؓ کی روایت مبیح ہے اور عثمان کی روایت مُحرِّم ہے اور جب مبیح اور مُحرِّم میں تعارض ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ جواب نہایت زوردار ہے اور یہ مسلک جمہور ہی کی تائید اور تقویت کو چاہتا ہے۔

الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ لا ینکح و لا ینکح میں حرمت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ کراہت بیان کرنا مقصود ہے، جیسے اگلے لفظ و لا یخطب میں، بحالت احرام خِطبہ کرنا مکروہ ہے جیسا کہ موفق و نووی وغیرہ نے تصریح کی ہے تو دوسرا یہ کہہ سکتا ہے کہ بحالت احرام نکاح کرنا بھی مکروہ ہے، اس میں کراہت کو بیان کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت اباحت نکاح بحالت احرام بلا کراہت ہے اور امت کے حق میں مباح ہے لیکن مع الکراہت، اس لئے کہ امت کو خطرہ ہے کہ شاید اس سے کوئی جنایت اس پر صادر نہ ہو جائے اور آنحضور ﷺ کے بارے میں یہ خطرہ نہیں ہے۔

(ص ۲۴۸) بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الطِّيبِ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا لَا تَلْبَسِ الْمُحْرِمَةُ ثَوْبًا بِوَرْسٍ أَوْ زَعْفَرَانٍ

١٨٣٨. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: «قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَاذَا تَأْمُرُنَا أَنْ نَلْبَسَ مِنَ الثِّيَابِ فِي الْإِحْرَامِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَلْبَسُوا الْقَمِيصَ، وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ، وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا الْبَرَانِسَ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ لَيْسَتْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْ أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وَلَا تَلْبَسُوا شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا الْوَرْسُ، وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ، وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ تَابَعَهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ، وَجُوَيْرِيَةُ، وَابْنُ إِسْحَاقَ: فِي النِّقَابِ وَالْقُفَّازَيْنِ، وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ: وَلَا وَرْسٌ. وَكَانَ يَقُولُ: لَا تَتَنَقَّبِ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ. وَقَالَ مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: لَا تَتَنَقَّبِ الْمُحْرِمَةُ وَتَابَعَهُ لَيْثُ بْنُ أَبِي سُلَيْمٍ

۱۸۳۹. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: «وَقَصَتْ بِرَجُلٍ مُحْرِمٍ نَاقَتُهُ فَقَتَلَتْهُ، فَأُتِيَ بِهِ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: اغْسِلُوهُ وَكَفِّنُوهُ، وَلَا تُغَطُّوا رَأْسَهُ، وَلَا تُقَرِّبُوهُ طِيبًا، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يُهِلُّ»

ترجمہ: باب، مُحرم اور مُحرمہ کے لئے خوشبو کی ممانعت کا بیان، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ محرمہ ورس یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ ہمیں احرام میں کون سے کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں؟ تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ قمیص نہ پہنو، پائجامہ نہ پہنو، عمامہ نہ باندھو، ٹوپیاں نہ پہنو، ہاں اگر کسی کے پاس دو چپل نہ ہوں تو وہ خفین پہن سکتا ہے لیکن اس کو چاہئے کہ دونوں ٹخنوں کے نیچے سے اس کو کاٹ لے، اسی طرح ایسا کوئی کپڑا نہ پہنو جو زعفران میں یا ورس میں رنگا ہوا ہو، محرمہ نقاب اور دستانے نہ پہنے۔

نقاب اور دستانے کے ذکر میں لیث کی متابعت موسی بن عقبہ، اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ، جویریہ اور ابن اسحاق نے کی ہے، عبیداللہ نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ وَلَا وَرْسٌ تک حدیث نقل کرنے کے بعد یہ فرمایا کرتے تھے کہ محرمہ نقاب نہ پہنے اور دستانے نہ پہنے، امام مالک نے نافع کے واسطے سے حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ محرمہ نقاب نہ پہنے، امام مالک کی متابعت لیث بن ابی سلیم نے کی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے نقل کیا کہ ایک محرم کی اونٹنی نے اس کی گردن توڑ دی اور اس کی جان لے لی، اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو غسل دو، کفن پہناؤ، اس کے سر کو نہ ڈھانکو اور اس کو کسی خوشبو کے قریب نہ کرو کیوں کہ وہ قیامت کے دن تلبیہ کہتا ہوا اٹھایا جائے گا۔

تشریح: محرم اور محرمہ کے لئے خوشبو کا استعمال کرنا بالاتفاق منہی عنہ ہے، لیکن مصنف نے ماینھی کہہ کر تفصیل کی طرف اشارہ کیا اور غالباً ان کی مراد یہ ہے کہ احرام کے بعد از سر نو خوشبو کا استعمال ممنوع ہے اور اگر پہلے سے خوشبو لگا رکھی ہو اور اس کا اثر بحالت احرام باقی رہے تو یہ منع نہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کأنی أنظر فی مفارق رسول اللہ ﷺ وهو محرم۔

وَقَالَتْ عَائِشَةُ لَا تَلْبَسِ الْمُحْرِمَةُ ثَوْبًا بِوَرْسٍ أَوْ زَعْفَرَانٍ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ محرمہ ایسا کپڑا استعمال نہ کرے جس پر ورس یا زعفران کا رنگ لگا ہوا ہو۔

مزعفر و مورّس مرد و عورت کے لئے استعمال کرنا بالاتفاق ناجائز ہے، الا یہ کہ دھلا ہوا ہو تو اس صورت میں

اختلاف ہے، مالکیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ناجائز ہے، جمہور فرماتے ہیں کہ جائز ہے، لیکن حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ شرط یہ ہے کہ دھونے کے بعد اس کا رنگ نہ اترتا ہو، جمہور کی دلیل یہ ہے کہ مسند حمانی میں حدیث باب میں وارد ہوا ہے إلا أن یکون غسیلاً، اور علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری حرمت کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ غسیل کا بھی استعمال جائز نہیں۔

وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ: محرمہ عورت نقاب استعمال نہ کرے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کا احرام چہرہ میں ہوتا ہے لہذا اس کو چہرہ بند کرنا بحالت احرام جائز نہیں ہے، دار قطنی اور بیہقی نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے إحرام المرأة فی وجهها وإحرام الرجل فی راسه۔

اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف نقل کیا جاتا ہے، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے منقول ہے کہ وہ چہرہ ڈھانک لیا کرتی تھیں، امام مالک نے فاطمہ بنت منذر سے نقل کیا ہے کہ ہم اپنے چہروں کو بحالت احرام ڈھانک لیا کرتے تھے اور ہم اسماء بنت ابی بکرؓ کے ساتھ تھے اور وہ ہم پر نکیر نہیں کرتی تھیں۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ ڈھانکنا بر سبیل سدل ہوتا تھا جسے ہم لوگوں کی اصطلاح میں گھونگھٹ ڈال لینا کہتے ہیں، گھونگھٹ ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ گھونگھٹ ڈالتے ہوئے کپڑے کا چہرے سے منفصل ہونا ضروری ہے یا اگر متصل ہو جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے؟ حنابلہ کے یہاں دونوں قول ہیں، جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ منفصل ہونا چاہئے چہرہ سے الگ اور دور ہونا چاہئے۔

گھونگھٹ کا جواز ابوداؤد شریف کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رکبان ہمارے پاس سے گزرتے تھے فإذا حاذَوْا بنا سَدَلَتْ إحدانا جلبابها مِن رأسِها علی وجهها فإذا جاوزُونا کشفناه، اسی میں آگے یہ بھی ہے ونحن مع رسول الله ﷺ مُحرِمات۔

وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ: قفاز دستانے کو کہا جاتا ہے، دستانہ عورت کے لئے استعمال کرنا امام مالک اور امام احمد اور جمہور کے نزدیک ناجائز ہے، حنفیہ اور شافعیہ کی ایک جماعت اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ جائز ہے۔

یہ روایت فریق اول کی تائید کرتی ہے اور مجوزین کے خلاف ہے، مجوزین اس کو غالباً خلاف اولیٰ پر محمول کرتے ہیں، چنانچہ حنفیہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے یحرم لبس القفازین للرجل وأما المرأة فیندب لها عدمه بہتر

یہ ہے کہ نہ پہنے، تو معلوم ہوا کہ ان کے یہاں لبس قفازین خلاف اولیٰ ہے اور یہ خلاف اولیٰ پر محمول ہے، مرد کا قفازین استعمال کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

تَابَعَهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: تابعہ کی ضمیر منصوب لیث بن سعد کی طرف لوٹ رہی ہے، مقصد یہ ہے کہ لیث بن سعد نے جیسے اس روایت میں وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ، وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ موصولاً بالخبر مرفوعاً نقل کیا ہے ایسے ہی موسیٰ بن عقبہ، اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ، جویریہ اور ابن اسحاق نے بھی نقل کیا ہے۔

آگے فرماتے ہیں وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ: وَلَا وَرْسٌ یعنی عبید اللہ جب یہ روایت نقل کرتے ہیں تو ورس تک مرفوع نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد کا جملہ وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ، وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ موقوفاً نقل کرتے ہیں اور ابن عمرؓ کا قول قرار دیتے ہیں، اسی لئے ولا ورس کے بعد یوں کہتے تھے وَكَانَ يَقُولُ۔

وَقَالَ مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: مصنف نے یہ بتلا دیا کہ دوسرے طریق سے بھی نقاب کا مسئلہ موقوفاً منقول ہے، بہر حال اس آخری جملہ میں اختلاف ہے کہ یہ مرفوع ہے یا موقوف؟ ایک جماعت مرفوعاً نقل کرتی ہے اور عبید اللہ اس کو مفصولاً اور موقوفاً نقل کرتے ہیں۔

(ص ۲۴۸) بَابُ الِاغْتِسَالِ لِلْمُحْرِمِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَدْخُلُ الْمُحْرِمُ الْحَمَّامَ، وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَعَائِشَةُ بِالْحَكِّ بَأْسًا

۱۸۴۰. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ: «أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْعَبَّاسِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ اخْتَلَفَا بِالْأَبْوَاءِ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ: يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ، وَقَالَ الْمِسْوَرُ: لَا يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ، فَأَرْسَلَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الْعَبَّاسِ إِلَى أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ بَيْنَ الْقَرْنَيْنِ، وَهُوَ يُسْتَرُ بِثَوْبٍ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: مَنْ هَذَا؟ فَقُلْتُ: أَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ حُنَيْنٍ، أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْعَبَّاسِ، أَسْأَلُكَ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ؟. فَوَضَعَ أَبُو أَيُّوبَ يَدَهُ عَلَى الثَّوْبِ فَطَأْطَأَهُ حَتَّى بَدَا لِي رَأْسُهُ، ثُمَّ قَالَ لِإِنْسَانٍ يَصُبُّ عَلَيْهِ: اصْبُبْ، فَصَبَّ عَلَى رَأْسِهِ، ثُمَّ حَرَّكَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، وَقَالَ: هَكَذَا رَأَيْتُهُ ﷺ يَفْعَلُ

ترجمہ: باب، مُحرم کے لئے غسل کے حکم کا بیان، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ محرم حمام میں داخل ہو سکتا

ہے، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے کھجانے کے معاملہ میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔

ابن حنین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت مسور بن مخرمہؓ کے درمیان مقام ابواء میں اختلاف ہوا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ محرم اپنے سر کو دھو سکتا ہے، حضرت مسورؓ نے کہا کہ محرم اپنے سر کو نہیں دھو سکتا تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے مجھے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے پاس بھیجا، میں نے ان کو کنویں کی دونوں دیواروں کے درمیان غسل کرتے ہوئے پایا اس حال میں کہ کپڑے کے ذریعہ پردہ کیا جارہا تھا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں عبد اللہ بن حنین ہوں، مجھے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے آپ کے پاس بھیجا ہے میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ محرم ہونے کی حالت میں اپنے سر کو کیسے دھوتے تھے؟ حضرت ابو ایوبؓ نے اپنے ہاتھ کو اس کپڑے پر رکھا، اس کو جھکایا یہاں تک کہ مجھے ان کا سر نظر آیا، پھر ایک شخص سے جو کہ ان پر پانی ڈال رہا تھا یہ فرمایا کہ پانی ڈالو، اس نے آپ کے سر پر پانی ڈالا، پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو ہلایا اور دونوں ہاتھوں کو آگے پیچھے کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح: اگر غسل واجب ہو تو غسل کرنا بالاتفاق جائز بلکہ ضروری ہے، اور اگر کوئی آدمی یوں ہی تبرید یا تبرک کی نیت سے غسل کرتا ہے تو جائز ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ سر پر پانی ڈالنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ تغطیۃ الراس کے مشابہ ہے، امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں اطلاق رکھ کر جمہور کے مسلک کی تائید فرمائی ہے۔

يَدْخُلُ الْمُحْرِمُ الْحَمَّامَ: حمام میں محرم داخل ہو سکتا ہے، عہد نبوی میں حمام کا وجود نہیں تھا اور یہ جو بعض فقہاء نقل کرتے ہیں أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ حَمَّامًا بِالْجُحْفَةِ ابن خزیمہ وغیرہ اس کو باطل قرار دیتے ہیں۔

وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَعَائِشَةُ بِالْحَكِّ بَأْسًا: یعنی کھجلانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کھجلانے کا مسئلہ غسل کے باب میں اس لئے ذکر فرمایا کہ غسل ہی سے میل کچیل دور ہوتا ہے اور کھجانے سے بھی میل کا ازالہ ہوتا ہے۔

(ص ۲۴۸) بَابُ لُبْسِ الْخُفَّيْنِ لِلْمُحْرِمِ إِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ

۱۸۴۱. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ سَمِعْتُ ابْنَ

عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: «سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ بِعَرَفَاتٍ: مَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ إِزَارًا فَلْيَلْبَسْ سَرَاوِيلَ لِلْمُحْرِمِ

١٨٤٢. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: «سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ فَقَالَ: لَا يَلْبَسِ الْقَمِيصَ، وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ، وَلَا الْبُرْنُسَ، وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ

ترجمہ: باب، مُحرم کے لئے جب کہ اس کے پاس جوتے نہ ہوں خفین پہننے کا حکم۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ میں نے پیغمبر ﷺ کو عرفات میں خطبہ کے دوران یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کے پاس جوتے نہ ہوں اس کو چاہیے کہ خفین پہنے اور جس کے پاس تہبند نہ ہو اس کو چاہیے کہ پائجامہ پہنے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ محرم کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ قمیص نہ پہنے، عمامہ نہ باندھے، پائجامہ نہ پہنے، ٹوپی نہ پہنے اور ایسا کپڑا استعمال نہ کرے جو زعفران اور ورس میں رنگا ہوا ہو اور اگر اسکے پاس جوتے نہ ہوں تو خفین پہن سکتا ہے مگر انکو اتنا کاٹ لے کہ وہ پاؤں کی ابھری ہوئی ہڈی سے نیچے ہو جائے۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر مُحرم کو نعلین نہ ملے تو وہ خفین پہن سکتا ہے۔

عدم وجدان نعلین کی صورت میں اگر محرم خفین پہنے تو اس کا قطع ضروری ہے یا بغیر قطع کے پہن سکتا ہے؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ بغیر قطع کے پہن سکتا ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ قطع ضروری ہے، امام بخاری نے ترجمہ میں اطلاق رکھ کر حضرت امام احمد کی موافقت کا اظہار کیا ہے۔

اس مسئلہ میں دو روایتیں نقل کی جاتی ہیں، ایک ابن عباسؓ کی اس میں ہے مَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، لیکن دوسری روایت حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی جاتی ہے اس میں قطع کا ذکر ہے، امام بخاری نے اس باب میں دونوں روایتیں ذکر فرمائی ہیں، ترجمہ کے اطلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ انہوں نے امام احمد کی تائید کی ہے، لیکن ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ دونوں کی روایتوں کا ساتھ لے آنا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ وہ مطلق کو مقید پر محمول کر رہے ہیں۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ صاحب! ابن عمرؓ کی روایت مقدم ہے مدینہ کی ہے اور ابن عباسؓ کی روایت مؤخر ہے

عرفات کی ہے، امام شافعی وغیرہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ دونوں کا تعلق حج ہی سے ہے، حج ہی کو جاتے ہوئے ابن عمرؓ کی روایت بیان ہوئی اور حج ہی میں عرفات میں ابن عباسؓ کی روایت بیان ہوئی ہے، لہٰذا ابن عباسؓ کی روایت کے اطلاق کو ابن عمرؓ کی روایت کی تقیید پر محمول کیا جائے گا، ممکن ہے کہ عرفات میں آپ نے قطع کی قید ذکر فرمائی ہو لیکن راوی نے نہ سنی ہو یا سنی ہو تو ذہن سے اتر گئی ہو۔

اگر کوئی آدمی عدم وجدان نعلین کی صورت میں خفین پہنتا ہے تو فدیہ بھی واجب ہو گا یا نہیں؟ ائمۂ اربعہ کے یہاں عزالدین بن جمال نے تصریح کی ہے کہ فدیہ واجب نہیں ہو گا، طبری، نووی، قرطبی اور حافظ ابن حجر نے امام ابو حنیفہ سے وجوب فدیہ نقل کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے، امام نووی نے شرح مہذب میں مسئلہ صحیح نقل کیا ہے اور اس بات پر اتفاق نقل فرمایا ہے کہ قطع کے بعد پہننے کی صورت میں فدیہ واجب نہیں ہو گا۔

آیا نعلین کی موجودگی میں خفین پہنے جا سکتے ہیں؟ جمہور منع کرتے ہیں، صاحب بحر کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی کتابوں میں یہ مسئلہ ملا نہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ ممنوع ہونا چاہئے، مگر اس پر تعجب ہے اس لئے کہ علامہ عینی اور ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر خفین مقطوعین ہوں تو اب وہ جوتے بن گئے ہیں ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حدیث کی مخالفت کی وجہ سے کراہت کا ارتکاب لازم آئے گا۔

دیکھئے امام بخاری کس قدر بالغ نظر انسان ہیں ایک ترجمہ منعقد کیا لُبْسُ الْخُفَّيْنِ لِلْمُحْرِمِ إِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ اور اس میں کئی کئی مسائل تصریحات قیود اور بعض مرتبہ سکوت سے ذکر کر دیے، یہ بتا دیا کہ محرم کے لئے فقدان نعلین کی صورت میں لبس خفین جائز ہے یہ منطوق ترجمہ ہے، اس کا مفہوم نکلا کہ اگر فقدان نہ ہو تو ناجائز ہے یہ مفہوم ترجمہ ہے، دو مسئلے ہو گئے، اس کے ساتھ امام بخاری نے فدیہ سے تعرض نہیں کیا معلوم ہوا کہ فقدان کی صورت میں اگر خفین پہن لئے تو فدیہ واجب نہیں ہو گا، اسی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھئے کہ قطع کی قید نہیں لگائی تو اشارہ فرما دیا کہ قطع ضروری نہیں ہے اور یہ قید ایجابی نہیں ہے، غور کیجئے اس امام کی امامت پر کہ صرف چند لفظ ترجمہ میں ذکر کئے اور اس سے بہت سے مسائل متعلقہ کی طرف اشارہ کرتے چلے گئے، سچ ہے جس نے کہا کہ امام بخاری افقہ خلق اللہ ہیں اور فقہ الحدیث کے سب سے بڑے ماہر ہیں۔

لِلْمُحْرِمِ: یعنی حضور نے یہ محرم کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

(ص ۲۴۸) بَابٌ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْإِزَارَ فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيلَ

۱۸۴۳. حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: «خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَفَاتٍ، فَقَالَ: مَنْ لَمْ يَجِدِ الْإِزَارَ فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيلَ، وَمَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ

ترجمہ: باب، جس کے پاس ازار نہ ہو وہ پائجامہ پہن سکتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے عرفات میں خطبہ دیا اور فرمایا کہ جس کے پاس ازار نہ ہو اس کو چاہئے کہ پائجامہ پہنے اور جس کے پاس جوتے نہ ہوں اس کو چاہئے کہ خفین پہنے۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر ازار نہ ملے تو سراویل پہن سکتا ہے۔ اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ فلیلبس السراویل جزم کے ساتھ فرمادیا اس لئے کہ دلیل نہایت قوی ہے، ہمارے حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ستر عورۃ واجب ہے لہذا محرم کو ازار نہ ملنے کی صورت میں پائجامہ پہننا ضروری ہے۔

پھر یہاں بھی اختلاف ہے کہ آیا اس کا فتق ضروری ہے یا نہیں؟ حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ بلا فتق کے پہننا جائز ہے، شافعیہ کے دونوں قول ہیں لیکن ان کا اصح قول یہ ہے کہ بلا فتق کے جائز ہے، مالکیہ اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس کا فتق ضروری ہے۔

جو لوگ فتق کو ضروری کہتے ہیں تو اگر بلا فتق کے پہن لیا تو اس صورت میں فدیہ واجب ہوگا اس لئے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام کا قانون یہ ہے کہ مخیط نہ پہننا چاہئے، اور جب حضور ﷺ سے عدم وجدان کی صورت میں اجازت دی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے مفتوق ازار ہی مراد ہوگا، امام طحاوی، ابو بکر جصاص رازی نے ہمارے فقہاء میں سے اس کی تصریح کی ہے۔

امام بخاری نے ترجمہ کے اطلاق سے امام احمد وغیرہ کی تائید فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بات ہوتی تو حضور اکرم ﷺ ایک لفظ و لیفتقهما کیوں چھوڑ دیتے؟ اس کو ضرور بیان کرتے، سکوت فی مقام البیان بیان ہوتا ہے، نیز ہر پائجامہ پھاڑنے کے بعد ازار نہیں بن سکتا ہے، اگر لمبا چوڑا پائجامہ ہو جو پرانے زمانے کے لوگوں کا ہوا کرتا تھا تو وہ تو ازار بن جائے گا مگر آج کل جو پائجامے پہنے جاتے ہیں ان کو اگر پھاڑا جائے تو سارا ستر نظر آئے گا۔

(ص ۲۴۹) بَابُ لُبْسِ السِّلَاحِ لِلْمُحْرِمِ

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: إِذَا خَشِيَ الْعَدُوَّ لَبِسَ السِّلَاحَ وَافْتَدَى وَلَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهِ فِي الْفِدْيَةِ

۱۸٤٤. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: «اعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ فِي ذِي الْقَعْدَةِ، فَأَبَى أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يَدَعُوهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ حَتَّى قَاضَاهُمْ: لَا يُدْخِلُ مَكَّةَ سِلَاحًا إِلَّا فِي الْقِرَابِ

ترجمہ: باب، مُحرم کے لئے اسلحہ رکھنے کے حکم کا بیان، عکرمہ نے کہا کہ جب دشمن کا خوف ہو تو جائز ہے کہ اسلحہ رکھے لیکن فدیہ ادا کرے، فدیہ کے بارے میں ان کی متابعت کسی نے نہیں کی۔

حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے ذی قعدہ میں عمرہ کیا، اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے نہیں دیا یہاں تک کہ آپ نے ان سے یہ صلح کی کہ آپ مکہ میں ہتھیاروں کو نیام میں رکھ کر ہی داخل ہوں گے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اگر بضرورت بحالت احرام ہتھیار پہننا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، حسن بصری سے ابن منذر نے کراہت نقل کی ہے، غالبًا انہوں نے حضرت جابرؓ کی حدیث لا يحل لأحدكم أن يحمل بمكة السلاح سے استدلال کیا ہے، لیکن جمہور علماء اس روایت کو عدم حاجت پر محمول کرتے ہیں۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ فیض الباری میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ محرم کا لبس سلاح کا مسئلہ ہماری کتابوں میں مذکور نہیں ہے اور مصنف اس کو مطلقًا جائز کہتے ہیں، مناسب یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہو کہ جو مغطیٔ راس ہو وہ تو ممنوع ہو اور جو تغطیۂ راس نہ کرے وہ مباح ہو جیسا کہ لباس میں ہوتا ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ یہ بڑی تعجب خیز بات ہے، در مختار وغیرہ میں لبس سلاح کا مسئلہ مذکور ہے کہ لبس سلاح وسیف جائز ہے، ابن عابدین کہتے ہیں کہ لیکن اس میں زرہ داخل نہیں اس لئے کہ وہ ملبوسات کے قبیل سے ہے، اسی طرح لباب، شرح لباب اور غنیۃ الناسک وغیرہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

وَقَالَ عِكْرِمَةُ إِذَا خَشِيَ الْعَدُوَّ لَبِسَ السِّلَاحَ: عکرمہ فرماتے ہیں کہ ضرورت ہو تو ہتھیار پہننا جائز ہے اور فدیہ دے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ عکرمہ وجوب فدیہ میں منفرد ہیں کوئی ان کا متابع نہیں، لیکن امام نووی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سے مراد درع اور مغفر یعنی زرہ اور خود جس کو مخیط کی طرح پہنا جاتا ہے اس میں فدیہ واجب ہے۔

(ص ۲۴۹) بَابُ دُخُولِ الْحَرَمِ وَمَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ

وَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَإِنَّمَا أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْإِهْلَالِ لِمَنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ لِلْحَطَّابِينَ وَغَيْرِهِمْ

۱۸۴۵. حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ: وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، هُنَّ لَهُنَّ، وَلِكُلِّ آتٍ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِمْ، مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُونَ ذَلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ

۱۸۴۶. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ: دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ، فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: اقْتُلُوهُ

ترجمہ: باب، حرم میں اور مکہ مکرمہ میں احرام کے بغیر داخل ہونے کا بیان، حضرت ابن عمرؓ (مکہ مکرمہ میں احرام کے بغیر) داخل ہوئے، پیغمبر ﷺ نے احرام باندھنے کا حکم اس کو دیا ہے جس کا ارادہ حج اور عمرے کا ہو، آپ نے احرام کا ذکر لکڑی جمع کرنے والوں یا ان جیسے لوگوں کے لئے نہیں فرمایا۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ کو، نجد والوں کے لئے قرن المنازل اور یمن والوں کے لئے یلملم کو میقات قرار دیا، یہ مقامات میقات ہیں مذکورہ جگہوں کے باشندوں کے لئے اور ان کے علاوہ ہر اس شخص کے لئے جو ان میقاتوں سے گزرے، ان لوگوں میں سے جن کا ارادہ حج اور عمرے کا ہو، تو جو ان کے اندر کا رہنے والا ہو وہ جہاں سے بھی احرام باندھے (وہی اس کی میقات ہے) یہاں تک کہ مکہ والے مکہ سے (احرام باندھیں)۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے سر اقدس پر خود تھا جب آپ ﷺ نے اس خود کو اتارا تو آپ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چپکا ہوا ہے ارشاد فرمایا اس کو قتل کردو۔

تشریح: اگر کوئی آدمی حرم میں بنیت حج وعمرہ داخل ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے بالاتفاق احرام باندھنا ضروری ہے۔

اور اگر کوئی شخص قتال مباح کی غرض سے داخل ہونا چاہتا ہے تو شافعی واحمد کے یہاں بلا احرام داخل ہو سکتا

ہے، مالک اور ابو حنیفہ کے یہاں بلا احرام داخل نہیں ہو سکتا ہے، قاضی عیاض نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

اور کوئی شخص حاجت متکررہ کی وجہ سے داخل ہوتا ہے جیسے حطابین وحشاشین (لکڑیاں اور گھاس پھوس چننے اور جمع کرنے والے) وغیرہ تو ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

۱ حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ بغیر احرام کے داخل ہو سکتا ہے، ۲ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ یہ شخص بھی بلا احرام داخل نہیں ہو سکتا ہے اور حیلہ اس کے لئے یہ ہے کہ میقات کے اندر کی کسی جگہ کا قصد کرے اور جب یہ شخص وہاں کا قصد کرے گا تو یہ اندرونی میقات کا انسان ہو جائے گا اور اب اس کے بعد آگے بلا احرام کے جاتا ہے تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں اس لئے کہ جو شخص میقات کے اندر رہنے والا ہو وہ بلا احرام کے جا سکتا ہے، ۳ مالک اور شافعی کی اس مسئلہ میں دونوں روایتیں ہیں لیکن ان کا اصح قول یہ ہے کہ صاحب الحاجۃ المتکررہ بلا احرام کے مکہ اور حرم میں داخل ہو سکتا ہے، امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے۔

وَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ حلالا: لیکن ابن عمرؓ کے اثر کا جواب یہ دیا جائے گا کہ حضرت ابن عمرؓ مکہ سے مدینہ واپس آرہے تھے، قدید پہنچ کر انہیں یہ معلوم ہوا کہ مدینہ میں فتنہ واقع ہو رہا ہے وہ وہیں سے پیچھے لوٹ گئے غالباً اس فتنہ سے مراد واقعۃ الحرہ ہے اور قدید ذوالحلیفہ کے بعد ہے، اس صورت میں یہ میقاتی بن گئے اور میقاتی شخص بلا احرام کے اندر داخل ہو سکتا ہے لہٰذا ابن عمرؓ کے دخول سے استدلال حنفیہ کے خلاف نہیں ہے۔

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ: حنفیہ وغیرہ اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کرتے ہیں۔

جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ: ایک آدمی نے آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ ابن خطل استار کعبہ سے چمٹا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو۔

چند افراد ایسے تھے جن کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف کہہ دیا تھا جہاں کہیں یہ ملیں ختم کر دیئے جائیں، انہی میں عبد اللہ بن خطل تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا۔

قاضی ابن العربی کا واقعہ: حافظ ابن صلاح اور ابو بکر بن المرجح فرماتے ہیں کہ یہ حدیث روایت کرنے میں امام مالک منفرد ہیں، قاضی ابن العربی فرماتے ہیں کہ امام مالک کے علاوہ تیرہ انسان اور بھی اس کو نقل

کرتے ہیں، لیکن جب قاضی ابن عربی سے یہ پوچھا گیا کہ وہ تیرہ انسان مالک کے علاوہ کون کون ہیں جو یہ روایت امام مالک کی طرح سے ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں تو قاضی ابن عربی نے وعدہ تو کر لیا لیکن بعد میں پیش نہیں کر سکے، وہاں کے علماء کو ان کے بارے میں بڑی بدگمانیاں ہوئیں حتی کہ خلف بن جبر ادیب نے قاضی ابن عربی کی مذمت کے بارے میں دو تین شعر بھی کہے اور کہا

يَا أَهْلَ حِمْصَ وَمَنْ بِهَا أُوصِيكُم ۔۔۔ بِالبِرِّ وَالتَّقْوَى وَصِيَّةَ مُشْفِقِ
فَخذُوا عَنِ العربِي أَسمَارَ الدجَى ۔۔۔ وَخذُوا الرِّوَايَةَ عَنْ إِمَامٍ متقِ
إِنَّ الفَتَى حُلوُ الكَلَامِ مُهَذب ۔۔۔ إِنْ لَمْ يَجِدْ خَبَرًا صَحِيحًا يَخلُقِ

یعنی اے اہل حمص اور وہاں کے سکان! میری ایک وصیت سن لو! میں تم کو بر و تقویٰ کی ہدایت کرتا ہوں مشفق انسان کی طرح سے، ابن عربی سے قصہ و کہانی سنا کرو اور روایت امام متقی سے سنو، یہ آدمی بڑا چرب زبان ہے اگر کوئی خبر صحیح نہ ملے تو جھوٹی روایت گھڑ کر پیش کر دے گا۔

حافظ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ قاضی ابن عربی کو وہم ہو گیا ہو اور کسی دوسری حدیث کی طرف ان کا ذہن چلا گیا ہو، لیکن حافظ عراقی نے ابن عربی کی تائید میں بعض طرق پیش کئے، حافظ ابن حجر عسقلانی علامۃ الدہر اور حافظ الزماں آئے تو انہوں نے تیرہ تو کیا! اس سے آگے نمبر بڑھا دیا اور سولہ حضرات سے امام مالک کے علاوہ یہ روایت نقل فرمائی، معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابن عربی کو طرق مستحضر تھے معلوم تھے لیکن یہ سمجھ میں آیا ہو گا کہ یہ علماء معاند ہیں اس لئے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی اور باوجود وعدہ کر لینے کے پھر بھی طرق ان کے سامنے پیش نہیں کئے۔

(ص ۲۴۹) بَابُ إِذَا أَحْرَمَ جَاهِلًا وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ

وَقَالَ عَطَاءٌ إِذَا تَطَيَّبَ أَوْ لَبِسَ جَاهِلًا أَوْ نَاسِيًا فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ

١٨٤٧ . حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ قَالَ حَدَّثَنِي صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ: «كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ عَلَيْهِ جُبَّةٌ أَثَرُ صُفْرَةٍ أَوْ نَحْوُهُ، كَانَ عُمَرُ يَقُولُ لِي: تُحِبُّ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ أَنْ تَرَاهُ؟ فَنَزَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ، فَقَالَ: اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ مَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ

۱۸٤۸. وَعَضَّ رَجُلٌ يَدَ رَجُلٍ، يَعْنِي فَانْتَزَعَ ثَنِيَّتَهُ، فَأَبْطَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ

ترجمہ: باب، ناواقفیت کی وجہ سے قمیص پہنے ہوئے احرام باندھنے (یعنی احرام کی نیت کرنے) کا بیان،
حضرت عطاء نے فرمایا کہ اگر ناواقفیت میں یا بھول کر خوشبو لگائے یا سلا ہوا کپڑا پہنے تو اس پر کفارہ واجب نہیں۔
یعلیٰ بن امیہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا جس کے اوپر جبہ تھا اور اس میں زرد رنگ کا یا اس جیسے رنگ کا نشان تھا، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھ سے یہ کہا کرتے تھے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ حضور ﷺ کو اس وقت دیکھو جب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو؟ آپ پر وحی نازل ہوئی پھر وحی نازل ہونے کی کیفیت ختم ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ اپنے عمرے میں تم ایسے ہی کرو جیسے اپنے حج میں کرتے ہو۔

تشریح: اگر کسی آدمی نے بحالت جہالت احرام باندھ لیا تو روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس کو اتار دینا چاہئے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سر کی جانب سے اتار سکتا ہے اس کا پھاڑنا چاک کرنا ضروری نہیں ہے، شعبی اور نخعی کہتے ہیں کہ اس کا شق کرے پھاڑے تاکہ ستر راس لازم نہ آئے، ان کی دلیل مسند احمد کی ایک روایت ہے لیکن وہ روایت ضعیف ہے، بخاری کی روایت کا اطلاق اس بات کو چاہتا ہے کہ سر کی طرف سے اتارنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور ابوداؤد میں فخلعه من قبل راسه صراحۃً روایت الباب میں وارد ہوا ہے۔

إِذَا تَطَيَّبَ أَوْ لَبِسَ جَاهِلًا أَوْ نَاسِيًا فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ: اگر کسی آدمی نے جہالت میں خوشبو لگالی یا بھول کر مخیط پہن لیا تو اس پر عطاء فرماتے ہیں کہ کفارہ نہیں، امام شافعی کا مسلک اور ظاہر مذہبِ احمد یہی ہے لیکن امام احمد سے ایک قول فدیہ کے وجوب کا نقل کیا جاتا ہے یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ فدیہ اس وقت آئے گا جب تمادی یعنی کچھ دیر ہو جائے اور اگر فوراً ہی اتار دیا تو پھر کچھ بھی نہیں ہے۔

(ص ۲۴۹) بَابُ الْمُحْرِمِ يَمُوتُ بِعَرَفَةَ

وَلَمْ يَأْمُرِ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُؤَدَّى عَنْهُ بَقِيَّةُ الْحَجِّ

۱۸٤۹. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: «بَيْنَا رَجُلٌ وَاقِفٌ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِعَرَفَةَ، إِذْ وَقَعَ عَنْ رَاحِلَتِهِ فَوَقَصَتْهُ، أَوْ قَالَ فَأَقْعَصَتْهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، أَوْ قَالَ: ثَوْبَيْهِ، وَلَا تُحَنِّطُوهُ، وَلَا

تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّ اللهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُلَبِّي

۱۸۵۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: «بَيْنَا رَجُلٌ وَاقِفٌ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِعَرَفَةَ، إِذْ وَقَعَ عَنْ رَاحِلَتِهِ فَوَقَصَتْهُ، أَوْ قَالَ: فَأَوْقَصَتْهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تُمِسُّوهُ طِيبًا، وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ وَلَا تُحَنِّطُوهُ، فَإِنَّ اللهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا

ترجمہ: باب، عرفہ میں انتقال کرنے والے محرم کا بیان، پیغمبر ﷺ نے اس شخص کے بارے میں (جس کا انتقال عرفہ میں ہو گیا تھا) یہ حکم نہیں دیا کہ اس کی طرف سے حج کے باقی افعال ادا کئے جائیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک شخص پیغمبر ﷺ کے ساتھ عرفہ میں وقوف کر رہا تھا کہ اپنی اونٹنی سے گر گیا اور اونٹنی نے اس کی گردن توڑ دی، یا راوی نے یہ کہا کہ اونٹنی نے اس کو اپنے پاؤں سے مارا جس کی وجہ سے وہ مر گیا، نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے نہلاؤ، دو کپڑوں میں کفن دو، یا یہ فرمایا کہ اس کے کپڑوں میں کفن دو، حنوط خوشبو نہ ملو، اس کے سر کو نہ ڈھاکو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اس طرح مبعوث کرے گا کہ وہ تلبیہ کہتا ہو گا۔

(دوسری حدیث میں بھی قریب قریب یہی الفاظ آئے ہیں)۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی آدمی اتفاق سے حج کو ئے اور حج پورا کرنے سے پہلے ہی اس کی وفات ہو جائے تو آیا اس کا بقیہ حج پورا کرایا جائے گا یا نہیں؟

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، امام بخاری کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے بقیہ حج پورا نہیں کرایا جائے ا، اس لئے کہ جب عرفات میں محرم کا انتقال ہو گیا تو حضور پاک ﷺ نے اس کی طرف سے بقیہ حج کے اکمال کا امر نہیں فرمایا، حنابلہ فرماتے ہیں کہ جہاں اس کی وفات ہوئی ہے وہیں سے بقیہ حج کرایا جائے گا، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر وصیت کر کے مرا ہے تو اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا، صاحبین کہتے ہیں کہ جہاں سے وفات ہوئی ہے وہیں سے حج کرایا جائے گا۔

امام شافعی قول قدیم میں امام احمد کے ساتھ ہیں یعنی جہاں مرا ہے وہیں سے حج کرایا جائے گا اور قول جدید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کچھ اس نے کیا تھا وہ اگرچہ ثواب کے اعتبار سے معتبر ہے لیکن صورت کے اعتبار سے باطل ہو گیا لہٰذا اب اس کے ترکہ سے حج کرایا جائے گا اگر اس کا حج ہو گیا ہے، اور حج نافلہ ہے یا مکرر نہیں ہوا یعنی

اسی سال استطاعت ہوئی تھی اور وہ چل پڑا تو پھر اس کی طرف سے اِحجاج واجب نہیں ہے۔

یہ جو اسی سال استطاعت کی صورت میں حج کرانے کی تفصیل شافعی کے مسلک میں پائی جاتی ہے حنفیہ کے مسلک میں بھی یہ تفصیل صاحب ہدایہ نے لکھی ہے اور محقق ابن ہمام نے اس کو مستحسن قرار دیا، لہذا اگر کسی پر حج فرض ہوا اور اسی سال چل دے تب تو احجاج نہیں ہے اور اگر تاخیر کر کے بعد میں جاتا ہے تو اس کی طرف سے حج کرایا جائے گا۔

(ص ۲۴۹) بَابُ سُنَّةِ الْمُحْرِمِ إِذَا مَاتَ

۱۸۵۱. حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: «أَنَّ رَجُلًا كَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَوَقَصَتْهُ نَاقَتُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَمَاتَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْهِ، وَلَا تُمِسُّوهُ بِطِيبٍ، وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا

ترجمہ: باب، محرم میت کی تجہیز و تکفین کے مسنون طریقہ کا بیان۔

حدیث کے الفاظ بابِ گزشتہ میں گزر چکے ہیں

تشریح: یہ مسئلہ میں کتاب الجنائز میں بیان کر چکا ہوں، امام شافعی، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ظاہریہ اور امام بخاری کے نزدیک اس کا سر نہیں ڈھانکا جائے گا، اور بعض ظاہریہ کہتے ہیں کہ نہ سر چھپایا جائے اور نہ چہرہ، حنفیہ ومالکیہ ڈھانکنے کے قائل ہیں اور روایت الباب کو خصوصیت پر محمول کرتے ہیں۔

(ص ۲۴۹) بَابُ الْحَجِّ وَالنَّذْرِ عَنِ الْمَيِّتِ وَالرَّجُلِ يَحُجُّ عَنِ الْمَرْأَةِ

۱۸۵۲. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: «أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ، جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ، فَلَمْ تَحُجَّ حَتَّى مَاتَتْ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً؟ اقْضُوا اللهَ، فَاللهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ

ترجمہ: باب، میت کی طرف سے حج بدل کرنے اور میت کی نذر کو پورا کرنے کا بیان اور اس بات کا بیان کہ

مرد عورت کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت پیغمبر ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ میری ماں نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ حج کریں گی، وہ حج نہیں کر سکیں یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا تو کیا ان کی طرف سے میں حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں تم ان کی طرف سے حج کرو، ذرا بتاؤ اگر تمہاری والدہ کے اوپر کوئی قرض ہوتا تو تم اسے ادا کرتی؟ تو اللہ کا حق بھی ادا کرو کیوں کہ اللہ کا حق ادائیگی کے زیادہ لائق ہے۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب میں دو مسئلے بیان کئے ہیں بلکہ تین۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ میت کی طرف سے حج بدل کیا جا سکتا ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میت پر اگر نذر ہو تو وہ نذر اس کی طرف سے پوری کی جاسکتی ہے۔

میت کی طرف سے حج بدل: میت کی طرف سے حج بدل کرنا تقریباً اتفاقی ہے، تقریباً کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام مالک کا مشہور قول اگرچہ یہی ہے کہ اس کی طرف سے حج بدل کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی ایک روایت مرجوح یہ بھی ہے کہ اس کی طرف سے حج بدل نہیں کیا جاسکتا ہے اور کوئی کسی کی بھی طرف سے حج بدل نہیں کرے گا۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا کب حج بدل کیا جائے گا؟ امام شافعی واحمد فرماتے ہیں کہ مطلقاً اس کی طرف سے حج بدل کرانا ضروری ہے، امام ابو حنیفہ اور مالک کہتے ہیں کہ اگر وصیت کر کے مرا ہو تو ثلث مال سے حج بدل کرانا ضروری ہے۔

امام بخاری نے جو روایت ذکر فرمائی ہے اس میں مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی تھی لیکن حج سے پہلے وفات پا گئی، حضور اکرم ﷺ سے اس کی لڑکی نے استفسار کیا تو آپ نے یوں فرمایا لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً؟ اقْضُوا اللهَ، فَاللهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ، معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے حج بدل کیا جاسکتا ہے کیوں کہ جب اس کی طرف سے نذر واجب جو حج تھی اداء کی جاسکتی ہے تو اسی کے ضمن میں حج بدل خود نکل آیا۔

میت کی نذر پوری کرنا: اور نذر کا مسئلہ بھی فی الجملہ اتفاقی ہے کہ میت کی نذر پوری کی جاسکتی ہے، لیکن آیا اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے صحت کے زمانہ میں نذر مانی ہے تو اس کی نذر کل مال سے پوری کرانی ضروری ہے اور اگر اس نے مرض وفات میں

نذر مانی ہے تو ثلث سے پوری کرانی ضروری ہے یہی حضرت امام احمد کا مسلک ہے، اور مالکیہ وحنفیہ فرماتے ہیں کہ اس کی نذر اس وقت پوری کرانی ضروری ہے جب وہ وصیت کر کے مرا ہو تو پھر ثلث مال سے وہ نذر پوری کرائی جائے گی اگر یہ وصیت مرض الوفات میں کی ہو، اور اگر مرض الوفات سے پہلے کی ہو تو کل مال سے کرائی جائے گی اس واسطے کہ مرض الوفات میں تصرفاتِ مریض ثلث میں نافذ ہوتے ہیں اور مرض الوفات سے پہلے سارے مال میں نافذ میں ہوتے ہیں۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ یہ دونوں جزء یعنی میت کی طرف سے حج بدل کرنا اور میت کی نذر کا پورا کرنا یہ دونوں حدیث باب سے ثابت ہوتے ہیں، میت کی نذر کا پورا کرنا حدیث سے صراحۃً ثابت ہے اور عورت کی وہ نذر حج کی تھی لہٰذا اس کے ضمن میں میت کی طرف سے حج بدل کرنا بھی نکل آیا اس لئے کہ نذر واجب ہوتی ہے اور جب میت کی طرف سے نذر واجب ادا کی جاسکتی ہے تو اس کی طرف سے فریضۂ حج تو بدرجۂ اولیٰ ادا کیا جاسکتا ہے۔

مرد عورت کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے؟ تیسرا مسئلہ جو امام بخاری نے ذکر کیا وَالرَّجُلُ یَحُجُّ عَنِ الْمَرْأَةِ یعنی مرد عورت کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے، اس کی چار صورتیں ہیں، (۱) ایک یہ ہے کہ مرد مرد کی طرف سے حج بدل کرے، (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عورت عورت کی طرف سے حج بدل کرے، (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ مرد عورت کی طرف سے حج بدل کرے، (۴) چوتھی صورت اس کے عکس کی ہے۔

امام بخاری نے پہلی دو صورتوں کا کوئی ترجمہ منعقد نہیں کیا ہاں اخیر کی دونوں صورتوں کے لئے ترجمہ منعقد کیا ہے، صورت ثالثہ کو اس باب میں ذکر فرمایا ہے اور صورت رابعہ کو ایک باب کے بعد ذکر فرمایا ہے، مصنف نے پہلی دونوں صورتیں غالباً اس لئے ذکر نہیں کی ہیں کہ جب اختلاف جنس کی صورت میں حج بدل کا جواز ثابت ہو جائے گا تو اتحاد جنس کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ ثابت ہو جائے گا۔

البتہ پہلی تین صورتیں متفق علیہ ہیں اور چوتھی صورت یعنی حج المرأۃ عن الرجل مختلف فیہ ہے۔

جمہور علماء جس میں ائمۂ اربعہ اور ظاہریہ وغیرہ ہیں سب یہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، حسن بن صالح نے انکار کیا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ عورت کا مرد کی طرف سے حج بدل کرنا مکروہ ہے، ابن منذر فرماتے ہیں کہ ان کا یہ قول غفلت ہے عن السنۃ الصحیحۃ، آگے مصنف نے جو ترجمہ منعقد کیا ہے وہ انہیں پر رد کرنے کے لئے منعقد فرمایا ہے۔

سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے یہاں پر صورت ثالثہ وَالرَّجُلُ يَحُجُّ عَنِ الْمَرْأَةِ ذکر کی ہے لیکن روایت سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت عورت کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے تو مصنف نے یہ جزء کیسے ثابت کیا ہے؟ اس کے تین جواب ہیں۔

(۱) پہلا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ بالاولویت ثابت کیا ہے، جب عورت عورت کی طرف حج بدل کر سکتی ہے تو مرد عورت کی طرف سے بدرجۂ اولیٰ کر سکتا ہے، (۲) دوسرا جواب علامہ ابن بطال اور بدرالدین زرکشی نے دیا ہے کہ امام بخاری نے لفظ اقضوا اللہ، فَاللهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ سے ترجمہ ثابت کیا ہے اس لئے کہ یہ خطاب مذکر کا ہے، (۳) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ابواب الایمان والنذور کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ سوال کرنے والا مرد تھا۔

(ص ۲۵۰) بَابُ الْحَجِّ عَمَّنْ لَا يَسْتَطِيعُ الثُّبُوتَ عَلَى الرَّاحِلَةِ

۱۸۵۳. حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ: أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ (ح)

۱۸۵۴. وَحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: «جَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ فَرِيضَةَ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ، أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا، لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، فَهَلْ يَقْضِي عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ

ترجمہ: باب، جو سواری پر اچھی طرح بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا اس کی طرف سے حج کرنے کا بیان۔

فضل بن عباسؓ نے بیان کیا کہ ایک عورت (پہلی سند سے متن بس اتنا ہی ہے مکمل حدیث دوسری سند سے بیان کی ہے اور وہ یہ ہے) حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ قبیلۂ خثعم کی ایک عورت حجۃ الوداع کے سال آئی اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بندوں پر اللہ کی جانب سے فرض کیا ہوا حج کا حکم اس وقت آیا ہے کہ میرے والد بہت بوڑھے ہیں وہ سواری پر سیدھی طرح بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے، اگر میں ان کی طرف سے حج کروں تو کیا ان کا فریضہ ادا ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

تشریح: امام بخاری نے باب گزشتہ میں حج بدل عن المیت کا مسئلہ بیان کیا تھا، اس ترجمۃ الباب سے حج

بدل عن المعضوب کا مسئلہ بیان فرمار ہے ہیں۔

معضوب ضاد سے، ماخوذ ہے عَضبٌ سے اور عضب کہتے ہیں قطع کو، معضوب وہ انسان کہلاتا ہے جو اپنی کمزوری اور ضعف کی وجہ سے سفر سے مقطوع ہو، سفر نہ کر سکتا ہو، سواری پر سوار نہ ہو سکتا ہو، اگر کوئی شخص ایسا ہو تو آیا اس پر حج بھی فرض ہو گا یا نہیں؟ اور اگر اس پر حج فرض ہے تو اس کی طرف سے حج بدل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ دونوں مسئلے سنئے!

معضوب پر یعنی کوئی شخص بالکل عاجز ہو جائے اور وہ زاد وراحلہ پر قادر ہو اس پر امام شافعی واحمد اور امام ابو یوسف و محمد کے یہاں حج فرض ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کی ایک روایت ہے، امام ابو حنیفہ کا مشہور قول اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ معضوب پر حج فرض نہیں ہے اس لئے کہ فرضیت کے لئے قدرت شرط ہے اور جب اس کو قدرت ہی حاصل نہیں ہے تو اس پر حج کہاں سے فرض ہو گا؟

جمہور علماء امرأۃ خثعمیہ والے قصہ سے استدلال کرتے ہیں اس نے حضور اکرم ﷺ سے آکر کہا تھا إِنَّ فَرِيضَةَ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ، أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا، لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، فَهَلْ يَقْضِي عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، مالکیہ وغیرہ اس کی تاویل کرتے ہیں۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس معضوب کے سلسلہ میں ہے جس کو استطاعت اس وقت حاصل ہوئی جب اس پر عضب طاری ہو چکا تھا اور وہ سفر سے معذور ہو چکا تھا، اور اگر پہلے استطاعت حاصل تھی اور اس نے تاخیر کر دی حتی کہ اس پر عضب طاری ہو گیا تو ہمارے فقہاء کے یہاں بالاتفاق اس پر حج فرض ہے اور اس کی طرف سے حج بدل کرایا جائے گا۔

امام بخاری کی کیا رائے ہے؟ بخاری کی رائے اس مسئلہ میں جمہور کے موافق ہے یعنی معضوب پر حج فرض ہو جائے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ معضوب کی طرف سے حج بدل کیا جائے گا یا نہیں؟

امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ اس کی طرف سے حج بدل کیا جاسکتا ہے، امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ اس کی طرف سے حج بدل نہیں کیا جاسکتا ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ اگر بیٹا ہو تو وہ کر سکتا ہے، تیسری روایت یہ ہے کہ اگر اس نے وصیت کر دی ہو تو پھر کر سکتا ہے،

امام بخاری نے ظاہراً تو یہ آخری مسئلہ بیان کیا ہے یعنی معضوب کی طرف سے حج بدل کیا جاسکتا ہے کما ھو مذھب الأئمة الثلاثة خلافاً لمالک لیکن اس کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ معضوب پر حج فرض ہو جاتا ہے کما ھو مذھب الشافعي والصاحبین وروایة عن أحمد۔

(ص ۲۵۰) بَاب حَجِّ الْمَرْأَةِ عَنِ الرَّجُلِ

۱۸۵۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: «كَانَ الْفَضْلُ رَدِيفَ النَّبِيِّ ﷺ، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ، فَقَالَتْ: إِنَّ فَرِيضَةَ اللهِ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا، لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَذَلِكَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ

ترجمہ: باب، مرد کی طرف سے عورت کے حج کرنے کا بیان۔

حدیث کا ترجمہ باب گزشتہ میں گزر چکا ہے

تشریح: یہ وہ باب آگیا جس کا ابھی میں نے حوالہ دیا تھا، اس مسئلہ پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ عورت مرد کی طرف سے حج کر سکتی ہے، صرف حسن بن صالح منفرد ہیں اور وہ اس کی کراہت کے قائل ہیں، ابن منذر کہتے ہیں هذه غفلة عن ظاهر السنة، امام بخاری نے اس ترجمہ سے غالباً اس پر رد کیا ہے۔

فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ: یہ نظر نظر منکر نہیں تھی، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے انسان اچھی چیزوں کو دیکھا کرتا ہے، فطرت انسانیہ کچھ اس طرح کی رکھی گئی ہے کہ امور حسنہ اور اشیاء حسنہ کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے، دیکھو اگر اچھی چھپی ہوئی کتاب ہو تو اس کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے اسی لئے لوگ مطبع رشیدیہ دہلی کی بخاری شریف، مسلم شریف اور ترمذی شریف تلاش کرتے پھرتے ہیں، اس کی جلالین، مشکوۃ تلاش کرتے پھرتے ہیں، اور اگر اتفاقاً کہیں اور جگہ کی طبع ہو تو لوگ گھبراتے ہیں ڈرتے ہیں، مجبوری کے درجہ میں لیتے ہیں اس واسطے کہ وہ مجمع الاغلاط ہوتی ہے اور لکھی بھی بڑی بھونڈی سی ہوتی ہے۔

(ص ۲۵۰) بَابُ حَجِّ الصِّبْيَانِ

۱۸۵۶. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: «بَعَثَنِي أَوْ قَدَّمَنِي النَّبِيُّ ﷺ فِي الثَّقَلِ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ

۱۸۵۷. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: «أَقْبَلْتُ وَقَدْ نَاهَزْتُ الْحُلُمَ، أَسِيرُ عَلَى أَتَانٍ لِي، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يُصَلِّي بِمِنًى، حَتَّى سِرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ نَزَلْتُ عَنْهَا فَرَتَعَتْ، فَصَفَفْتُ مَعَ النَّاسِ وَرَاءَ رَسُولِ اللهِ ﷺ

وَقَالَ يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: بِمِنًى فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ

۱۸۵۸. حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: «حُجَّ بِي مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِينَ

۱۸۵۹. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ أَخْبَرَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْجُعَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: «سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَقُولُ لِلسَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ وَكَانَ قَدْ حُجَّ بِهِ فِي ثَقَلِ النَّبِيِّ ﷺ

ترجمہ: باب، بچوں کے حج کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے مجھے مزدلفہ سے رات کے وقت سامان کے ساتھ بھیجا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کیا کہ میں (منیٰ میں) آیا جب کہ میں بلوغ کے قریب تھا اپنی ایک گدھی پر جارہا تھا اور رسول اللہ ﷺ منیٰ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے یہاں تک کہ میں پہلی صف کے کچھ حصہ کے سامنے سے گزرا پھر میں اس سے اترا تو وہ گھاس چرنے لگی، میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لوگوں کے ساتھ صف میں شامل ہو گیا، یونس نے ابن شہاب کے واسطے سے اس حدیث میں یہ اضافہ بھی نقل کیا کہ یہ قصہ منیٰ میں حجۃ الوداع میں پیش آیا۔

سائب بن یزیدؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مجھے بھی حج ادا کرایا گیا جب کہ میں سات سال کا تھا۔

جعید بن عبدالرحمن نقل کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کو حضرت سائب بن یزیدؓ سے کہتے ہوئے سنا (کیا کہتے ہوئے سنا؟ اس کا ذکر یہاں نہیں ہے، درمیان میں جملۂ معترضہ کے طور پر ایک دیگر بات یہ بیان کی کہ) سائب بن یزیدؓ کو نبی پاک ﷺ کے سامان کے ساتھ حج کرایا گیا تھا۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کو حج کرایا جاسکتا ہے اور ان کا حج صحیح ہے۔

یہی حضرات ائمہ اربعہ کا مسلک ہے، ابن بطال اور امام نووی نے لکھ دیا ہے کہ حنفیہ کے یہاں بچہ کا احرام صحیح نہیں اور اس کا حج صحیح نہیں، اس کو جو حج کرایا جاتا ہے وہ تدریب اور مشق کے طور پر کرایا جاتا ہے ورنہ بذات خود وہ حج نہیں ہے لیکن یہ نقل غلط ہے، ہمارے فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ بچہ کا حج صحیح ہے البتہ اگر بچہ کوئی جنایت کرے گا تو اس کا فدیہ اس پر واجب نہیں ہوگا، بس صرف یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی بناء پر لوگوں کو غلط فہمی ہوگئی اور انہوں نے حنفیہ کی طرف سے یہ نقل کر دیا کہ ان کے یہاں حج صبی صحیح ہی نہیں۔

بچہ کا حج؛ حج فرض نہیں بنے گا: اس کے بعد مسئلہ یہ ہے کہ یہ حج؛ حجۃ الاسلام کی طرف سے کافی نہیں ہوگا بلکہ بالغ ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا پڑے گا، ابن بزیزہ نے کتاب الاحکام میں داؤد ظاہری سے نقل کر دیا ہے کہ یہ حج کافی ہو جائے گا لیکن اس نقل میں تأمل ہے اس لئے کہ ابن بزیزہ سے اوثق حافظ ابن عبد البر ہیں اور انہوں نے داؤد ظاہری سے جمہور کی موافقت نقل کی ہے۔

فِي الثَّقَلِ: ثاء اور قاف کے فتحہ کے ساتھ، مراد اس سے سامان ہے، اس کو ثقل اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ثِقل کا سبب ہوتا ہے۔ **جَمْعٍ:** مزدلفہ۔

(ص ۲۵۰) بَابُ حَجِّ النِّسَاءِ

۱۸۶۰۔ وَقَالَ لِي أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ: «أَذِنَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِأَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ فِي آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا، فَبَعَثَ مَعَهُنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ

۱۸۶۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ قَالَ حَدَّثَتْنَا عَائِشَةُ بِنْتُ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: «قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَا نَغْزُوا وَنُجَاهِدُ مَعَكُمْ؟ فَقَالَ: لَكِنَّ أَحْسَنَ الْجِهَادِ وَأَجْمَلَهُ الْحَجُّ، حَجٌّ مَبْرُورٌ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَلَا أَدَعُ الْحَجَّ بَعْدَ إِذْ سَمِعْتُ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ

۱۸۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ، وَلَا يَدْخُلْ عَلَيْهَا رَجُلٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَخْرُجَ فِي جَيْشِ كَذَا وَكَذَا وَامْرَأَتِي تُرِيدُ الْحَجَّ؟ فَقَالَ: اخْرُجْ مَعَهَا

١٨٦٣. حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ أَخْبَرَنَا حَبِيبٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: «لَمَّا رَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ حَجَّتِهِ، قَالَ لِأُمِّ سِنَانٍ الْأَنْصَارِيَّةِ: مَا مَنَعَكِ مِنَ الْحَجِّ، قَالَتْ: أَبُو فُلَانٍ، تَعْنِي زَوْجَهَا، كَانَ لَهُ نَاضِحَانِ حَجَّ عَلَى أَحَدِهِمَا، وَالْآخَرُ يَسْقِي أَرْضًا لَنَا. قَالَ: فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ تَقْضِي حَجَّةً مَعِي» رَوَاهُ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

١٨٦٤. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ قَزَعَةَ مَوْلَى زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ، وَقَدْ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، قَالَ: «أَرْبَعٌ سَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، أَوْ قَالَ: يُحَدِّثُهُنَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَعْجَبْنَنِي وَآنَقْنَنِي: أَنْ لَا تُسَافِرَ امْرَأَةٌ مَسِيرَةَ يَوْمَيْنِ لَيْسَ مَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ، وَلَا صَوْمَ يَوْمَيْنِ: الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاتَيْنِ: بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى

ترجمہ: باب، عورتوں کے حج کا بیان۔

حضرت عمرؓ نے پیغمبر ﷺ کی ازواج مطہرات کو اپنے آخری حج میں حج کرنے کی اجازت دی تو حضرت عثمان بن عفانؓ کو اور حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے ساتھ غزوہ اور جہاد میں شریک نہ ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے سب سے اچھا اور سب سے خوبصورت جہاد حج ہے مقبول حج، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ جب میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو میں حج کو نہیں چھوڑ سکتی۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے، اس کے پاس کوئی نہ آئے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہو، ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں فلاں فلاں لشکر میں نکلنا چاہتا ہوں اور میری بیوی حج کرنا چاہتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ حج کو جاؤ۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ جب نبی پاک ﷺ اپنے حج سے واپس ہوئے تو آپ نے انصاری صحابیہ ام سنانؓ سے فرمایا کہ تم کو حج سے کس چیز نے روکا؟ اس نے کہا کہ ابو فلاں (یعنی ان کے خاوند) کے پاس دو اونٹنی تھیں، ان میں سے ایک پر انہوں نے خود حج کیا اور دوسری اونٹنی ہماری زمین کو پانی دینے کے کام میں آتی ہے، آپ نے فرمایا کہ بے شک رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے یا یہ فرمایا کہ میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے، اس روایت کو جریج نے عطاء سے نقل کیا انہوں نے اس کو حضرت ابن عباسؓ سے سنا انہوں نے نبی پاک ﷺ سے۔

عبید اللہ روایت کرتے ہیں عبد الکریم سے، وہ عطاء سے، وہ حضرت جابرؓ سے اور وہ حضور ﷺ سے۔

زیاد کے غلام قزعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعیدؓ جنہوں نے نبی پاک ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کی یہ کہتے ہیں کہ چار باتیں ایسی ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں یا قزعہ نے یہ بیان کیا کہ حضرت ابو سعیدؓ چار باتیں نبی پاک ﷺ سے نقل کرتے تھے وہ باتیں مجھے بھلی لگیں اور پسند آئیں وہ یہ ہیں، (۱) کوئی عورت جس کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم نہ ہو دو دن کی مسافت کا سفر نہ کرے، (۲) نیز فرمایا کہ دو دن کا روزہ نہیں عید الفطر کا دن اور عید الاضحیٰ کا دن، (۳) دو نمازوں کے بعد کوئی نماز نہیں عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے اور فجر کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، (۴) کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی جانب: مسجد حرام کی جانب، میری مسجد کی جانب اور مسجد اقصیٰ کی جانب۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کے حج کے لئے کوئی مزید چیز شرط ہے یا جیسے مردوں کے حق میں شرائط ہیں بس اتنی ہی شرائط عورتوں کے حق میں بھی ہیں؟

اس مسئلہ میں صرف ایک چیز میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت اگر حج کو جائے تو آیا اس کے ساتھ اس کے خاوند یا اس کے کسی ذی رحم محرم کا ہونا ضروری ہے یا نہیں ہے؟

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل فی المشہور، ابن منذر، اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ خاوند یا محرم کا ہونا شرط ہے، پھر اس میں ابو حنیفہ اور احمد کے اصحاب میں اختلاف ہے کہ یہ شرطِ وجوب ہے یا شرطِ اداء ہے؟

(۲) امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ شرط نہیں ہے، پھر حضرت امام شافعی فرماتے ہیں تخرج مع امرأة مسلمة تقیة، اصحاب شافعی فرماتے ہیں کہ کم از کم تین عورتوں کے ساتھ نکلے، امام مالک ارشاد فرماتے ہیں تخرج مع الرجال والنساء، اب آگے مالکیہ کا اختلاف ہے کہ امام مالک کی مراد کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ دونوں صنفوں کا مجموعہ ہونا چاہئے، اور بعض کہتے ہیں کہ احد الصنفین میں سے کوئی ہونا چاہئے۔

امام بخاری بظاہر اس مسئلہ میں فریق اول کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ امام نے اس باب میں وہ روایتیں ذکر کی ہیں جس میں یہ وارد ہوا ہے کہ عورت بلا ذی رحم محرم کے سفر نہ کرے۔

باقی ازواج مطہرات کا جو قصہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عثمانؓ اور عبد الرحمن بن عوفؓ کو ان کے ساتھ حج میں بھیجا تھا اس پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ وہ تو ان کے ذوات محارم میں سے تھے نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امہات المؤمنین کے حق میں سب کے سب ان کی اولاد ہیں اور ذوات محارم میں سے ہیں اس لئے کہ سب پر ان کا نکاح حرام ہے تو اس مسئلہ میں وہ سب کی محرم بن جائیں گی، امام طحاوی نے نقل کیا ہے کہ حکّام رازی نے امام ابو حنیفہ سے جب یہ سوال کیا تھا تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا کہ سارے رجال ان کے لئے محارم کا درجہ رکھتے ہیں۔

مسند بزار اور دار قطنی اور صحیح ابن حبان میں خاص طور سے ایک روایت میں یہ وارد ہوا ہے کہ عورت بغیر محرم کے حج میں نہ جائے، تو جیسے لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ کے اطلاق و عموم میں حج داخل ہے ایسے ہی منصوص طور پر حج کے بارے میں بھی روایت وارد ہے۔

أَذِنَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ لِأَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا: حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں ازواج مطہرات نے حج کیا نہیں، حضرت عمرؓ نے اپنے ابتدائی زمانہ میں اجازت نہیں دی احترام و عظمت کی وجہ سے کہ ان پر کسی غیر کی نظر پڑے، لیکن جب حضرت عائشہؓ وغیرہ کا اصرار بڑھا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لَكِنَّ أَحْسَنَ الْجِهَادِ وَأَجْمَلَهُ الْحَجُّ، حَجٌّ مَبْرُورٌ، پیش کی تو حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی اور حضرت عثمانؓ اور عبد الرحمن بن عوفؓ کو ساتھ کر دیا۔

اصل میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا هذه ثُمَّ ظُهُورَ الحصر، یہ حج ہے پھر چٹائیوں کی پشت کو اپنے اوپر لازم کرلو رواہ أبو داؤد وابن سعد وسعید بن منصور عن أبي واقد اللیثي، یہ روایت بظاہر حدیث لَكِنَّ أَحْسَنَ الْجِهَادِ وَأَجْمَلَهُ الْحَجُّ، حَجٌّ مَبْرُورٌ کے معارض ہے اور اسی وجہ سے حضرت سودہؓ اور زینبؓ نے حضور کے بعد کوئی حج نہیں کیا، ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں فرماتی تھیں لاتحرّ کنا بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیں کوئی سواری حرکت نہ دے، لیکن

حضرت عائشہؓ اور ان کی ہم خیال طائفہ اور طبقہ کی رائے یہ تھی کہ نہیں! کوئی مضائقہ نہیں ہے، غالباً انہوں نے هذه ثم ظهور الحصر کو حج فریضہ پر محمول کیا اور مطلب یہ ہے کہ یہ تمہارا حج فریضہ ہو چکا ہے اب آگے تمہیں کسی فرض حج کی ضرورت نہیں اپنی چٹائیوں کی پشت کو لاگو کر لینا، اپنے گھروں میں پڑی رہیو، لیکن بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے سوال کر لیا ہو تو آپ نے جواب دے دیا ہو اور اجازت دے دی ہو۔

أَلَا نَغْزُو اَوْ نُجَاهِدُ: یہ اَو شک راوی کے لئے ہے اور حج مبرور کی شرح گزر چکی ہے۔

لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ: یہ روایت ابواب تقصیر الصلوۃ میں گزر چکی ہے اور میں وہاں اس مسئلہ کے متعلق تفصیلی کلام کر چکا ہوں، حضرت امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ عورت کو مطلقاً بلا خاوند یا ذی رحم محرم کے سفر کرنا جائز نہیں ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک دن کا سفر کرنا مکروہ ہے اور اس سے کم کی اجازت ہے، امام ابو حنیفہ تین دن اور تین رات کے سفر سے منع کرتے ہیں اور اس سے کم کی اجازت دیتے ہیں۔

لیکن اس پر بڑا کھلا ہوا روایتی اشکال ہوتا ہے اسی لئے ابن ہمام کا رجحان ایک دن والی روایت کی طرف ہے اور اس کی تفصیل کے لئے فتح القدیر دیکھی جائے اور اگر کسی آدمی کو میرا گزشتہ والا بیان جو میں ابواب تقصیر الصلوۃ میں کر چکا ہوں یاد ہو تو کافی ہو گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (ملاحظہ ہو الفیض الجاری جلد ۵ ص ۴۴۵ باب فی کم یقصر الصلاۃ)

قَالَ لِأُمِّ سِنَانٍ الْأَنْصَارِيَّةِ: یہ آگئی وہ روایت جس کا میں نے ما قبل میں ابواب عمرہ میں حوالہ دیا تھا کہ ابو فلاں سے مراد حضرت ابو سنان انصاریؓ ہیں۔

فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ تَقْضِي حَجَّةً مَعِي: اس کے متعلق میں بیان کر چکا ہوں کہ اس سے مراد (۱) ثواب میں مساوات ہے (۲) یا یہ کہ یہ حج نفل رہا ہو گا جیسا کہ ابن بطال کی رائے ہے، (۳) احمد بن منیع نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اس عورت کے ساتھ خاص ہے، غالباً سعید بن جبیر نے اس کو فرض پر محمول کیا اور مطلب یہ سمجھا کہ رمضان شریف میں عمرہ کر لینا حج فریضہ کی جگہ پر ہو جائے گا اور اس کی طرف سے کفایت کرلے گا اس لئے انہوں نے اس کو خصوصیت پر محمول کر لیا، لیکن خصوصیت پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں مقصود تو اس سے ثواب میں مساوات بتانی ہے۔

(ص ۲۵۱) بَابُ مَنْ نَذَرَ الْمَشْيَ إِلَى الْكَعْبَةِ

١٨٦٥ . حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ قَالَ حَدَّثَنِي ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى شَيْخًا يُهَادَى بَيْنَ ابْنَيْهِ، قَالَ: مَا بَالُ هَذَا، قَالُوا: نَذَرَ أَنْ يَمْشِيَ. قَالَ: إِنَّ اللهَ عَنْ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ أَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ

١٨٦٦ . حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّ يَزِيدَ بْنَ أَبِي حَبِيبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا الْخَيْرِ حَدَّثَهُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: «نَذَرَتْ أُخْتِي أَنْ تَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللهِ، وَأَمَرَتْنِي أَنْ أَسْتَفْتِيَ لَهَا النَّبِيَّ ﷺ فَاسْتَفْتَيْتُهُ، فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ،» قَالَ: وَكَانَ أَبُو الْخَيْرِ لَا يُفَارِقُ عُقْبَةَ

حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ

ترجمہ: باب، خانۂ کعبہ تک چل کر جانے کی نذر ماننے کا بیان۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے ایک ضعیف العمر شخص کو دیکھا کہ اس کو دو بیٹوں کے سہارے سے چلا کر لے جایا جارہا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کا کیا معاملہ ہے؟ صحابہ نے کہا کہ اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو خود کو تکلیف دینے سے بے نیاز ہے نیز آپ نے اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بیان کیا کہ میری بہن نے نذر مانی کہ وہ بیت اللہ تک چل کر جائے گی اور مجھ سے یہ کہا کہ میں ان کے لئے نبی پاک ﷺ سے مسئلہ دریافت کروں تو میں نے آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ وہ پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو، راوی کہتے ہیں کہ ابو الخیر عقبہؓ سے جدا نہیں ہوتے تھے، یہی حدیث اس طریق سے بھی مروی ہے حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ۔

تشریح: اگر کسی آدمی نے یہ نذر مان لی کہ میں بیت اللہ جاؤں گا تو اس نذر کی وجہ سے اس پر حج یا عمرہ بلا اختلاف واجب ہو جائے گا۔

اور اگر کسی آدمی نے یہ کہہ دیا کہ میں پیدل حج کو جاؤں گا اور اتفاق سے اپنی یہ نذر راجلًا وماشیًا پوری نہ کر سکا راستہ میں سوار ہونے کی ضرورت پیش آگئی تو آگے کیا حکم ہے اس میں اختلاف ہے۔

(۱) ظاہریہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو پیدل چلے اور جہاں سے عاجز ہو جائے سوار ہو جائے نہ اس پر

فدیہ واجب ہے اور نہ دم واجب ہے، (۲) امام احمد بن حنبل کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ اس پر کفارۂ فدیہ واجب ہے، دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ اس پر دم واجب ہے، (۳) امام شافعی کی بھی دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ اس پر دم واجب ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ دم مستحب ہے، (۴) حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ جہاں سے عاجز ہو گیا اگلے سال وہیں سے چلے گا اور ہدی بھی دینی پڑے گی، مالکیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جبکہ اس کا بلد قریب ہو جیسے مدنی نذر مان لے یا متوسط ہو جیسے مصری نذر مان لے اور اگر بعید ہو جیسے افریقی تو اس کے متعلق مالکیہ فرماتے ہیں کہ بس اس پر ہدی ہی متعین ہے، (۵) حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر کل طریق یا اکثر طریق میں رکوب پایا گیا تب دم واجب ہے ورنہ فدیہ واجب ہے اس کی مقدار سے، مثلاً کل سفر کے ایک تہائی میں چلنا پایا گیا تو بکری کی ایک ثلث قیمت فدیہ میں دے۔

اب رہا یہ کہ بخاری کی رائے کیا ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری اس مسئلہ میں ظاہریہ کے ہم خیال ہیں، اس لئے کہ امام بخاری نے اس باب میں جو دونوں روایتیں ذکر کی ہیں اس سے یہی معلوم ہوتا ہے، نذر ماننے والے نے پیدل حج کی نذر مانی تھی حضور اکرم ﷺ نے جب اس کے عجز کو دیکھا تو رکوب کا امر فرمادیا نہ فدیہ کا حکم دیا اور نہ دم کا حکم دیا، معلوم ہوتا ہے کہ بس جتنا ممکن ہو اتنا تو آدمی چلے، آگے اس کو سوار ہو جانا جائز ہے، نہ فدیہ واجب ہے اور نہ دم واجب ہے، دوسرے حضرات نے قانون نذر پر نظر کی ہے۔

يُهَادَى بَيْنَ ابْنَيْهِ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹیک لگا کر ان دونوں کے اوپر چل رہا تھا اس طور پر کہ اس کے پاؤں پوری طرح زمین پر ٹک نہیں رہے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضائل المدینۃ

المدینۃ میں الف ولام عہد کا ہے اس سے مراد مدینہ نبویہ محمدیہ علی صاحبھا الصلوات والتحیہ ہے، حضور اکرم ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے سے پہلے اس کو یثرب کہا جاتا تھا لیکن جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو اس کو مدینۃ النبی ﷺ کہا جانے لگا اور پھر مختصر ہو کر المدینہ کہا جانے لگا اور اب تو اس کو المدینۃ المنورہ اور المدینۃ المشرفہ کہا جاتا ہے اور یثرب کہنا شریعت میں ناپسندیدہ ہو گیا، علامہ مجد الدین لغوی فیروز آبادی نے مدینہ منورہ کے ساٹھ سے زائد اسماء ذکر کئے ہیں اور نور الدین سمہودی نے چورانوے (۹۴) نام شمار فرمائے ہیں جس میں طابہ، طیبہ وغیرہ بھی ہیں، یہ جتنے اسماء مدینہ کے ہیں سب کے سب اس کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں اس لئے کہ حقیقۃً وہ اوصاف ہیں، اور اوصاف حسنہ کی کثرت فضائل کی کثرت کی دلیل ہے، اسی طرح مکہ مکرمہ کے بہت نام ہیں۔

(ص ۲۵۱) بَابُ حَرَمِ الْمَدِينَةِ

١٨٦٧. حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَحْوَلُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلَى كَذَا، لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا، وَلَا يُحْدَثُ فِيهَا حَدَثٌ، مَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

١٨٦٨. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: «قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ، وَأَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَا بَنِي النَّجَّارِ، ثَامِنُونِي، فَقَالُوا: لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللهِ، فَأَمَرَ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ، ثُمَّ بِالْخِرَبِ فَسُوِّيَتْ، وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ، فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ

۱۸۶۹. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «حُرِّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ عَلَى لِسَانِي، قَالَ: وَأَتَى النَّبِيُّ ﷺ بَنِي حَارِثَةَ، فَقَالَ: أُرَاكُمْ يَا بَنِي حَارِثَةَ قَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ، ثُمَّ الْتَفَتَ فَقَالَ: بَلْ أَنْتُمْ فِيهِ

۱۸۷۰. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «مَا عِنْدَنَا شَيْءٌ إِلَّا كِتَابُ اللهِ وَهَذِهِ الصَّحِيفَةُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: الْمَدِينَةُ حَرَمٌ، مَا بَيْنَ عَائِرٍ إِلَى كَذَا، مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوَى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ، وَقَالَ: ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ، وَمَنْ تَوَلَّى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ

ترجمہ: باب، مدینہ منورہ کے حرم ہونے کا بیان۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ فلاں مقام سے فلاں مقام تک حرم ہے، اسکے درخت نہ کاٹے جائیں، اس میں کوئی منکر عمل نہ کیا جائے، اور جو منکر عمل کریگا اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مسجد کی تعمیر کا حکم دیا اور فرمایا کہ اے بنو نجار! تم مجھ سے (اپنے باغ کی) قیمت لے لو، انہوں نے عرض کیا کہ ہم اس کی قیمت اللہ ہی سے مانگیں گے، آپ نے مشرکین کی قبروں کے بارے میں حکم دیا تو ان کو کھود دیا گیا پھر کوڑے کرکٹ کے بارے میں حکم دیا تو اس کو بھی برابر کر دیا گیا، اسی طرح کھجور کے درختوں کے بارے میں حکم دیا تو ان کو بھی کاٹ دیا گیا اور ان درختوں کو مسجد کے قبلے کی جانب ترتیب سے رکھ دیا گیا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان جو علاقہ ہے وہ میری زبان کے ذریعہ حرام بنایا گیا ہے، اور یہ بھی بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ بنی حارثہ کے یہاں آئے اور فرمایا کہ اے بنی حارثہ! میرا خیال ہے کہ تم حرم سے باہر ہو گئے ہو، پھر آپ نے توجہ مبذول کی اور فرمایا کہ نہیں، تم حرم کے اندر ہو۔

حضرت علیؓ نے کہا کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب کے علاوہ کچھ نہیں ہے؛ البتہ نبی پاک ﷺ کی یہ تحریر ہے، جس میں درج ہے کہ مدینہ منورہ عائر سے فلاں مقام تک حرم ہے، جو اس میں بدعت کرے گا یا بدعت کرنے والے کو ٹھکانہ دے گا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس سے نفل عمل قبول ہو گا نہ فرض، اور فرمایا کہ سب مسلمانوں کا ذمہ اور عہد ایک ہی درجہ کا ہے، جو کسی مسلمان کے ذمہ اور عہد کو توڑے گا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کا نہ نفل

عمل قبول ہو گا نہ فرض، جو اپنے موالی یعنی آزاد کنندہ مالکین کی اجازت کے بغیر دوسروں کو موالی بنائے گا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اس کا کوئی نفل عمل قبول ہو گا نہ فرض۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ عدل کے معنی فداء کے ہیں۔

تشریح: مدینہ منورہ کا مکہ کی طرح سے حرم ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

حضرات ائمۂ ثلاثہ قائل ہیں اور امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور ابن مبارک کہتے ہیں کہ مدینہ کا مکہ جیسا حرم تحریم میں نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ تعبیر اسی طرح ہمارے فقہاء نے اپنی کتابوں میں ذکر کی ہے اور یہ اتنی ثقیل اور شدید تعبیر ہے کہ اس کی بناء پر بہت سی روایتیں مسلک حنفی کے بالکل مخالف و معارض ہو جاتی ہیں، اس لئے کہ صاف طور سے روایات میں اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلَى كَذَا، اور اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَائِرٍ إِلَى كَذَا اور اللهم إني أحرّم مابين لابتيها, مابين مأزميها, مابين جبليها وغیرہ وارد ہوا ہے۔

اس لئے ہمارے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ اگر تعبیر یوں اختیار کی گئی ہوتی کہ مدینہ کا حرم تو ہے لیکن اس کی حیثیت حرم مکہ جیسی نہیں ہے تو پھر روایات مسلک کے بالکل معارض نہ ہوتیں اور آگے کسی خاص توجیہ و تاویل کی ضرورت بھی نہ پیش آتی۔

بہر حال جو لوگ مدینہ کے لئے حرم ثابت کرتے ہیں روایات ظاہرہ ان کی کھلی ہوئی شہادت دیتی ہیں، اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہاں پر حرم سے مراد تحریم نہیں بلکہ حرمت و عظمت مراد ہے اور مقصد یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے اشجار کو نہ کاٹا جائے تاکہ مدینہ آباد اور پر رونق رہے لوگوں کو اس کے ساتھ انس باقی رہے، اسی لئے حضور ﷺ نے آطام مدینہ کے منہدم کرنے سے منع فرمایا تھا جیسا کہ امام طحاوی نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

نیز جو لوگ مدینہ کے لئے حرم ثابت کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کے درختوں کو جو خودرو ہوں کاٹنا جائز نہیں اسی طرح سے اس کے شکار پکڑنے جائز نہیں ہے لیکن آگے ان میں اختلاف ہے کہ اگر کسی آدمی نے ایسا کر لیا تو اس پر جزاء و بدلہ بھی آئے گا یا نہیں؟

اکثر علماء فرماتے ہیں کہ جزاء نہیں آئے گی یہی امام کا مذہب، امام شافعی کا قول جدید اور امام احمد کی ایک مشہور روایت ہے، حضرت امام شافعی قول قدیم میں اور ابن ابی ذئب اور امام احمد ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

جزاء واجب ہو گی۔

پھر اس کی جزاء کیا ہے؟ حضرت سعدؓ کی روایت سے جو مسلم شریف میں وارد ہوئی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جزاء اس کا سَلَب ہے یعنی جو آدمی جرم کرتا ہوا پایا جائے اس کا کپڑا چھین لیا جائے، اس روایت کو علماء احناف شاذ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سوائے حضرت سعدؓ کے اور کسی سے یہ مضمون منقول نہیں اور کسی سے ان کی موافقت بھی نقل نہیں کی جاتی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ثبوت روایت کے بعد انفراد مضر نہیں ہوا کرتا ہے۔

لیکن یہ بات بھی غور طلب ہے کہ حضرت امام مالک اور امام شافعی قول جدید میں وجوب جزاء کے قائل نہیں ہے حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کو وہ روایت پہنچی تھی جبھی انہوں نے قول قدیم میں وجوب جزاء کو اختیار کیا تھا اور اب قول جدید میں اس سے رجوع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس روایت کو شذوذ ہی پر محمول کیا ہو یا اور کوئی اس کی تاویل کی ہو گی۔

اَلْمَدِینَۃُ حَرَمٌ مِنْ کَذَا إِلٰی کَذَا: مدینہ حرم ہے یہاں سے یہاں تک، اس میں اجمال ہے کہ کہاں سے کہاں تک حرم ہے، بہر حال اتنا معلوم ہو گیا کہ مدینہ حرم ہے آگے اس مقدار کا بیان آئے گا۔

لَا یُقْطَعُ شَجَرُھَا: اس کے درخت نہیں کاٹے جائیں گے، اس روایت کی بناء پر ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ اشجار مدینہ کا کاٹنا ممنوع ہے، لیکن اگلی روایت کی بناء پر حضرات احناف جواز کے قائل ہیں۔

فریق اول نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگلی روایت وبالنخیل فقطع ابتداءِ ہجرت کی ہے اور تحریم مدینہ کا قصہ خیبر سے واپسی پر پیش آیا ہے جیسا کہ بخاری شریف کتاب الجہاد میں ص ۴۰۵ پر آنے والا ہے، حضور اکرم ﷺ جب خیبر سے واپس ہوئے اور مدینہ منورہ کے قریب ہو گئے اور کوہ احد نظر آیا تو آپ نے فرمایا اللّٰھُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَیْنَ لَابَتَیْھَا بِمِثْلِ مَا حَرَّمَ إِبْرَاھِیمُ مَکَّۃَ، اللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھُمْ فِي مُدِّھِمْ وَصَاعِھِمْ، مزید یہ ہے کہ اس میں نخل کے کاٹنے کا ذکر ہے اور نخیل ان درختوں میں سے ہے جس کا آدمی اِنبات کرتا ہے اور اگاتا ہے اور وہ کاٹنے کے لئے ہی لگایا جاتا ہے۔

اسی طرح سے بعض احناف نے مدینہ کے صیود پکڑنے پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ ابو عمیر کے پاس بلبل تھی اور جب وہ مر گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا یا أبا عمیر! ما فعل النغیر۔

جمہور نے جواب دیا کہ ممکن ہے وہ مدینہ کے باہر سے پکڑ کر لائی گئی ہو، لیکن حنفیہ کے اصول پر یہ جواب صحیح نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حرم میں جب کوئی صید پہنچ جائے تو چاہے وہ حرم کا ہو اور چاہے حرم سے باہر کا لایا گیا ہو اس کا چھوڑ دینا ضروری ہے اور یہاں اس کو نہیں چھوڑا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ صیود مدینہ کا وہ حکم نہیں جو صیود مکہ کا حکم ہے، اور واقعۃً اس باب میں حنفیہ کا مذہب قوی ہے اس لئے کہ مقصود تو محل کی تعظیم ہے۔

وَلَا يُحْدَثُ فِيهَا حَدَثٌ: اور مدینہ میں کوئی حدث نہیں کیا جائے گا، یعنی کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات نہ کہی جائے اور نہ کی جائے، یہ چیز تو ہر جگہ ممنوع ہے لیکن خاص طور سے مدینہ میں بہت ہی زیادہ شنیع ومذموم ہے۔

حُرِّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ: حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مدینہ کے مابین لابتین کو حرم قرار دے دیا۔

لابتین تثنیہ ہے لابہ کا اور لابہ کہتے ہیں حرّہ کو یعنی وہ سنگستانی زمین جس کے اوپر سیاہ قسم کے پتھر بچھے ہوئے ہیں، حضرت مدنیؒ نے اپنی بعض تالیفات غالبًا اپنی خود نوشت سوانح میں اس کا ترجمہ زمین دوز پہاڑ سے کیا ہے، بعض روایات میں ہے کہ آپ نے جبلین مدینہ کے مابین کی تحریم فرمائی، ان میں تعارض نہیں، لابتین سے حدود شمال وجنوب کو بتلایا گیا ہے اور جبلین سے حدود شرقی وغربی کی تحدید کی گئی ہے۔

ثُمَّ الْتَفَتَ: یعنی اوّلاً آپ نے یہ خیال فرمایا کہ بنو حارثہ کا مکان حرم مدینہ سے نکل گیا لیکن جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ نہیں! حدود حرم ہی میں ہے۔

مَا عِنْدَنَا شَيْءٌ إِلَّا كِتَابُ اللهِ: اس سے روافض کے زعم باطل کی تردید ہوتی ہے اس لئے کہ ان کا یہ خیال ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس وحی کا بہت سا حصہ محفوظ تھا جس کو حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک میں جمع نہیں کیا ہے۔

وَهٰذِهِ الصَّحِيفَةُ: وہ صحیفہ وہی تھا جو ان کی تلوار کے نیام میں لگا ہوا تھا جس میں خوں بہا کے مسائل، دیت کے احکام اور اسی طرح سے جانوروں کی زکات کے احکام اور حرم مدینہ کے متعلق احکام مذکور تھے۔

الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَائِرٍ إِلَى كَذَا: مدینہ حرم ہے عائر سے لیکر فلاں جگہ تک، اور بعض روایات میں مابین عیر ہے، بخاری شریف میں دو طرح کی روایات وارد ہوئی ہیں، بعض میں ہے اَلْمَدِينَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلَى

كَذَا ابتدائے غایت اور انتہائے غایت دونوں میں ابہام اور کنایہ ہے، اور دوسری روایت میں ہے اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ، مَا بَيْنَ عَائِرٍ إِلٰى كَذَا ابتدائے غایت کی تو تعیین ہے لیکن انتہائے غایت میں ابہام کیا گیا ہے، اور مسلم شریف میں وارد ہوا ہے اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلٰى ثَوْرٍ اس میں ابتداء اور انتہاء دونوں کی تحدید و تعیین وارد ہوئی ہے۔

کیا مدینہ میں عیر اور ثور نامی کوئی پہاڑ ہے؟　　زبیری کہتے ہیں کہ مدینہ میں عیر اور ثور نامی کوئی پہاڑ ہے ہی نہیں، ابوعبید فرماتے ہیں کہ عیر مدینہ کا پہاڑ ہے اور شعراء نے اس پہاڑ کا تذکرہ بھی کیا ہے البتہ ثور مدینہ کا پہاڑ نہیں ہے اور فرماتے ہیں کہ غالباً حضور نے احد فرمایا ہوگا کسی راوی کو وہم ہوگیا اور اس نے ثور کہہ دیا، چنانچہ مسند احمد کی بعض روایات میں اسی طرح واقع ہوا ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے وہم ہونے ہی کی وجہ سے امام بخاری نے یہاں پر ابہام سے کام لیا۔

لیکن یہی روایت ابواب الجزیہ میں کتاب الجہاد کے اواخر میں آرہی ہے اس میں حاشیہ کے نسخہ میں المدینة حرم مابین عائر إلی ثور وارد ہوا ہے، اگرچہ حوض میں إلی کذا وارد ہوا ہے، اب اگر حاشیہ والی روایت کو اصل قرار دیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ امام بخاری نے ابہام نہیں کیا ہے بلکہ یہ کسی اور راوی کا ابہام ہے، بہر حال جس نے بھی ابہام کیا ہو یہی سمجھ کر کیا ہے کہ مدینہ میں ثور نامی کوئی پہاڑ نہیں ہے۔

اب اگر لفظِ ثور حدیث میں وارد ہے اور یقیناً وارد ہے تو پھر اس کی توجیہ کیا ہوگی؟ بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارتجالاً دونوں پہاڑوں کو عیر و ثور کے نام کے ساتھ یاد کر لیا حالانکہ ان کا نام عیر و ثور نہیں۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مکہ کے دو پہاڑ عیر و ثور کے درمیان جتنی مقدار تھی اتنی مقدار مدینہ کی چوحدی کو حرم قرار دیا ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور نے احد کو ارتجالاً ثور کہہ دیا اور عیر تو مدینہ پاک میں موجود ہے ہی لہذا مطلب یہ ہے کہ عیر اور احد کے درمیان جتنا فاصلہ ہے وہ حرم ہے۔

لیکن حافظ قطب الدین حلبی نے اپنے استاذ علامہ ابو محمد عبد السلام بن مزروع مصری سے نقل کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں احد کی بائیں طرف پیچھے کی جانب کو ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے اس کو ثور کہا جاتا ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہاں کے اعراب و سکّان سے اس کی خوب خوب تحقیق کی ہے، عبد السلام بن مزروع کے اس بیان پر امام ابوبکر بن الحسین المراغی نے تاریخ مدینہ میں اور عفیف الدین مقری نے تاریخ مدینہ میں اور اسی طرح حافظ

ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اعتماد فرمایا ہے۔

مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوَى مُحْدِثًا: جو کوئی وہاں بدعت کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ اور ملائکہ اور سارے لوگوں کی لعنت ہو، اس سے معلوم ہوا کہ بدعت کا ایجاد کرنے والا اور اس کی اعانت کرنے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔

ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ: مسلمانوں کا ذمہ یعنی ان کا امان ایک ہے، یعنی ایک فرد امان دے دے تو سب کی طرف سے اعتبار کیا جائے گا شریف ووضیع کا اس میں کوئی فرق نہیں، بہر حال جزئیات میں اختلاف اور تفصیل ہے جس کا تعلق کتاب الجہاد سے ہے۔

فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا: پس جو شخص کسی مسلمان کے ذمہ کو توڑ دے تو اس پر لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ہے نہ اس کا صرف قبول ہے اور نہ عدل۔

بعض کہتے ہیں کہ صرف فریضہ ہے اور عدل نافلہ ہے، اور بعضوں نے اس کا عکس کہا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ صرف فریضہ ہے اور عدل فدیہ، بخاری نے بھی عدل کی تفسیر فدیہ سے کی ہے۔

وَمَنْ تَوَلَّى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ: جو آدمی موالات کرلے اپنے آقاؤں کی بغیر اجازت کے اس پر اللہ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، لہذا کوئی آزاد کردہ غلام اپنے آقاؤں کو چھوڑ کر بلا اس کی اجازت کے دوسروں سے تعلق کرلے تو یہ شخص مستحق لعنت ہوگا، اور اس سے یہ نکلتا ہے کہ اگر اجازت سے کرلے تو وہ مستحق لعنت نہیں ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ موالات منتقل نہیں ہوتا ہے اور الولاء لمن أعتق نص نبوی ہے، پھر بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ کا کیا مطلب ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قید حضور ﷺ نے تاکید تحریم کے لئے لگائی ہے، اس لئے کہ جب آقاؤں سے اجازت مانگے گا تو اجازت تھوڑے دیں گے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ اصل میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کسی قوم کا حلیف ہو تو بلا ان کے اذن کے پھر دوسری قوم سے عقد حلف نہیں کرسکتا ہے، ہاں اپنے حلفاء کو اطلاع کرے کہ اب میں تم سے تعلق توڑ کر فلاں سے تعلق جوڑنا چاہتا ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(ص ۲۵۲) بَابُ فَضْلِ الْمَدِينَةِ وَأَنَّهَا تَنْفِي النَّاسَ

۱۸۷۱. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْحُبَابِ سَعِيدَ بْنَ يَسَارٍ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرَى، يَقُولُونَ يَثْرِبُ، وَهِيَ الْمَدِينَةُ، تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ

ترجمہ: باب، مدینہ منورہ کی فضیلت کا بیان اور اس بات کا بیان کہ وہ (برے) لوگوں کو نکال دیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس بستی کی طرف ہجرت کا حکم ہوا ہے جو تمام بستیوں پر غالب ہوگی، لوگ اسے یثرب کہتے ہیں؛ حالانکہ وہ مدینہ ہے، وہ بستی لوگوں کو اس طرح نکال باہر کرے گی جیسے بھٹی لوہے کی گندگی کو نکال دیتی ہے۔

تشریح: مدینہ منورہ کی یہ خاص فضیلت ہے کہ وہ لوگوں کو نکال باہر کرتا ہے، الناس سے مراد اشرار اور برے لوگ ہیں وہ ان کو وہاں رہنے نہیں دیتا ہے، مدینہ کو وہ لوگ برداشت نہیں کر پاتے ہیں اور بعض روایات میں تُنَقِّي النَّاسَ ہے تنقیہ کرتا ہے صفائی کرتا ہے۔

أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرَى: مجھے حکم دیا گیا ایک ایسے قریہ میں ہجرت کرنے کا جو سارے قریٰ کو کھالے گا، اس کھانے کی تفسیر میں علماء کے تین قول ہیں۔

(۱) خطابی اور ابن بطال فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس کے سکّان تمام بلاد والوں پر غالب ہو جائیں گے اور یہی ہوا، (۲) قاضی عبد الوہاب مالکی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غلبۃ فی الفضیلۃ ہے اور مقصد یہ ہے کہ مدینہ کی فضیلت تمام بلاد پر غالب ہو جائے گی یعنی وہ افضل البلاد ہو گا، مگر یہ توجیہ مالکی مسلک کے مطابق چل سکتی ہے، جمہور علماء افضل البلاد مکہ مکرمہ کو قرار دیتے ہیں، (۳) تیسرا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ تمام علاقوں سے غلہ وغیرہ کھینچ کھینچ کر مدینہ پہونچے گا اور وہاں کے لوگ اس کو کھائیں گے اور استعمال کریں گے اور ہوا بھی یہی، اللہ تعالیٰ شانہ نے جب خلفاء راشدین کے دور میں اسلام کی سلطنت میں وسعت پیدا کی تو تمام علاقوں کے غلے وہاں آیا کرتے تھے۔

يَقُولُونَ يَثْرِبُ، وَهِيَ الْمَدِينَةُ: منافقین اس کو یوں ہی یثرب کہتے تھے، یثرب کہنا حدیث میں ممنوع ہے، مسند احمد میں حضرت براء بن عازبؓ کی روایت میں وارد ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا من سمّی

المدینة یثرب فلیستغفر اللہ وھی طابة، جو مدینہ کو یثرب کہے وہ استغفار کرے، مدینہ تو طیبہ ہے۔

اس کو یثرب کہنے سے اس لئے منع کیا گیا کہ یا تو یہ ثَرب سے ماخوذ ہے جس کے معنی فساد کے ہیں، یا تثریب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں زجر و توبیخ اور ملامت کے، اس پر اشکال یہ ہے کہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یا أھل یثرب لا مقام لکم فارجعوا اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے تو غیر مؤمنین کا قول نقل فرمایا ہے۔

تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ: لوگوں کو نکال باہر کرے گا جیسے بھٹی لوہے کا میل کچیل نکال دیا کرتی ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ کب ہوگا؟ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہو چکا، آپ کے دور انور میں مدینہ میں مدینہ کے قیام پر وہی شخص صبر کر سکتا تھا جو راسخ الایمان ہو، امام نووی فرماتے ہیں کہ آخر زمانہ میں ہوگا جب دجال کا ظہور ہوگا اس وقت مدینہ منافقین وغیرہ کو نکال باہر کرے گا، مسلم کی روایت میں ہے لاتقوم الساعة حتی تنفی المدینة شرارھا یہ امام نووی کی تائید کرتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ متفرق زمانوں پر محمول ہو، بہت سے زمانے ایسے آئے ہیں کہ مدینہ نے ایسے اشرار کو نکال باہر کیا ہے، خدا کی پناہ۔

(ص ۲۵۲) بَابُ الْمَدِينَةُ طَابَةٌ

۱۸۷۲ . حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: «أَقْبَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ تَبُوكَ، حَتَّى أَشْرَفْنَا عَلَى الْمَدِينَةِ، فَقَالَ: هَذِهِ طَابَةٌ

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ مدینہ منورہ (کا ایک نام) طابہ ہے۔

حضرت ابو حمیدؓ نے بیان کیا کہ ہم پیغمبر ﷺ کے ساتھ تبوک سے لوٹے؛ یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ کے قریب ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ طابہ ہے۔

تشریح: طابہ اور طیبہ مدینہ کے ناموں میں سے ہیں، ہے بھی واقعی بہت بڑھیا شہر۔

حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: یہ روایت مصنف نے یہاں مختصراً ذکر کی ہے اور مکمل طور پر یہ روایت

کتاب الزکاۃ میں گزر چکی ہے۔

(ص ۲۵۲) بَابُ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ

۱۸۷۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: «لَوْ رَأَيْتُ الظِّبَاءَ بِالْمَدِينَةِ تَرْتَعُ مَا ذَعَرْتُهَا، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حَرَامٌ

ترجمہ: باب، مدینہ منورہ کی دونوں پتھریلی سیاہ زمینوں کا بیان۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ یہ بیان فرماتے تھے کہ اگر میں ہرنوں کو مدینہ منورہ میں چرتے ہوئے دیکھوں تو ان کو خوف زدہ نہیں کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی دونوں سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان کا حصہ حرم ہے۔

تشریح: لابتین کی تشریح میں کر چکا ہوں کہ یہ تثنیہ ہے لابہ کا اور لابہ کہتے ہیں حرّہ اور اس سنگستانی علاقہ کو جو مدینہ کے دونوں جانب میلوں تک پھیلا ہوا ہے، کالے کالے پتھر زمین پر بچھے ہوئے ہیں۔

لَوْ رَأَيْتُ الظِّبَاءَ بِالْمَدِينَةِ تَرْتَعُ مَا ذَعَرْتُهَا: اگر میں ہرنیوں کو مدینہ میں چرتا دیکھوں تو میں ان کو نہیں ڈراؤں گا یعنی نہیں بھگاؤں گا، حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مدینہ کے لابتین کے بیچ کا حصہ محترم اور حرم ہے۔

(ص ۲۵۲) بَابُ مَنْ رَغِبَ عَنِ الْمَدِينَةِ

۱۸۷٤۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يَتْرُكُونَ الْمَدِينَةَ عَلَى خَيْرِ مَا كَانَتْ، لَا يَغْشَاهَا إِلَّا الْعَوَافِ يُرِيدُ عَوَافِيَ السِّبَاعِ وَالطَّيْرِ وَآخِرُ مَنْ يُحْشَرُ رَاعِيَانِ مِنْ مُزَيْنَةَ، يُرِيدَانِ الْمَدِينَةَ، يَنْعِقَانِ بِغَنَمِهِمَا فَيَجِدَانِهَا وَحْشًا، حَتَّى إِذَا بَلَغَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ، خَرَّا عَلَى وُجُوهِهِمَا

۱۸۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ

سُفْيَانَ بْنِ أَبِي زُهَيْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «تُفْتَحُ الْيَمَنُ، فَيَأْتِي قَوْمٌ يُبِسُّونَ، فَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ، وَتُفْتَحُ الشَّأْمُ، فَيَأْتِي قَوْمٌ يُبِسُّونَ، فَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِيهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ، وَتُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَأْتِي قَوْمٌ يُبِسُّونَ، فَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِيهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو مدینہ منورہ سے اعراض کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے رسول پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ مدینہ منورہ کو ایسے وقت میں چھوڑیں گے جب کہ وہ بہترین حالت میں ہوگا، وہاں صرف وحشی جانور اور درند وچرند ہی رہ جائیں گے اور سب سے آخر میں جن کو اٹھایا جائے گا وہ مزینہ کے دو چرواہے ہوں گے، وہ اپنی بکریوں کو لیکر چیختے ہوئے مدینہ منورہ کا رخ کریں گے اور مدینہ منورہ کو وحشت ناک پائیں گے، یہاں تک کہ جب ثنیۃ الوداع پہنچیں گے تو اپنے منہ کے بل گر جائیں گے۔

سفیان بن ابی زہیرؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یمن فتح ہوگا تو کچھ لوگ اونٹنیوں کو ہنکاتے ہوئے آئیں گے وہ اپنے گھر والوں کو اور ان سب کو سوار کرلیں گے جو ان کی بات مانیں گے؛ حالانکہ مدینہ منورہ ان کے لئے بہتر تھا اگر وہ جانتے، شام فتح ہوگا تو کچھ لوگ اونٹنیوں کو ہنکائیں گے اور ان پر اپنے گھر والوں کو اور ان سب کو سوار کرلیں گے جو ان کی بات مانیں گے؛ حالانکہ ان کے لئے مدینہ منورہ بہتر تھا اگر وہ جانتے، عراق فتح ہوگا تو کچھ لوگ اونٹنیوں کو ہنکاتے ہوئے آئیں گے اپنے گھر والوں کو اور ان سب کو سوار کرلیں گے جو ان کی بات مانیں گے؛ حالانکہ مدینہ منورہ ان کے لئے بہتر تھا اگر وہ علم رکھتے۔

تشریح: یعنی اس شخص کی مذمت کے بیان میں جو مدینہ سے اعراض کرے، یا مطلب یہ ہے کہ جو مدینہ سے اعراض کرے وہ مذموم ہے۔

مدینہ سے اعراض کر کے کہیں چلا جانا یہ ہے مذمت کی بات، ہاں ضرورت کی وجہ سے کوئی جائے یا سفر کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے جائے یا درس و تدریس کی نیت سے جائے یا تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جائے تو یہ اس مذمت میں داخل نہیں۔

يَتْرُكُونَ الْمَدِينَةَ عَلَى خَيْرِ مَا كَانَتْ: حضور ﷺ سے میں نے سنا آپ فرمارہے تھے کہ تم لوگ مدینہ کو چھوڑ دو گے اس سے بہتر حال پر جو پہلے تھا، نہیں آئیں گے وہاں پر مگر پرند، درند، اور آخری وہ شخص جو جمع کیا جائے گا دو چرواہے ہوں گے قبیلۂ مزینہ کے، مدینہ کا ارادہ کر رہے ہوں گے اپنی بکریوں کو آواز دے

رہے ہوں گے تو مدینہ کو خالی پائیں گے اور جب ثنیۂ وداع پر پہونچیں گے اپنے منھ کے بل گر جائیں گے یعنی مر جائیں گے، یعنی مدینہ کا حال ماضی سے بہت اچھا ہو جائے گا لیکن لوگ اس کو چھوڑ بیٹھیں گے۔

اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ واقع ہو چکا ہے یا واقع ہو گا؟ قاضی عیاض اور قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ہو چکا ہے، جب خلافت شام کی طرف منتقل ہوئی لوگوں نے مدینہ کو چھوڑا اور شام چلے گئے، اور جب عراق فتح ہوا تو عراق چلے گئے، وہاں دولت کا غلبہ ہو گیا، مدینہ خالی ہو گیا اکثر اس کے پھل عوافی ہی کے لئے رہ گئے، امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حال آخری زمانہ میں قیام ساعت کے وقت پایا جائے گا۔

لَا يَغْشَاهَا إِلَّا الْعَوَافِي: عوافی جمع ہے عافیہ کی عفا یعفو سے، پرندے اس سے مراد ہیں۔

يُرِيدُ عَوَافِيَ السِّبَاعِ وَالطَّيْرِ: یعنی وہ پرند اور درند جو طلب رزق کے لئے چلتے ہیں وہی مدینہ آئیں گے۔

وَآخِرُ مَنْ يُحْشَرُ رَاعِيَانِ مِنْ مُزَيْنَةَ: اور آخری جو محشور ہوں گے وہ دو چرواہے ہوں گے، اگر قیامت کے قریب مراد ہے تب تو مطلب یہ ہے کہ آخر میں دو چرواہے مدینہ میں آئیں گے اور وہ بھی مر جائیں گے، اور اگر کسی زمانہ کا حشر مراد ہے تو اس سے مراد وہاں سے نکلنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آخری آدمی دو چرواہے ہوں گے جو اپنے جانوروں کو لیکر چلیں گے قبیلۂ مزینہ کے ہوں گے مدینہ کی طرف آئیں گے لیکن وہاں پر صورتحال دگرگوں پائیں گے۔

فَيَجِدَانِهَا وَحْشًا: یجدانها کی ضمیر میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ یہ ضمیر مدینہ کی طرف عائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مدینہ خالی ہو جائے گا، وحشا بمعنی خالیۃ، یا مطلب یہ ہے کہ ذات وحش ہو جائے گا جب انسان نہیں رہیں گے تو وہاں وحشی جانور رہنے لگیں گے، ابن مرابط کہتے ہیں کہ یجدانها کی ضمیر أغنام کی طرف لوٹ رہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کی بکریاں وحشی ہو جائیں گی، یا مطلب یہ ہے کہ ان کی صفات بدل جائیں گی یا ہو سکتا ہے کہ ان کی ذوات بدل جائیں، لیکن قاضی عیاض نے اس مسلک کا انکار کیا ہے۔

حتی کہ جب ثنیۃ الوداع پر پہونچیں گے تو اپنے چہروں کے بل گر پڑیں گے یعنی مر جائیں گے۔

تُفْتَحُ الْيَمَنُ: یمن فتح ہو گا پس ایک قوم آئے گی يَبُسُّونَ اونٹوں کو چلا رہے ہوں گے اور اپنی

سواریاں ہانک رہے ہوں گے اپنے اہل وعیال کو لاد کر اور ان لوگوں کو جو ان کی موافقت کریں گے لیکر چل دیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہو گا، اس لئے کہ مدینہ حرم رسول ہے حضور ﷺ وہاں راحت فرما رہے ہیں، نیز مدینہ میں بہت سے فضائل ہیں جو عبادات کا وہاں مرتبہ ہے وہ دوسری جگہ نہیں ہے۔

(ص ۲۵۲) بَابُ الْإِيمَانُ يَأْرِزُ إِلَى الْمَدِينَةِ

۱۸۷٦ . حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِينَةِ، كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ ایمان مدینہ منورہ میں سمٹ آئے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان مدینہ منورہ کی طرف اس طرح سمٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف لوٹ آتا ہے۔

تشریح: یأرز کے راء پر تینوں حرکات جائز ہیں أی یجتمع، ایمان مدینہ کی طرف سمٹ کر آجائے گا، حدیث پاک میں وارد ہوا ہے إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِينَةِ، كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا ایمان مدینہ کی طرف سمٹ کر ایسے آجائے گا جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف آجاتا ہے، بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ حجاز کی طرف ایمان سمٹ کر آجائے گا، ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ممکن ہے کہ عام بول کر خاص مراد ہو اور ممکن ہے کہ پہلے حجاز کی طرف سمٹ کر آئے گا اور پھر مدینہ سمٹ کر آجائے۔

باقی یہ ہو گا کب؟ اس میں اختلاف ہے۔

(۱) علامہ ابو عبید ہروی فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے زمانۂ مہاجرین کی طرف، حضور ﷺ کے زمانہ میں جو کوئی مسلمان ہوتا تو اس کے ذمہ یہ فرض تھا کہ وہ اپنا علاقہ چھوڑ کر مدینہ منورہ آئے اور آنحضور ﷺ کی مدد کرے۔

(۲) بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ زمانۂ ردت میں واقع ہو چکا ہے، جب ارتداد پھیلا تو جو سابق الایمان لوگ تھے وہ اپنا علاقہ چھوڑ چھوڑ کر حضرت صدیقؓ کے پاس مدینہ جمع ہو رہے تھے۔

(۳) علامہ داؤدی فرماتے ہیں کہ اس سے قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر مراد ہے، ان تینوں زمانوں میں لوگ مدینہ ہی کی طرف سمٹ سمٹ کر آتے تھے۔

(۴) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صورت حال آخری زمانہ میں پیش آئے گی جب اسلام ہر جگہ غریب ہوتا چلا جائے گا تو آخر میں جو اس کا مرکز ہے وہ وہاں پر پہنچ جائے گا۔

(۵) بعض حضرات جیسے قاضی عیاض ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیشہ ہی ایسا ہوتا رہا، حضور ﷺ کے زمانہ میں جو مسلمان ہوتا اسے حکم تھا کہ وہ آپ کی خدمت میں آئے اور آپ کی مدد کرے، نیز لوگ آپ کے پاس علم سیکھنے آتے تھے، آپ کے بعد خلفاء راشدین کے پاس آتے تھے اور ان کے بعد حضور اکرم ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کیلئے اور وہاں کے مشاہد متبرکہ کو دیکھنے کیلئے جاتے تھے، غرضکہ ہمیشہ ایمان مدینہ ہی سمٹ سمٹ کر پہنچتا رہتا ہے۔

كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا: سانپ کے متعلق مشہور ہے کہ یہ جہاں کہیں بھی ہو دن بھر پھرتا رہے لیکن آخر میں اپنے بل میں پہنچ جایا کرتا ہے، دن بھر تو ادھر ادھر گھومتا ہے اور اس کے بعد قصائی کی طرح سے وہ اپنے کھونٹے ہی پر پہنچتا ہے، قصائی کا دن بھر جو نفع ہونے والا ہوتا ہے وہ کھونٹے پر پہنچتا ہے اور قصائی چھری پھیر دیتا ہے۔

(ص ۲۵۲) بَابُ إِثْمِ مَنْ كَادَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ

۱۸۷۷ . حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ عَنْ جُعَيْدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ سَعْدًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَكِيدُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ إِلَّا انْمَاعَ، كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ

ترجمہ: باب، اہل مدینہ کے ساتھ سازش کرنے والے کے گناہ کا بیان۔

حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل مدینہ کے ساتھ جو بھی سازش کرے گا وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔

تشریح: جو اہل مدینہ کے ساتھ مکر و کید کرے اس کے گناہ کے بیان میں۔

لَا يَكِيدُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ إِلَّا انْمَاعَ: کوئی بھی اہل مدینہ کے ساتھ مکر و چال نہیں کرے گا مگر ایسا پگھل جائے گا جیسے پانی میں نمک پگھل جایا کرتا ہے، اس سے مراد کیا ہے؟

بعض علماء فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ آگ میں پگھلے گا، چنانچہ مسلم شریف میں وارد ہوا ہے أَذَابَهُ اللهُ فِي النَّارِ۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس سے بہت بڑا اشکال دفع ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل مدینہ کے ساتھ تو بہت سے لوگوں نے مکر وکید کیا ہے لیکن وہ کہیں بھی برباد نہیں ہوئے۔

مگر حافظ ابن حجر عسقلانی یوں فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ بالکل ظاہر پر محمول ہو اور مطلب یہ ہو کہ جو شخص حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے اس بلد والوں کے ساتھ مکر کا معاملہ کرے گا حق تعالیٰ اس کو مضمحل فرمادیں گے اس کو ختم کردیں گے، اور ہوا بھی ایسا ہی چنانچہ مسلم بن عقبہ المری مدینہ پر چڑھائی کر کے آیا تھا انجام اس کا کیا ہوا؟ تھوڑی سی بھی زندگی نہیں پاسکا اور جس نے اس کو بھیجا تھا یعنی یزید اس کو بھی زیادہ زندگی نہیں مل سکی، ایک احتمال یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ حضور کے دور کے ساتھ خاص ہے یعنی حیات نبویہ کے دور میں اگر کوئی اہل مدینہ کے ساتھ مخالفت وبرائی کا معاملہ کرے گا تو اس کا معاملہ مضمحل ہو جائے گا، ظاہر وہی معلوم ہو رہا ہے جو حافظ ابن حجر نے اختیار کیا ہے یا پھر وہ جو قاضی عیاض سے نقل کیا گیا ہے۔

(ص ۲۵۲) بَابُ آطَامِ الْمَدِينَةِ

۱۸۷۸ . حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ سَمِعْتُ أُسَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «أَشْرَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى أُطُمٍ مِنْ آطَامِ الْمَدِينَةِ، فَقَالَ: هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى، إِنِّي لَأَرَى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ تَابَعَهُ مَعْمَرٌ وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ

ترجمہ: باب، مدینہ منورہ کی پتھر کی بلند عمارتوں کا بیان۔

حضرت اسامہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مدینہ منورہ کی پتھر کی بلند عمارتوں میں سے ایک پر چڑھے اور فرمایا کہ کیا تم وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ بے شک میں تمہارے گھروں کے اندر فتنوں کو بارش کے قطروں کی طرح گرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، زہری سے روایت کرنے میں معمر اور سلیمان بن کثیر نے سفیان کی متابعت کی ہے۔

تشریح: آطام جمع ہے اُطُم کی، اطم وہ قلعے کہلاتے ہیں جو پتھر کے بنائے ہوئے ہوں، اصل میں یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کی اگر تحقیق وغیرہ دیکھنی ہو تو دائرۃ المعارف نامی کتابیں جو بستانی وغیرہ کی ہیں اس میں

دیکھی جاسکتی ہے اور حضرت مولانا علی میاں ندوی نے جو سیرت نبویہ لکھی ہے اس میں بھی اس کی تحقیق موجود ہے اور میں نے کتاب الجنائز میں یہ مسئلہ یعنی آطام کی تحقیق بیان کی تھی جہاں امام بخاری نے ابن صیاد کا قصہ اور اسلام صبی کا تذکرہ کیا ہے بَاب إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ میں یعنی ص ۱۸۰ پر میں اس کی تحقیق کر آیا ہوں۔

(اور وہ یہ ہے، از مرتب)

(أُطُمِ: یہ ایک قلعہ نما عمارت ہوتی ہے جس میں یہودیوں کا عالم رہتا تھا اس میں ان کے حربی سامان ہوتے تھے، یہ ماخوذ ہے أَطَمَ عَيْنَيْهِ سے جب کوئی اپنی آنکھوں کو بند کرلے، اس کو اطم اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے منافذ (سوراخوں) سے باہر کی چیز نظر آتی ہے مگر باہر سے اندر کی چیز نظر نہیں آتی ہے، الفیض ۶/ ۱۹۰)۔

هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى: کیا دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں، اس رؤیت سے اگر رؤیت علمیہ مراد ہے تب تو مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو آئندہ آنے فتنوں کا علم یقینی وحی کے ذریعہ دیا گیا، یا الہام کے ذریعہ عطا کیا گیا، یا ان فتن کا مشاہدہ کرایا گیا۔

(ص ۲۵۲) بَاب لَا يَدْخُلُ الدَّجَّالُ الْمَدِينَةَ

۱۸۷۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ رُعْبُ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ، عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ

۱۸۸۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَلَى أَنْقَابِ الْمَدِينَةِ مَلَائِكَةٌ، لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلَا الدَّجَّالُ

۱۸۸۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ إِلَّا سَيَطَؤُهُ الدَّجَّالُ، إِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِينَةَ، لَيْسَ لَهُ مِنْ نِقَابِهَا نَقْبٌ إِلَّا عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ صَافِّينَ يَحْرُسُونَهَا، ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِينَةُ بِأَهْلِهَا ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ، فَيُخْرِجُ اللهُ كُلَّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ

١٨٨٢. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَّالِ، فَكَانَ فِيمَا حَدَّثَنَا بِهِ أَنْ قَالَ: يَأْتِي الدَّجَّالُ، وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ، بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِي بِالْمَدِينَةِ، فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ هُوَ خَيْرُ النَّاسِ، أَوْ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ، فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَّالُ، الَّذِي حَدَّثَنَا عَنْكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَدِيثَهُ. فَيَقُولُ الدَّجَّالُ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُ هَذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشُكُّونَ فِي الْأَمْرِ؟ فَيَقُولُونَ: لَا، فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ، فَيَقُولُ حِينَ يُحْيِيهِ: وَاللهِ مَا كُنْتُ قَطُّ أَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ، فَيَقُولُ الدَّجَّالُ: أَقْتُلُهُ فَلَا أُسَلَّطُ عَلَيْهِ

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا۔

حضرت ابو بکرہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں مسیح دجال کا ڈر داخل نہیں ہوگا، اس وقت مدینہ منورہ کے سات دروازے ہوں گے، ہر دروازے پر دو فرشتے ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کے راستوں پر ملائکہ مقرر ہیں، اس میں نہ طاعون داخل ہو سکتا ہے نہ دجال۔

حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کوئی شہر نہیں ہے جس میں دجال داخل نہ ہو، سوائے مکہ اور مدینہ منورہ کے، مدینہ کے راستوں میں سے ہر راستے پر ملائکہ صف بستہ ہوں گے اور اس کی حفاظت کریں گے، پھر مدینہ منورہ اپنے باشندوں کو تین جھٹکے دے گا تو اللہ تعالیٰ ہر کافر اور منافق کو باہر نکال دے گا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کے بارے میں ہمارے سامنے ایک طویل گفتگو فرمائی، آپ نے جو کچھ فرمایا اس میں یہ بھی تھا کہ دجال- جس پر مدینہ منورہ کے دروازوں میں داخل ہونا حرام ہے- مدینہ منورہ کے ایک بنجر میدان میں آئے گا، تو اس دن ایک شخص جو کہ لوگوں میں سب سے بہتر ہوگا یا یہ فرمایا کہ وہ بہترین لوگوں میں سے ایک ہوگا، اس کی طرف نکلے گا اور کہے گا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ہم کو باخبر کر دیا تھا، دجال کہے گا کہ بتاؤ اگر میں اس کو قتل کر دوں پھر زندہ کر دوں تو کیا تم میرے معاملہ میں شک کرو گے؟ وہ کہیں گے کہ نہیں، تو دجال اس شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا پھر جب اس شخص کو زندہ کرے گا تو وہ شخص کہے گا کہ بخدا (تیرے دجال ہونے کے بارے میں) میں آج سے زیادہ بصیرت والا پہلے ہرگز نہیں تھا، تو دجال (دل میں) کہے گا کہ اس کو قتل کرتا ہوں؛ لیکن (پھر سوچے گا کہ) مجھے اس پر قدرت نہیں ہوگی؟

تشریح: مدینہ کے فضائل میں سے ہے کہ تمام شہروں میں تو دجال داخل ہو گا لیکن مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو گا، اسی طرح سے مکہ مکرمہ کے بارے میں بھی احادیث میں وارد ہے کہ وہ اس میں داخل نہیں ہو گا، حضرت انس بن مالکؓ کی روایت اسی باب میں آرہی ہے **لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ إِلَّا سَيَطَؤُهُ الدَّجَّالُ، إِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِينَةَ**، اب یہاں اشکال یہ ہے کہ روایت میں جب مکہ اور مدینہ دونوں کا ذکر ہے تو امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں صرف مدینہ منورہ کا ہی تذکرہ کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ امام بخاری فضائل مدینہ بیان فرما رہے ہیں اس لئے ترجمہ میں مدینہ ہی کا ذکر فرمایا۔

اور جیسے مکہ و مدینہ کے متعلق یہ وارد ہے کہ دجال وہاں داخل نہیں ہو گا ایسے ہی بعض دیگر روایات میں بعض دوسری جگہوں کا بھی ذکر وارد ہوا ہے، ابن جریر طبری کی روایت میں ہے **ولا الكعبة والبيت المقدس**، اور طحاوی کی روایت میں واقع ہوا ہے کہ مسجد طور میں بھی داخل نہیں ہو گا۔

أَنْقَابِ الْمَدِينَةِ: أنقاب جمع ہے نقب کی اور نقب کہتے ہیں سوراخ کو اور راستہ پر بھی اس کا اطلاق آتا ہے، یہاں پر راستہ ہی کے معنیٰ مراد ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے راستوں پر فرشتے کھڑے ہوں گے اور طاعون ودجال کو داخل نہیں ہونے دیں گے۔

علماء نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں وبائے عام جس کو طاعون کہتے ہیں کبھی بھی داخل نہیں ہوا اور اسی طرح سے دجال بھی داخل نہیں ہو گا۔

اس حدیث کے بعض طرق میں وارد ہوا ہے **لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلَا الدَّجَّالُ إن شاء الله**، یہ إن شاء الله تبریک کے لئے ہے تعلیق کے لئے نہیں، اور اگر تعلیق کے لئے ہو تو اس کا تعلق دجال سے نہیں ہے بلکہ طاعون سے ہے، اور یہ رواۃ کی عادت ہے ہی کہ بیان میں تقدیم و تاخیر ہو جایا کرتی ہے، تو مطلب یہ ہو گا کہ دجال تو بہر حال داخل نہیں ہو گا اور دخول طاعون معلق بالمشیت ہے۔

یہ إن شاء الله والی روایت کتاب الفتن کے آخر میں آرہی ہے۔

ينزل بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِي بِالْمَدِينَةِ: دجال آکر ان بعض شوریلی زمینوں میں اترے گا جو مدینہ منورہ کے اطراف میں ہیں، وہاں ایک ایسا انسان جائے گا جو اس وقت لوگوں میں سب سے بہتر ہو گا یا بہتر لوگوں

میں سے ہوگا اور یہ کہے گا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تو ہی وہ دجال ہے جس کے متعلق ہم کو رسول اکرم ﷺ نے حدیث بیان کی۔

ابو اسحاق ابراہیم بن سفیان جو صحیح مسلم کو امام مسلم سے روایت کرتے ہیں اور اسی طرح معمر بن راشد استاذ عبد الرزاق فرماتے ہیں کہ یہ رجل حضرت خضر ہوں گے، اس لئے کہ براہ راست انہی کو حضور ﷺ کا سماع حاصل ہو سکتا ہے، بعض دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے امت کا کوئی فرد خیر مراد ہے، اور حَدَّثَنَا عَنکَ کا مطلب ہے أی بواسطة الثقات، اس سلسلہ میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی رائے ان شاء اللہ کتاب الفتن کے آخر میں میں بیان کروں گا۔

(ص ۲۵۳) بَابُ الْمَدِينَةُ تَنْفِي الْخَبَثَ

۱۸۸۳ . حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: «جَاءَ أَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ ﷺ فَبَايَعَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَجَاءَ مِنَ الْغَدِ مَحْمُومًا، فَقَالَ: أَقِلْنِي، فَأَبَى، ثَلَاثَ مِرَارٍ، فَقَالَ: الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا، وَيَنْصَعُ طِيبُهَا

۱۸۸٤ . حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: «لَمَّا خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى أُحُدٍ، رَجَعَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ. فَقَالَتْ فِرْقَةٌ: نَقْتُلُهُمْ، وَقَالَتْ فِرْقَةٌ: لَا نَقْتُلُهُمْ، فَنَزَلَتْ: {فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ} وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّهَا تَنْفِي الرِّجَالَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْحَدِيدِ

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ مدینہ منورہ گندگی (برے لوگوں) کو نکال دیتا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی پاک ﷺ کے پاس آیا، اس نے آپ سے اسلام کی بیعت کی، اگلے روز بخار زدہ آیا اور کہنے لگا کہ میری بیعت فسخ کر دیں، اس نے تین مرتبہ یہی کہا، آپ نے انکار فرمایا، پھر آپ نے فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح ہے، گندگی کو نکال دیتا ہے اور خالص کو نکھار دیتا ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ نے بیان کیا کہ جب نبی پاک ﷺ احد کی طرف نکلے تو آپ کے ساتھ جانے والوں میں سے کچھ لوگ واپس لوٹ گئے، ایک جماعت نے کہا کہ ہم ان کو قتل کریں گے اور ایک جماعت نے کہا کہ ہم ان کو قتل نہیں کریں گے تو یہ آیت

نازل ہوئی فما لکم فی المنافقین الآیة کہ تم کو کیا ہوا کہ منافقین کے بارے میں تم دو جماعتوں میں بٹ گئے، نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ برے لوگوں کو اس طرح باہر نکال دیتا ہے جیسے آگ لوہے کے میل کو نکال دیتی ہے۔

تشریح: مدینہ خبث، میل کچیل ردّی چیزوں کو نکال باہر کرتا ہے، یہ اپنے عموم کی وجہ سے ہر زمانہ کو شامل ہے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ اپنے عموم کی وجہ سے حیاۃ اور بعد الممات کو بھی شامل ہے، خدا کی پناہ! اس کا مطلب یہ نکلا کہ اگر کوئی برا آدمی مدینہ میں مر جائے اور ارض مدینہ میں دفن ہو جائے تو اندر ہی اندر مدینہ اس کو اپنے حدود سے نکال باہر پھینکے گا، اللہ حفاظت فرمائے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ مصنف نے یہاں ترجمہ منعقد کیا ہے اَلْمَدِینَةُ تَنْفِي الْخَبَثَ کا اور اس سے پہلے ترجمہ منعقد کیا تھا ص ۲۵۲ پر بَابُ فَضْلِ الْمَدِینَةِ وَأَنَّهَا تَنْفِي النَّاسَ بظاہر ان دونوں باب میں تعارض ہے، لیکن اس تعارض کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ أَنَّهَا تَنْفِي النَّاسَ کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں میں کچھ کھوٹ اور میل کچیل ہو تو مدینہ منورہ اس میل کچیل کو صاف کر دیتا ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو نکال باہر کرے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مدینہ میں کوئی صحیح الایمان آدمی ہو اور اس میں کسی قسم کی عملی کمی یا کوتاہی ہو تو مدینہ کی برکت سے وہ دور ہو جاتی ہے جاتی رہتی ہے، اور یہاں پر مقصود یہ ہے کہ مدینہ منورہ میل کچیل کو دور کرتا ہے، اب اس کی دو شکلیں ہیں، ایک شکل یہ ہے کہ کوئی آدمی ایمان کے اعتبار سے صادق ہو لیکن اس میں کوئی نقص و کمی ہو تو وہ اس کے اس میل کچیل کو دور کر دے گا، دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی آدمی خبیث طبیعت کا ہو منافق ہو باطن میں غیر مؤمن ہو تو مدینہ اس کو ہی نکال پھینکتا ہے اور وہی خبث کا مصداق ہے، اس تقریر پر ترجمہ کے ذیل کی دونوں روایتیں ترجمہ کے ساتھ مطابق ہو جاتی ہیں۔

جَاءَ أَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ ﷺ: ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا آپ سے اسلام پر بیعت کی دوسرے دن اس کو بخار ہو گیا، آیا اور کہنے لگا أَقِلْنِي مجھ کو تو آپ بیعت اسلام سے علیحدہ کر دیجئے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہاں اقالہ سے مراد اقالہ عن الاسلام ہے، لیکن بعض دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ اس نے ہجرت سے اقالہ طلب کیا تھا ورنہ اگر وہ اسلام سے اقالہ طلب کرتا تو مرتد ہوتا اور مرتد کا قتل کرنا واجب ہے۔

اَلْمَدِینَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا، وَيَنْصَعُ طِيبُهَا: آپ نے فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح سے ہے میل

کچیل کو دور کر دیتا ہے اور طیب کو صاف ستھرا کر دیتا ہے، یعنی جو چیز طیب ہو اور اس میں کچھ کمی ہو تو اس کو بالکل دھو کر صاف کر دیتا ہے۔

إِنَّهَا تَنْفِي الرِّجَالَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْحَدِيدِ: مدینہ منورہ رجال کو نکال باہر کرتا ہے یعنی وہ رجال جو اشرار ہیں، اکثر نسخوں میں رجال ہی واقعہ ہوا ہے اور یہی صواب ہے لیکن کشمیہنی کے نسخہ میں الرجال کے بجائے الدجال واقع ہوا ہے، لیکن یہ تصحیف ہے کما نبہ علی ذلک الحافظ ابن حجر والقسطلانی والزین زکریا الأنصاری۔

(ص ۲۵۳) باب

۱۸۸۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا أَبِي سَمِعْتُ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اللَّهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِينَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ تَابَعَهُ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ يُونُسَ

۱۸۸۶. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ «كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ، فَنَظَرَ إِلَى جُدُرَاتِ الْمَدِينَةِ، أَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ، وَإِنْ كَانَ عَلَى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا، مِنْ حُبِّهَا

ترجمہ: باب۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ! جو برکت تو نے مکہ مکرمہ میں رکھی ہے مدینہ منورہ میں اس برکت کا دوچند عطا فرما، اس حدیث کو یونس سے روایت کرنے میں عثمان بن عمر نے جریر کی متابعت کی ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب سفر سے واپس آتے اور مدینہ منورہ کی دیواروں کو دیکھتے تو مدینہ منورہ کی محبت کے سبب اپنی اونٹنی کو تیز چلاتے اور اگر آپ کسی اور سواری پر ہوتے تو اس کو بھی ایڑ لگاتے۔

تشریح: یہ باب بلا ترجمہ ہے، مصنف نے اس باب کے ذیل میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔

ایک حدیث حضرت انسؓ کی ذکر کی ہے اللَّهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِينَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ یعنی مدینہ میں اے اللہ مکہ کی بہ نسبت دگنا برکت ڈال دیجئے، اور ظاہر ہے کہ جہاں برکت ہوگی وہاں اس کی ضد نہیں ہوگی، تو معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ محل برکات ہے اور جو چیز برکت کے خلاف ہے یعنی خبث؛ مدینہ اس کو اپنے اندر قبول

نہیں کرتا ہے اس کی نفی کر دیتا ہے لہذا ترجمہ سابقہ کے ساتھ مناسبت ظاہر ہو گئی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب سفر سے تشریف لاتے اور مدینہ کی دیواریں نظر پڑتیں تو آپ اس کی محبت کی وجہ سے اپنی سواری تیز گام کر دیتے تھے، اور آپ طیب تھے اور طیب طیب ہی سے محبت کر سکتا ہے، معلوم ہوا کہ مدینہ طیب ہے اور محل طیّبین ہے اور جو محل طیّبین ہو گا وہ طیب ہی کو قبول کرے گا غیر طیب کو قبول نہیں کرے گا، اور یوں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا مدینہ سے محبت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پاک اور طیب ہے وہاں خبث کی گنجائش نہیں ہے۔

(ص ۲۵۳) بَابُ كَرَاهِيَةِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ تُعْرَى الْمَدِينَةُ

۱۸۸۷۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «أَرَادَ بَنُو سَلِمَةَ أَنْ يَتَحَوَّلُوا إِلَى قُرْبِ الْمَسْجِدِ، فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تَعْرَى الْمَدِينَةُ، وَقَالَ: يَا بَنِي سَلِمَةَ، أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ، فَأَقَامُوا

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ حضور ﷺ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ مدینہ منورہ کو خالی کیا جائے۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ بنو سلمہ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ مسجد نبوی کے قریب منتقل ہو جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو ناپسند سمجھا کہ مدینہ منورہ کو خالی کیا جائے اور فرمایا کہ اے بنو سلمہ! کیا اپنے قدموں کا ثواب تمہارے پیش نظر نہیں ہے؟ تب وہ وہیں مقیم رہے۔

تشریح: حضور اکرم ﷺ یہ بات ناپسند کرتے تھے کہ مدینہ خالی ہو جائے، معلوم ہوا کہ آپ تعمیر مدینہ کو پسند کرتے تھے اور تعمیر مدینہ کو حضور کا پسند کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ منورہ بہت ہی فضیلت والا شہر ہے جس کو سید المرسلین ﷺ آباد دیکھنا چاہتے ہیں۔

(ص ۲۵۳) بَاب

۱۸۸۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ

عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي

۱۸۸۹. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: «لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وُعِكَ أَبُو بَكْرٍ وَبِلَالٌ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمَّى يَقُولُ

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ　　وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

وَكَانَ بِلَالٌ إِذَا أُقْلِعَ عَنْهُ الْحُمَّى يَرْفَعُ عَقِيرَتَهُ يَقُولُ

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً　　بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ

وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ　　وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

قَالَ: اللَّهُمَّ الْعَنْ شَيْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ، كَمَا أَخْرَجُونَا مِنْ أَرْضِنَا إِلَى أَرْضِ الْوَبَاءِ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَفِي مُدِّنَا، وَصَحِّحْهَا لَنَا، وَانْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ قَالَتْ: وَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَهِيَ أَوْبَأُ أَرْضِ اللهِ، قَالَتْ: فَكَانَ بُطْحَانُ يَجْرِي نَجْلًا، تَعْنِي مَاءً آجِنًا

۱۸۹۰. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ ﷺ» وَقَالَ ابْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَتْ: سَمِعْتُ عُمَرَ: نَحْوَهُ. وَقَالَ هِشَامٌ، عَنْ زَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَفْصَةَ: سَمِعْتُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

ترجمہ: باب۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جو حصہ ہے وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور میرا منبر میرے حوض کے اوپر ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ کو بخار آ گیا، حضرت ابو بکرؓ کو جب بخار آتا تو یہ شعر پڑھتے: ہر شخص اپنے گھر والوں کے درمیان صبح کرتا ہے؛ حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمہ سے زیادہ قریب ہوتی ہے، حضرت بلالؓ کو جب بخار سے افاقہ ہوتا تو بلند آواز سے درد کے ساتھ یہ شعر پڑھتے: خبردار! کاش

مجھے معلوم ہو تا کہ کیا میں کوئی رات ایسی وادی میں گزاروں گا، کہ میرے ارد گرد اذخر اور جلیل نامی گھاس ہوں؟ اور کیا میں کسی دن مجنّہ کے کنوؤں پر جاؤں گا؟ اور کیا مجھے شامہ اور طفیل نامی پہاڑ دیکھنے کو میسر آئیں گے؟ حضرت بلالؓ کہتے ہیں کہ اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت برسا جیسا کہ انہوں نے ہمیں ہماری بستی سے وباء کی بستی کی طرف نکال دیا، پھر نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! ہمارے لئے مدینہ کو ایسا محبوب بنا جیسے ہمیں مکہ سے محبت ہے یا اس سے بھی زیادہ، اے اللہ! ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما، مدینہ منورہ کی آب و ہوا کو صحت بخش بنا اور اس کا بخار جحفہ کی طرف منتقل فرما، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم مدینہ منورہ آئے؛ اس حال میں کہ وہ اللہ کی زمین میں سب سے زیادہ وباء والی زمین تھی، انہوں نے فرمایا کہ بطحان میں نجل یعنی گندہ اور بدبودار پانی بہتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے دعا کی اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور وفات اپنے رسول کے شہر میں نصیب فرما۔

ابن ربیع کہتے ہیں کہ اس اثر کو روح بن القاسم نے زید بن اسلم عن امہ کے طریق سے روایت کیا ہے جب کہ ہشام اس کو زید بن اسلم عن ابیہ کے طریق سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: امام بخاری نے اس باب میں تین روایتیں ذکر کی ہیں۔

(۱) آنحضور ﷺ نے فرمایا مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي جس شہر میں روضۃ من ریاض الجنۃ ہو وہ شہر اس قابل ہے کہ آدمی وہاں سکونت اختیار کرے نہ یہ کہ وہاں سے کہیں اور منتقل ہو۔

(۲) آپ نے فرمایا اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، اور جس سے رسول اکرم ﷺ محبت کریں اور جس کی محبوبیت کی دعا کریں وہاں کا سکنیٰ اور وہاں کا قیام کرنا اور اس کو وطن بنانا مرغوب ہوگا۔

(۳) حضرت عمرؓ دعا کرتے تھے اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ ﷺ، اس سے مدینہ منورہ کے قیام اور وہاں کے سکونت کا کھلا ہوا ثبوت ملتا ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: یہ روایت اسی سند سے کتاب الصلوۃ کے اواخر میں ص ۱۵۹ پر گزر چکی ہے، روضۃ من ریاض الجنۃ سے کیا مراد ہے؟ آیا واقعۃً یہ ٹکڑا جنت میں منتقل کر دیا جائے گا جیسا کہ ایک بڑی جماعت کا خیال ہے، یا یہ جنت ہی کا ایک ٹکڑا ہے جو وہاں سے یہاں منتقل کر دیا گیا۔

لیکن اس پر ابن حزم کو اشکال ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ جنت کا ٹکڑا ہوتا تو وہاں بھوک اور پیاس کیوں لگتی؟

ابن حجر مکی نے یہ جواب دیا کہ جب وہ جنت سے منتقل ہو کر یہاں آگیا تو اس میں دنیا کے آثار آگئے۔

حافظ ابن عبد البر اور امام بیہقی وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی وہاں عبادت کرے گا وہ جنت میں جائے گا، اس میں اشکال یہ ہے کہ عبادت تو جہاں بھی کی جائے وہ موصل الی الجنہ ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ خاص طور سے وہ محل مبارک ایسا ہے کہ وہاں پر عبادت کرنا جنت کے حصول اور باغ جنت تک پہونچنے کا زیادہ ذریعہ ہے، اس کی زیادہ توقع اور امید ہے۔

وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي: اس کے مطلب میں مختلف اقوال ہیں، (۱) آپ کا یہی منبر حوض پر لوٹا دیا جائے گا، (۲) یا مطلب یہ ہے کہ حوض پر آپ کو منبر عطا کیا جائے گا، (۳) ابو القاسم سہیلی کی رائے یہ ہے کہ اصل میں جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اس وقت حوض کوثر کا آپ کو ایسا مشاہدہ کرایا گیا گویا وہ سامنے ہے تو آپ نے فرمایا وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي اور اس کی تائید میں سہیلی نے دوسری روایت پیش کی ہے جس میں وارد ہوا ہے کأنی أنظر إلیٰ حوضی الآن، (۴) یا مطلب یہ ہے کہ اس منبر کے پاس عبادت کرنے سے میرے حوض کے پانی پینے کی زیادہ توقع ہے۔

لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْمَدِينَةَ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابو بکرؓ و بلالؓ کو بخار ہو گیا، حضرت ابو بکرؓ کو جب بخار ہو جاتا تو وہ کہتے تھے کہ ہر انسان کی موت صبح کے وقت اس کے اہل میں آتی ہے اور موت تو انسان کے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے، مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو شعر کے ترجمہ سے معلوم ہو گیا، مُصَبَّحٌ أی یأتی الموت صباحًا، دوسرا مطلب ہے أی یقول الناس صبّحک اللہ بخیر۔

اور حضرت بلالؓ کو جب بخار کچھ کم ہوتا تو وہ اپنی آواز بلند کرتے تھے، عقیرہ وہ آواز کہلاتی ہے جو مذبوح ذبح کے وقت نکالتا ہے، مراد اس سے صوت عالی ہے، کہتے أَلَا لَيْتَ شِعْرِي اے کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ کیا میں کوئی رات گزاروں گا وادیِ مکہ میں اور میرے اطراف میں اذخر اور جلیل ہوگا، اذخر اور جلیل گھاس کی دو قسمیں ہیں، اور کیا میں کسی دن مجنہ کے چشموں پر اتروں گا؟ اور کیا میرے لئے شامہ اور طفیل ظاہر ہوں گے؟ مجنہ بازار کا نام ہے اور شامہ اور طفیل کے متعلق مشہور ہے کہ مکہ کے قریب دو پہاڑ ہیں، خطابی فرماتے ہیں کنت أحسب

أنهما جبلان حتی ثبت عندی أنهما عينان، یعنی پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ شامہ اور طفیل دو پہاڑوں کے نام ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ دو چشموں کے نام ہیں، اور پھر اس کے بعد وہ بد دعا کرتے تھے اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت کر جیسا کہ انہوں نے ہم کو ہماری زمین سے وباء والی زمین کی طرف نکال دیا۔

رسول پاک ﷺ نے دعا کی اے اللہ! محبوب بنادے ہم کو مدینہ جیسے ہم محبت کرتے تھے مکہ سے یا اس سے بھی زیادہ، اور اے اللہ! تو برکت دے ہم کو اس کے صاع اور مد میں، اور اے اللہ! مدینہ کی آب وہوا کو صحیح کردے اور اس کا بخار جُحفہ منتقل فرمادے۔

جُحفہ منتقل کرنے کی دعا اس لئے کی تھی کہ اس وقت یہود وہاں رہتے تھے اور یہ اسلام کے بڑے سخت دشمن تھے، فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ آئے تو مدینہ منورہ تمام زمینوں میں سب سے زیادہ وباء والا تھا اور وادیِ بطحان کے پانی کا رنگ بدلا ہوا تھا، نجل وہ پانی کہلاتا ہے جو طول مکث کی وجہ سے متغیر اللون ہو جاتا ہے اور ایسا پانی جس میں لون بدل جاتا ہے وہ عام طور سے امراض کا مورث ہوا کرتا ہے۔

اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ ﷺ: اس روایت سے صراحۃً براعت اختتام نکلتی ہے، اور حضرت عمرؓ کی دعا کے دونوں جزو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائے، ہم بھی دعا کرتے ہیں اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ۔

ابواب العمرہ پورے ہوئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ص ۲۵۴) کِتَابُ الصَّوْمِ

تشریح: کتاب الحج ختم ہوگئی اب کتاب الصوم شروع ہوتی ہے، کتابوں کے درمیان مناسبت ماقبل میں بیان ہو چکی ہے۔

کتاب الصلوۃ کو مصنف نے اس لئے مقدم کیا کہ وہ سب سے افضل ہے، اس کے بعد کتاب الزکوۃ کو ذکر فرمایا اس لئے کہ قرآن وحدیث میں کثرت سے صلوۃ وزکوۃ کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور چونکہ یہ دونوں مفرد عبادتیں ہیں لہذا اس کے بعد حج کا تذکرہ فرمایا جو بدن اور مال سے مرکب ہے، پھر جب عباداتِ فعلیہ سے فارغ ہو گئے تو عباداتِ ترکیہ یعنی صوم کا تذکرہ فرمایا۔

عام مصنفین کا طرز یہ ہے کہ وہ پہلے صلوۃ پھر زکوۃ پھر صوم پھر حج کا ذکر کرتے ہیں اس لئے علامہ عینی نے اس پر بے ترتیبی کا اشکال اور اعتراض کیا، لیکن علامہ شامی وغیرہ نے یہ جواب دیا ہے کہ اصل میں طریقۂ فقہاء یہ ہے کہ وہ اسہل سے اشق کی طرف چلتے ہیں اور عبادات میں یہی صورت زیادہ مفید ہوتی ہے، کیوں کہ جب آدمی تھوڑی عبادت کر کے نفس کو خوگر بنالیتا ہے تو آگے اس کے بعد زیادہ شاق عبادت کرنے کی ہمت ہو جاتی ہے، صلوۃ بہ نسبت زکوۃ کے آسان ہے اس لئے پہلے اس کا تذکرہ کیا اس کے بعد پھر زکوۃ کا اور صوم دونوں سے اشق ہے لہذا اس کو تیسرے نمبر پر لے آئے اور حج چونکہ مرکب ہے مال وبدن کی عبادت سے اس لئے اس کو سب سے آخر میں حضرات فقہاء نے رکھا ہے۔

لیکن امام بخاری کے طرز پر جواب یہ ہے کہ اولاً عبادات فعلیہ کو بیان کیا پھر عبادات ترکیہ کو لہذا بے ترتیبی کا اشکال نہیں رہا۔

صوم کے معنی لغت میں ہیں امساک اور ترک کے۔

نابغہ کہتا ہے

خَيلٌ صِيَامٌ وَخَيلٌ غَيرُ صَائِمَةٍ تَحتَ العَجَاجِ وَأُخرَى تَعلُکُ اللُّجُمَا

بعض گھوڑے صائم ہیں یعنی چل نہیں رہے ہیں یا چارہ نہیں کھا رہے ہیں اور بعض گھوڑے چل رہے ہیں غبار کے نیچے ہیں اور کچھ گھوڑے لگام کو ڈھانپتے ہیں۔

اصطلاح میں صوم نام ہے إمساک عن المفطرات الثلاثة حقيقةً أو حكمًا فی وقت مخصوص لشخص مخصوص کا، مفطرات ثلاثہ سے حقیقۃً یا حکماً ترک جانا مخصوص وقت میں مخصوص شخص کے لئے۔

المفطرات الثلاثۃ سے مراد اکل، شرب اور جماع ہے، اور اسی کے حکم میں نسیان ہے، حقیقۃً تو ظاہر ہے اور حکماً کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بھول کر کھاپی لے تو وہ بھی صائم ہی ہے۔

فی وقت مخصوص کا مطلب یہ ہے کہ طلوع صبح صادق سے لیکر غروب تک اجتناب کیا جائے۔

لشخص مخصوص کا مطلب یہ ہے کہ بالغ ہو اور حائض ونفساء نہ ہو، بالغ ہونے کی قید وجوب کے اعتبار سے ہے ورنہ اگر بچہ بھی روزہ رکھتا ہے تو اس کا روزہ بھی صوم کہلائے گا۔

صوم کے متعلق حافظ ابن عبد البر کا خیال ہے کہ وہ افضل العبادات ہے، جمہور امت صلوۃ کو سب سے افضل قرار دیتی ہے اور یہی سب سے ارجح ہے، حدیث نبوی ہے أول مایسئل عنه یوم القیامة الصلوة، ابن عبد البر نے نسائی کی ایک روایت عَلَيکَ بِالصَّومِ فَإِنَّهُ لَا مِثلَ لَهُ سے استدلال کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لَا مِثلَ لَهُ کے معنی ہیں لامثل له فی قمع الشهوات۔

(ص ۲۵۴) بَابُ وُجُوبِ صَومِ رَمَضَانَ

وقول الله تعالى ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ﴾

۱۸۹۱ . حَدَّثَنَا قُتَيبَةُ بنُ سَعِيدٍ ثَنَا إِسمَاعِيلُ بنُ جَعفَرٍ عَن أَبِي سُهَيلٍ عَن أَبِيهِ عَن طَلحَةَ بنِ عُبَيدِ اللهِ أَنَّ أَعرَابِيًّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَائِرَ الرَّأسِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَخبِرنِي مَاذَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: الصَّلَوَاتُ الخَمسُ إِلَّا أَن تَطَّوَّعَ شَيئًا، فَقَالَ: أَخبِرنِي مَاذَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الصِّيَامِ؟ فَقَالَ: شَهرَ

رَمَضَانَ إِلاَّ أَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا، فَقَالَ: أَخْبِرْنِي مَاذَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الزَّكَاةِ؟ قَالَ: فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِشَرَائِعِ الإِسْلاَمِ، فَقَالَ: وَالَّذِي أَكْرَمَكَ بِالْحَقِّ لاَ أَتَطَوَّعُ شَيْئًا وَلاَ أَنْقُصُ مِمَّا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ - أَوْ دَخَلَ الْجَنَّةَ إِنْ صَدَقَ.

۱۸۹۲. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: صَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تُرِكَ، وَكَانَ عَبْدُ اللهِ لاَ يَصُومُهُ إِلاَّ أَنْ يُوَافِقَ صَوْمَهُ.

۱۸۹۳. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ ثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ أَنَّ عِرَاكَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ أَنَّ عُرْوَةَ أَخْبَرَهُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ قُرَيْشًا كَانَتْ تَصُومُ يَوْمَ عَاشُورَاءَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، ثُمَّ أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِصِيَامِهِ حَتَّى فُرِضَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ شَاءَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ.

ترجمہ: باب، رمضان کے روزے کے وجوب کا بیان۔

نیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد یاأَیُّھَا الَّذِینَ آمنوا کُتِبَ عَلَیکُمُ الصِّیامُ الآیۃ کا بیان، کہ اے ایمان والو! تمہارے اوپر روزے فرض کئے گئے جیسے ان پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے بیان کیا کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس حال میں کہ اس کے سر کے بال منتشر تھے اس نے کہا کہ یارسول اللہ! مجھے بتایئے کہ اللہ نے میرے اوپر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ فرض تو پانچ نمازیں ہیں؛ مگر ان کے علاوہ تم چاہو تو نفل پڑھو، پھر اس نے دریافت کیا کہ آپ مجھے بتایئے کہ اللہ نے کتنے روزے فرض کئے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ فرض تو صرف رمضان کے روزے ہیں؛ لیکن اگر تم چاہو تو نفل روزے رکھو، پھر اس نے دریافت کیا کہ مجھے بتایئے کہ اللہ نے زکوۃ کتنی فرض کی ہے؟ راوی کہتا ہے کہ غرض یہ کہ حضور ﷺ نے اس کو اسلام کے فرائض بتائے، اس اعرابی نے سن کر کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو عزت بخشی، میں زائد عمل کچھ بھی نہیں کروں گا اور اللہ نے میرے اوپر جو فرض کیا ہے اس میں سے کم بھی کچھ نہیں کروں گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ کامیاب ہو گیا یا یہ فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ جنت میں داخل ہو گا۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس روزے کو رکھنے کا حکم بھی دیا؛ لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو وہ روزہ چھوڑ دیا گیا، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ عاشورہ کا روزہ نہیں رکھتے تھے؛ الایہ کہ عاشورہ کا دن ان کے معمول کے روزے کے دن واقع ہو۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ دور جاہلیت میں قریش عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس روزے کا حکم دیا

یہاں تک کہ رمضان کے روزے فرض ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

تشریح: صوم رمضان کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، اور قیاس کا بھی تقاضا یہی ہے، حکمت بھی اسی کو مقتضی ہے، اس واسطے کہ (۱) اس بدن کو ہر وقت متنعمات اور اکل وشرب، سے پُر رکھا جائے تو اس میں بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور اگر آدمی کبھی کبھی اپنے نفس کو بھوکا رکھے تو بہت سے امراض دور ہوتے رہتے ہیں، (۲) نیز جو آدمی بھوک سے کبھی آشنا نہیں ہوتا ہے وہ فقراء کے حالات سے واقف نہیں ہوتا ہے تو کچھ دنوں آدمی کو اپنے آپ کو بھوکا بھی رکھنا چاہئے تاکہ تنگ دستوں کی تنگ دستی کا حال معلوم ہو کر ان کے ساتھ شفقت کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہو، (۳) اور ویسے ایک حکمت یہ ہے کہ آسودگی کے بعد ہی انسان کو نفسانی شرارتیں سوجھا کرتی ہیں، اگر بھوک ہوتی ہے اور ضعف ہوتا ہے تو انسان کو اس طرح کی ہوا وہوس کی باتیں نہیں سوجھتی ہیں۔

روزہ کی فرضیت کب ہوئی؟ صوم رمضان کی فرضیت: واقدی، ابن سعد، خلیفہ بن خیاط اور ابن حبان وغیرہ نے لکھا ہے کہ سن ۲ھ میں ہوئی ہے، صاحب در مختار کہتے ہیں کہ جب قبلہ کعبہ کی طرف پھیرا گیا ہے تو دس شعبان کو ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد رمضان شریف کا روزہ فرض ہوا۔

کیا رمضان سے پہلے کوئی روزہ مشروع تھا؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے صوم عاشوراء فرض تھا، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے دو دو قول ہیں، شافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ کوئی اور روزہ فرض نہیں تھا، حنفیہ نے وجوب صوم عاشوراء کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ سلمہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو حضور ﷺ نے اعلان کرایا تھا مَنْ كَانَ أَكَلَ فَلْيَصُمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ، اگر یہ روزہ فرض نہیں تھا تو آپ نے آکلین تک کو یہ کیوں حکم دے دیا کہ بقیہ یوم کا روزہ رکھے، اور معاویہؓ وغیرہ کی جو روایات ہیں جس میں وَلَمْ يُكْتَبْ عَلَيْكُمْ صِيَامُهُ وارد ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کا روزہ فرض نہیں، اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ معاویہؓ نے علی الاطلاق مراد لیا ہے تو ممکن ہے کہ معاویہؓ کو پتہ نہ چلا ہو اس واسطے کہ یہ علی المشہور مسلمۃ الفتح میں سے ہیں اور بہت بعد میں مدینہ منورہ میں ان کی حاضری ہوئی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ: یہ تشبیہ نفس صوم میں ہے یا فرضیت صوم میں ہے؟ مفسرین

کے اس میں دونوں ہی اقوال ہیں، بہر حال اس تشبیہ کا مقصود یہ ہے کہ اس کو انوکھی عبادت سمجھ کر بہت گراں بار نہ ہونا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم پر بڑی سخت عبادت ڈال دی گئی، یہ عبادت قدیم زمانہ کی ہے پہلوں پر بھی یہ عبادت فرض کی جاچکی ہے۔

تاریخ بخاری وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ نصاریٰ پر تیس دن کے روزے فرض کئے گئے تھے لیکن جب گرمی آئی تو انہوں نے یہ کہا کہ روزہ سردی میں منتقل کر دیا جائے اور دس دن کا اضافہ کر دیا جائے، پھر اس کے بعد ایک بادشاہ بیمار ہوا اس نے سات دن کا روزہ اپنی شفایابی پر مزید کر دیا، ایک اور آیا کہنے لگا کہ ان تین نے کیا نقصان کیا؟ اس نے تین کو بڑھا کر کل پچاس روزے کر ڈالے۔

یہود کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ پورے تیس دن کا مطالبہ نہیں ہے بس یہی ایک روزہ ہمارے لئے کافی ہے جس دن حق تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی اور فرعون کو غرق کیا، اس تفصیل کے علاوہ اور بھی تفصیلات نقل کی جاتی ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: شاید تم متقی ہو جاؤ، مطلب یہ ہے کہ تقویٰ تمہارا مزاج بن جائے، روزہ کو یہ ایک خاص اثر حاصل ہے کہ انسان میں تقویٰ کی صفت پیدا کرتا ہے اس لئے کہ جو چیز تقوی سے مانع ہے وہ انسان کی سب سے بڑی شہوانی قوت ہے اور یہ شہوانی قوت اکل وشرب کی وجہ سے زور پاتی ہے اور رمضان شریف میں اس پر پابندی عائد ہو جاتی ہے تو یہ قوت ٹوٹ جاتی ہے، اگر رمضان کا کوئی اہتمام کرلے تو سارے سال اس کی برکت اور اس کا اثر باقی رہتا ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ: یہ روایت کتاب الایمان میں ص ۱۱ پر گزر چکی ہے۔

فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تُرِكَ: یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ صوم عاشوراء فرض تھا، اس لئے کہ رمضان کی فرضیت کے بعد عاشوراء بالکل متروک نہیں ہوا ہے اس کا استحباب اب بھی باقی ہے، اب اگر پہلے ہی سے مستحب تھا تو فرضیت رمضان کے بعد کیا چیز ترک ہو گئی؟ لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پہلے عاشوراء کا روزہ فرض نہیں تھا وہ یہ توجیہ کرتے ہیں کہ پہلے عاشوراء کا روزہ مؤکد تھا رمضان کی فرضیت کے بعد اس کا تاکد ختم ہو گیا، مگر فُرِضَ کا تُرِكَ سے مقابلہ اس توجیہ سے اباء کرتا ہے۔

(ص ۲۵۴) بَابُ فَضْلِ الصَّوْمِ

١٨٩٤. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: الصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلاَ يَرْفُثْ وَلاَ يَجْهَلْ، فَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ مَرَّتَيْنِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، يَتْرُكُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي، الصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا.

ترجمہ: باب، روزے کی فضیلت کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے لہذا روزہ دار فحش بات نہ کرے اور جہالت ونادانی کا کام نہ کرے، اگر کوئی شخص اس سے جھگڑا کرے یا اس کو گالی دے تو وہ اس سے دو مرتبہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یقیناً روزہ دار کے منھ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ بہتر ہے، (اللہ کہتا ہے کہ) وہ اپنا کھانا، اپنا پینا اور اپنی شہوت میری خاطر چھوڑتا ہے، روزہ میرے لئے ہے اور اس کا بدلہ میں دوں گا اور نیکی کا ثواب دس گنا دیا جاتا ہے۔

تشریح: جیسے مصنف نے فضلِ صلوٰۃ وزکوٰۃ اور حج وعمرہ کے تراجم منعقد کئے تھے ایسے ہی یہاں پر بھی مصنف نے فضلِ صوم کا ترغیب وتشویق کے لئے ترجمہ منعقد کیا ہے۔

الصِّيَامُ جُنَّةٌ: روزہ ڈھال ہے، کس چیز سے ڈھال ہے؟ اس میں تین احتمال ہیں، ۱۔ ڈھال ہے نار سے، ۲۔ ڈھال ہے گناہوں سے، ۳۔ ڈھال ہے دونوں سے، احتمال اول کو حافظ ابن عبد البر نے اور احتمال ثانی کو امام منذری نے ترغیب وترہیب میں اختیار کیا ہے اور احتمال ثالث کو امام نووی نے ذکر فرمایا ہے، یہ تینوں احتمالات قاضی عیاض نے ذکر کئے ہیں، ان میں اول ہی ارجح ہے کیوں کہ سعید بن منصور کی روایت میں الصِّيَامُ جُنَّةٌ من النار صراحۃً وارد ہوا ہے۔

فَلاَ يَرْفُثْ وَلاَ يَجْهَلْ: آدمی کو رفث اور ناشائستہ بات نہ کہنی چاہئے اور جاہلوں کا کام نہ کرنا چاہئے، لفظ جہل علم کی ضد بھی ہوتی ہے اور حلم وبردباری کی بھی ضد ہوتی ہے، اگر علم کی ضد ہے تو یہ متعدی بنفسہ اور اگر حلم کی ضد ہے تو متعدی بحرفِ جر ہوتا ہے، شاعر کہتا ہے

ألا لا يجهلن أحد علينا　　فنجهل فوق جهل الجاهلينا

یہاں پر جہل ضد الحلم بھی ہو سکتا ہے اور ضد العلم بھی، اگر ضد العلم ہو تب مطلب یہ ہے کہ جاہلوں جیسا کام نہ کرے، اور اگر ضد الحلم ہو تو مطلب یہ ہے کہ آدمی بے صبری کا کام نہ کرے۔

وَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ مَرَّتَيْنِ: اگر کوئی آدمی اس سے جنگ وجدال یا گالم گلوچ کرے تو یہ کہہ دے کہ میں تو روزہ سے ہوں۔

دو مرتبہ فَلْيَقُلْ کہے، آیا اس قول سے مراد قول باللسان ہے یا قول بالقلب ہے یا دونوں ہیں یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں راجح یہ قرار دیا ہے کہ زبان سے کہے اور امام نووی نے الاذکار میں اسی کو اختیار کیا ہے اور مقصود اس سے شاتم کو خطاب کرنا ہے کہ بھئی میں روزہ دار ہوں مجھ سے گالم گلوچ نہ کیجئے۔

علامہ متولی شافعی کہتے ہیں کہ اپنے دل کو خطاب کرے اور اپنے نفس کو زجر کرے کہ تو تو روزہ سے ہے کیا ضرورت ہے لڑنے جھگڑنے کی؟ اور ابو المحاسن رویانی فرماتے ہیں کہ اگر صوم فرض ہو تو زبان سے کہے اور اگر صوم نفل ہو تو اخفاء کی وجہ سے قلب کو کہے، لیکن قاضی ابن عربی فرماتے ہیں کہ یہ سارے اختلاف صوم نفل میں ہیں، صوم فرض میں تو وہ بہر حال زبان ہی سے کہے گا کہ بھائی میں روزہ سے ہوں کیوں تم لڑ جھگڑ رہے ہو؟

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ: اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے صائم کے منھ کی بو اللہ کے نزدیک ریح مسک سے بھی زیادہ عمدہ ہے۔

خلوف: خاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، قابسی نے ضمہ کے ساتھ ساتھ فتحہ کی بھی روایت نقل کی ہے لیکن محققین علماء ضمہ ہی کی روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں هذه رواية صحيحة، خطابی کہتے ہیں کہ فتحہ کی روایت خطاء ہے، اور امام نووی فرماتے ہیں کہ فتحہ جائز ہی نہیں ہے، خلوف وہ بو کہلاتی ہے جو روزہ کی وجہ سے منھ میں پیدا ہو جایا کرتی ہے، أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ اللہ کے نزدیک زیادہ خوشبودار ہے۔

سوال یہ ہے کہ خوشبو وغیرہ کا احساس کرنا اور اس کو اچھا سمجھنا یہ انفعال کی دلیل ہے اور حق تعالیٰ اس سے پاک ہے تو پھر أطیب کا کیا مطلب ہے؟

(۱) بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ کنایہ ہے تقریب سے اور مطلب یہ ہے کہ جیسے آدمی اچھی خوشبوؤں میں

مشک کی خوشبو کو زیادہ قریب کرتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ صاحب الخلوف کو اپنے قریب فرماتے ہیں، گویا یہ کنایہ ہے اللہ کی رضا سے، (۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عند اللہ سے مراد عند ملائکۃ اللہ ہے، (۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس بو کے بدلے میں آخرت میں مشک سے زیادہ عمدہ خوشبو عطا فرمائیں گے، (۴) بعض حضرات کہتے ہیں کہ مجامع و محافل میں مشک کی خوشبو لگا کر جانے سے جتنا ثواب ملتا ہے اس سے زیادہ اس پر اجر و ثواب مرتب ہوگا، یا جتنا مشک کو لگا کر مجامع و محافل میں جانے کی قدر و قیمت ہے اس سے زیادہ اس بو کی اللہ کے یہاں قدر و قیمت ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ اس کا تعلق آیا دنیا سے ہے اور اس دنیا ہی میں یہ اطیب ہے یا آخرت میں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، حضرت شیخ عزالدین بن عبد السلام فرماتے ہیں کہ اس کا آخرت سے تعلق ہے، حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق دنیا سے ہے اور انہوں نے یہی مذاہب اربعہ سے نقل فرمایا ہے، چنانچہ امام خطابی، ابن عبد البر، امام بغوی، امام قدوری حنفی، قاضی ابن العربی، علامہ داؤدی اور ابو عثمان صابونی وغیرہ سے یہی منقول ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اطیب ہونا کنایہ ہے رضا و قبول سے اور رضا و قبول دنیا ہی میں ہوتا ہے، جب بندہ روزہ دار ہوتا ہے تو حق تعالیٰ اس سے راضی ہوتے ہیں، مگر ابن عبد السلام فرماتے ہیں کہ روایت میں یوم القیامۃ کا لفظ بھی تو ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یوم القیامۃ کا مطلب یہ ہے کہ یہ رضا و قبول آخرت میں ظاہر ہوگا اللہ کے رضا و قبول کا ظہور وہاں ہوگا، بعض روایات میں حین یمسون کا لفظ وارد ہوا ہے جو ابن صلاح کی صراحۃ تائید کرتا ہے۔

الصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ: روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزاء دوں گا۔

اس جملہ کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا یہ معلوم المراد ہے یا متشابہات میں سے ہے؟ بعض متاخرین شراح مشکوۃ نے اس کو متشابہات میں سے قرار دیا، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ معلوم المراد ہے۔

ابو الخیر طالقانی نے حظائر القدس میں رمضان کے چوسٹھ نام ذکر کئے ہیں اور اس روایت کی پچاس سے زیادہ توجیہیں کی ہیں لیکن وہ اکثر احتمالات ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں کتاب الصوم میں دس توجیہیں ذکر کی ہیں اور طالقانی کی حظائر القدس کا تذکرہ تو کیا ہے لیکن وہ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ کتاب نہیں مل سکی لیکن

حافظ کو بعد میں وہ کتاب مل گئی اور جب کتاب اللباس میں پہنچے تو باب المسک کے ذیل میں طالقانی کی ان توجیہات کو مختصراً ذکر کر دیا ہے، میں ان میں سے یہاں پر چند مشہور توجیہات ذکر کرتا ہوں۔

اللہ کی طرف روزہ کی نسبت کی توجیہات: (۱) ایک توجیہ یہ ہے کہ یہ اضافتِ تشریف و تکریم ہے جیسے بیت اللہ اور کعبۃ اللہ کہتے ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں احب العبادات ہے، یہ توجیہ ابن عبد البر کی رائے پر چل سکتی ہے اس لئے کہ جو عبادت اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ احب ہوگی وہ سب سے افضل ہوگی حالانکہ افضل العبادات نماز ہے۔

(۳) تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس عبادت میں ریاء واقع نہیں ہوتی ہے بخلاف اور عبادات کے کہ اس میں ریاء واقع ہو جاتی ہے یہ امام ابو عبید سے منقول ہے۔

(۴) چوتھا قول یہ ہے کہ اصل میں مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ براہ راست اس کی جزاء دیں گے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ بذات خود کوئی انعام دیتا ہے تو وہ ان انعامات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے جو اپنے وزراء اور امراء کے ذریعہ دلوایا کرتا ہے۔

(۵) بعضوں نے یہ کہا ہے کہ یہ اضافت اس معنٰی کے لحاظ سے ہے کہ حق تعالیٰ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ اس کے بیوی ہے، تو روزہ دار روزہ کی حالت میں حق تعالیٰ کے مشابہ ہوتا ہے۔

(۶) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ کی طرف اضافت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے یہاں رہنے والے ملاً اعلیٰ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

(۷) بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس اضافت کا اصل منشاء یہ ہے کہ باقی اور تمام عبادات ایسی ہیں کہ غیر اللہ کی بھی اس سے پرستش کی گئی ہے لیکن روزہ کے ساتھ غیر اللہ کی پرستش نہیں کی گئی ہے۔

(۸) بعضوں نے یہ کہا ہے کہ جتنی عبادات ہیں ان سب سے مظالم عباد پورے کرائے جائیں گے، اگر کسی نے کسی پر ظلم کیا ہے اور اس کا حق دنیا میں ادا نہیں کیا تو آخرت میں اس کی عبادت لیکر اس مظلوم کو دے دی جائے گی لیکن روزہ مظالم عباد میں نہیں دیا جائے گا، چنانچہ اس کی تائید مسند احمد کی ایک روایت سے ہوتی ہے حضرت

ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں قال رسول اللہ ﷺ کل العمل کفارۃ إلا الصوم والصوم لی وأنا أجزی بہ۔

یہ توجیہ اگرچہ ابن عیینہ جیسے محدث سے منقول ہے اور تقی سبکی فرماتے ہیں کہ اگر یہ منقول ہو یعنی اس کی کوئی سند ہو تو بہت ہی قوی ہے اور ابو ہریرہؓ کی روایت کی سند موجود بھی ہے اس سب کے باوجود اس پر اشکال ہے، قرطبی اور علامہ تاج الدین سبکی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی روایت میں یہ وارد ہوا ہے کہ کل قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا جس کے پاس نماز وروزہ اور اسی طرح دوسری عبادات زکوۃ وغیرہ ہوں گی لیکن اِس کو گالی دے رکھی ہے اُس کو برا بھلا کہہ رکھا ہے بس اس کی طاعات اٹھا کر اس کو دے دی جائیں گی۔

دوسرا اشکال یہ پیدا ہو گیا کہ مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صوم کفارہ نہیں بنے گا یعنی اس کو مظالم کے بدلے میں نہیں دیا جائے گا اور مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دے دیا جائے گا، اب (۱) یا یہ کہا جائے کہ مسلم کی روایت میں صوم کا ذکر کسی راوی کا وہم ہے، (۲) یا پھر یہ کہا جائے کہ اگرچہ صوم کا تذکرہ آگیا لیکن وہ مقصود نہیں ضمنی ہے، (۳) اور تیسرا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ اختلافِ اشخاص پر محمول ہے، بعض ایسے لوگ ہوں گے جن کے روزہ کو کفارہ نہیں بنایا جائے گا اور بعض ایسے بھی ہوں گے جن کی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہو گی کہ ان کی یہ عبادت بھی کفارۃ المظالم بن جائے گی۔

وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا: یعنی نیکی کا ثواب تو دس گنا ملتا ہے مگر روزہ ایک ایسی طاعت ہے کہ حق تعالیٰ بے حد وحساب اس کا اجر وثواب دیں گے، یہی مطلب زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

(ص ۲۵۴) بَابُ الصَّوْمُ كَفَّارَةٌ

١٨٩٥ . حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ ثَنَا سُفْيَانُ ثَنَا جَامِعٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالَ عُمَرُ: مَنْ يَحْفَظُ حَدِيثَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْفِتْنَةِ؟ قَالَ حُذَيْفَةُ: أَنَا سَمِعْتُهُ يَقُولُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَجَارِهِ يُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ، قَالَ: لَيْسَ أَسْأَلُ عَنْ ذِهِ إِنَّمَا أَسْأَلُ عَنِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَا يَمُوجُ الْبَحْرُ، قَالَ: إِنَّ دُونَ ذَلِكَ بَابًا مُغْلَقًا، قَالَ: فَيُفْتَحُ أَوْ يُكْسَرُ؟ قَالَ: يُكْسَرُ، قَالَ: ذَاكَ أَجْدَرُ أَنْ لَا يُغْلَقَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ،

قُلْنَا لِمَسْرُوقٍ: سَلْهُ أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ مَنِ الْبَابُ؟ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: نَعَمْ كَمَا يَعْلَمُ أَنَّ دُونَ غَدٍ اللَّيْلَةَ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ روزہ (گناہوں کا) کفارہ ہے۔

حضرت ابووائلؓ اور حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ فتنہ کے بارے میں پیغمبر ﷺ سے سنی ہوئی حدیث کس کو یاد ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کی آزمائش اس کے گھر والوں، اس کے مال اور اس کے ہمسایہ میں ہوتی ہے، اس آزمائش کا کفارہ نماز، روزہ اور صدقہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس کے بارے میں سوال نہیں کر رہا تھا، میں تو ان فتنوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا جو سمندر کی موج کی طرح امنڈ آئیں گے، حضرت حذیفہؓ نے کہا ان فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہے، حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حضرت حذیفہ نے کہا کہ توڑا جائے گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر تو وہ قیامت تک بند ہونے کے لائق نہیں رہے گا، شقیق نے کہا ہم نے مسروق سے کہا کہ آپ حضرت حذیفہؓ سے معلوم کرو کہ کیا عمر جانتے تھے کہ دروازہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں اس طرح سے جانتے تھے جیسے یہ بات جانتے تھے کہ کل سے پہلے رات ہے۔

تشریح: صوم کا کفارہ ہونا روایت الباب سے ظاہر ہے، لیکن ایک اشکال ہے اور وہ یہ کہ ترجمہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صوم مطلقاً کفارہ ہے لیکن روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتنۃ المال کے لئے کفارہ ہے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ امام بخاری کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ صوم فی الجملہ کفارہ ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ امام نے ترجمہ میں اطلاق رکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگرچہ روایت میں فتنۃ المال کا ذکر ہے لیکن یہ تذکرہ احتراز کے لئے نہیں ہے بلکہ صوم فی الواقع معاصی کے لئے کفارہ بن جایا کرتا ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: یہ روایت ما قبل کتاب الصلوۃ اور کتاب الزکوۃ میں گزر چکی ہے۔

(ص ۲۵۴) بَابُ الرَّيَّانُ لِلصَّائِمِينَ

۱۸۹۶۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ ثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ: الرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ: أَيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُومُونَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ.

۱۸۹۷۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ ثَنِي مَعْنٌ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ

أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ يَا عَبْدَ اللهِ هَذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ مَا عَلَى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ فَهَلْ يُدْعَى أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا؟ قَالَ: نَعَمْ وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ ریان نامی دروازہ روزے داروں کے لئے ہے۔

حضرت سہلؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ریان کہا جاتا ہے، قیامت کے دن اس سے روزے دار داخل ہوں گے، ان کے علاوہ اس دروازے سے اور کوئی داخل نہیں ہوگا، کہا جائے گا کہ روزے دار کہاں ہیں؟ تو وہ کھڑے ہوں گے، اس دروازے سے ان کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا، جب وہ داخل ہو جائیں گے تو اس کو بند کر دیا جائے گا، پھر اس سے کوئی داخل نہیں ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ کے راستہ میں جوڑا (یعنی دو دو چیزیں) خرچ کرے گا اس کو جنت کے دروازے سے آواز دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ بہتر ہے، تو جو نماز والا ہوگا اس کو نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا، جو جہاد والا ہوگا اس کو جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا، جو روزے والا ہوگا اس کو ریان نامی دروازے سے بلایا جائے گا، جو صدقہ والا ہوگا اس کو صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں، جو شخص ان دروازوں میں سے کسی سے بھی بلایا جائے اس کو ضرورت نہیں کہ ہر دروازے سے بلایا جائے لیکن کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہوگے۔

تشریح: ریان جنت کے دروازے کا نام ہے وہ صائمین کے لئے خاص ہے اس سے روزہ کی بہت بڑی فضیلت نکلتی ہے، ری کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ سیرابی کے لئے آسودگی لازم ہے، بغیر آسودگی کے سیرابی نہیں ہوتی، یا اس لئے اس کی تخصیص کی گئی کہ آدمی کو روزہ میں پیاس زیادہ محسوس ہوتی ہے تو اس کی تلافی کے لئے باب ریّان سے داخلہ ہوگا۔

مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ: جو آدمی اللہ کے راستہ میں دو جوڑے خرچ کرے گا جنت کے سارے دروازوں سے بلایا جائے گا۔

زوجین میں دو احتمال ہیں، یا مطلب یہ ہے کہ واقع میں ایک جنس کی دو چیزیں مراد ہوں، اور اس کی تائید نسائی وغیرہ کی بعض روایات سے ہوتی ہے إِنْ كَانَتْ إِبِلًا، فَبَعِيرَيْنِ، اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد تکرار ومتابعت ہو۔

نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ: اسے جنت کے سارے دروازوں سے بلایا جائے گا۔

يَا عَبْدَ اللهِ هٰذَا خَيْرٌ: کہا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے یہ خیر ہے، یہ راستہ بہتر ہے۔

اس روایت میں یہ وارد ہوا کہ جو زوجین خرچ کرے گا اس کو جنت کے سارے دروازوں سے بلایا جائے گا، پھر آگے ہے کہ جو اہل صلوۃ سے ہو گا اس کو باب صلوۃ سے اور جو اہل جہاد سے ہو گا اس کو باب جہاد سے بلایا جائے گا وغیرہ وغیرہ، بظاہر اس پر تھوڑا سا اشکال پڑتا ہے کہ اِس روایت کے اول وآخر میں تعارض ہے، اس لئے کہ پہلے فرمادیا گیا مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، نیز امام بخاری نے ص ۳۹۸ پر ابو ہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے اس میں ہے مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ دَعَاهُ خَزَنَةُ الْجَنَّةِ كُلُّ خَزَنَةِ بَابٍ: أَيْ فُلُ هَلُمَّ جو جوڑا خرچ کرے گا اس کو ہر جنت کے دروازے سے بلایا جائے گا۔

اور آگے فرماتے ہیں کہ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ، إلخ، جو آدمی جس عمل والا ہو گا اس کو اس عمل والے دروازے ہی سے بلایا جائے گا، چنانچہ جو اہل صلوۃ سے ہو گا وہ صلوۃ کے دروازے سے اور جو اہل جہاد سے ہو گا وہ جہاد کے دروازے سے اور جو اہل صیام سے ہو گا وہ باب ریان سے اور جو اہل صدقہ سے ہو گا اس کو باب صدقہ سے بلایا جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جو آدمی صدقہ وزکوۃ کا زیادہ اہتمام کرتا ہو گا وہ باب صدقہ سے بلایا جائے گا، لیکن جو خاص طور سے اللہ کے راستہ میں جہاد میں دو چیزیں خرچ کرے گا یا مکرر چیزیں خرچ کرے گا اس کو تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔

تو ایک تو ہے جہاد کرنے والا اس کو باب جہاد سے بلایا جائے گا اور ایک ہے جہاد اور اللہ کے راستہ میں دوہری چیز خرچ کرنے والا اس کو ہر دروازے سے بلایا جائے گا۔

آگے یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے یوں فرمایا مَا عَلَى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ فَهَلْ

يُدْعَى أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا؟ حضور ان دروازوں میں سے کوئی کسی بھی دروازہ سے جنت میں بلا لیا جائے تو گو اس کو ضرورت تو رہی نہیں کہ ہر دروازے سے بلایا جائے، وہ تو جنت میں پہنچ گیا، لیکن کیا کوئی انسان ایسا بھی ہو گا کہ اس کو جنت کے ہر دروازے سے بلایا جائے گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا نَعَمْ وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ ہاں! مجھ کو امید ہے کہ تم ہر دروازے سے بلائے جاؤ گے۔

میں بتلا چکا ہوں کہ ترجی کلام اللہ اور کلام رسول میں تحقیق کیلئے استعمال ہوتی ہے۔

(ص ۲۵۵) بَابُ هَلْ يُقَالُ رَمَضَانُ أَوْ شَهْرُ رَمَضَانَ وَمَنْ رَأَى كُلَّهُ وَاسِعًا

وقال النبي ﷺ: من صام رمضان، وقال: لا تقدموا رمضان.

١٨٩٨. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ.

١٨٩٩. وحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ ثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: ثَنِي ابْنُ أَبِي أَنَسٍ مَوْلَى التَّيْمِيِّينَ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ کیا رمضان یا ماہ رمضان کہنا جائز ہے؟ اور ان لوگوں کے موقف کا بیان جو ان سب الفاظ کی گنجائش سمجھتے ہیں، نبی پاک ﷺ نے مَنْ صَامَ رَمَضَانَ فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے، نیز لَا تَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بھی فرمایا کہ رمضان سے قبل متصلاً نفل روزے نہ رکھو یعنی آپ نے ان دونوں جگہ رمضان کا لفظ بولا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم رمضان کا چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب تم شوال کا چاند دیکھو تو افطار کرو اور اگر مطلع ابر آلود ہو جائے تو مہینے کے (تیس) ایام شمار کرو۔ یحیٰ بن بکیر کے علاوہ لیث کے دیگر تلامذہ نے لِهِلَالِ رَمَضَانَ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا رمضان کو بلا لفظِ شہر کے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

اس میں علماء کے تین قول ہیں، (۱) عطاء بن ابی رباح اور مجاہد فرماتے ہیں کہ بلا لفظِ شہر کے رمضان کہنا مکروہ ہے، امام محمدؒ نے مجاہد کا یہ قول نقل کرکے اس پر سکوت کرلیا، اس کی وجہ سے بعض لوگوں نے احناف کا بھی یہی مسلک لکھ دیا ہے، (۲) لیکن جمہور مشائخ حنفیہ فرماتے ہیں کہ بلا لفظِ شہر کے اس کو استعمال کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے، یہی حضرات شافعیہ اور بہت سے مالکیہ کا مسلک ہے اور اسی کو جمہور نے اختیار کیا ہے، (۳) تیسرا قول بہت سے شافعیہ کا یہ ہے کہ اگر کوئی قرینہ ایسا ہو جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان بول کر مہینہ مراد ہے تب تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو بلا لفظِ شہر کے استعمال کرنا مکروہ ہے، اس واسطے کہ ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا تَقُولُوا رَمَضَانَ فَإِنَّ رَمَضَانَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ قُولُوا شَهْرَ رَمَضَانَ أَخْرَجَهُ بن عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے، ابو معشر نجیح مدنی جو ایک ضعیف راوی ہے اس روایت کے نقل کرنے میں منفرد ہے، اس کے باوجود اسی تفصیل کو علامہ ابن الباقلانی اور موفق بن قدامہ صاحب مغنی نے اختیار کیا ہے، حضرت امام نووی اور ان سے پہلے قاضی باجی نے مسلک ثانی ہی کو صواب قرار دیا ہے، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور بخاری کی بھی یہی رائے ہے، اور مسلک اول اور ثالث کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ دونوں مسلک فاسد ہیں۔

وَمَنْ رَأَى كُلَّهُ وَاسِعًا: یعنی رمضان بھی کہہ سکتے ہیں اور شہر رمضان بھی کہہ سکتے ہیں۔

فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ: دوسری روایت میں ہے فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، جنت کے دروازے کھول دینا یا تو ۱۔ یہ حقیقت پر محمول ہے کہ رمضان کی آمد پر اس کے اعزاز میں جنت کے دروازوں کو کھول دیا جاتا ہے، ۲۔ یا یہ مجاز و کنایہ ہے توفیق طاعات سے، ۳۔ یا یہ مجاز و کنایہ ہے نزول رحمت سے۔

وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ: اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، یہ بھی یا حقیقت پر محمول ہے اور مقصود یہ ہے کہ رمضان کے اعزاز میں اس کو بند کر دیا جاتا ہے، اور یا یہ مجاز و کنایہ ہے تقلیل معاصی سے جو موصل الی جہنم ہے۔

وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ: اور شیاطین کو جکڑ بند کر دیا جاتا ہے، زنجیروں میں کس دیا جاتا ہے۔

ان شیاطین سے مراد امام ابو عبداللہ الحلیمیؒ کے نزدیک مسترق السمع ہے یعنی وہ شیاطین ہیں جو آسمان کی طرف آسمان کی باتیں سننے اور چرانے کے لئے جاتے ہیں، ترمذی کی ایک روایت میں ہے صُفِدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے سرکش شیاطین مراد ہیں، اس صورت پر کوئی اشکال ہوتا ہی نہیں ہے اس لئے کہ مسترق السمع جکڑ بند ہو گئے یا مَرَدَہ جکڑ بند ہو گئے تو بہر حال دوسرے شیاطین چھٹے رہتے ہیں، ان کی وجہ سے معاصی کا صدور ہوتا ہے۔

لیکن اگر روایت کو اپنے اطلاق اور عموم پر رکھا جائے تو پھر اشکال یہ ہوتا ہے کہ معاصی انسان سے رمضان میں کیوں صادر ہوتے ہیں؟ اس کے کئی جوابات ہیں۔

(۱) پہلا جواب یہ ہے کہ معصیت جیسے شیطان کی وجہ سے صادر ہوتی ہے ایسے ہی انسان کے نفس کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، نفس انسان کا بہت بڑا دشمن ہے ھذا عدوک الذی بین جنبیک۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں جب سال بھر معصیت کرتے کرتے طبیعت معصیت کی خوگر ہو جاتی ہے تو باوجودیکہ شیطان قید ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی اس کے خوگر ہو جانے کی وجہ سے بے اختیار اس سے معصیت کا صدور ہوتا رہتا ہے، مگر شیطان کے جکڑ بند ہونے کی وجہ سے رمضان میں معصیت میں قلت ضرور پیدا ہو جاتی ہے، اس کی تم مثال سمجھو کہ توا کو آگ پر گرم کر دیا جائے اور جب وہ سرخ ہو جائے تو اس کو آگ سے ہٹا دیا جائے اگرچہ وہ آگ سے ہٹ گیا ہے لیکن پھر بھی اس میں گرمی باقی رہتی ہے، انگلی رکھو گے تو جل جائے گی کوئی چیز رکھو گے تو جل جائے گی مگر وہ گرمی ویسی نہیں رہے گی جیسے آگ پر ہونے کے ساتھ تھی۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اگرچہ شیاطین بند ہو جاتے ہیں لیکن دور ہی سے وساوس ڈالتے رہتے ہیں اغواء کرتے رہتے ہیں، یہ جواب ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا ہے، جن کو حضرات صوفیاء کرام سے پالا پڑا ہے وہ اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

صوفیاءِ کاملین کی زبردست توجہ: حضرات صوفیاء بعض ایسے ہوتے ہیں جو صاحب التوجہ کہلاتے ہیں ان کے دل میں ایسی طاقت اور ایسی اسپرٹ موجود ہوتی ہے کہ تمہاری اس بجلی کی طاقت اس کے سامنے کوئی

حیثیت نہیں رکھتی ہے، وہ اپنے اس دل کی قوت کے ذریعہ سے بہت دور دور کام کر دیا کرتے ہیں، بیٹھے ہوئے یہاں ہوتے ہیں اور ان کی توجہ سینکڑوں میل نہیں بلکہ ہزاروں میل تک پہنچتی رہتی ہے۔

بعض وقت کوئی شیخ کامل توجہ کرتا ہے اپنے مرید کی طرف تو اس کے قلب کا فیض ہزاروں میل دور مرید کے قلب پر منتقل ہوتا ہے اور اس کو وہاں ادراک اور احساس ہوتا ہے کہ میرے قلب میں ایک فیض آرہا ہے، مگر ہم لوگ نا آشنا ہیں اس لئے ہم جانتے نہیں ہیں البتہ کتابوں کے پڑھنے اور دیکھنے سے اس کا پتہ ضرور چلتا ہے اور اس وقت بھی ایسے مشائخ موجود ہیں جس میں قطب العالم حضرت اقدس شیخ الحدیث دامت برکاتہم بھی ہیں متعنا اللہ والمسلمین من فیوضہ وبرکاتہ۔

(۴) بعض شراحِ مشکوۃ نواب قطب الدین صاحب نے ایک بڑی عجیب وغریب توجیہ ذکر کی ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ خواص کے بارے میں تو سارے شیاطین بند ہو جاتے ہیں اور عوام کے بارے میں بڑے بڑے بند ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کھلے رہتے ہیں، مجھے یہ توجیہ سمجھ میں نہیں آئی اس واسطے کہ خواص تو اپنی طاعت کی وجہ سے زیادہ محتاج نہیں ہیں اور عوام بیچارے محتاج ہیں کہ ان کے لئے کم بختوں کو از اول تا آخر سب کو جکڑ بند کر کے دریا میں ڈال دیا جائے اور پھینک دیا جائے۔

(ص ۲۵۵) باب رؤية الهلال

۱۹۰۰. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ ثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: إِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ.

وَقَالَ غَيْرُهُ عَنِ اللَّيْثِ: قَالَ: ثَنِي عُقَيْلٌ وَيُونُسُ "لِهِلَالِ رَمَضَانَ".

ترجمہ: باب، چاند دیکھنے کا بیان۔

عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھو تو افطار یعنی عید کر لو، پس اگر تم پر چاند ابر آلود ہو جائے تو اس کا اندازہ کرو۔

تشریح: یہ ترجمہ صرف ہمارے ہندی نسخوں میں ہے، باقی شراح حافظ ابن حجر، علامہ عینی، قسطلانی وغیرہ کے سارے نسخے اس ترجمہ سے خالی ہیں، اور یہ ہے بھی میرے نزدیک بالکل غلط، رؤیت ہلال کا ترجمہ اس

صفحہ کے بالکل آخر میں آرہا ہے پھر یہاں ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس باب کی جو روایت ہے اصل میں اس سے امام بخاری صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رمضان بلا شہر کے استعمال کیا جا سکتا ہے، چنانچہ روایت معلقہ میں ہے وَقَالَ غَيْرُهُ عَنِ اللَّيْثِ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ وَيُونُسُ لِهِلَالِ رَمَضَانَ، لیکن اگر یہ ترجمہ ثابت ہو تو علی البعد یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ امام بخاری اس سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رویت ہلال کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(ص ۲۵۵) بَابُ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا وَنِيَّةً

وقالت عائشة عن النبي ﷺ: يبعثون على نياتهم.

۱۹۰۱. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ثَنَا هِشَامٌ ثَنَا يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ ثواب کی رغبت کے ساتھ اور تقرب کی نیت کے ساتھ رکھے۔

حضرت عائشہؓ نے نبی پاک ﷺ سے نقل کیا کہ لوگ اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی خواہش کے ساتھ عبادت کرے گا اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جو ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے گا اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی ایمان و یقین اور رضاء خداوندی اور نیت خالصہ کے ساتھ روزہ رکھتا ہے تو اس کا روزہ فضائل و کمالات کا حامل ہوا کرتا ہے اور وہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا سبب بنتا ہے۔

إِيمَانًا ایمان کے ساتھ یعنی اللہ کے اوپر یقین ہوتا ہے وَاحْتِسَابًا اللہ سے رضا تلاش کرتا ہے وَنِيَّةً خالص اللہ کے لئے کرتا ہے اس میں اور کوئی مقصود شامل نہیں ہوتا تو وہ اس فضیلت کا حامل ہوتا ہے جو حدیث میں وارد ہوئی ہے یعنی غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

وَقَالَتْ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يُبْعَثُونَ عَلَى نِيَّاتِهِمْ: یہ روایت کتاب البیوع میں آرہی ہے اور

اس سے مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ اعمال میں اصل دار و مدار نیت پر ہے۔

(ص ۲۵۵) بَابُ أَجْوَدُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَكُونُ فِي رَمَضَانَ

١٩٠٢. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ أَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرَئِيلُ، وَكَانَ جِبْرَئِيلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرَئِيلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ نبی پاک ﷺ رمضان میں سب دنوں سے زیادہ سخاوت کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ دوسروں کو خیر پہنچانے میں سب سے زیادہ سخی نبی پاک ﷺ تھے، اور رمضان میں جن ایام میں کہ جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے ان دنوں میں آپ سب دنوں سے زیادہ سخی ہوتے تھے، حضرت جبریل رمضان میں آپ سے ہر رات ملاقات کرتے تھے؛ یہاں تک کہ رمضان ختم ہو جاتا، نبی پاک ﷺ ان کو قرآن سناتے تھے، تو جن ایام میں حضرت جبریل آپ سے ملاقات کرتے ان دنوں آپ خیر پہنچانے میں چلتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوتے تھے۔

تشریح: حضور اکرم ﷺ رمضان شریف میں سب سے زیادہ جود کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

یعنی یوں تو آپ سے جود کا ظہور ہمیشہ ہی ہوتا رہتا تھا مگر رمضان میں آپ خوب جود و سخا کرتے تھے تو امت محمدیہ کو بھی حضور اکرم ﷺ کا اقتداء اور اتباع کرنا چاہئے کہ رمضان میں جود و سخا اختیار کرنا چاہئے اور خوب کرنا چاہئے، رمضان میں خاص طور سے حضور کا جود جو بڑھ جایا کرتا تھا اس کا ایک سبب زمانہ کی برکت ہے اور دوسرے قرآن کا نزول و مدارست ہے اور تیسرے جبریل کی ملاقات ہے۔

(ص ۲۵۵) بَابُ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فِي الصَّوْمِ

١٩٠٣. حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ ثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ ثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو روزے میں جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ترک نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ترک نہ کرے تو اللہ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پینا ترک کرے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے مقصود اعمال صالحہ اور اتقاء کا جذبہ پیدا کرنا ہے، لیکن اگر کوئی آدمی روزہ رکھتا رہے اور نہ زبان کے گناہ سے بچے نہ اپنے اعضاء کو گناہ سے بچائے تو یہ صرف بھوکا رہنے کا روزہ ہے حقیقی روزہ نہیں ہے، اس کا اللہ کے یہاں کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

گناہ کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یہی اوزاعی کا مذہب ہے، بعض کی رائے یہ تھی کہ جو گناہ عمداً ہو گا وہ مفسد صوم ہو گا، علامہ ابن حزم نے اسی کو اختیار کیا ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ معصیت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ اور دارمی کی حدیث ہے الصيام جنة مالم يخرقها بالغيبة، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ صیام میں دو چیزیں ہیں، ایک اس کی صورت اور دوسرے اس کی روح وحقیقت، روزہ کی صورت تو مفطرات ثلاثہ سے پرہیز کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور روزہ کی حقیقت معاصی سے اجتناب سے حاصل ہوتی ہے، اگر کوئی آدمی مفطرات ثلاثہ سے بچے گا تو صورتِ روزہ اس کو حاصل ہو گی اور فرضیت ساقط ہو جائے گی، پھر اگر یہ شخص معاصی سے بھی اجتناب کرتا ہے تو اس کو روحِ روزہ حاصل ہو گی اور اس کو اس پر ثواب ملے گا، اور اگر معاصی سے نہیں بچتا ہے تو جتنے معاصی کرے گا اس کے اعتبار سے روحِ روزہ کمزور پڑ جائے گی اور فنا ہو جائے گی اسی کے اعتبار سے اس کے ساتھ اجر و ثواب میں معاملہ کیا جائے گا۔

(ص ۲۵۵) بَابٌ هَلْ يَقُولُ إِنِّي صَائِمٌ إِذَا شُتِمَ

١٩٠٤. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى ثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ أَبِي صَالِحٍ الزَّيَّاتِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ

فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ.

ترجمہ: باب، روزہ دار کو اگر گالی دی جائے تو کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں روزہ سے ہوں؟

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہے علاوہ روزے کے کیوں کہ روزہ میرے لئے ہے اور اس کا بدلہ میں دوں گا، روزہ ڈھال ہے جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو وہ فحش گفتگو نہ کرے اور شور بھی نہ کرے، اگر اس کو کوئی گالی دے یا اس سے لڑائی کرے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے یقیناً روزے دار کے منھ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے، روزہ دار کے واسطے دو خوشیاں ہیں جو اس کو حاصل ہوتی ہیں، جب وہ افطار کرتا ہے تو اس کو فرحت حاصل ہوتی ہے اور جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اپنے روزہ سے خوش ہوگا۔

تشریح: اگر کسی آدمی کو گالی دی جائے تو صائم إِنِّي صَائِمٌ کہہ سکتا ہے یا نہیں؟ روایت میں صاف طور پر وارد ہوا ہے فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ لیکن اس کے باوجود امام بخاری نے ترجمہ میں لفظِ ھل اس لئے ذکر فرمادیا کہ فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ جملہ محتملہ ہے، ممکن ہے کہ اس سے مراد قول باللسان ہو اور ممکن ہے کہ قول بالنفس ہو یا دونوں مراد ہوں، اور ممکن ہے کہ یہ حکم صوم فریضہ کے ساتھ خاص ہو یعنی زبان سے کہنا اور صوم نافلہ میں دل سے کہے، یہ سارے احتمالات ہیں اور ہر ایک احتمال کا کوئی نہ کوئی قائل ہے جیسا کہ بَابُ فَضْلِ الصَّوْمِ کے ذیل میں حدیث باب کے تحت کلام کیا جاچکا ہے۔

امام متولی کی رائے یہ ہے کہ اپنے دل میں کہے، امام رافعی نے یہ قول ائمہ سے نقل کیا ہے، ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں یہ راجح قرار دیا ہے کہ زبان سے کہے، امام نووی نے اذکار میں اسی کو اختیار کیا ہے اور شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ دونوں حسن ہیں اور قول باللسان اقویٰ ہے اور اگر جمع کردے تو اور زیادہ حسن ہو جائے گا۔

ابوالمحاسن رویانی کہتے ہیں کہ رمضان میں زبان سے کہے اس لئے کہ سارے لوگ روزہ دار ہوتے ہیں وہاں ریاء کا خطرہ نہیں ہوتا اور اگر غیر رمضان ہو تو دل میں اپنے آپ سے خطاب کرلے تاکہ ریاء سے بچ جائے، مگر قاضی ابن عربی فرماتے ہیں کہ رمضان میں کسی کا اختلاف ہے ہی نہیں اس میں تو زبان ہی سے کہے گا سارا اختلاف غیر رمضان نفلی روزہ میں ہے، بہر حال ان احتمالات کی بناء پر امام بخاری نے ترجمہ میں لفظِ ھل ذکر فرمایا ہے۔

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: صائم کے لئے دو خوشی حاصل ہوتی ہے، ایک افطار کے وقت خوشی حاصل ہوتی ہے اور یہ خوشی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک خوشی اس بات کی ہے کہ اللہ نے روزہ پورا کرا دیا، اور دوسری خوشی کھانے پینے کی ہوتی ہے، یہ طبعی خوشی ہے، شریعت مطہرہ ایسی جائز اور طبعی خوشیوں پر پابندی عائد نہیں کرتی ہے، اور دوسری خوشی کب ہوگی؟ جب اللہ تعالیٰ شانہ سے ملاقات ہوگی اور وہ روزہ کا بدل عطا فرمائیں گے۔

(ص ۲۵۵) بَابُ الصَّوْمِ لِمَنْ خَافَ عَلَى نَفْسِهِ الْعُزُوبَةَ

۱۹۰۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي مَعَ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: اَلْبَاءَةُ النِّكَاحُ.

ترجمہ: باب، اس شخص کیلئے روزے کا بیان جو غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اپنے اوپر گناہ کا اندیشہ کرے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ ہم نبی پاک ﷺ کے ہمراہ تھے کہ آپ نے فرمایا کہ جو نکاح کے مصارف اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرلے کیوں کہ نکاح نگاہ کو نیچے رکھنے میں اور شرم گاہ کی حفاظت میں زیادہ معین ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزہ کو لازم پکڑ لے اس لئے کہ روزہ اس کے واسطے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

تشریح: عزوبۃ کے معنی بُعد عن الازواج ہے، یہاں مراد وقوع فی الزنا ہے، امام بخاری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کو وقوع فی الزنا کا اندیشہ ہو تو وہ اپنے آپ کو گناہ سے بچانے کے لئے روزہ رکھ سکتا ہے، یہ روزہ صوم لغیر اللہ ولأجل الدنیا میں داخل نہیں بلکہ یہ بھی صوم للہ ہی ہے اس لئے کہ آدمی گناہوں سے کیوں بچنے کی کوشش کرتا ہے محض اللہ کے حکم کو قائم کرنے اور اللہ کے ڈر کی وجہ سے، لہٰذا یہ روزہ دنیا کی غرض سے نہیں ہوگا اللہ ہی کے لئے ہوگا۔

فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ: فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ کے معنی ہیں صوم کو اپنے اوپر لازم کرلے، ایک دو دن کے روزہ سے شہوت نہیں ٹوٹتی، مسلسل روزے رکھنے سے انسان کی شہوتِ کاذبہ ٹوٹتی ہے پھر شہوتِ صادقہ متأثر ہوتی ہے۔

اس پر مصنف نے حضرت گنگوہی کی رائے میں اس لئے تنبیہ کی ہے کہ بظاہر اس طرح کا روزہ خالص للہ تعالیٰ

نہ ہوگا بلکہ اپنے نفس کی غرض کی وجہ سے ہوگیا مصنف نے بتلادیا کہ یہ روزہ خلوص میں مخل نہیں ہے اس واسطے کہ جو شخص اس نیت سے روزہ رکھتا ہے تاکہ زنا اور معاصی سے بچتا رہے تو حقیقۃ اللہ ہی کے لئے رکھتا ہے اس لئے کہ زنا اور معاصی اللہ کے یہاں ناپسندیدہ ہیں اللہ نے ان سے منع کیا ہے تو ان سے بچنے کے اسباب اختیار کرنا اللہ ہی کی رضا تلاش کرنا ہے۔

مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ: باءۃ کی تفسیر میں دو قول ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد نکاح اور وطی ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد نان ونفقہ ہے، امام نووی کی رائے ہے کہ دونوں مطلبوں میں تلازم ہے کوئی اختلاف نہیں، مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی وطی پر قادر ہو اور نان ونفقہ دے سکتا ہو تو وہ نکاح کرلے، اور اگر باءۃ سے مراد نان ونفقہ لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ جو شخص نان ونفقہ پر قادر ہو اور وطی کر سکتا ہو تو وہ نکاح کرلے۔

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ: اور اگر کوئی آدمی طاقت نہیں رکھتا ہے خرچ دینے کی تو اس کو روزہ رکھنا چاہئے۔

فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ: یہ اس کے لئے وِجاء ہے، وِجاء کہتے ہیں رض الخصیتین کو اور مطلب یہ ہے کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے شہوت ٹوٹ جایا کرتی ہے۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ روزہ میں اکثر جوانوں کو شہوت کا اشتعال ہوا کرتا ہے اور سوتے ہوئے احتلام ہو جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں روزہ رکھنے کی وجہ سے بدن میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور اس گرمی کی وجہ سے شہوت مشتعل ہوتی ہے لیکن جب آدمی مسلسل روزہ رکھتا رہے گا تو یہ گرمی ٹوٹ جائے گی اور انسان کی شہوت پر زد پڑے گی اور پھر وہ منکسر ہو جائے گی۔

حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں ایک جوان آیا اور اس نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! مجھ کو بچاؤ! خطرہ ہے کہ میں کہیں زنا میں نہ پڑ جاؤں، جوان آدمی تھا اور نکاح کرنے کی بیچارے میں استطاعت نہیں تھی، ایک اہل حدیث وہاں بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے کہ روزہ رکھ لو، اس نے کہا کہ میں نے روزے رکھے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، حضرت اقدس تھانویؒ کو سخت غصہ آیا اور اہل حدیث سے فرمایا کہ دیکھو تم

سے کتنی بڑی غلطی ہوئی کہ تم میرے یہاں طالب بن کر آئے اور بلا میرے اذن کے جواب دیا، دوسری بات یہ ہے کہ تم مخاطب نہیں تھے اور بلاوجہ آپ نے جواب دیا، تیسری غلطی آپ سے یہ ہوئی کہ آپ نے موقعہ اور محل کو نہیں سمجھا، دیکھو وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے روزہ رکھا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا تو گویا بالفاظ دیگر حدیث کی افادیت کا انکار کر رہا ہے، اب تم اس کے ایمان کی فکر کرو اس کا ایمان بچاؤ، وہ عالم بہت پریشان ہوئے اور گھبرائے کہ آخر بات کیا ہے؟ سمجھ میں ان کی کچھ نہ آیا، خیر! اس کے بعد حضرت اقدس سے انہوں نے سوال کیا کہ واقع میں حضرت بات کیا ہے کہ روزہ رکھنے سے شہوت میں اشتعال پیدا ہوتا ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ اس کا جواب فلاں حکیم صاحب سے معلوم کرلو، وہ حکیم صاحب تھے من چلے، انہوں نے وہاں سے اٹھ کر کہہ دیا کہ میاں! پہلے شاگردی کا اقرار کرو تب تم کو جواب بتاؤں گا، اہل حدیث کچھ ذرا ایسے ہی ہوتے ہیں اپنے سامنے جلدی کسی کو مانتے نہیں، مانے نہیں، مگر حضرت کا خوف بھی تھا مجبوراً شاگردی کا اقرار کیا، تب اس پر حکیم صاحب نے فرمایا کہ میاں مولوی صاحب! بات یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے انسان میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور انسان کی شہوتِ کاذبہ مشتعل ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے جوش اٹھتا ہے لیکن جب مسلسل روزہ رکھتا جاتا ہے تو اس کا اثر شہوت کاذبہ سے گزر کر شہوت صادقہ تک پہنچتا ہے اور وہ منکسر اور ٹوٹ جاتی ہے، اب ان کی سمجھ میں آیا۔

حقیقت یہ ہے کہ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ میں مقصود اصدارِ صوم نہیں ہے بلکہ استمرارِ صوم ہے اسی لئے علیک کا لفظ استعمال کیا گیا جو لزوم پر دلالت کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ اپنے اوپر صوم کو ڈال لے یعنی اس صوم کو اپنے لئے چادر بنالے، لباس بنالے، ہر وقت روزہ رکھے تاکہ اس کی قوت شہوانیہ منکسر ہو جائے۔

یہ قصہ میں نے حضرت الاستاذ مولانا امیر احمد صاحب سے عصر کے بعد ایک نجی مجلس میں سنا تھا مگر چونکہ یہ قصہ بالکل معنی خیز اور اپنے اندر علم لئے ہوئے ہے اس لئے جب میں حدیث میں یہاں پہنچتا ہوں، یا اس حدیث کا مضمون کہیں اور ہو اور وہاں پہنچتا ہوں تو بیان کر دیا کرتا ہوں، آپ لوگ تو اسے قصہ سمجھ کر بس سمجھتے ہوں گے کہ قصہ خوانی ہو رہی ہے؟ بھئی یہ قصہ تو بالکل علم ہے اس سے بہت بڑا اشکال حل ہوتا ہے۔

(ص ۲۵۵) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُومُوا وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا

وقال صلة عن عمار: من صام يوم الشك فقد عصى أبا القاسم ﷺ.

١٩٠٦. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ: لاَ تَصُومُوا حَتَّى تَرَوُا الْهِلاَلَ وَلاَ تُفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ.

١٩٠٧. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ لَيْلَةً فَلاَ تَصُومُوا حَتَّى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلاَثِينَ.

١٩٠٨. حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا، وَخَنَسَ الإِبْهَامَ فِي الثَّالِثَةِ.

١٩٠٩. حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ - أَوْ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ -: صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلاَثِينَ.

١٩١٠. حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ آلَى مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا، فَلَمَّا مَضَى تِسْعَةٌ وَعِشْرُونَ يَوْمًا غَدَا أَوْ رَاحَ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّكَ حَلَفْتَ أَنْ لاَ تَدْخُلَ شَهْرًا، فَقَالَ: إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ يَوْمًا.

١٩١١. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلاَلٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: آلَى رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ وَكَانَتِ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً، ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ آلَيْتَ شَهْرًا، فَقَالَ: إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ.

ترجمہ: باب، نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ جب تم (رمضان کا) چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب تم (شوال کا) چاند دیکھو تو روزہ موقوف کرو، صلہ بن زفر کوفی نے حضرت عمارؓ سے روایت بیان کی کہ جس نے یوم شک میں روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا ذکر کیا تو فرمایا کہ روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ تم چاند دیکھ لو اور روزہ موقوف نہ کرو یہاں تک کہ تم (شوال کا) چاند دیکھ لو اور اگر تمہارے سامنے مطلع ابر آلود ہو جائے تو (شعبان کے یا رمضان کے) تیس دن پورے کرلو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہینہ انتیس راتوں کا ہوتا ہے لہذا تم روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو، اگر تمہارے سامنے مطلع ابر آلود ہو جائے تو تیس کا عدد پورا کرلو۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مہینہ اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے اور آپ نے تیسری مرتبہ میں انگوٹھا دبالیا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا یا یہ کہا کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ موقوف کرو، اگر تمہارے اوپر ابر ہو جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو۔

حضرت ام سلمہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے اپنی ازواج سے ایک ماہ کا ایلاء فرمایا (صحبت نہ کرنے کی قسم کھائی) جب انتیس روز گزر گئے تو آپ صبح کے وقت یا شام کے وقت (ازواج کے پاس) تشریف لے گئے، آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک ازواج کے پاس نہیں آئیں گے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج سے ایلاء کیا، آپ کا پاؤں مبارک اتر گیا تھا، تو آپ نے ایک بالاخانہ میں انتیس رات قیام کیا، پھر آپ اتر آئے، لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ نے ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

تشریح: یہ وہ باب آگیا جس کی طرف میں نے باب رؤیۃ الھلال کے ذیل میں اشارہ کیا تھا اور یہ بتلایا تھا کہ باب رؤیۃ الھلال کا ترجمہ صرف ہندی نسخوں میں ملتا ہے باقی شراح کے نسخے اس سے خالی ہیں اور بظاہر وہ وہم ہے، اور اگر ہو تو اس کی توجیہ وہاں پر میں کرچکا ہوں یعنی رؤیۃ الھلال کا اہتمام کرنا چاہئے۔

جب تم لوگ ہلالِ رمضان دیکھ لو تو روزہ رکھو اور ہلالِ افطار دیکھ لو تو افطار کرو۔

ہلالِ رمضان کے ثبوت میں کتنی شہادت کافی ہو جائے گی؟ اس میں اختلاف ہے، (۱) امام شافعی اور ابن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کی شہادت کافی ہے، (۲) امام مالک اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ دو کی شہادت ضروری ہے، نسائی میں إلا أن یشهد شاهدان وارد ہوا ہے، (۳) امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک کی شہادت کافی ہو جائے گی ترمذی وغیرہ میں اس کی روایت موجود ہے، اور اگر مطلع صاف ہو تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ استفاضہ شرط ہے اور استفاضہ یہ ہے کہ اکناف متعددہ سے جماعات متعددہ آکر شہادت دیں۔

حنفیہ اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں صرف ایک ہی انسان کو رؤیت ہونا سمجھ میں نہیں آتا ہے اس لئے ایک کی شہادت کافی نہیں ہوگی، فریق اول کہتا ہے کہ لیکن حدیث آجانے کے بعد معقول کا استعمال غیر معقول ہے، جب نبی نے ایک کی شہادت کا جواز کیا اور وہاں مطلع کے صاف ہونے نہ ہونے

کی کوئی بحث نہیں لائی گئی تو پھر اپنی طرف سے یہ بحث پیش کرنا ایک فقہی اجتہاد ہے، فریق اول اس اجتہاد کو قبول نہیں کرتا ہے۔

اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ ایک روایت سے شاہدِ واحد کی شہادت کا معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے اور دوسری روایت میں دو کا تذکرہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایک کی روایت اپنے منطوق سے یہ چاہتی ہے کہ ایک کی شہادت کافی ہے اور دو والی روایت اپنے مفہوم سے یہ چاہتی ہے کہ ایک کی شہادت کافی نہیں اور جب منطوق و مفہوم میں تعارض ہوگا تو منطوق کو ترجیح ہوگی۔

پھر اگر ایک آدمی کی شہادت پر روزہ رکھ لیا گیا اور تیس دن پورے ہوگئے اور ہلالِ شوال نظر نہیں آیا تو کیا افطار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شافعیہ کے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ہم افطار کر دیں گے، اس لئے نہیں کہ ہلالِ شوال ایک آدمی کی شہادت سے ثابت ہو گیا بلکہ اس لئے کہ ایک آدمی کی شہادت سے ہلالِ رمضان ثابت ہوا تھا اس کی بنیاد پر ہم نے پورے مہینے کا روزہ رکھ لیا اور مہینہ صرف تیس دن کا ہوتا ہے اس لئے تیس کے بعد ضمنی طور پر ہلالِ شوال کا دن تسلیم کرنا پڑے گا، اور صاحبِ حاشیہ اقناع کہتے ہیں کہ ہلالِ شوال قول معتمد پر ایک آدمی کی شہادت سے ثابت ہو جائے گا اس لئے کہ اس کا تعلق عبادت سے ہے اور وہ یومِ عید کا افطار ہے۔

ہلالِ شوال کا ثبوت کتنے فرد سے؟ ہلالِ شوال کے ثبوت میں اختلاف ہے، (۱) امام ابو ثور، امام منذر اور ابن حزم ظاہری وغیرہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کی شہادت سے ہلالِ شہادت سے ہلال شوال ثابت ہو جائے گا جیسا کہ شافعیہ کے متاخرین کا معتمد قول ہے، (۲) مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ دو گواہ عادل ضروری ہے، (۳) حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر آسمان میں علت غیم یا غبار ہو تو دو کی شہادت کافی ہے ورنہ ایک جماعت عظیمہ شرط ہے جن کے ذریعہ علم واقع ہو جائے اور اس کی تعیین امام کی رائے پر موقوف ہے۔

امام بخاری کا رجحان کچھ قول اول کی طرف ہی لگتا ہے اس لئے کہ حدیث میں افطار وصوم کے لئے صرف رؤیت کو شرط قرار دیا ہے عدد کو ضروری قرار نہیں دیا، امام بخاری نے اسی لئے رؤیت ہی کا مسئلہ پیش کیا ہے اور حدیث کے الفاظ پیش کئے ہیں کہ دیکھو رمضان و شوال دونوں کے متعلق ایک ہی بات فرمائی گئی لہٰذا دونوں کا حکم ثبوت ہلال میں یکساں ہوگا۔

ایک مسئلہ رہ گیا کہ شافعیہ کے یہاں اگر ایک آدمی کی شہادت پر تیس دن کے روزے رکھے گئے تو افطار کرنا جائز ہے، حنفیہ کا کیا مسلک ہے؟ حنفیہ کے اس میں دو قول ہیں اور حنابلہ کے یہاں دو وجہیں ہیں۔

ایک جگہ کا چاند دوسروں کے لئے ثابت ہے؟ اگر ہلالِ رمضان ایک جگہ ثابت ہو جائے تو کیا یہ رؤیت وہیں والوں کے حق میں معتبر ہوگی یا دوسرے لوگوں کے حق میں بھی معتبر ہوگی؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، (۱) عاصم، سالم، اسحاق اور عکرمہ کہتے ہیں کہ جہاں کے لوگوں نے دیکھا رؤیت انہیں کے حق میں معتبر ہوگی لكل أهل بلد رؤيتهم، امام مسلم نے بطریق کریب نقل کیا ہے کہ ام فضلؓ نے مجھے کسی ضرورت سے امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا میں نے وہ ضرورت پوری کی اور وہیں شام میں رمضان کا چاند ہو گیا جمعہ کے دن، یہاں مدینہ آیا تو رؤیت یوم السبت کی تھی میں نے ابن عباسؓ سے کہا أَوَ لَا تَكْتَفِي بِرُؤْيَةِ مُعَاوِيَةَ فرمایا لَا، هٰكَذَا أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۲) اس کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ جب ایک جگہ رؤیت ثابت ہو جائے گی تو سب جگہ ثابت مانی جائے گی، ابن منذر نے یہ قول ائمۂ اربعہ وغیرہ اکثر علماء سے نقل کیا ہے۔

(۳) تیسری جماعت کہتی ہے کہ دار و مدار قرب و بعد پر ہے، بلاد قریبہ میں ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ معتبر ہوگی اور بلاد بعیدہ میں معتبر نہیں ہوگی۔

پھر آگے یہ اختلاف ہے کہ قرب و بعد کا مدار کس بات پر ہے؟ ۱۔ شافعیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اختلاف مطالع پر ہے، اگر مطلع متحد ہو تو ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ معتبر، مختلف ہو تو معتبر نہیں، علامہ انور شاہ کشمیری نے جرجانی اور قدوری کے حوالہ سے حنفیہ کا بھی یہی ایک قول نقل کیا ہے۔

۲۔ اگر مسافت قصر ہے تو بعید ہے ورنہ قریب ہے، ۳۔ اختلاف اقالیم ہے تو بعید ہے ورنہ قریب ہے، ۴۔ اگر دونوں شہر اس طرح واقع ہوں کہ اگر عارضی طور پر کوئی حائل نہ ہو تو ایک جگہ کی رؤیت ہو جانے پر دوسرے شہر والوں کے لئے بھی رؤیت ہو جائے گی تو یہ دونوں قریب ہیں ورنہ بعید ہیں، ۵۔ اگر امام اعظم کے یہاں ثبوت ہو گیا تو قریب سمجھا جائے گا اور اگر امام اعظم کے یہاں ثبوت نہ ہو تو بعید مانا جائے گا، یہ سب اقوال مرجوحہ ہیں شافعیہ کے یہاں۔

امام بخاری بظاہر لکل أهل بلد رؤيتهم کے قائل ہیں اس لئے کہ حدیث میں صوم وافطار کا مدار رؤیت پر رکھا گیا ہے، اسی لئے بخاری نے ترجمہ میں صاف تصریح کر دی بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُومُوا وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا۔

وَقَالَ صِلَةُ عَنْ عَمَّارٍ مَنْ صَامَ يَوْمَ الشَّكِّ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صلى الله عليه وآله وسلم: اس میں تین بحثیں ہیں۔

روایت پر بحث: (۱) پہلی یہ ہے کہ یہ اثر امام بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے اور ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے موصولاً، ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے اس کی تصحیح فرمائی ہے، قاضی شمس الدین السروجی حنفی کو غایہ شرح ہدایہ میں وہم ہو گیا اور انہوں نے بخاری و مسلم کی طرف اس کو منسوب کر دیا جب کہ مسلم میں اس روایت کا کوئی وجود ہی نہیں اور بخاری میں تعلیقاً موجود ہے، شمس الدین السروجی نے یہ لکھا ہے کہ انہوں نے علامہ سبط بن جوزی کی تقلید کی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ علامہ فخر الدین زیلعی نے التبیین میں جس کا پورا نام ہے تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق اور علامہ علاؤالدین حصکفی نے در مختار شرح تنویر الابصار میں یوں کہہ دیا وأما حديث من صام يوم الشك فقد عصى أبا القاسم صلى الله عليه وآله وسلم فلا أصل له، کہتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل ہی نہیں ہے، ایسی ہی باتوں پر احناف پر یہ اشکال کیا گیا کہ ان لوگوں کو حدیث کا کچھ اتہ پتہ نہیں اور نہ یہ حدیث سے اشتغال رکھتے ہیں، میرے نزدیک اس کی ایک توجیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اصل میں ان حضرات نے مراد یہ لیا ہے کہ سارے جملہ کا مرفوعاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت نہیں، یہی علامہ ابن عابدین شامی نے توجیہ فرمائی ہے یعنی یہ سارا حضور کا قول نہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ جملہ نہیں نکلا ہے بلکہ حضرت عمارؓ کا قول ہے، وہ یہ کہتے ہیں مَنْ صَامَ يَوْمَ الشَّكِّ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صلى الله عليه وآله وسلم اور واقعہ یہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے علماء اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھیں گے۔

یوم الشک کسے کہتے ہیں؟ (۲) دوسری بحث یہ ہے کہ یوم الشک کسے کہتے ہیں؟ مشہور یہ ہے کہ حنابلہ کے یہاں یوم الشک شعبان کی وہ تیسویں تاریخ ہے جس کی رات کی ابتداء میں یعنی انتیسویں کی شام کو مطلع بالکل صاف ہو، اور باقی ائمہ کے یہاں مطلقاً شعبان کی تیسویں تاریخ یوم الشک ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی

کتابوں کی عبارتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چاروں مذہبوں میں یوم الشک کی تعریف میں چار الگ الگ قول ہیں، ا۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ یوم الشک شعبان کی تیسویں تاریخ ہے چاہے انتیسویں کی شام کا مطلع مُصفّیٰ صاف ہو یا مغیم ومغبر ہو، ۲۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ شعبان کی تیسویں تاریخ ہے بشرطیکہ انتیسویں کی شام کو مطلع مغیم ومغبر ہو، ۳۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ یوم الشک شعبان کی تیسویں تاریخ ہے بشرطیکہ اس کا مطلع اس کی رات غروب ہونے سے پہلے انتیسویں کی شام کو بالکل مصفی اور صاف ہو، اور اگر مطلع مغیم ومغبر ہو تو یہ فرماتے ہیں کہ وہ یوم الشک نہیں بلکہ وہ رمضان کی پہلی تاریخ ہے اور اس دن روزہ رکھنا چاہئے، ۴۔ حضرات شافعیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یوم الشک شعبان کی تیسویں تاریخ ہے بشرطیکہ اس کی رات میں ایسے لوگوں کی شہادتیں گزری ہوں جن کو قاضی نے معتبر نہ مانا ہو یعنی چاند دیکھنے کی بات چیت چلی ہو اور ثبوت نہ ہوا ہو تو اب شعبان کی تیسویں تاریخ یوم الشک کہلائے گی۔

یوم الشک کے روزے کا کیا حکم ہے؟ (۳) تیسری بحث، اس میں اختلاف ہے، ا۔ امام احمد بن حنبل سے اس مسئلہ میں تین روایتیں ہیں، اوّل یہ کہ یوم الشک کا روزہ مطلقاً جائز نہیں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ بادشاہ کے تابع ہے جیسا اس کا فرمان ہو اور یہی حسن بصری اور ابن سیرین کا قول ہے، تیسرا قول یہ ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے کہ فرض اور نفلِ مطلق کی طرف سے تو جائز نہیں اور باقی بر سبیل قضاء و کفارہ ونذر و نفلِ عادی رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ۲۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ فرض کی نیت سے تو جائز نہیں ہے اور اس کے ماسوا دوسری نیتوں سے جائز ہے جیسے نفلِ مطلق کی نیت ہو، صومِ عادت ہو، قضاء ہو کفارہ ہو نذر ہو، مگر احتیاطاً روزہ نہ رکھے، ۳۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ فرض کی نیت سے جائز نہیں اور تطوع کی نیت سے جائز ہے چاہے عادت ہو چاہے نہ ہو، اور قضاء و کفارہ کے بارے میں اور نذر کے بارے میں ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر قضاء و کفارہ یا نذر کی نیت سے روزہ رکھا ہو تو مکروہ ہے، صاحبِ تحفۃ الملوک کہتے ہیں کہ کوئی کراہت نہیں ہے، علامہ ابن ہمام نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ کے مطلب میں علماء کے تین قول ہیں، (۱) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قَدِّرُوا له تمام ثلاثین یعنی اس مہینہ کو تیس دن کا اندازہ لگاؤ، (۲) حنابلہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے

کہ قدروہ تحت السحاب أی فانظروہ تحت السحاب یعنی اب تم یہ سمجھو کہ اس وقت ہلال رمضان نظر آگیا ہے لیکن وہ سحاب کے نیچے مستور ہے اس وجہ سے نظر نہیں آتا ہے، یوں کہئے کہ ہلال رمضان نکل آیا ہے لیکن تحت السحاب ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آرہا ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ اس دن کا روزہ رمضان کی نیت سے رکھنا واجب ہے، (۳) مطرف ابن عبداللہ، ابن شخیر اور ابوالعباس بن سریج فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ منازل قمر پر نجوم کا حساب لگاؤ اور یہ دیکھو کہ آج کے دن آیا شعبان کا آخری دن ہوگا یا رمضان کی پہلی تاریخ ہوگی؟ یہ مطلب انتہائی بعید ہے اگرچہ ابن خویز منداد نے امام شافعی تک سے اس کو نقل کر دیا ہے لیکن یہ نقل غلط ہے، امام شافعی سے مشہور جمہور کی موافقت ہے، اور حنابلہ نے جو مطلب قرار دیا ہے وہ مرجوح ہے اس لئے کہ اس حدیث میں اگر فَاقْدُرُوا لَهُ وارد ہوا ہے تو دوسری جگہ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِينَ کا لفظ بھی وارد ہوا ہے، اور ایک روایت میں ہے فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ، والحدیث یفسر بعضہ بعضاً۔

الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا: حضور ﷺ نے فرمایا الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا۔

آلَى مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا: یہ میں بیان کر چکا ہوں کہ ایلاء کا واقعہ سن ۹ھ میں پیش آیا ہے۔

وَكَانَتِ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ: اس روایت میں حضرت انسؓ نے ایلاء اور انفکاکِ رجل کے قصہ کو ایک ساتھ جوڑ دیا ہے، تاریخی حیثیت سے یہ دونوں الگ الگ دو واقعات ہیں، انفکاکِ رجل کا واقعہ سن ۵ھ کا ہے اور ایلاء کا واقعہ سن ۹ھ کا ہے۔

(ص ۲۵۶) بَابُ شَهْرَا عِيدٍ لَا يَنْقُصَانِ

۱۹۶۲. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ إِسْحَاقَ هُوَ ابْنُ سُوَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح وَحَدَّثَنِي مُسَدَّدٌ ثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ قَالَ: ثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: شَهْرَانِ لَا يَنْقُصَانِ شَهْرَا عِيدٍ رَمَضَانُ وَذُو الْحِجَّةِ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: إِنْ نَقَصَ رَمَضَانُ تَمَّ ذُو الْحِجَّةِ وَإِنْ نَقَصَ ذُو الْحِجَّةِ تَمَّ رَمَضَانُ.

وَقَالَ أَبُو الْحَسَنِ: كَانَ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهُوَيْهِ يَقُولُ: لَا يَنْقُصَانِ فِي الْفَضِيلَةِ إِنْ كَانَ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ أَوْ ثَلَاثِينَ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ عید کے دونوں مہینے انیتس دن کے نہیں ہوتے۔

حضرت ابو بکرہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ عید کے دونوں مہینے رمضان اور ذی الحجہ انیتس دن کے نہیں ہوتے۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل فرماتے ہیں اگر رمضان ناقص ہوا تو ذوالحجہ پورا ہو گا اور اگر ذوالحجہ ناقص ہوا تو رمضان پورا ہو گا، اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ اگر وہ انیتس دن کے ہوں تو بھی پورے سمجھے جائیں گے (یعنی ثواب تیس دن کا ہو گا)۔

تشریح: شَهْرَا عِيدٍ لَا يَنْقُصَانِ، اس سے مراد رمضان اور ذی الحجہ ہے۔

رمضان کو شہر عید اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے اختتام پر متصلاً عید واقع ہوتی ہے اور ذوالحجہ کا تو شہر عید ہونا بالکل ظاہر ہے اس لئے کہ اس کے اندر ہی عید واقع ہوتی ہے۔

باقی اس جملہ کے مطلب میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ (۱) بعض علماء کہتے ہیں کہ مطلقاً یہ دونوں مہینے کم نہیں ہوتے ہیں ہمیشہ تیس ہی کے ہوتے ہیں، ہاں البتہ چاند دیکھنے میں غلطی واقع ہو جاتی ہے، لیکن یہ مطلب غلط اور خلاف مشاہدہ ہے، (۲) امام بخاری اور امام ترمذی نے اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں مہینے ثواب وفضیلت میں کم نہیں ہوتے ہیں، یعنی چاہے انیتس کے ہوں جب بھی وہی پورا ثواب، رمضان کے پورے روزوں کا ثواب مقرر ہے اور چاہے انیتس کے ہوں تب بھی وہی ثواب اور یہی حال ذی الحجہ کا ہے، امام ابن حبان نے بھی یہی مطلب ذکر کیا ہے، ابن منیر اور امام نووی وغیرہ کا اسی طرف رجحان ہے، (۳) حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ایک ہی سال میں دونوں مہینے ناقص ہو جائیں ایسا نہیں ہوتا ہے، امام احمد سے یہ مطلب امام بخاری اور امام ترمذی نے نقل کیا ہے، (۴) بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کسی مخصوص سال کے متعلق ارشاد فرمایا تھا، (۵) بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان دونوں مہینوں کا ثواب برابر ہے، جتنا رمضان کا ثواب اتنا ہی ذی الحجہ کا ثواب ہے، اس لئے کہ اگر رمضان میں روزے ہوتے ہیں تو ذی الحجہ میں حج کے اعمال وافعال ادا کئے جاتے ہیں، لیکن یہ چیز غلط ہے اس واسطے کہ رمضان کا روزہ تو ہر شخص رکھتا ہے اور ذی الحجہ میں حج کے اعمال وافعال ہر شخص نہیں کرتا ہے صرف حاجی ہی کو توفیق ہوا کرتی ہے، (۶) امام طحاوی اور امام بیہقی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ احکام میں کمی نہیں آتی ہے جو حکم انیتس کے رمضان کا ہے وہی تیس کے رمضان کا ہے کہ تراویح پڑھی جائے گی سب روزے رکھے جائیں گے اور مفطرات سے اجتناب کیا جائے گا، یہی

حال ذی الحجہ کا بھی ہے کہ اس میں مناسک حج ادا کئے جائیں گے قربانی کی جائے گی عید النحر ادا کی جائے گی، (۷) ایک مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ علی الاغلب والا کثر ایسا نہیں ہوتا ہے کہ دونوں کم ہو جائیں۔

(ص ۲۵۶) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ

۱۹۱۳. حَدَّثَنَا آدَمُ ثَنَا شُعْبَةُ ثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ قَيْسٍ ثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ، الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا - يَعْنِي مَرَّةً تِسْعَةً وَعِشْرِينَ وَمَرَّةً ثَلَاثِينَ.

ترجمہ: باب، نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ ہم نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہم امی امت ہیں، نہ تو لکھتے ہیں اور نہ حساب لگاتے ہیں، مہینہ اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے یعنی کبھی انتیس دن کا اور کبھی تیس دن کا۔

تشریح: إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ مطلب یہ ہے کہ ہم امی جماعت ہیں نہ کتابت ہمارے یہاں عام طور سے رائج ہے اور نہ ہم حساب سے واقف ہیں۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ سے ایک خاص امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ امر یہ ہے کہ چاند کے ثبوت کے سلسلہ میں جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ دار ومدار رویت پر ہے، لیکن روافض کی رائے یہ ہے کہ تسییر نجوم (ستاروں کی گردش) پر اعتماد کرنا چاہئے، منازل قمر کو دیکھنا چاہئے اور اس کے حساب سے اندازہ لگانا چاہئے کہ آیا آج رمضان کی تاریخ شروع ہو گئی یا نہیں؟ یہ قول قاضی باجی نے بعض علماء سے بھی نقل کیا ہے، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اسی آخری قول کی تردید فرمائی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے حساب ونجوم پر دار ومدار نہیں رکھا ہے، یوں فرمایا إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ ہم تو لکھی پڑھی جماعت نہیں ہیں، کتابت اور حساب نجوم سے ہم واقف نہیں ہیں، اگر حسابِ نجوم کا بابِ رویت قمر اور ثبوت ہلال رمضان میں اعتبار ہوتا تو آنحضور ﷺ یہ کیوں ارشاد فرماتے فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِينَ بلکہ آپ سیدھے فرمادیتے فاسئلوا أهل الحساب اور فاسئلوا أهل النجوم۔

حَدَّثَنَا آدَمُ: یہ حدیث اسی سند سے کتاب الطلاق میں ذرا اس سے واضح الفاظ میں آئے گی۔

إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ: ہم امتِ امّیّہ ہیں، امی وہ لوگ اس لئے کہلاتے ہیں کہ ان کے یہاں عام طور سے لکھنے اور پڑھنے کا دستور ورواج نہیں تھا، بعضوں نے کہا ہے کہ یہ نسبت ہے ام القریٰ کی طرف کیوں کہ مکہ میں عام طور سے پڑھے لکھے لوگ نہیں تھے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ نسبت ہے ام کی طرف کہ جیسے ماں کے پیٹ سے ناخواندہ بچہ پیدا ہوتا ہے ایسے ہی ہم لوگ ناخواندہ ہیں ہمارے یہاں پڑھنے لکھنے کا زیادہ رواج نہیں ہے۔

لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ: نہ ہم کتابت سے واقف ہیں عامۃً اور نہ حساب نجوم سے ہم واقف ہیں اور نہ لمبے چوڑے حساب سے ہم واقف ہیں۔

الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا: حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اشارہ کرکے بتلا دیا یعنی کبھی مہینہ تیس کا ہوتا ہے اور کبھی انیتس کا، فرمادیا ھکذا و ھکذا و ھکذا اور پھر فرمایا ھکذا و ھکذا و ھکذا، یعنی ایک مرتبہ تمام انگلیوں کو تین مرتبہ کھلا رکھا، تیس ہوگئے، اور دوسری مرتبہ دو مرتبہ سب انگلیوں کو کھلا رکھا اور تیسری مرتبہ ایک انگلی کو بند کردیا، انیتس ہوگئے۔

(ص ۲۵۶) بَاب لَا يَتَقَدَّمَنَّ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ

۱۹۱۴. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ثَنَا هِشَامٌ عن يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمَهُ فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ.

ترجمہ: باب، اس حکم کا بیان کہ رمضان سے ایک دن یا دو دن قبل روزہ نہ رکھے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی رمضان سے ایک دن یا دو دن قبل روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ کوئی شخص اس دن روزہ رکھتا ہو تو وہ اس دن روزہ رکھ سکتا ہے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد ظاہر ہے کہ رمضان سے ایک دو دن پیشتر روزہ نہ رکھنا چاہئے، رسول پاک ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے لہذا اگر کوئی آدمی ایک دو دن پیشتر روزہ رکھتا ہے تو گویا وہ شریعت کے حکم میں اپنی طرف سے زیادتی کرتا ہے۔

نیز ہمارے حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس سے حنابلہ پر رد کیا ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ یوم

الثلاثین کا روزہ غیم کی صورت میں رکھنا واجب ہے اس لئے کہ یہ تقدم علی رمضان بصوم یوم بن جاتا ہے۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ اگر یہی بات ہے تو صاحب پھر یہ ترجمہ حنفیہ اور مالکیہ پر بھی اچھی طرح رد ہو جائے گا اس لئے کہ صوم یوم الشک کے بارے میں میں بیان کر چکا ہوں کہ حضرات مالکیہ فرماتے ہیں کہ فرض کی طرف سے تو جائز ہے نہیں اور باقی اس کے ماسوا جتنے روزے ہیں تطوع مطلق ہو یا نفل عادت ہو یا قضاء ہو یا کفارہ ہو سب جائز ہیں، اسی طرح سے حضرات احناف ارشاد فرماتے ہیں کہ فرض کی نیت سے تو جائز ہے نہیں تطوع کی نیت سے جائز ہے چاہے تطوع مطلق ہو یا تطوع عادت ہو اسی طرح قضاء، کفارہ اور نذر بھی ان کے یہاں جائز ہیں، علی قول مع الکراہۃ وعلیٰ قول بلا کراھۃ، تو اب ان حضرات کے نزدیک رمضان کے پہلے تیسویں شعبان کا روزہ بنیت نفل مطلق جائز ہوا جبکہ حضور فرماتے ہیں لَا یَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ أَوْ یَوْمَیْنِ اور یہ تقدم بصوم یوم او یومین نہیں تو اور کیا ہے؟

مگر امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے تقدم بنیت رمضان یعنی آدمی احتیاطی روزہ رکھے، ایک دن پیشتر روزہ رکھے رمضان کی نیت سے کہ کہیں آج رمضان ہو تو پھر خواہ مخواہ ایک دن چلا نہ جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک جگہ تو حنفیہ اور مالکیہ کی اس توجیہ کو بعید قرار دیا ہے، لیکن ایک جگہ حافظ صاحب نے یہی توجیہ حسن قرار دی ہے، وہ کونسی جگہ ہے؟ حدیثِ ابوہریرہ لَا یَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ أَوْ یَوْمَیْنِ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رمضان سے ایک دو دن پیشتر روزہ رکھنے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْا جب شعبان کا نصف ہو جائے تو روزہ نہ رکھو صححہ الترمذی وابن حبان وابن حزم وابن عساکر وغیرھم اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اب حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت اُس روایت کے معارض ہوگئی جو بخاری شریف میں موجود ہے، ایک بہت بڑی جماعت نے ترمذی والی روایت کی تضعیف کر دی چنانچہ امام احمد بن حنبل ویحیی بن معین کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، امام بیہقی نے اس کے ضعف پر صحیحین کی اسی روایۃ الباب سے استدلال کیا ہے، حضرت امام طحاوی نے اس کی تضعیف کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک آدمی سے پوچھا ھَلْ صُمْتَ مِنْ سُرَرِ شَعْبَانَ

شَيْئًا؟ قَالَ: لَا، اور سرر شعبان سے مراد اس کا آخری روزہ ہے اور بقولے وسط کا روزہ ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا فَإِذَا أَفْطَرْتَ مِنْ رَمَضَانَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ۔

پھر امام طحاوی نے روایت الباب اور ترمذی کی روایت میں جمع کیا ہے، حاصل جمع یہ ہے کہ ترمذی کی روایت اس شخص پر محمول ہے جو روزہ رکھنے کی وجہ سے ضعیف اور کمزور ہو جاتا ہے اور حدیثِ باب اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے زعم میں رمضان کی نیت سے احتیاطی طور پر روزہ رکھتا ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں وَهُوَ جَمْعٌ حَسَنٌ، ایک جگہ تو حافظ نے اس جمع کو ضعیف کہہ دیا اور جب جمع بین الروایات کا مطلب آیا تو حافظ نے کہہ دیا وَهُوَ جَمْعٌ حَسَنٌ۔

ابوالمحاسن رویانی شافعی فرماتے ہیں کہ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنا حرام ہے صحیح کی روایت کی وجہ سے اور نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنا مکروہ ہے ترمذی کی روایت کی بناء پر۔

علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے ایک عجیب وغریب جمع بین الروایات کا طریقہ اختیار کیا، وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو! حضور ﷺ اوپر فرمارہے ہیں لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ اس سے معلوم ہوا کہ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے کی اجازت نہیں، اور دوسری جگہ ارشاد فرمارہے ہیں إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُومُوا جب نصف شعبان ہو جائے روزہ بالکل نہ رکھو، پہلی روایت چاہتی ہے اپنے مفہوم کے اعتبار سے کہ ایک دو دن پیشتر تو ہے ممنوع اور اس سے پہلے کوئی اگر روزہ رکھنا چاہے تو جائز ہے، اور دوسری روایت اپنے منطوق کی وجہ سے چاہتی ہے کہ بس پندرہ کے بعد بالکل ناجائز۔

تو علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ حدیث إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُومُوا کا مطلب یہ ہے کہ جب نصف شعبان ہو جائے تو اس کے بعد کا جو دن آئے خاص اس دن کا یعنی سولہویں تاریخ کا روزہ نہ رکھو اس کے بعد روزہ رکھ سکتے ہو اور پھر رمضان سے ایک دو دن پیشتر جو ایام آتے ہیں ان کا روزہ نہ رکھو، یہ انہوں نے جمع کیا ہے، اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ نے اسی جمع کو اختیار کیا ہے۔

اصل میں وہ خود ظاہری المسلک ہیں، بڑے صوفی ہیں اہل حدیث ہیں لیکن ظاہری المسلک ہیں، اور آج کل کے اہل حدیث تو شیخ اکبر کو کافر کہتے ہیں۔

لَايَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ: حضور اکرم ﷺ نے تقدم سے منع کیا ہے تاکہ آدمی روزہ نہ رکھ کر رمضان کے لئے قوت حاصل کرے، اور تاکہ فرض ونفل میں اختلاط نہ ہو، نیز یہ اہل کتاب کا طریقہ تھا کہ وہ فرض روزوں کے ساتھ دوسرے روزے اپنی طرف سے مخلوط کرلیا کرتے تھے تو ان سے اجتناب کیا جائے۔

إِلَّاأَنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمَهُ: یعنی اگر صومِ عادت ہو تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں ہے۔

(ص ۲۵۶) بَابُ قَوْلِ اللهِ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ، عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ، فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللهُ لَكُمْ

۱۹۱۵. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَائِمًا فَحَضَرَ الْإِفْطَارُ فَنَامَ قَبْلَ أَنْ يُفْطِرَ لَمْ يَأْكُلْ لَيْلَتَهُ وَلَا يَوْمَهُ حَتَّى يُمْسِيَ، وَإِنَّ قَيْسَ بْنَ صِرْمَةَ الْأَنْصَارِيَّ كَانَ صَائِمًا فَلَمَّا حَضَرَ الْإِفْطَارُ أَتَى امْرَأَتَهُ فَقَالَ لَهَا: أَعِنْدَكِ طَعَامٌ؟ قَالَتْ: لَا وَلَكِنْ أَنْطَلِقُ وَأَطْلُبُ لَكَ، وَكَانَ يَوْمَهُ يَعْمَلُ فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهُ فَجَاءَتْ امْرَأَتُهُ فَلَمَّا رَأَتْهُ قَالَتْ: خَيْبَةً لَكَ، فَلَمَّا انْتَصَفَ النَّهَارُ غُشِيَ عَلَيْهِ فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ ٱلصِّيَامِ ٱلرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ﴾ فَفَرِحُوا بِهَا فَرَحًا شَدِيدًا وَنَزَلَتْ ﴿وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ مِنَ ٱلْفَجْرِ﴾.

ترجمہ: باب، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ تمہارے لئے روزوں کی رات میں اپنی عورتوں سے جماع کرنا حلال کیا گیا، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم خفیہ طور پر ایسا کرتے تھے، اللہ نے تمہیں معاف کیا اور تم سے در گزر کیا، تو اب تم اپنی عورتوں سے جماع کرو اور جو اللہ نے تمہارے لئے لکھا ہے اس کو طلب کرو۔

حضرت براءؓ نے بیان کیا کہ (ابتداء میں) صحابۂ کرام کے لئے حکم یہ تھا کہ جب کوئی روزہ دار ہوتا اور افطار کا وقت ہو جاتا اور وہ افطار سے قبل سو جاتا تو نہ اس رات کو کھانا کھا سکتا تھا نہ دن کو یہاں تک کہ شام ہو جائے، قیس بن صرمہ انصاریؓ روزہ سے تھے جب افطار کا وقت ہوا تو وہ اپنی اہلیہ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کھانا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں؛ لیکن میں جاتی ہوں اور تمہارے لئے کھانے کا نظم کرتی ہوں، وہ دن بھر کام کرتے تھے اس لئے آنکھیں غالب آگئیں، ان کی اہلیہ آئیں جب انہوں نے دیکھا تو کہنے لگیں کہ ہائے بدنصیبی، جب نصف دن ہوا تو ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی، اس کا ذکر نبی پاک

ﷺ سے کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ روزے کی رات میں تمہارے لئے عورتوں سے جماع حلال ہو گیا تو صحابہ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے اور یہ آیت نازل ہوئی کہ کھاؤ اور پیو؛ یہاں تک کہ تمہارے سامنے سفید دھاگہ کالے دھاگے سے ممتاز ہو جائے۔

تشریح: امام بخاری نے یہ آیت شریفہ یہاں اس لئے ذکر فرمائی ہے کہ اس کا تعلق رمضان کے روزہ سے اور رات کے سحور سے ہے، یہاں امام بخاری بالقصد وبالذات سحور کی مشروعیت اور استحباب کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، نیز اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ابتداء میں کیا صورت حال تھی؟

كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ کے صحابہ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی آدمی روزہ دار ہوتا اور افطار کا وقت آجاتا اور وہ سو جاتا افطار کرنے سے پہلے تو پھر پوری رات اور پورے دن نہیں کھایا کرتا تھا یہاں تک کہ شام آجائے۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منع من الاکل مقید بالنوم تھا، اگر کوئی آدمی افطار سے پہلے سو گیا تو اب اس کو کھانے کی اجازت نہیں، لیکن ابوداؤد شریف میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ منع من الاکل مقید بصلوۃ العتمہ تھا، عشاء تک کھانے کی اجازت تھی اس کے بعد کھانے کی اجازت نہیں تھی، ان دونوں روایتوں میں جمع کی صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اصل میں تو منع مقید بصلوۃ العتمہ تھا اور چونکہ عام طور سے عشاء کی نماز کے بعد لوگ سو جایا کرتے ہیں اس لئے براءؓ کی روایت میں نوم کا ذکر کر دیا گیا۔

ممانعت میں جیسے کھانے پینے کا حکم ہے اسی طرح سے جماع کا بھی حکم تھا، چنانچہ بخاری شریف کتاب التفسیر میں حضرت براء بن عازبؓ ہی کی حدیث میں آرہا ہے کہ رمضان شریف کا روزہ نازل ہوا تو صحابۂ کرام عورتوں کے قریب نہیں جایا کرتے تھے لیکن کچھ لوگ اپنے نفسوں میں خیانت کرتے تھے، حق تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ، فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ، جن لوگوں سے خیانت یعنی رات میں اپنی بیویوں سے قربان نقل کیا گیا ان میں حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ بھی ہیں۔

تمام روایات کے ملانے سے یہ بات نکلتی ہے کہ جب ابتداءً رمضان کا روزہ فرض ہوا ہے تو رات میں لوگ اپنی بیویوں کے قریب نہیں جایا کرتے تھے، اور اسی طرح سے سونے سے پہلے پہلے تو کھا لیا کرتے تھے اور اس کے

بعد اگر کوئی کھانا چاہے تو اس کی گنجائش نہیں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ شانہ نے اس امت پر کرم فرمایا کہ پھر رات میں قربان کی اجازت بھی دے دی گئی اور کھانے پینے کی بھی تا آنکہ تبیّن ہو طلوع فجر کا۔

وَإِنَّ قَيْسَ بْنَ صِرْمَةَ الْأَنْصَارِيَّ: قیس بن صرمۃ انصاریؓ، اسی طرح سے اس روایت میں واقع ہوا ہے، ابوالقاسم سہیلی اور داؤدی وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ مقلوب ہے صحیح ابو قیس صرمۃ بن ابی انسؓ ہے، یہ بیچارے ایک صحابی تھے روزہ سے تھے دن میں کام کاج میں مشغول تھے افطار کے وقت بیوی کے پاس آئے پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ کہنے لگی کہ اس وقت تو ہے نہیں جا رہی ہوں تلاش کرنے کہ کہیں مل جائے، بیچارے تھکے ہوئے تھے ذرا سا کمر لگائی سو گئے، بیوی آئی تو دیکھا کہ سو رہے ہیں، کہنے لگے کہ تیرا ناس ہو یہ کیا کیا؟ ابھی دن آدھا ہی ہوا تھا کہ غشی طاری ہوگئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ الخ حضرات صحابہ کرامؓ اس پر بہت زیادہ خوش ہوئے۔

(ص ۲۵۷) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَ كُلُوا وَ اشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ

فيه البراء عن النبي صلى الله عليه وسلم.

١٩١٦. حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ ثَنَا هُشَيْمٌ أَنَا حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ ابْنِ حَاتِمٍ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ﴾ عَمَدْتُ إِلَى عِقَالٍ أَسْوَدَ وَإِلَى عِقَالٍ أَبْيَضَ فَجَعَلْتُهُمَا تَحْتَ وِسَادَتِي فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ فِي اللَّيْلِ فَلَا يَسْتَبِينُ لِي، فَغَدَوْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرْتُ لَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ: إِنَّمَا ذٰلِكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ.

١٩١٧. حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ ثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ ح وحَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ ثَنَا أَبُو غَسَّانَ مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ ثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: أُنْزِلَتْ ﴿وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ﴾ وَلَمْ يُنْزَلْ ﴿مِنَ ٱلْفَجْرِ﴾ فَكَانَ رِجَالٌ إِذَا أَرَادُوا الصَّوْمَ رَبَطَ أَحَدُهُمْ فِي رِجْلِهِ الْخَيْطَ الْأَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الْأَسْوَدَ وَلَا يَزَالُ يَأْكُلُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُ رُؤْيَتُهُمَا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ بَعْدُ ﴿مِنَ ٱلْفَجْرِ﴾ فَعَلِمُوا أَنَّمَا يَعْنِي اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ.

ترجمہ: باب، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے سامنے صبح صادق کی سفید دھاری کالی دھاری سے ممتاز ہو جائے، پھر روزہ پورا کرو رات تک، اس باب میں حضرت براءؓ سے مرفوع روایت منقول ہے۔

حضرت عدی بن حاتمؓ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "یہاں تک کہ تمہارے سامنے سفید دھاری کالی دھاری سے ممتاز ہو جائے" تو میں نے ایک کالا ڈورالیا اور ایک سفید ڈورالیا، ان دونوں کو اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا، پھر میں رات میں ان کو دیکھتا تھا تو وہ صاف نظر نہیں آتے تھے، میں صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا، میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا کہ اس سے رات کی تاریکی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔

حضرت سہل بن سعدؓ نے بیان کیا کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے سامنے سفید دھاری کالی دھاری سے ممتاز ہو جائے" اور مِنَ الْفَجْرِ والا جزء نازل نہیں ہوا، تو کچھ لوگوں کا حال یہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی روزہ کا ارادہ کرتا تو وہ اپنے پاؤں میں سفید اور کالا دھاگہ باندھتا اور اس وقت تک برابر کھاتا رہتا جب تک کہ اس کے سامنے ان دونوں کا رنگ ظاہر نہ ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ نے مِنَ الْفَجْرِ والا ٹکڑا نازل فرمایا تب ان کو معلوم ہوا کہ آپ کی مراد رات اور دن ہے۔

تشریح: امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے اکل سحور کا آخری وقت بیان کرنا چاہتے ہیں، جیسے باب گزشتہ میں مصنف نے یہ بتلایا تھا کہ پہلے سحور کا کھانا ممنوع تھا اس کے بعد اجازت ہو گئی تو اب اس ترجمہ سے یہ بتلا رہے ہیں کہ کب تک کھانے کی اجازت ہے۔

فِيهِ الْبَرَاءُ: حضرت براءؓ کی یہ حدیث بابِ گزشتہ میں موصولاً گزر چکی ہے۔

لَمَّا نَزَلَتْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ عَمَدْتُ: اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ آیت شریفہ نازل ہوئی ہے حضرت عدی بن حاتمؓ اس وقت مسلمان ہو چکے تھے، حالانکہ آیت شریفہ کا نزول بالکل ابتداء ہجرت میں ہوا ہے جب روزہ فرض ہوا ہے، اور حضرت عدی بن حاتمؓ کے اسلام میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ سن ۹ھ میں مسلمان ہوئے ہیں، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سن ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے ہیں، بہر حال عدی ابن حاتمؓ نزول آیت کے وقت مدینہ میں موجود ہی نہیں تھے مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے تو اس وقت وہ عقال ابیض اور عقال اسود کا قصد کہاں سے کر سکتے ہیں؟

اب یہاں دو ہی صورتیں ہیں، (۱) یا یہ کہا جائے کہ ممکن ہے یہ آیت متاخر النزول ہو، روزہ بالکل ابتداء میں سن ۲ھ میں فرض ہو گیا ہو لیکن آیت شریفہ بالکل آخر میں نازل ہوئی ہو، مگر یہ غلط اور بالکل ہی بعید ہے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت عدیؓ یہ فرمارہے ہیں کہ لَمَّا نَزَلَتْ کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہو چکی اور پھر اس کے بعد میں مسلمان ہوا اور حاضر خدمت ہوا اور شریعت کے احکام کو سیکھا تو یہ آیت شریفہ میرے سامنے تلاوت کی گئی اس وقت میں نے ایک سیاہ اور ایک سفید دھاگا لیا اور اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیا اور میں دیکھتا رہتا اور جب تک ان میں امتیاز نہ ہوتا کھاتا رہتا، حضور ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو ان سے فرمایا کہ خیط ابیض اور خیط اسود سے مراد سیاہ اور سفید دھاگا نہیں بلکہ اس سے مراد سواد اللیل اور بیاض النہار ہے، خیط ابیض سے مراد صبح صادق اور خیط اسود سے مراد رات ہے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: حضرت سہل بن سعدؓ کی یہ حدیث مصنف نے حسب عادت سند ثانی سے ذکر فرمائی ہے اور یہی حدیث مصنف نے کتاب التفسیر میں سند ثانی سے روایت فرمائی ہے، اور سند اول نہ تو مصنف نے کہیں ذکر کی اور نہ اس کا متن ذکر فرمایا اور یہ مصنف کی عادات غریبہ میں سے ہے، میں یہ بتلا چکا ہوں کہ جب مصنف تحویل لاتے ہیں تو ہمیشہ سند ثانی کے الفاظ لاتے ہیں اور سند اول کے الفاظ کسی اور جگہ روایت کرتے ہیں، معدودے چند ایسی مثالیں ہیں کہ مصنف نے تحویل کی ہے لیکن سند اول کے الفاظ کہیں ذکر نہیں کئے ہیں انہیں مثالوں میں سے ایک مثال یہ بھی ہے۔

أُنْزِلَتْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ إلخ: فرماتے ہیں حضرت سہلؓ کہ جب آیت کریمہ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ نازل ہوئی تو مِنَ الْفَجْرِ ابھی نازل نہیں ہوا تھا، تو بہت سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ خیط ابیض واسود سے مراد سیاہ وسفید دھاگا ہے تو وہ ایک سیاہ اور سفید دھاگا اپنے پیر میں باندھ لیتے تھے اور جب تک ان میں امتیاز نہیں ہوتا تھا کھاتے پیتے رہتے تھے، حق تعالیٰ شانہ نے بعد میں مِنَ الْفَجْرِ نازل فرمایا تب ان لوگوں کو پتہ چلا کہ خیط ابیض اور خیط اسود سے مراد سیاہ وسفید دھاگا نہیں ہے بلکہ لیل ونہار مراد ہے۔

ایک اشکال کا حل: یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت سہلؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مِنَ الْفَجْرِ بعد میں نازل ہوا، اور حضرت عدی بن حاتمؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری آیت مع 'مِنَ الْفَجْرِ' کے ایک ساتھ نازل ہوئی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں حضرت سہلؓ کی روایت مقدم ہے اور

حضرت عدیؓ کی روایت مؤخر ہے، صورت حال یہ ہوئی کہ ابتداء میں وَ کُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْأَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْأَسْوَدِ نازل ہوا تھا، بعض لوگوں نے خیط ابیض اور خیط اسود سے یہی دھاگا مراد لیکر اپنے پیروں میں باندھ لیا اور جب تک دونوں میں فرق ظاہر نہ ہوتا کھاتے پیتے رہتے تھے اور اس کے بعد جب امتیاز ہونے لگتا تو کھانا چھوڑ دیتے تھے، پھر مِنَ الْفَجْرِ نازل ہوا جس سے انہیں یہ معلوم ہوا کہ خیط ابیض اور خیط اسود سے مراد لیل ونہار ہے، اس کے بعد حضرت عدی بن حاتمؓ مسلمان ہوئے تو اس وقت پوری آیت مع قید کے نازل ہو چکی تھی اسی لئے حضرت عدیؓ نے پوری آیت نقل فرمائی۔

دوسرے اشکال کا حل: جب مِنَ الْفَجْرِ نازل ہو چکا تھا تو حضرت عدیؓ کو کیوں اشتباہ لگا اور انہوں نے عقال ابیض اور عقال اسود کو کیوں اختیار فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں ملک عرب بہت وسیع ملک ہے اور اس میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اور مختلف اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں، جیسے ہندوستان میں بولی تو ہندوستانی زبان جاتی ہے لیکن ہر جگہ اس کی اصطلاحات الگ الگ ہیں، تو اب بہت ممکن ہے کہ حضرت عدیؓ چونکہ قبیلۂ طی کے رہنے والے تھے وہاں پر خیط ابیض اور خیط اسود کا اطلاق لیل ونہار کے لئے نہ ہوتا ہو بلکہ صرف دھاگے ہی کے لئے ہوتا ہو، اس لئے وہ یہ سمجھے ہوں کہ مِنَ الْفَجْرِ خیط کا بیان نہیں ہے بلکہ یہ مِن اجلیہ ہے اور مطلب ہے من أجل الفجر اس لئے انہیں اشتباہ لگ گیا، اور پھر رسول پاک ﷺ سے جب عرض کیا تو آپ نے صورت حال بیان کر دی اور یہ بتلا دیا کہ یہاں خیط ابیض اور خیط اسود؛ بیاض النہار اور سواد اللیل کے معنی میں استعمال کئے گئے ہیں۔

تاخیر البیان عن وقت الخطاب جائز ہے یا نہیں؟ فَأَنْزَلَ اللهُ بَعْدُ مِنَ الْفَجْرِ سے ایک اختلافی اصولی مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے اور وہ مسئلہ ہے تاخیر البیان عن وقت الخطاب کا، حق تعالیٰ شانہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ابتداءً بالکل مجمل حکم نازل فرمائے، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ عمل کے وقت میں جو مطلوب ہے اس کو واضح فرمادے، اس میں اختلاف ہے، ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ تاخیر البیان عن وقت الخطاب جائز ہے یعنی جس وقت اول اول نزول ہو رہا ہو اس وقت یہ امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ مجمل طور پر نازل فرمائے اور بعد میں اس کی تفصیل آئے، یہی اکثر شافعیہ اور مالکیہ اور حنفیہ کی ایک جماعت کا مسلک ہے۔

حنابلہ، مالکیہ اور حنفیہ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ تاخیر البیان عن وقت الخطاب جائز نہیں اس واسطے کہ ممکن ہے کوئی انسان کلام خداوندی سن کر فوراً عمل کر بیٹھے اور وہ منشاء خداوندی کے مطابق نہ ہو تو غلطی میں پڑ جائے گا، لہذا حق تعالیٰ شانہ ایسا کلام نازل نہیں فرمائیں گے جس میں اجمال ہو اور مخاطب عمل کرنے میں غلطی میں پڑ جائے بلکہ واضح کلام نازل فرمائیں گے۔

تو اب دو چیزیں ہیں، ایک ہے تاخیر البیان عن وقت الخطاب اور دوسری ہے تاخیر البیان عن وقت الحاجۃ، اجمالی حکم تو مجمل ہے اور اس کی تفسیر اس کا بیان ہے، بیان عند العمل ضروری ہے، اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں تاخیر بیان عن وقت الحاجۃ جائز نہیں ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تاخیر البیان عن وقت الخطاب جائز ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اللہ کی مراد خیط ابیض اور خیط اسود سے سواد اللیل و بیاض النہار تھی لیکن اللہ ذو الجلال والاکرام نے اس کا بیان مِنَ الْفَجْرِ فوری نازل نہیں کیا حتی کہ بعض لوگوں نے اس کو اپنے ظاہر پر رکھ دیا۔

اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ تاخیر البیان عن وقت الخطاب جائز نہیں ہے وہ اس استدلال کے دو جواب دیتے ہیں، امام طحاوی اور امام داؤدی مالکی فرماتے ہیں کہ اصل میں یہ من باب النسخ ہے، ابتداء میں تو آیت شریفہ اپنے ظاہر پر محمول تھی اور خیطین سے جو مراد ہے علی الظاہر وہی مقصود تھا، اس کے بعد مِنَ الْفَجْرِ کے ساتھ اس کو مقید کر دیا گیا اور تبدیلی کر دی گئی، گویا حکم اوّل منسوخ ہو گیا۔

قاضی عیاض اور امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے تاخیر البیان عن وقت الخطاب پر استدلال ہی صحیح نہیں اس لئے کہ خیط ابیض اور خیط اسود کا استعمال جیسے سیاہ و سفید دھاگے پر ہوتا ہے ایسے ہی سپیدۂ صبح اور ظلمتِ لیل پر بھی ہوتا ہے اور یہی مراد تھی اور صحابہ نے سمجھا بھی یہی، غلط فہمی دو قسم کے لوگوں کو ہوئی تھی ایک وہ اعراب جو فہم کم رکھتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ جن کے علاقہ میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل نہیں تھا جیسے عدی بن حاتمؓ۔

(ص ۲۵۷) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا يَمْنَعُكُمْ مِنْ سَحُورِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ

۱۹۱۸. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

۱۹۱۹. وَالْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ بِلَالًا كَانَ يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: كُلُوا وَاشْرَبُوا

حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ؛ فَإِنَّهُ لَا يُؤَذِّنُ حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ.

قَالَ الْقَاسِمُ: وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ أَذَانِهِمَا إِلَّا أَنْ يَرْقَى ذَا وَيَنْزِلَ ذَا.

ترجمہ: باب، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا بیان کہ تمہیں بلال کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ بلالؓ رات میں اذان دیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ اذان دیں، کیوں کہ وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتے جب تک کہ فجر طلوع نہ ہو جائے، قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ دونوں کی اذان کے درمیان صرف اتنا وقفہ تھا کہ ابن ام مکتومؓ اوپر چڑھیں اور بلالؓ نیچے اتریں۔

تشریح: مصنف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہی کو ترجمہ بنایا ہے، لیکن جو روایت مصنفِ امام نے ذکر کی ہے وہ روایت الباب میں موجود نہیں، اصل میں یہ ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث کا لفظ ہے جو ابواب الاذان میں گزر چکا ہے، امام بخاری کا مقصد میرے خیال میں اس ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ انقطاعِ اکل کا تعلق اذان بلال یعنی اذان اوّل سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق طلوع فجر سے ہے، لہٰذا اگر مؤذن قبل از وقت اذان دے دے تو محض اس کے اذان دینے کی وجہ سے کھانا پینا موقوف نہیں کیا جائے گا، کھانا پینا موقوف کرنا اس وقت ضروری ہے جب طلوع فجر ہو جائے۔

(ص ۲۵۷) بَابُ تَعْجِيلِ السَّحُورِ

۱۹۲۰. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كُنْتُ أَتَسَحَّرُ فِي أَهْلِي ثُمَّ تَكُونُ سُرْعَتِي أَنْ أُدْرِكَ السُّحُورَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم.

ترجمہ: باب، سحری کو جلدی کرنے کا بیان۔

حضرت سہل بن سعدؓ نے بیان کیا کہ میں سحری اپنے گھر والوں کے ساتھ کرتا تھا پھر میری جلدی اس بات کے لئے ہوتی تھی کہ میں نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پاسکوں۔

تشریح: یہاں دو ترجمے ہیں، ایک باب تعجيل السحور اور دوسرا باب تأخير السحور، پہلا ترجمہ ابوذر کے نسخہ میں ہے اور یہی مشہور ہے، اور دوسرا ترجمہ حافظ مغلطای بن قلیج حنفی نے نقل کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں وَلَمْ أَرَ ذٰلِكَ فِي شَيْءٍ مِنْ نُسَخِ الْبُخَارِيِّ الَّتِي وَقَعَتْ لَنَا، اس لئے میرے نزدیک

تعجیل السحور کا ترجمہ درست ہے۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے کیا بیان کیا ہے؟

بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر سحری ذرا کچھ سویرے کھالی جائے تو یہ جائز ہے، اور مصنف نے اس کو حضرت سہل بن سعدؓ کے فعل سے ثابت کیا ہے اس لئے کہ وہ اپنے گھر سحری کھا کر چلتے تھے تاکہ حضور ﷺ کی سحری میں شریک ہو جائیں، روایت کے الفاظ ہیں عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كُنْتُ أَتَسَحَّرُ فِي أَهْلِي ثُمَّ تَكُونُ سُرْعَتِي أَنْ أُدْرِكَ السُّحُورَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم۔

اور اگر تاخیر السحور کا ترجمہ ہے تو پھر امام بخاری نے حضور ﷺ کے فعل سے ثابت کیا ہے اس واسطے کہ حضرت سہلؓ سحری کھاتے اور اپنے یہاں سے چلتے تھے اور حضور پاک ﷺ کے پاس پہنچتے تھے کہ آپ کی سحری میں تبرک کے طور پر شرکت کر سکیں اور وہاں شریک ہو جاتے تھے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب حضور ﷺ تاخیر سے کھاتے ہوں۔

مگر میرے نزدیک یہ تقریر انتہائی بعید ہے، ا۔ اوّل اس وجہ سے کہ تاخیر کا ترجمہ اگرچہ مغلطای جیسے شخص نے نقل کیا ہے لیکن محقق ابن حجر عسقلانی کو روایات بخاری اور اس کے طرق پر مغلطای کی بہ نسبت زیادہ عبور ہے اور وہ اس کے متعلق کہتے ہیں وَلَمْ أَرَ ذَلِكَ فِي شَيْءٍ مِنْ نُسَخِ الْبُخَارِيِّ الَّتِي وَقَعَتْ لَنَا ہمیں کسی روایت میں یہ لفظ بخاری میں نہیں پہنچا ہے، اس لئے بظاہر یہ کسی راوی کی اصلاح ہے۔

۲۔ دوسرے اس وجہ سے بھی کہ روایت میں اگرچہ ثُمَّ تَكُونُ سُرْعَتِي أَنْ أُدْرِكَ السُّحُورَ کا لفظ وارد ہوا ہے مگر یہ صرف کشمیہنی اور نسفی کی روایت ہے اور نسفیؒ کی دوسری روایت میں واقع ہوا ہے أَنْ أُدْرِكَ السُّجُودَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم اور یہی بندہ کے نزدیک صواب ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ حدیث امام بخاری نے ماقبل میں ذکر فرمائی ہے اس کے الفاظ ہیں أَنْ أُدْرِكَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم یہ کتاب المواقیت کے الفاظ ہیں، کتاب المستخرج للاسماعیلی میں ہے أَنْ أُدْرِكَ صَلَاةَ الصُّبْحِ، اور اسماعیلی ہی کی ایک روایت میں ہے أَنْ أُدْرِكَ صَلَاةَ الْغَدَاةِ، لہٰذا اب اس صورت میں سہلؓ کا مطلب یہ ہوگا کہ میں سحری کھا کر جلدی سے اس نیت سے چلتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کر سکوں، تو روایت سے حضور ﷺ کی فجر کی نماز کا ثبوت ہوا سحری

کھانے کا ثبوت نہیں ہوا، لہذا اس سے تاخیر سحور تحقیقی طور پر کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ لا محالہ ترجمہ تعجیل السحور ہی ہو گا۔

اب تعجیل السحور کا کیا مطلب ہے؟ ایک مطلب وہ ہے جو میں بیان کر چکا یعنی یہ بتلانا مقصود ہے کہ سحری میں تعجیل جائز ہے، میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری نے تعجیل السحور بول کر اسراع بالاکل مراد لیا ہے اور بخاری کا مقصد یہ ہے کہ سحری آدمی ذرا جلدی جلدی کھائے، اور یہ کب ہوتا ہے؟ جب بالکل آخری وقت میں سحری کھائی جاتی ہے تبھی فکر ہوتا ہے کہ کہیں وقت نکل نہ جائے، کہیں جماعت چھوٹ نہ جائے، ذرا جلدی جلدی سحری کھالو، نیز اس میں ایک بات یہ بھی ملحوظ ہوتی ہے کہ تھوڑا کھاتا ہے آدمی، پیٹ زیادہ بھرتا نہیں ہے۔

(ص ۲۵۷) بَابُ قَدْرِ كَمْ بَيْنَ السَّحُورِ وَصَلَاةِ الْفَجْرِ

۱۹۲۱. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ثَنَا هِشَامٌ ثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: تَسَحَّرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، قُلْتُ: كَمْ كَانَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالسَّحُورِ؟ قَالَ: قَدْرُ خَمْسِينَ آيَةً.

ترجمہ: باب، سحری کھانے اور فجر کی نماز ادا کرنے کے درمیان کتنا وقفہ ہوتا تھا؟

حضرت زید بن ثابتؓ نے بیان کیا کہ ہم نے نبی پاک ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے، (حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ) میں نے (حضرت زید بن ثابتؓ سے) دریافت کیا کہ اذان اور سحری کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ آپ نے فرمایا کہ پچاس آیتوں (کی تلاوت) کے بقدر۔

تشریح: سحری اور نماز فجر میں کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

سحری سے مراد انتہاء السحور اور صلوۃ الفجر سے مراد ابتداء الصلوۃ ہے، مطلب یہ ہے کہ سحری کی انتہاء اور نماز کی ابتداء اور افتتاح میں کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ اذان میں اور سحری کے درمیان پچاس آیتوں کے پڑھنے کی مقدار فاصلہ ہوتا تھا یعنی تقریباً چار منٹ، معلوم ہوا کہ سحری کی انتہاء اور نماز کی ابتداء میں زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ کا فاصلہ ہونا چاہئے، اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ سحری بالکل آخر میں کھائی جائے گی۔

اس لئے ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ (۱) امام بخاری نے باب تعجیل السحور سے تو یہ ثابت کیا ہے کہ سحری کی تعجیل جائز ہے اور اس کو فعل سہلؓ سے ثابت کیا ہے اور اس ترجمۃ الباب سے تاخیر السحور کا

استحباب ثابت فرمایا ہے ھکذا قال الشیخ۔

(۲) میرے نزدیک ترجمہ کی غرض بس وہی ہے جو ظاہر ترجمہ سے سمجھ میں آتی ہے، پہلے ترجمہ سے مصنف نے یہ بتلایا ہے کہ سحری کھانے میں ذرا عجلت کی جائے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب آدمی بالکل آخری وقت میں کھائے، گویا بخاری کا مقصد یہ ہے کہ سحری آخر میں اور جلدی جلدی کھانی چاہئے اور تھوڑی کھائے، اور اس ترجمہ سے یہ بتلایا ہے کہ سحری اور نماز میں کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ روایت کے بیان سے معلوم ہوا کہ پچاس آیت کے پڑھنے کے بقدر یعنی زیادہ سے زیادہ چار پانچ منٹ کا فاصلہ ہونا چاہئے، (۳) نیز ہو سکتا ہے کہ مصنف نے ان بعض متقشفین پر رد کیا ہو جو بہت ہی احتیاط کرتے ہیں اور ایک گھنٹہ اور دو گھنٹہ پہلے ہی سحری کھالیتے ہیں۔

(ص ۲۵۷) بَابُ بَرَكَةِ السَّحُورِ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ

لأن النبي ﷺ وأصحابه واصلوا، ولم يذكر السحور.

١٩٢٢. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ ثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَاصَلَ فَوَاصَلَ النَّاسُ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَنَهَاهُمْ، قَالُوا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي أَظَلُّ أُطْعَمُ وَأُسْقَى.

١٩٢٣. حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ ثَنَا شُعْبَةُ ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: تَسَحَّرُوا؛ فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً.

ترجمہ: باب، سحری کھانے کی برکت کا بیان اور اس بات کا بیان کہ سحری کھانا واجب نہیں ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے صوم وصال رکھے اور ان کا سحری کھانا منقول نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے صوم وصال رکھا، لوگوں نے بھی صوم وصال رکھے، وہ ان پر دشوار ہوئے، آپ نے ان کو منع فرمایا، انہوں نے عرض کیا کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، مجھے برابر کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ سحری کھایا کرو کیوں کہ سحری میں برکت ہے۔

تشریح: امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے کہنا چاہتے ہیں کہ سحری کھانا برکت کی چیز ہے اور مستحب امر ہے واجب نہیں ہے، اس مسئلہ پر ابن منذر نے اجماع نقل کیا ہے کہ سحری کھانا مندوب ہے یعنی واجبات میں

سے نہیں ہے، مصنف نے اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ نے وصال کیا اور بیچ میں سحور کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا کہ سحور واجب نہیں ورنہ وصال کے بیچ میں سحور کا تذکرہ تو آتا۔

علامہ ابوالحسن بن بطال مالکی نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صاحب! خود بخاری ہی نے روایت کیا ہے أن النبی ﷺ واصل إلی السحور حضور نے سحر تک وصال کیا اور سحر کا وقت وقتِ سحور ہوتا ہے، جب آپ کا وصال ہی سحر تک ہوتا تھا تو معلوم ہو گیا کہ اس کے بعد تو سحری کا وقت تھا آگے وصال چلتا نہیں تھا یقیناً آپ نے سحری کھائی ہے، تو وصل والی روایت سے عدم ایجابِ سحور پر استدلال کرنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟

علامہ ناصر الدین بن المنیر نے ابن بطال کے حاشیہ پر امام بخاری کی طرف سے مدافعت کی اور فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے عدمِ مشروعیتِ سحور ثابت نہیں کی ہے بلکہ عدم ایجابِ سحور ثابت فرمایا ہے، اور اس کو وصال سے مصنف نے یوں اخذ فرمایا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے صحابہ کو وصال سے منع کیا تھا اور یہ ممانعت تحریمی نہیں بلکہ ممانعتِ ارشادی اور ممانعتِ شفقت تھی، اگر آپ علی وجہ التحریم وصال سے منع کرتے تب تو سحور واجب ہوتا اور جب آپ نے شفقت کے طور پر وصال سے منع کیا تو معلوم ہوا کہ سحری کھانا مندوب ہے واجب نہیں ہے، کیوں کہ اگر سحری کھانا واجب ہوتا تو وصال کی ممانعت تحریمی ہوتی اس واسطے کہ یہ وصال مانع عن السحور ہوتا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اصل میں امام بخاری نے ایک روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو آئندہ بخاری ص ۲۶۳ پر آرہی ہے أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ثُمَّ يَوْمًا ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ فَقَالَ لَوْ تَأَخَّرَ لَزِدْتُكُمْ كَالتَّنْكِيلِ لَهُمْ حِينَ أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا، بخاری کا اس سے استدلال یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ نے مسلسل دو دن تک وصال کیا اور بیچ میں کھایا پیا نہیں تھا، اب اگر سحری کھانا واجب ہوتا تو آپ اس واجب کو ترک کر کے وصال کیوں فرماتے؟ اور جب چاند نظر آ گیا تو آپ نے یہ فرمایا کہ اگر چاند کا ظہور مؤخر ہوتا تو میں اور وصال کرتا، معلوم ہوا کہ سحری کھانا واجبات میں سے نہیں ہے ورنہ حضور ﷺ اس واجب کو ترک کر کے مسلسل وصال نہ فرماتے۔

بہر حال بخاری کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مسلسل دو تین دن وصال فرمایا اور بیچ میں کچھ کھایا پیا تھا نہیں اور صحابہ بھی آپ کے ساتھ اس میں شریک تھے اگر سحری واجب ہوتی تو آنحضور ﷺ اس طرح وصال کر کے سحری کا ترک کیوں فرماتے جو واجب تھا۔

إِنِّي أَظَلُّ أُطْعَمُ وَأُسْقَى: میں وقت گزارتا ہوں اس طرح کہ مجھ کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور پانی پلایا جاتا ہے، اس میں اشکال یہ ہے کہ پھر وصال ہی کہاں رہا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو اس حدیث میں اختلاف ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر محمول ہے یا مجاز پر؟

پھر اگر یہ ظاہر پر محمول ہے تو یہ اشکال اس وقت ہوگا جب طعامِ دنیا اور شرابِ دنیا سے آپ ﷺ کی تکریم کی جاتی، حالانکہ آخرت کا طعام و شراب آپ کی خدمت میں آیا کرتا تھا جو معنوی اور روحانی غذا ہوتی تھی جو صوم اور وصال میں مؤثر اور توڑنے والی نہیں ہے۔

اور اگر اس کو مجاز پر محمول کر لیا جائے تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں، کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ (۱) إِنِّي أَظَلُّ أُطْعَمُ وَأُسْقَى کا مطلب یہ ہو کہ مجھ کو بغیر کھائے پیئے ایسی طاقت حاصل ہوتی ہے جیسے کھانے پینے سے حاصل ہوتی ہے، (۲) یا مطلب یہ ہو کہ بلا کھائے پیئے ہی مجھ کو سیرابی اور آسودگی معلوم ہوتی ہے، (۳) یا اس کا مطلب یہ ہو کہ حق تعالیٰ شانہ کی یاد اور اس کے ساتھ مشغولی اور اس کی دھن میں رہنے کی وجہ سے مجھ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جیسے کھانے پینے والے کو حاصل ہوتی ہے، یعنی جیسے کھانے پینے والا شخص کھا پی کر سیراب اور آسودہ ہوتا ہے ایسے ہی میں اللہ کی یاد اور اس کی دھن اور اس کے دھیان اور اس کے ذکر میں مشغول ہوتا ہوں اور اس سے لذت پاتا ہوں اور مزہ حاصل کرتا ہوں، شاعر کہتا ہے

لَهَا أَحَادِيثُ مِنْ ذِكْرَاكَ تَشْغَلُهَا عَنِ الشَّرَابِ وَتُلْهِيهَا عَنِ الزَّادِ

فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً: سحور میں برکت ہے، (۱) پہلی برکت یہ ہے کہ اس میں اتباعِ سنت کا ثواب ملتا ہے، (۲) دوسری برکت یہ ہے کہ اس سے قوت علی الطاعت حاصل ہوتی ہے، (۳) تیسری برکت یہ ہے کہ کوئی آ گیا اور اس کی تواضع کر لی تو خیر میں شرکت ہوتی ہے، (۴) چوتھی برکت یہ ہے کہ وہ دعاء کی اجابت کا وقت ہے لہٰذا آدمی جب اٹھتا ہے تو کچھ نہ کچھ اپنے مولائے کریم سے روتا دھوتا ہے کچھ مانگتا اور سوال بھی کرتا ہے۔

(ص۲۵۷) بَابُ إِذَا نَوَى بِالنَّهَارِ صَوْمًا

وقالت أم الدرداء: كان أبو الدرداء يقول: عندكم طعام؟ فإن قلنا: لا، قال: فإني صائم يومي هذا.

وفعله أبو طلحة وأبو هريرة وابن عباس وحذيفة.

١٩٢٤. حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ رَجُلاً يُنَادِي فِي النَّاسِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ أَنْ: مَنْ أَكَلَ فَلْيُتِمَّ أَوْ فَلْيَصُمْ، وَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ فَلاَ يَأْكُلْ.

ترجمہ: باب، روزے کی نیت دن میں کرنے کا بیان، ام درداءؓ نے بیان کیا کہ حضرت ابو درداءؓ دریافت کرتے تھے کہ کیا تمہارے پاس کھانا ہے؟ اگر ہم یہ کہتے کہ نہیں ہے، تو وہ فرماتے کہ آج میں روزے سے رہوں گا، حضرت ابو طلحہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حذیفہؓ نے بھی ایسا کیا ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے عاشوراء کے روز ایک شخص کو لوگوں میں یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ جس نے کچھ کھالیا ہے وہ کھائے بغیر دن پورا کرے یا یہ فرمایا کہ وہ روزہ رکھے یعنی کھائے پیئے بغیر رہے اور جس نے نہیں کھایا ہے وہ کچھ نہ کھائے۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ صوم کے لئے تبییت یعنی رات کو نیت کرنا ضروری ہے یا دن کی نیت بھی کافی ہو جائے گی؟

(۱) امام مالک فرماتے ہیں کہ صوم میں مطلقاً تبییت ضروری ہے۔

(۲) امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ صوم فرض میں ضروری ہے اور صوم نفل میں ضروری نہیں۔

پھر صوم نفل میں آیا مطلقاً دن کی نیت کافی ہے یا قبل الزوال ہو تب کافی ہے؟ دونوں مذہبوں میں دونوں قول ہیں، امام احمد کا راجح مذہب یہ ہے کہ مطلقاً جس وقت بھی نیت کرلی جائے کافی ہو جائے گی، اور امام شافعی کا راجح مذہب یہ ہے کہ اگر زوال سے پہلے نیت ہو تو وہ کافی ہوگی۔

اسی میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ جس آدمی نے دن میں نفلی روزہ کی نیت کی ہے آیا اسے پورے دن کے روزہ کا ثواب ملے گا یا جس وقت سے نیت پائی گئی ہے اس وقت سے ثواب ملے گا؟ دونوں ہی قول ملتے ہیں۔

(۳) حضرت امام ابو حنیفہ ارشاد فرماتے ہیں کہ روزے تین طرح کے ہیں، صوم واجب معین جیسے رمضان کا روزہ اور نذر معین کا روزہ، دوسرے واجب غیر معین جیسے قضاء رمضان اور کفارہ اور نذر غیر معین کے روزے، اور تیسرا روزہ نفل کا، اول اور تیسرے میں دن کی نیت کافی ہے اور قضاء اور کفارہ اور نذر غیر معین میں رات کی نیت ضروری ہے۔

لہذا رمضان شریف میں دن کی نیت کافی ہو جائے گی کیوں کہ صوم معین ہے، اسی طرح نذر معین میں دن کی نیت کافی ہو جائے گی، لیکن قضاء روزہ چونکہ غیر معین ہے اس لئے رات سے نیت کرنا پڑے گی اسی طرح اگر نذر غیر معین ہو تو اس میں بھی رات سے نیت کرنی پڑے گی، نفل مطلق میں دن کی نیت کافی ہو جائے گی۔

دلائل: جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مطلقاً رات میں نیت ضروری ہے جیسے مالکیہ ان کا استدلال یہ ہے کہ حضور پاک علیہ السلام نے ارشاد فرمایا لا صیام لمن لم ینو آلصیام من اللیل، رواہ أبو داؤد و النسائی۔

اور جو لوگ جیسے شافعی و احمد یہ کہتے ہیں کہ نفل و فرض میں فرق ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روایت تو یہ ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور پوچھا هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں ہے، آپ نے فرمایا فَإِنِّي إِذًا صَائِمٌ، رواہ النسائی وغیرہ، اس سے یہ معلوم ہوا کہ دن کی نیت روزہ نفلی کے لئے کافی ہے، تو اب پہلی روایت فرض پر محمول کی جائے گی اور دوسری روایت نفل پر، اس لئے کہ آپ نے إِذًا فرمایا ہے جو استقبال کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

حضرات حنفیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں ایک تیسری روایت بھی ہے اور وہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی ہے أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بَعَثَ رَجُلًا يُنَادِي فِي النَّاسِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ أَنَّ مَنْ أَكَلَ فَلْيُتِمَّ أَوْ فَلْيَصُمْ وَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ فَلَا يَأْكُلْ۔

اور اُس روایت لا صیام لمن لم ینو الصیام من اللیل کا بعضوں نے یہ جواب دیا ہے کہ صاحب! اس میں رفعاً ووقفاً اختلاف ہے، پھر یہ کہ آیا وہ ابن عمرؓ پر موقوف ہے یا حفصہؓ پر موقوف ہے۔

اور صاحب ہدایہ نے یہ جواب دیا ہے کہ لا صیام لمن لم ینو الصیام من اللیل کا مطلب ہے أی أنه من اللیل، کوئی آدمی اگر روزہ کی نیت کرتا ہے کہ میں دس بجے سے روزہ دار ہوں اس سے پہلے سے نہیں ہوں تو اس شخص کے روزہ کا اعتبار نہیں ہے اگرچہ پہلے سے کھایا پیا نہ ہو، نیت تو کرنی پڑے گی کہ از اوّل وقت تا آخر وقت میں روزہ رکھنے کی نیت کرتا ہوں وقیل غیر ذلک من الأجوبة۔

امام بخاری کی رائے اس مسئلہ میں کچھ حنفیہ ہی کے موافق معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ انہوں نے اس باب میں جو روایتیں ذکر کی ہیں وہ وہی عاشوراء اور نفل مطلق کی روایتیں ذکر کی ہیں۔

اور ہو سکتا ہے کہ امام بخاری تمام مذاہب سے الگ رائے رکھتے ہوں اور ان کے یہاں مطلقاً دن کی نیت کافی ہو

چاہے صوم معین ہو یا غیر معین ہو اور چاہے نفل مطلق ہو یا اور کوئی ہو۔

(ص ۲۵۷) بَابُ الصَّائِمِ يُصْبِحُ جُنُبًا

۱۹۲۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: جِئْتُ أَنَا وَأَبِي حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ.

۱۹۲۶. ح وحَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أنا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَنَّ أَبَاهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَ مَرْوَانَ أَنَّ عَائِشَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ أَهْلِهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَيَصُومُ.

وَقَالَ مَرْوَانُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ: أُقْسِمُ بِاللهِ لَتُقَرِّعَنَّ بِهَا أَبَا هُرَيْرَةَ، وَمَرْوَانُ يَوْمَئِذٍ عَلَى الْمَدِينَةِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: فَكَرِهَ ذَلِكَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، ثُمَّ قُدِّرَ لَنَا أَنْ نَجْتَمِعَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ وَكَانَتْ لِأَبِي هُرَيْرَةَ هُنَالِكَ أَرْضٌ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لِأَبِي هُرَيْرَةَ: إِنِّي ذَاكِرٌ لَكَ أَمْرًا وَلَوْلَا أَنَّ مَرْوَانَ أَقْسَمَ عَلَيَّ فِيهِ لَمْ أَذْكُرْهُ لَكَ، فَذَكَرَ قَوْلَ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَ: كَذَلِكَ حَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ، وَهُوَ أَعْلَمُ.

وَقَالَ هَمَّامٌ وَابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْمُرُ بِالْفِطْرِ، وَالْأَوَّلُ أَسْنَدُ.

ترجمہ: باب، روزہ دار کا حالت جنابت میں صبح کرنے کا بیان۔

ابو بکر بن عبد الرحمن نے بیان کیا کہ میں اور میرے والد حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے (اس سند کے ساتھ اتنا ہی مضمون ہے)

حضرت عبد الرحمن نے مروان کو خبر دی کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو فجر اس حال میں ہوتی تھی کہ آپ اپنی زوجہ سے جنبی ہوتے تھے پھر آپ غسل فرماتے اور روزہ رکھتے، مروان نے عبد الرحمن سے کہا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کو سختی کے ساتھ سنادو، مروان اس وقت مدینہ منورہ کا والی تھا، ابو بکر بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ عبد الرحمن نے اس کو مناسب نہ سمجھا، پھر اتفاق ایسا ہوا کہ ہم سب ذوالحلیفہ میں جمع ہوئے، ابو ہریرہؓ کی وہاں ایک زمین تھی، عبد الرحمن نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ میں آپ سے ایک بات ذکر کرتا ہوں اور اگر مروان نے اس سلسلہ میں مجھے قسم نہ دی ہوتی تو میں اس کو آپ سے ذکر نہ کرتا، پھر انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا قول نقل کیا، حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ فضل بن عباسؓ نے مجھ سے اسی طرح حدیث بیان کی اور وہ زیادہ جانتے ہیں (یا یہ کہ حضرت عائشہؓ اور

حضرت ام سلمہؓ زیادہ جانتی ہیں) ہمام اور ابن عبداللہ بن عمر نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ (جنبی کو) افطار (روزہ نہ رکھنے) کا حکم دیتے تھے لیکن پہلی روایت زیادہ معتبر ہے۔

تشریح: اگر کوئی روزہ دار جنابت کی حالت میں ہو اور صبح ہو جائے اور اس نے غسل نہیں کیا تو آیا اس کا روزہ باقی رہا یا فاسد ہو گیا؟ یہ مسئلہ بڑا کثیر الاختلاف ہے، حضرت علامہ عینی نے شرح بخاری میں اس میں سات مذہب نقل کئے ہیں جس کو محشی نے ص ۲۵۸ پر حاشیہ نمبر ۴ کے ذیل میں تفصیل سے نقل کر دیا ہے، ان سارے مذاہب کو نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں البتہ اس میں سے جو ضروری مسلک ہے وہ میں یہاں پر نقل کر دوں گا۔

(۱) حضرات جمہور سلف وخلف جس میں حضرات ائمہ اربعہ بھی ہیں یہ فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں ہے اور اس شخص کا روزہ پورا ہو گیا، (۲) اس کے بالمقابل بعض صحابہ فضل بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ اور ابو ہریرہؓ یہ فرماتے تھے کہ ایسے شخص کا روزہ نہیں ہوا ختم ہو گیا فاسد ہو گیا، مگر ابو ہریرہؓ نے بعد میں اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا، (۳) طاؤس وعروہ اور ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ اگر کسی آدمی کو اپنی جنابت کا علم ہو اور پھر وہ عمداً مؤخر کر دے تب تو روزہ صحیح نہیں ہو گا ورنہ صحیح ہو جائے گا، (۴) ابراہیم نخعی ہی سے ایک قول یہ نقل کیا گیا ہے اور یہی حسن بصری سے بھی منقول ہے کہ صوم فرض ونفل میں فرق ہے صوم فرض تو صحیح نہیں ہو گا اور صوم نفل صحیح ہو جائے گا۔

امام بخاری اس مسئلہ میں جمہور علماء کے ہم خیال ہیں، اسی لئے حضرت ام سلمہؓ وعائشہؓ کا قول پیش کیا ہے کہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ أَهْلِهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَيَصُومُ رسول اکرم ﷺ فجر کے طلوع کے وقت جنبی ہوتے تھے، فریق ثانی کی دلیل یہ تھی کہ حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْمُرُ بِالْفِطْرِ یعنی اگر کسی آدمی کو جنابت کی حالت میں صبح ہو گئی ہو تو وہ روزہ افطار کر دے، یہ روایت امام احمد، ابن حبان اور عبد الرزاق وغیرہ نے موصولاً تخریج فرمائی ہے۔

جمہور علماء نے س روایت کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) حضرت امام شافعی نے کتاب اختلاف الحدیث میں اس روایت کو مرجوح قرار دیا ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت کو اس لئے راجح بتلایا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے ان کی موافقت کی ہے، نیز یہ دونوں زوجہ رسول ہیں لہذا

ان کو واقعیت اور حقیقت کا زیادہ علم ہو گا اور ابو ہریرہؓ کی تنہا روایت پر ان دونوں کے بیان کو ترجیح حاصل ہو گی۔

(۲) محدث ابن خزیمہ، ابن منذر، امام طحاوی اور ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث منسوخ ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب جماع اور اکل اور شرب نوم کے بعد جائز نہیں تھا اور جب حق تعالیٰ شانہ نے سونے کے بعد بھی ان چیزوں کی اباحت کر دی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا، اسلئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ الخ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ شانہ نے جماع اور اکل وشرب کی تا تبیّن اجازت دی ہے، اب اگر کوئی آدمی بالکل رات کے آخری سیکنڈ تک اپنی بیوی سے مشغول رہا اور عین طلوع کے ساتھ اپنے ذکر کو نکال لیا تو ظاہر ہے کہ اس شخص کا روزہ آیت کے مطابق ہے، اور اس کا غسل طلوع فجر کے بعد واقع ہو گا، تو یہ طلوع فجر کے وقت جنبی ٹھہرا، معلوم ہوا کہ بنص الآیت جنب کا روزہ صحیح ہو جائے گا۔

(۳) بعض علماء نے دونوں روایتوں میں جمع کیا ہے، یوں فرماتے ہیں کہ اصل میں ابو ہریرہؓ کی حدیث ایسے شخص کے بارے میں ہے جو جماع میں مشغول رہے اور طلوع فجر ہو جائے اور وہ اخراج نہ کرے کیوں کہ حدیث کے الفاظ ہیں وَمَنْ أَدْرَكَهُ الْفَجْرُ جُنُبًا فَلَا يَصُمْ يا فَلْيُفْطِرْ، تو مطلب یہ ہے کہ مَنْ أَدْرَكَهُ الْفَجْرُ وهو مشغول فی عمل الجنابة فَلَا يَصُمْ، تو یہ جو اس حال میں مجامع ہے اور جماع پایا گیا بعد الطلوع تو اس کا روزہ ہوا ہی نہیں اس لئے ایسے شخص کو بہر حال قضاء کرنی پڑے گی۔

(۴) بعض علماء نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اصل میں دو صورتیں ہیں، ایک بیان جواز اور ایک افضلیت، حدیثِ ام سلمہؓ وعائشہؓ تو بیان جواز پر محمول ہے اور حدیثِ ابو ہریرہؓ افضیلت پر محمول ہے۔

(۵) پانچواں جواب سنو! بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اصل میں تھا من أدرکه الفجر وهو جنب فلایفطر روایت میں راوی کو غلطی ہو گئی اس نے کہہ دیا فلیفطر، لیکن یہ جواب غلط ہے اس لئے کہ اس طرح تو بہت سی روایات سے اعتماد ہی اٹھ جائے گا، ہر شخص یہ کہہ سکے گا کہ یہاں تھا فلایفطر اور بن گیا فلیفطر، یہاں تھا فلایفعل اور بن گیا فلیفعل، یہاں تھا فلیفعل اور بن گیا فلایفعل، ہر آدمی اس طرح کی توجیہات کرتا رہے گا اور روایات سے بالکل اعتماد جاتا رہے گا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بحالت جنابت اگر صبح ہو گئی تو روزہ صحیح نہیں ہو گا وہ ام سلمہؓ وعائشہؓ کی روایت کو

خصوصیت پر محمول کرتے ہیں، جمہور علماء کہتے ہیں کہ خصوصیت محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتی اور ابوہریرہؓ کی روایت تنہا اثباتِ خصوصیت کے لئے کافی نہیں اس لئے کہ اوّلاً تو اس میں اختلاف ہے رفعاً ووقفاً کا اور اگر اس کو مرفوع مان لیا جائے تو پھر وہ حدیث محتمل ہے اور منسوخ ہے یا مؤول ہے۔

أَنَّ عَائِشَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتَاهُ: حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح اور متواتر ہے یعنی اس کا مضمون متواتر ہے۔

وَقَالَ مَرْوَانُ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ: مروان نے عبدالرحمن بن حارث سے کہا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ تم اس سے ابوہریرہؓ کو گھبراؤ جا کر، اور حاشیہ کی روایت ہے لَتُقَرِّعَنَّ بِهَا أَبَا هُرَيْرَةَ اس کے ذریعہ ابوہریرہؓ کو کھڑکھڑاؤ جا کر، یعنی ابوہریرہؓ فتویٰ یہ دیتے ہیں مَنْ أَدْرَكَهُ الْفَجْرُ وَهُوَ جُنُبٌ فَلْيُفْطِرْ اور یہ حدیث ان کے فتویٰ کے خلاف ہے لہٰذا ذرا ان کا کان کھٹکھٹاؤ کہ یہ تم کیا فتویٰ دے رہے ہو؟

وَمَرْوَانُ يَوْمَئِذٍ عَلَى الْمَدِينَةِ: اور مروان ان ایام میں مدینہ کا گورنر تھا، ابوبکر بن عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات پسند نہیں کی، وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ ابوہریرہؓ کے تلمیذ تھے، اب استاذ کے سامنے جا کر یوں خواہ مخواہ تردیدی کلام پیش کرے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن اتفاقاً ذوالحلیفہ میں جمع ہوگئے وہاں ابوہریرہؓ کی کاشت ہوتی تھی، حضرت عبدالرحمن نے حضرت ابوہریرہؓ سے کہا کہ ایک بات میں آپ سے کہتا ہوں اگر مروان نے قسم نہ دلائی ہوتی تو میں نہ ذکر کرتا، اور اس کے بعد حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا قول ذکر کیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا كَذَلِكَ حَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ، وَهُوَ أَعْلَمُ یعنی میں نے یہ روایت براہ راست حضور ﷺ سے سنی نہیں حضرت فضل بن عباسؓ سے سنی ہے وہ اپنی روایت کو زیادہ جانتے ہیں۔

وَهُوَ أَعْلَمُ اسی طرح سے ہمارے یہاں متن میں واقع ہوا ہے لیکن نسفی کی روایت میں ہے وَهُنَّ أَعْلَمُ، اس صورت میں مراد ازواج مطہرات ہیں اور اسی طرح طحاوی کی روایت میں واقع ہوا ہے، مسلم کی روایت میں ہے فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَهُمَا قَالَتَاهُ لَكَ؟ قال نعم، قَالَ هُمَا أَعْلَمُ، کیا ان دونوں نے تم سے یہ بات کہی ہے یعنی ام سلمہؓ وعائشہؓ نے؟ اس پر عبدالرحمن نے فرمایا کہ ہاں، تو فرمایا هُمَا أَعْلَمُ یہ دونوں مسئلہ سے زیادہ واقف ہیں اس لئے کہ حضور ﷺ کی ازواج ہیں۔

مصنف کے نزدیک جو راجح تھا پہلے اس کو ذکر کر کے اس کی دلیل پیش کر دی، اب جو اس کے معارض روایت ہے اس کو بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں وَقَالَ هَمَّامٌ وَابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْمُرُ بِالْفِطْرِ وَالْأَوَّلُ أَسْنَدُ، ہمام کی روایت امام احمد اور ابن حبان نے؛ اور ابن عبد اللہ کی روایت عبد الرزاق نے موصولاً تخریج کی ہے، چونکہ ابو ہریرۃؓ کی یہ روایت پہلی روایت کے جو حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے نقل ہوئی ہے معارض ہے اس لئے امام بخاری اپنے انداز پر فیصلہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں وَالْأَوَّلُ أَسْنَدُ، یعنی ام سلمہؓ وعائشہؓ کی روایت سند کے اعتبار سے ابو ہریرۃؓ کی اِس روایت سے اقویٰ وارجح ہے، گویا بخاری نے ان دونوں متعارض روایات میں مسلک ترجیح اختیار کیا ہے۔

میں نے اب تک جو جوابات دیئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ان روایات میں کئی مسلک ہیں، (۱) اول مسلکِ ترجیح جو بخاری نے اختیار کیا ہے اور یہی امام شافعی نے اختلاف الحدیث میں ذکر کیا ہے، (۲) دوسرا مسلکِ نسخ ہے جو ابن خزیمہ، ابن حبان، طحاوی، خطابی اور ابن منذر نے اختیار کیا ہے، (۳) تیسرا مسلکِ تاویل ہے یہ امام شافعی سے منقول ہے أي من أدركه الفجر وهو مدخل ذكره في فرج امرأته، (۴) چوتھا مسلکِ جمع ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ روایتِ ابو ہریرۃؓ اولویت پر محمول ہے اور حضرت عائشہؓ وام سلمہؓ کی روایت اباحت واجازت پر محمول ہے۔

(ص ۲۵۸) بَابُ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ

وقالت عائشة: يحرم عليه فرجها.

۱۹۲۷ . حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِإِرْبِهِ.

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِرْبٌ حَاجَةٌ، قَالَ طَاوُسٌ: ﴿غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ﴾ الْأَحْمَقُ لَا حَاجَةَ لَهُ فِي النِّسَاءِ.

ترجمہ: باب، روزہ دار کے لئے (بیوی سے) مباشرت کرنے یعنی ساتھ لیٹنے کا حکم۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ روزہ دار پر عورت کی شرم گاہ حرام ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ روزہ کی حالت میں بوس وکنار کر لیتے تھے اور ایک بستر پر لیٹ جاتے تھے؛ لیکن وہ اپنی حاجت پر تم سب سے زیادہ قابو رکھتے تھے، اسود کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ سورۂ طہ میں جو مآرِب

آیا ہے اس کے معنی حاجت کے ہیں، طاؤس نے کہا کہ سورۂ نور میں جو أولي الإربة آیا ہے اس سے وہ کم عقل مراد ہے جس کو عورتوں میں رغبت نہ ہو۔

تشریح: مباشرت کے معنی ہیں ملامست کے اور مراد یہ ہے کہ فرج کے علاوہ مرد اپنی عورت کے سارے بدن سے مس کر سکتا ہے اس میں قبلہ بھی داخل ہے اور اس میں فرج کو چھوڑ کر ذکر کا باقی بدن سے انتفاع حاصل کرنا بھی داخل ہے۔

فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ مباشرت اور قبلہ وغیرہ میں اگر امن نہ ہو تو مکروہ ہے اور اگر امن ہو تو مباح ہے لیکن انہوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ مباشرت فاحشہ میں بھی یہی تفصیل ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مباشرت فاحشہ ہر حال میں مکروہ ہے چاہے امن ہو وقوع فی الجماع سے اور چاہے نہ ہو، اور مباشرت فاحشہ یہ ہے أن یتجرّدان ویلزق فرج أحدھما بفرج الآخر لا حائل بینھما اس لئے کہ یہ حالت ایسی ہے کہ اس میں آدمی جماع سے بچ نہیں سکتا ہے، اسی طرح ہمارے یہاں قبلۂ فاحشہ بھی بہرحال مکروہ ہے قبلۂ فاحشہ یہ ہے أَنْ یَمْضَغَ شَفَتَیْهَا۔

وَقَالَتْ عَائِشَةُ یَحْرُمُ عَلَیْهِ فَرْجُهَا: معلوم ہوا کہ باقی دیگر بدن سے لذت حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وَ کَانَ أَمْلَکَکُمْ لِإِرْبِهٖ: أِرْب ہمزہ کے کسرہ اور راء کے سکون کے ساتھ اور أَرَب بفتح الراء و بفتح الھمزۃ دونوں طرح مروی ہے، پہلا مشترک ہے حاجت اور عضو کے معنی میں اور دوسرا صرف حاجت کے معنی میں آتا ہے۔

یہ جو ہم نے نقل کیا ہے کہ لفظ أِرْب بکسرۃ الھمزۃ وسکون الراء مشترک بمعنی الحاجۃ والعضو ہے اور أَرَب بمعنی الحاجۃ ہے اسی طرح تمام اصحاب لغت علامہ ابن اثیر جزری، صاحب قاموس، علامہ سیوطی اور دیگر حضرات نے تصریح کی ہے، امام نووی نے شرح مسلم میں اس کا عکس نقل کر دیا ہے یہ وہم ہے۔

حضرت عائشہؓ کے ارشاد مبارک کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنے اوپر پورا قابو اور کنٹرول حاصل تھا اور آنحضور ﷺ مباشرت و تقبیل کرتے تھے لہذا تم کو یہ چاہئے کہ تم آنحضور ﷺ کی ریس نہ کرو، ان کو قابو

تھا وہ حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے اور تمہیں اپنے اوپر کوئی اطمینان نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ تم تھوڑی سی مباشرت کرو، ہاتھ منھ پر پھیرو، پستان پر پھیرو اور پھر اس سے آگے پہنچ جاؤ اس لئے تمہیں احتیاط ہی کرنی چاہئے یہی اس کا راجح مطلب ہے۔

(ص ۲۵۸) بَابُ الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

وقال جابر بن زيد: إن نظر فأمنى يتمّ صومه.

۱۹۲۸. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى ثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ وَهُوَ صَائِمٌ، ثُمَّ ضَحِكَتْ.

۱۹۲۹. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ ثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّهَا قَالَتْ: بَيْنَمَا أَنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْخَمِيلَةِ إِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حِيضَتِي فَقَالَ: مَا لَكِ أَنُفِسْتِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ فَدَخَلْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ وَكَانَتْ هِيَ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَكَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ.

ترجمہ: باب، روزہ دار کے بوسہ لینے کا حکم۔

حضرت جابرؒ نے فرمایا کہ اگر دیکھنے سے انزال ہو گیا تو روزہ مکمل کرے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ روزہ دار ہونے کی حالت میں بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے، یہ بیان کرنے کے بعد حضرت عائشہؓ ہنس دیں۔

حضرت ام سلمہؓ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک چادر میں تھی کہ مجھے حیض آگیا تو میں چادر سے نکل گئی اور میں نے اپنے حیض کے کپڑے لئے، آپ نے فرمایا کہ تم کو کیا ہوا؟ کیا تمہیں حیض آگیا؟ میں نے کہا کہ جی ہاں، پھر میں آپ کے ساتھ اس چادر میں داخل ہوئیں، حضرت ام سلمہؓ اور حضور ﷺ ایک برتن سے غسل فرماتے تھے اور آپ روزہ کی حالت میں ان کا بوسہ لیتے تھے۔

تشریح: قبلۂ صائم میں اختلاف ہے، (۱) ابو ہریرہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور سعید بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ

مباح ہے، (۲) ابو محمد بن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ سنت حسنہ ہے، (۳) ابن شبرمہ اور محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں کہ حرام ہے اور مفسد صوم ہے، (۴) امام مالک اور امام احمد مشہور قول میں فرماتے ہیں کہ مطلقاً مکروہ ہے، (۵) امام ابو حنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کی شہوت متحرک رہتی ہو تو مکروہ ہے ورنہ مباح ہے، یہی امام مالک اور امام احمد کا ایک ایک قول ہے۔

امام بخاری کی رائے اس مسئلہ میں جواز کی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ فریق اوّل کا مسلک ہے۔

جو لوگ تفصیل کے قائل ہیں انہوں نے ابو داؤد شریف کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ ایک صحابی آئے اور حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بحالت صوم تقبیل کی اجازت مانگی تو آپ نے منع فرمادیا، دوسرے صحابی آئے اور انہوں نے اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دے دی، صحابۂ کرام نے بعد میں باوجود سوال کے اتحاد کے؛ جواب کے اختلاف کی وجہ دریافت کی تو آنحضور ﷺ نے علت بیان فرمائی کہ جس کو منع کیا گیا وہ شاب تھا اور جس کو اجازت دی گئی وہ شیخ تھا، معلوم ہوا کہ اگر کسی کو شہوت کا خوف وخطر ہو تو اس کو تو بچنا چاہئے اور اگر کسی کو ایسی حالت حاصل نہ ہو تو اس کے لئے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

إِنْ نَظَرَ فَأَمْنَى يِتِمّ صَوْمَهُ: اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کی تقبیل کی اور منی نکل آئی تو بالاجماع اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا کذا قالہ ابن قدامۃ، لیکن ابن حزم کہتے ہیں لایفطر، اور اگر کسی کو مذی خارج ہو گئی تو حنفیہ اور امام شافعی کے یہاں روزہ فاسد نہیں ہو گا، مالک اور احمد کے یہاں روزہ فاسد ہو جائے گا۔

نظر الی الفرج کا مسئلہ: اور اگر کسی آدمی نے اپنی عورت کی شرم گاہ کی طرف نظر کی اور منی خارج ہو گئی تو جابر بن زید ابو الشعثاء فقیہ بصری کہتے ہیں کہ اپنا روزہ پورا کرلے، در مختار میں لکھا ہوا ہے کہ اگر بار بار اپنی بیوی کی شرمگاہ کو دیکھا تو اس کی وجہ سے روزہ فاسد نہیں ہو گا اگرچہ انزال ہو جائے، یہی حضرت امام شافعی کا مسلک ہے، امام مالک واحمد فرماتے ہیں کہ نظر الی الفرج کی صورت میں اگر انزال ہو گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر مذی خارج ہو گئی تو جمہور کے یہاں فاسد نہیں ہو گا، امام مالک کے یہاں اس صورت میں بھی فاسد ہو جائے گا۔

ثُمَّ ضَحِكَتْ: اس سے اشارہ مقصود تھا کہ وہ خود صاحبۃ الواقعہ ہیں، یا یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی نظر عنایت یاد آگئی اور اس کی لذت پر ہنس پڑی، یا یہ کہ خجالت کی وجہ سے ہنسی، کئی احتمالات ہیں۔

بَيْنَمَا أَنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فِي الْخَمِيلَةِ: میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک اونی چادر میں لیٹی تھیں، اچانک مجھے حیض آ گیا میں ایک طرف کو نکل گئی اور میں نے اپنے حیض کے کپڑے لے لئے۔

حِيْضَتِي، حاء کے کسرہ کے ساتھ مراد حالت حیض ہے یعنی حیض کی حالت میں جو کپڑے کرسف وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں وہ لے لے، اور اگر حَيْضَتِي ہو تو بھی معنی صحیح ہے حیض کے مخصوص کپڑے مراد ہوں گے۔

فَقَالَ مَالَكِ أَنَفِسْتِ: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم چادر سے نکل گئی؟ أَنَفِسْتِ کیا تم کو حیض آ گیا؟ أَنَفِسْتِ میں نون مفتوح ہے اور فاء مکسور ہے حِضْتِ کے معنی میں ہے، کیوں کہ اگر یہ أُنْفِسْتِ پڑھا جائے نون کے ضمہ کے ساتھ تو یہ نفاس کے لئے استعمال ہوتا ہے، میں نے عرض کیا کہ ہاں اور حضور ﷺ کے ساتھ چادر میں داخل ہو گئی، اور دونوں ایک برتن سے غسل کرتے تھے اور رسول پاک ﷺ بحالت صوم ان کی تقبیل فرماتے تھے۔

(ص ۲۵۸) بَابُ اغْتِسَالِ الصَّائِمِ

وبلّ ابن عمر ثوبا فألقي عليه وهو صائم. ودخل الشعبي الحمام وهو صائم. وقال ابن عباس: لا بأس أن يتطعّم القدر أو الشيء. وقال الحسن: لا بأس بالمضمضة والتبرّد للصائم. وقال ابن مسعود: إذا كان صوم أحدكم فليصبح دهينا مترجّلا. وقال أنس: إن لي أبزن أتقحّم فيه وأنا صائم. وكان ابن عمر يستاك أول النهار وآخره. وقال ابن سيرين: لا بأس بالسواك الرطب، قيل: له طعم، قال: والماء له طعم وأنت تمضمض به؟ ولم ير أنس والحسن وإبراهيم بالكحل للصائم بأسا.

١٩٣٠. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ ثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَأَبِي بَكْرٍ قَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِي رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ حُلُمٍ فَيَغْتَسِلُ وَيَصُومُ.

١٩٣١. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ثَنِي مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: كُنْتُ أَنَا وَأَبِي فَذَهَبْتُ مَعَهُ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ قَالَتْ: أَشْهَدُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ إِنْ كَانَ لَيُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ جِمَاعٍ غَيْرِ احْتِلَامٍ ثُمَّ يَصُومُهُ.

۱۹۳۲. ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ مِثْلَ ذَلِكَ.

قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ: إِذَا أَفْطَرَ يُكَفِّرُ مِثْلَ الْمُجَامِعِ قَالَ: لَا، أَلَا تَرَى الْأَحَادِيثَ "لَمْ يَقْضِهِ وَإِنْ صَامَ الدَّهْرَ".

ترجمہ: باب، روزہ دار کے غسل کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ نے ایک کپڑے کو تر کیا اور اسے اپنے اوپر ڈالا جب کہ وہ روزہ دار تھے۔

امام شعبی روزہ دار ہونے کی حالت میں حمام میں داخل ہوئے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (روزہ دار کو) ہانڈی یا اور کوئی چیز چکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت حسن نے فرمایا کہ روزہ دار کو کلی کرنے اور ٹھنڈک حاصل کرنے میں حرج نہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو اس کو چاہئے کہ صبح اس حال میں کرے کہ سر میں تیل لگائے ہوئے ہو اور بالوں میں کنگھی کئے ہوئے ہو۔

حضرت انسؓ نے بیان فرمایا کہ میرے پاس پتھر کا برتن ہے، میں روزہ کی حالت میں اس میں داخل ہوتا ہوں۔

حضرت ابن عمرؓ (روزہ کی حالت میں) دن کے شروع میں اور دن کے آخر میں بھی مسواک کرتے تھے۔

ابن سیرین نے کہا کہ تر مسواک کرنے میں مضائقہ نہیں، ان سے عرض کیا گیا کہ اس میں ذائقہ ہوتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ذائقہ تو پانی میں بھی ہوتا ہے حالانکہ تم اس سے کلی کرتے ہو۔

حضرت انسؓ، حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے روزہ دار کے لئے سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ کو رمضان میں فجر کا وقت ایسی حالت میں ہو جاتا تھا کہ آپ احتلام کے علاوہ دیگر سبب سے جنبی ہوتے تھے تو آپ غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔

ابو بکر بن عبد الرحمنؒ نے بیان کیا کہ میں اور میرے والد ایک ساتھ تھے تو میں ان کے ہمراہ گیا یہاں تک کہ جب ہم حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں گواہی دیتی ہوں کہ ان کو جماع کی وجہ سے نہ کہ احتلام کی وجہ سے جنبی ہونے کی حالت میں صبح ہو جاتی تھی، پھر وہ اس دن روزہ رکھتے تھے۔

پھر ہم حضرت ام سلمہؓ کے یہاں گئے انہوں نے بھی اسی کے مثل بیان کیا، ابو جعفر کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے دریافت کیا کہ اگر کوئی روزہ توڑ دے تو کیا وہ جماع کرنے والے کی طرح کفارہ ادا کرے گا؟ امام بخاری نے فرمایا کہ نہیں، کیا تم وہ احادیث نہیں دیکھتے جن میں یہ آیا ہے کہ فوت شدہ روزے کی قضاء نہیں ہو سکتی؛ اگرچہ وہ ہمیشہ روزہ رکھے۔

تشریح: بحالتِ روزہ جمہور علماء کے یہاں غسل کرنے میں تو کوئی اشکال نہیں ہے، البتہ حضرات

احناف سے اس مسئلہ میں کراہت نقل کی گئی ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی روزہ میں غسل کرتا ہے اس طور پر کہ اس سے ظاہر ہو کہ اس کو روزہ شاق گزر رہا ہے تو یہ مکروہ ہے، ویسے حنفیہ کا مفتی بہ قول امام ابو یوسف کا مسلک ہے اور وہ یہ ہے کہ روزہ میں غسل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور خواہ مخواہ کے واسطے یہ ظاہر کرنا کہ روزہ مجھ کو شاق ہو رہا ہے یہ کیا ضروری ہے؟ تبرد کے لئے غسل کرنے میں کیا حرج کی بات ہے، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایسے حضرات پر رد کیا ہے اور ان لوگوں کی تائید کی ہے جو اغتسال صائم میں کوئی کراہت محسوس نہیں فرماتے ہیں۔

امام بخاری نے اس باب میں نو آثار ذکر کئے ہیں سب کی تشریح سنئے۔

(۱) وَبَلَّ ابْنُ عُمَرَ ثَوْبًا فَأَلْقَاهُ عَلَيْهِ وَهُوَ صَائِمٌ: حضرت ابن عمرؓ کا یہ اثر امام بخاری نے اپنی تاریخ میں موصولاً روایت کیا ہے۔

(۲) وَدَخَلَ الشَّعْبِيُّ الْحَمَّامَ وَهُوَ صَائِمٌ: شعبی حمام میں بحالتِ صوم داخل ہوئے۔

(۳) وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَا بَأْسَ أَنْ يَتَطَعَّمَ الْقِدْرَ أَوِ الشَّيْءَ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ روزہ کی حالت میں ہانڈی کے چکھنے اور کسی چیز کے چکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

روزہ کی حالت میں کوئی چیز کھائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ حنفیہ اور ابن عقیل فرماتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ورنہ مکروہ ہے، حضرات شافعیہ فرماتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ آدمی اجتناب کرے، امام احمد بھی اسی بات کے قائل ہیں فرماتے ہیں أحب أن يجتنب ذوق شيئ فان فعل فلا يضره۔

اور اگر کسی آدمی نے کوئی چیز چکھی اتفاق سے حلق میں اس کا کچھ اثر محسوس ہوا تو کیا ہوگا؟ حنفیہ نے صاف تصریح کی ہے کہ ایسے شخص کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔

(۴) وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ بِالْمَضْمَضَةِ وَالتَّبَرُّدِ لِلصَّائِمِ: صائم کے لئے کلی کرنے اور ٹھنڈک حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۵) وقال ابن مسعود: إِذَا كَانَ صَوْمُ أَحَدِكُمْ فَلْيُصْبِحْ دَهِينًا مُتَرَجِّلًا: اگر کوئی آدمی روزہ دار ہو تو اس حال میں صبح کرے کہ تیل لگا ہوا ہو بدن پر اور کنگھا کئے ہوئے ہو تاکہ لوگوں کو یہ نہ پتہ چلنے پائے کہ

جناب روزہ دار ہیں۔

(۶) وَقَالَ أَنَس: إِنَّ لِي أَبْزَنَ أَتَقَحَّمُ فِيهِ وَأَنَا صَائِمٌ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میرے ایک ٹب ہے جس میں میں گھستا ہوں اور میں روزہ دار ہوتا ہوں۔

أبزن ہمزہ پر تینوں حرکات نقل کی گئی ہیں، یہ آب زن فارسی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ٹب کے جس کے ذریعہ سے پانی نکال کر چھڑکا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ غسل صائم میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۷) وَ كَانَ ابنُ عُمَرَ يَسْتَاكُ أَوَّلَ النَّهَارِ وَ آخِرَهُ: حضرت ابن عمرؓ دن کی ابتداء اور انتہاء میں مسواک کرتے تھے، یہ اثر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے، اسی کو شافعیہ میں سے ابوشامہ بن عبد السلام اور امام نووی نے اختیار کیا ہے اور ترمذی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے، لیکن امام شافعی کا مشہور قول یہ ہے کہ زوال کے بعد مسواک مکروہ ہے۔

(۸) وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: لَا بَأْسَ بِالسِّوَاكِ الرَّطْبِ: حضرت ابن سیرین نے فرمایا کہ تر مسواک میں کوئی مضائقہ نہیں، ان سے کہا گیا کہ اس میں تو لذت ہوتی ہے فرمانے لگے کہ پانی میں بھی تو لذت ہوتی ہے حالانکہ تم اس سے کلی کرتے ہو، جب کلی کرنے کے وقت پانی کی لذت مضر نہیں تو مسواک کرتے ہوئے اس کی لذت مضر کیوں کر ہو سکتی ہے۔

(۹) وَلَمْ يَرَ أَنَس وَالْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ بِالْكُحْلِ لِلصَّائِمِ بَأْسًا: حضرت انسؓ، حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے صائم کو سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا ہے، صائم بحالتِ صوم سرمہ لگا سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت امام ابو حنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ بلا کراہت لگا سکتا ہے اور حلق میں اگر کچھ محسوس ہو تو روزہ فاسد نہیں ہو گا، امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے اور اگر حلق میں کچھ محسوس ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس مسئلہ میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں، ابوداؤد میں کحل کے بارے میں وارد ہوا ہے لِيَتَّقِهِ الصَّائِمُ اور ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں سرمہ لگا سکتے ہیں، دونوں باب کی روایات سب مجروح ہی مجروح ہیں البتہ حافظ ابن حجر نے تلخیص الجبیر میں بحوالہ شعب الایمان للبیہقی ابن عباسؓ سے ایک روایت کحل للصائم کی بسند جید نقل فرمائی ہے یعنی ایسی سند سے نقل کی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن

حجر نے جید ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔

امام بخاری نے اس پورے باب میں جو آثار ذکر فرمائے ہیں ان سب کا مقصود یہ ہے کہ صائم کو غسل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس واسطے کہ جو لوگ صائم کے لئے اغتسال کو مکروہ سمجھتے ہیں ان کے مکروہ سمجھنے کی دو علتیں ہو سکتی ہیں، یا وہ اس خوف کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہیں کہ حلق میں نہ پہنچ جائے تو یہ علت بھی باطل ہے اس لئے کہ صائم کو مضمضہ اور مسواک اور ذوقِ قِدر وغیرہ کی اجازت ہے، یا وہ مکروہ سمجھتے ہیں اس لئے کہ اس میں تنعم کی صورت ہے تو سلف صالح نے ترفّہ اور تجمل کو پسند کیا ہے، کنگھا کرنے کا حکم دیا اور تیل لگانے اور سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے، اس تقریر کے بعد آثارِ باب سب کے سب ترجمۃ الباب سے مطابق ہو جاتے ہیں۔

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُدرِكُهُ الْفَجرُ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کو فجر رمضان میں پاتی تھی بلا احتلام کے، آنحضور ﷺ غسل کرتے اور روزہ رکھتے تھے یعنی آپ کو حالتِ جنابت لاحق ہوتی تھی بسبب جماع کے نہ بسبب احتلام کے۔

قال أبو جعفر سألت أبا عبدالله: یہ عبارت اور یہ قول نسخ مصریہ میں موجود نہیں ہے، اسی طرح سے شراح علامہ کرمانی، حافظ ابن حجر، علامہ عینی، قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری کے نسخوں میں بھی نہیں ہے، اور اولیٰ یہ ہے کہ یہ قول اس باب کے بجائے بَابُ إِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ میں ہونا چاہئے جو تین ابواب کے بعد آرہا ہے۔

بہر حال ابو جعفر وراق بخاری کے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے رمضان شریف میں بالقصد کھاپی کر روزہ افطار کر لیا تو اس پر مجامع کی طرح کفارہ آئے گا یا نہیں؟ امام بخاری نے فرمایا لا، اس پر کفارہ نہیں آئے گا اور دلیل میں یہ پیش کیا کہ احادیث میں یہ وارد ہے من أفطر يومًا من رمضان من غير عذر لم يقضه وإن صام الدهر اگر کوئی آدمی بلا عذر رمضان میں افطار کر دے تو ساری زندگی بھی اگر روزہ رکھے تو یہ کافی نہیں ہوگا، معلوم ہوا کہ ایسے شخص کے ذمہ کفارہ نہیں ہے کیوں کہ کفارہ اس کے اس عذر کا اور اس کی اس غلطی کا مسقط ہوتا تو لم يقضه وإن صام الدهر ارشاد نہ فرمایا جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک کفارہ صرف اس شخص پر واجب ہے جو قصداً جماع کرلے، اور اگر کسی آدمی نے کھاپی کر اپنا روزہ فاسد کر لیا تو اس کے ذمہ امام

بخاری کے نزدیک کفارہ واجب نہیں ہو گا، یہیں سے علامہ ابن بطال اور علامہ ابن منیر کی اس تقریر کا ضعف نکلتا ہے جو انہوں نے بَابُ إِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ کے ذیل میں کی ہے جس کی طرف آگے اشارہ آرہا ہے۔

(ص ۲۵۹) بَابُ الصَّائِمِ إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ نَاسِيًا

وقال عطاء: إن استنثر فدخل الماء في حلقه لا بأس إن لم يملك رده. وقال الحسن: إن دخل حلقه الذباب فلا شيء عليه. وقال الحسن ومجاهد: إن جامع ناسيا فلا شيء عليه.

١٩٣٣. حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ ثَنَا هِشَامٌ ثَنَا ابْنُ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا نَسِيَ فَأَكَلَ وَشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللَّهُ وَسَقَاهُ.

ترجمہ: باب، روزے دار کے بھول کر کھانے یا پینے کا بیان۔

حضرت عطاء نے کہا کہ اگر روزے دار نے ناک میں پانی چڑھایا اور پانی اس کے حلق میں داخل ہو گیا تو اگر وہ اس کے روکنے پر قادر نہیں تھا تو کوئی مضائقہ نہیں، حضرت حسن نے کہا کہ اگر روزہ دار کے حلق میں مکھی داخل ہو جائے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں، حضرت حسن اور مجاہد نے کہا کہ اگر روزہ دار نے بھول کر جماع کیا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب روزہ دار بھول جائے اور کھالے یا پی لے تو وہ اپنا روزہ مکمل کرے کیوں کہ اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔

تشریح: اگر روزہ دار نے بھول کر کھا پی لیا تو کیا حکم ہے؟

حضرات جمہور ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا روزہ باقی ہے فاسد نہیں ہوا، مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اس کا روزہ فاسد ہو گیا، امام بخاری نے اس مسئلہ میں جمہور علماء کی تائید کی ہے اور مالکیہ پر رد کیا ہے کیوں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا إِذَا نَسِيَ فَأَكَلَ وَشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ اگر کوئی بھول کر کھا پی لے تو اپنا روزہ پورا کرے اللہ نے اس کو کھانا کھلایا ہے اور پانی پلایا ہے۔

حضرۃ الاستاذ کے بھول کے دو قصے: عمر بھر میں اس طرح کے دو قصے پیش آئے، ایک مرتبہ نابالغی کے دور میں روزہ کے شوق میں روزہ رکھ لیا، بچے گنّا چوس رہے تھے ہم نے بھی شروع کر دیا اور اس کے بعد جب یاد آیا تو تھو تھو کرنے لگے۔

اور ایک مرتبہ ابھی دو سال پیشتر پندرہویں شعبان کا روزہ رکھا تھا، بس ایک بات پر سخت غصہ آگیا اب اس غصہ میں اتنی تیزی آگئی کہ جس کی کوئی حد نہیں، ایک دوست مل گئے سمجھاتے ہوئے پکڑ کر گھر لے گئے وہاں لے جاکر کہنے لگے کہ میں تمہاری کیا ضیافت کروں؟ یہ لاؤں، وہ لاؤں، خیر! وہ کشمش لائے بادام لائے کچھ کھاتا رہا پیتا رہا کھاتے کھاتے میں نے کہا کہ پانی لاؤ، انہوں نے پانی پلایا پانی پیتا تھا کہ ایک دم یاد آگیا کہ میں تو روزہ سے تھا میں نے کہا کہ بھائی میں تو روزہ سے تھا اس کے بعد اللہ کا شکریہ ادا کیا اس لئے کہ مجھے اس دن تھا بخار، اور روزہ رکھنے کا شوق اس لئے ہوا تھا کہ سب روزہ دار تھے ہم نے سوچا کہ ہم بھی رکھ لیں اور سحری کھائی نہیں تھی بلکہ چائے تک نہیں پی تھی بلکہ ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پیا تھا تو اللہ میاں نے دوپہر کو جب عین پیاس کا وقت آیا پانی پلوادیا بادام کھلوادیئے کشمش کھلوادی، بہت کم ایسا ہوتا ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بڈھا یا بڈھی ہو بہت کھوسٹ اور وہ روزہ رکھے ہوئے ہو اور بھول سے کھانے پینے لگے تو انہیں کچھ کہنا نہیں چاہئے۔

وَقَالَ عَطَاءٌ إِنِ اسْتَنْثَرَ فَدَخَلَ الْمَاءُ فِي حَلْقِهِ لَا بَأْسَ إِنْ لَمْ يَمْلِكْ رَدَّهُ: اگر کسی آدمی نے ناک میں پانی ڈالا اور پانی حلق میں داخل ہو گیا تو کوئی مضائقہ نہیں، وہ تھوڑے اس کے لوٹانے پر قادر تھا۔

اگر استنثار میں پانی حلق میں گھس جائے تو کیا حکم ہے؟ روزہ ٹوٹا یا نہیں؟ امام شافعی و احمد فرماتے ہیں کہ روزہ باقی ہے، ابو حنیفہ اور مالک فرماتے ہیں کہ روزہ ٹوٹ گیا۔

فریق اول نے خطاء کو نسیان کے ساتھ لاحق کیا ہے اور رفع عن أمتي الخطأ و النسيان سے استدلال کیا ہے، حضرات جمہور مالکیہ اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ خطاء اور نسیان میں فرق بالکل کھلا ہوا ہے، نسیان میں آدمی کا ارادہ نہیں ہوتا ہے اور فعل بلا ارادہ صادر ہوتا ہے، اور خطاء میں ارادہ ہوتا ہے لیکن فعل میں غلطی ہو جاتی ہے، تو یہ ظاہر ہے کہ جہاں ارادہ ہو اور جہاں نہ ہو دونوں میں فرق ہونا چاہئے۔

اور میرے نزدیک تو إِنْ لَمْ يَمْلِكْ رَدَّهُ ارجح ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ إِنْ دَخَلَ حَلْقَهُ الذُّبَابُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ: اگر کسی کے حلق میں مکھی داخل ہو گئی تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہی ائمۂ اربعہ اور جمہور کا مسلک ہے، اشہب فرماتے ہیں کہ روزہ کی قضاء کرنی پڑے گی،

مصنف نے یہ مسئلہ یہاں اس لئے ذکر فرمایا تاکہ یہ بتلادیں کہ اصل میں انسان کے قصد اور عدم قصد میں فرق ہے، قصداً کرے تب تو مفسد ہے اور اگر بلا قصد کرتا ہے تو مفسد نہیں، لہذا اگر مکھی کسی کے منھ میں داخل ہو گئی اور حلق میں اتر گئی تو اس کا روزہ بہر حال باقی رہے گا۔

وَقَالَ الْحَسَنُ وَمُجَاهِدٌ إِنْ جَامَعَ نَاسِيًا فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ: حسن و مجاہد کہتے ہیں کہ اگر بھول کر جماع کر لیا تو انسان پر کوئی چیز واجب نہیں۔

یہ مسئلہ ہے مسائل اختلافیہ مشہورہ میں سے کہ اگر بھول کر جماع کر لیا ہے تو آیا کچھ واجب ہو گا یا واجب نہیں ہو گا؟ اور اگر واجب ہو گا تو کیا واجب ہو گا؟ (۱) ابو حنیفہ اور شافعی کہتے ہیں کہ کچھ بھی واجب نہیں ہے، (۲) امام مالک کے اصحاب راجح قول میں فرماتے ہیں کہ صرف قضاء واجب ہے، (۳) ظاہر یہ اور امام احمد فی المشہور فرماتے ہیں کہ کفارہ بھی واجب ہے، (۴) اور امام احمد سے ایک قول توقف کا نقل کیا گیا ہے۔

بخاری اس مسئلہ میں فریق اول کے ساتھ ہیں، مصنف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نسیان اور عمد میں فرق ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ یہ ہشام دستوائی ہیں، ہشام بن ابی عبد اللہ دستوائی، لیکن یہ غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ ہشام بن حسان فردوسی ہیں جیسا کہ صحیح مسلم جلد اول ص ۳۶۴ پر اسی روایت میں تصریح وارد ہوئی ہے۔

فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ: یعنی اگر کوئی آدمی بھول کر کھا پی لے تو اس کے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑا اس لئے کہ اس نے اپنے ارادے سے نہیں کھایا تھا بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے اس پر نسیان ڈال کر اس کو کھلایا پلایا گیا ہے۔

(ص ۲۵۹) بَابُ السِّوَاكِ الرَّطْبِ وَالْيَابِسِ لِلصَّائِمِ

ويذكر عن عامر بن ربيعة قال: رأيت النبي ﷺ يستاك وهو صائم ما لا أحصي أو أعدّ. وقال أبو هريرة عن النبي ﷺ: لولا أن أشقّ على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل وضوء. ويروى نحوه عن جابر وزيد بن خالد عن النبي ﷺ، ولم يخص الصائم من غيره. وقالت عائشة عن النبي ﷺ: السواك مطهرة

للفم مرضاة للرب. وقال عطاء وقتادة: يبتلع ريقه.

١٩٣٤. حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَنَا عَبْدُ اللهِ أَنَا مَعْمَرٌ ثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ حُمْرَانَ رَأَيْتُ عُثْمَانَ تَوَضَّأَ، فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ الْيُسْرَى ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا، ثُمَّ قَالَ: مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوئِي هَذَا ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهُ فِيهِمَا بِشَيْءٍ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: باب، روزے دار کے لئے تازہ اور خشک مسواک کے حکم کا بیان۔

حضرت عامر بن ربیعہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو روزے کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے اتنی بار دیکھا ہے کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میں امت کو مشقت میں ڈالنے والا ہو جاؤں گا تو میں ان کو ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

نبی کریم ﷺ سے اس مضمون کی حدیث حضرت جابرؓ اور زید بن خالدؓ کے واسطے سے بھی مروی ہے، آپ ﷺ نے روزے دار اور غیر روزے دار میں فرق نہیں کیا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسواک منھ کی پاکی کا اور رب کی خوشنودی کا سبب ہے۔

حضرت عطاء اور قتادہ نے فرمایا کہ روزے دار اپنا تھوک نگل سکتا ہے۔

حمران نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا تو اپنے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا، پھر اپنے داہنے ہاتھ کو کہنی تک تین بار دھویا، پھر اپنے بائیں ہاتھ کو کہنی تک تین بار دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے داہنے پاؤں کو تین بار دھویا، پھر بائیں پاؤں کو تین بار دھویا، پھر بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے میرے اس وضو کی طرح وضو فرمایا، پھر ارشاد فرمایا کہ جو میرے اس وضو کی طرح وضو کرے گا اور پھر دو رکعت نماز پڑھے گا جن میں اپنے دل میں کسی طرح کا خیال نہ لائے اللہ اس کے سابقہ گناہ معاف کر دے گا۔

تشریح: امام بخاری نے اس باب میں صائم کے لئے مسواک کرنے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

یہ مسئلہ بہت ہی مختلف الاقوال ہے، میں یہاں پر ائمۂ اربعہ کے مذاہب بیان کروں گا۔

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ ارشاد فرماتے ہیں کہ صائم مطلقاً مسواک کر سکتا ہے رطب ہو یا یابس، قبل الزوال ہو

یا بعد الزوال ہو، یہی حضرت امام احمد بن حنبل سے ایک روایت ہے اور یہی امام ترمذی نے حضرت امام شافعی سے نقل کیا ہے اور اسی کو شافعیہ میں سے شیخ عزالدین بن عبد السلام، ابوشامہ اور امام نووی نے اور ان سے پہلے امام مزنی نے اختیار فرمایا ہے اور یہی اکثر علماء کا مسلک ہے جیسا کہ امام نووی نے نقل کیا ہے۔

(۲) حضرت امام شافعی کا مشہور قول یہ ہے کہ قبل الزوال جائز ہے بعد الزوال جائز نہیں۔

(۳) تیسرا قول حضرت امام مالک کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سواک رطب مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں لذت ومزہ ہوتا ہے اور سواک یابس جائز ہے۔

(۴) امام احمد کی روایت مشہورہ یہ ہے کہ سواک رطب مطلقًا جائز نہیں لا قبل الزوال ولا بعد الزوال، اور سواک یابس جائز ہے قبل الزوال لا بعد الزوال۔

جو لوگ زوال کے بعد مسواک کو مکروہ کہتے ہیں ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ اس سے خلوف فم الصائم دور ہو جاتا ہے، حالانکہ اس کے بارے میں حدیث میں وارد ہے لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ۔

جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی مطلقًا ترغیب دی ہے۔

فرمایا (۱) لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ رواہ البخاری تعلیقًا ووصلہ النسائی ورواہ ابن خزیمۃ بلفظ مع کل وضوء، (۲) اسی طرح عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَسْتَاكُ وَهُوَ صَائِمٌ مَا لَا أُحْصِي أَوْ أَعُدُّ رواہ أحمد وابو داؤد والترمذی، اس حدیث پاک میں قبل الزوال اور بعد الزوال اور سواک رطب ویابس وغیرہ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، (۳) اسی طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں السواک مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ، یہ حدیث امام احمد، نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے موصولًا تخریج کی ہے اور اس میں بھی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے، انہی روایات اور دلائل کی بناء پر امام بخاری نے فریق اوّل کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اسی طرح سے مصنف نے جو بعض آثار بَابُ اغْتِسَالِ الصَّائِمِ میں ذکر کئے ہیں وہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ: اس روایت میں عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ ہے اور ابن خزیمہ

کی روایت میں مع کل وضوء ہے، معیت بہ نسبت عندیت کے اتصال پر زیادہ دلالت کرتی ہے اسی لئے بہت سے احناف نے یوں کہہ دیا کہ مسواک سنن وضوء میں سے ہے، شافعیہ اور حنابلہ اس کو سنن صلوۃ میں سے قرار دیتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا اصل مسلک یہ ہے کہ یہ سنن دین میں سے ہے، اسی لئے احناف کے یہاں جیسے وضو کے وقت مسواک مستحب ہے نماز کے وقت بھی مستحب ہے بشرطیکہ آدمی کو اس سے اطمینان ہو کہ اس کے دانتوں سے مسواک کی وجہ سے خون جاری نہیں ہوگا، البتہ اگر خون وغیرہ نکلنے کا خطرہ ہو تو امر آخر ہے، اسی طرح اصفرار اسنان، تغیر رائحہ، قرأۃ قرآن وغیرہ کے وقت بھی مسواک کرنا مستحبات میں سے ہے۔

وَلَمْ يَخُصَّ الصَّائِمَ مِنْ غَيْرِهِ: یعنی ان روایات میں صائم اور غیر صائم میں کوئی امتیاز نہیں کیا گیا لہذا یہ روایتیں صائم کو بھی شامل ہیں۔

السواك مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ: مسواک منھ کو پاک کرنے والی اللہ کو راضی کرنے والی ہے، اس سے رضاء رب حاصل ہوتی ہے۔

يَبْتَلِعُ رِيقَهُ: یعنی مسواک کرنے کے بعد آدمی اپنا تھوک نگل سکتا ہے، کوئی مضائقہ نہیں۔

ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ: امام بخاری نے اس سے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے اس لئے کہ مضمضہ طعم ماء سے خالی نہیں ہے اور جب طعم ماء مضر نہیں تو مسواک کا طعم بھی مضر نہ ہوگا۔

(ص ۲۵۹) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم إِذَا تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْشِقْ بِمَنْخِرِهِ الْمَاءَ

ولم يميز بين الصائم وغيره. وقال الحسن: لا بأس بالسعوط للصائم إن لم يصل إلى حلقه ويكتحل. وقال عطاء: إن مضمض ثم أفرغ ما في فيه من الماء لا يضيره أن يزدرد ريقه وما بقي في فيه. ولا يمضغ العلك، فإن ازدرد ريق العلك لا أقول: إنه يفطر، ولكنه ينهى عنه.

ترجمہ: باب، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا بیان کہ جب وضو کرے تو استنشاق کرے یعنی اپنے نتھنے اور ناک کے راستے سے پانی چڑھائے، آپ نے روزہ دار اور غیر روزہ دار میں فرق نہیں فرمایا۔

حضرت حسن نے کہا کہ روزہ دار کو ناک سے دوا چڑھانے میں اگر وہ اس کے حلق میں نہ پہنچے تو کوئی حرج نہیں اور وہ سرمہ لگا سکتا ہے، حضرت عطاء نے کہا کہ اگر کلی کی اور جو پانی منھ میں تھا وہ باہر نکال دیا تو اگر اس نے اپنے تھوک کو اور جو پانی اس کے منھ

میں لگارہ گیا ہے اس کو نہ نگلا ہو تو یہ عمل اس کے روزہ کو خراب نہیں کرے گا، اور فرمایا کہ روزہ دار گوند نہ چبائے اور اگر اس نے گوند کے تھوک کو نگل لیا تو میں نہیں کہتا ہوں کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا؛ لیکن اس کو اس سے منع کیا جائے گا۔

تشریح: امام بخاری نے حضور پاک ﷺ کے قول مبارک ہی کو ترجمہ بنا دیا ہے اس لئے کہ یہ اپنے اختصار کے ساتھ بیک وقت دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی ہے اور واضح فی المراد بھی ہے۔

وضو کرتے ہوئے آدمی اپنی ناک کے بانسے سے پانی اوپر کھینچے، امام بخاری آگے فرماتے ہیں وَلَمْ يُمَيِّزْ بَيْنَ الصَّائِمِ وَغَيْرِهِ آنحضور ﷺ نے اس ارشاد مبارک میں صائم اور غیر صائم میں کوئی امتیاز نہیں کیا، معلوم ہوا کہ استنشاق میں صائم اور غیر صائم سب برابر ہیں۔

یہ تو واقعہ ہے کہ نفس استنشاق میں آنحضور ﷺ سے صائم اور غیر صائم میں کوئی تفریق وارد نہیں ہوئی لیکن مبالغہ فی الاستنشاق کے بارے میں تفریق وارد ہوئی ہے، لقیط بن صبرہؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے بَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا أخرجه ابو داؤد والترمذی والنسائی اور قاسم بن اصبغ کی روایت میں اور غالبًا دولابی کی روایت میں وارد ہے بَالِغْ فِي المضمضة و الِاسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کر و الا یہ کہ تم صائم ہو، ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس روایت کی تردید کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔

اچھا اگر کسی آدمی نے مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کیا تو کیا حکم ہے؟ مبالغہ کرنا غیر صائم کے واسطے مستحب ہے بلا اختلاف اور واجب نہیں بلا اختلاف، اب اگر کسی آدمی نے بحالت صوم مبالغہ کر لیا تو اس صورت میں علماء کے تین قول ہیں، شافعیہ کا اصح مذہب یہ ہے کہ مبالغہ اگر کیا اور پانی حلق میں یا دماغ تک پہنچ گیا تو روزہ ٹوٹ گیا، اور اگر مبالغہ نہیں کیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، امام مالک اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر حلق میں پانی پہنچ گیا ہے تو روزہ بہر حال ٹوٹ جائے گا چاہے کوئی مبالغہ کرے یا نہ کرے، یہ اخیر کے دونوں قول حضرت امام شافعی کے مسلک میں بھی دو قول مزید ہیں۔

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مطلقاً مفسد نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے إِذَا تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْشِقْ بِمَنْخِرِهِ الْمَاءَ اور اس میں بعض وقت پانی ناک میں پہنچ جایا ہی کرتا ہے حلق میں اتر جایا ہی کرتا ہے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صائم اور غیر صائم میں فرق ہے وہ لقیط بن صبرہؓ کی روایت کو دلیل بناتے ہیں۔

اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں مفسد ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اصل میں صائم کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ مبالغہ کرنے میں اس کے حلق میں پانی پہنچ جانے کا خطرہ ہے اور حلق میں پانی پہنچ جانا مفسد ہے اس لئے مبالغہ سے منع کیا گیا ہے، اور یہ مفسد امر جیسے مبالغہ کی صورت میں مفسد ہوگا ایسے ہی عدم مبالغہ کی صورت میں بھی، اس واسطے کہ اصل مقصود تو حرمتِ صوم کا بقاء ہے اور جب پانی حلق میں یا دماغ تک پہنچ گیا تو حرمتِ صوم کہاں باقی رہی؟ صوم ٹوٹ گیا اس واسطے اس کے ذمہ قضاء واجب ہوگی، بہر حال ہر فریق کے پاس کسی نہ کسی نوع کی کوئی دلیل ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ لَا بَأْسَ بِالسَّعُوطِ لِلصَّائِمِ: سعوط سین کے فتحہ کے ساتھ وہ دواء کہلاتی ہے جو ناک میں ٹپکائی جاتی ہے، سعوط میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ حلق تک نہ پہنچے، اور کحل بھی کر سکتا ہے، حسن بصری ہی کے مسلک کے امام مالک اور امام شافعی قائل ہیں، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر حلق میں پانی پہنچ گیا تو مفطر اور اگر نہ پہنچے جب بھی سعوط مفطر ہے۔

وَقَالَ عَطَاءٌ إِنْ تَمَضْمَضَ ثُمَّ أَفْرَغَ مَا فِي فِيهِ مِنَ الْمَاءِ: عطاء کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کلی کرنے کے بعد منھ میں بقیہ پانی رہ گیا تو آدمی تھوک نگل سکتا ہے اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

وَلَا يَمْضَغُ الْعِلْكَ فَإِنِ ازْدَرَدَ رِيقَ الْعِلْكِ: اگر کسی آدمی نے منھ میں مصطگی رکھ لی اور اس کا تھوک نگل لیا تو کیا حکم ہے؟ عطاء فرماتے ہیں کہ میں اسے تھوک نگلنے کی اجازت دیتا نہیں لیکن اگر کر لیا تو میں اس کے افطار کا بھی حکم نہیں دیتا، مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اگر مصطگی پگھل گئی ہے تب اس صورت میں روزہ فاسد ہو گیا ورنہ فاسد نہیں ہوا۔

(ص ۲۵۹) بَابُ إِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ

ويذكر عن أبي هريرة رفعه: من أفطر يوما في رمضان من غير عذر ولا مرض لم يقضه صيام الدهر وإن صامه، وبه قال ابن مسعود. وقال سعيد بن المسيب والشعبي وابن جبير وإبراهيم وقتادة وحماد: يقضي

یوما مکانه.

۱۹۳۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ يَزِيدَ بْنَ هَارُونَ أَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ أَخْبَرَهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ بْنِ خُوَيْلِدٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ تَقُولُ: إِنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّهُ احْتَرَقَ، قَالَ: مَالَكَ؟ قَالَ: أَصَبْتُ أَهْلِي فِي رَمَضَانَ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِمِكْتَلٍ يُدْعَى الْعَرَقَ فَقَالَ: أَيْنَ الْمُحْتَرِقُ؟ قَالَ: أَنَا، قَالَ: تَصَدَّقْ بِهٰذَا.

ترجمہ:　　باب،　　رمضان میں جماع کرنے کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس نے عذر اور مرض کے بغیر رمضان کے کسی دن کا روزہ توڑ دیا! اگر وہ ساری عمر روزے رکھے تو بھی وہ اس کی قضاء نہیں کر سکتا، حضرت ابن مسعودؓ بھی اسی کے قائل ہیں، حضرت سعید بن مسیب، شعبی، ابن جبیر، ابراہیم، قتادہ اور حماد نے کہا کہ اس کی جگہ ایک دن قضاء روزہ رکھے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ایک شخص نبی پاک ﷺ کے پاس آیا اور اس نے یہ کہا کہ میں تو جل گیا، آپ نے فرمایا کہ تم کو کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا، تو نبی پاک ﷺ کے پاس ایک تھیلا لایا گیا جس کو عرق کہا جاتا تھا، آپ نے فرمایا کہ وہ جلنے والا شخص کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میں ہوں، تو آپ نے فرمایا کہ اس کو صدقہ کر دو۔

تشریح:　　رمضان میں جماع کر لینا بالاتفاق مفطر صوم ہے اور اگر کوئی شخص عالماً وعامداً جماع کرتا ہے تو اس پر کفارہ واجب ہوگا، یہی ائمۂ اربعہ کا مسلک ہے، لیکن شعبی، نخعی، سعید بن جبیر سب سے منفرد ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں صرف قضاء واجب ہوگی۔

پھر جو لوگ وجوب کفارہ کے قائل ہیں ان میں یہ اختلاف ہے کہ آیا کفارہ کے ساتھ قضاء بھی ہے یا نہیں؟ جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ کفارہ کے ساتھ قضاء بھی واجب ہوگی، حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف کفارہ آئے گا قضاء واجب نہیں ہوگی، امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اگر کفارہ بالصیام دیا ہے تب تو قضاء واجب نہیں ہوگی ساٹھ روزے بہت رکھ لئے، اور اگر اس کے علاوہ کسی اور چیز سے کفارہ دیا ہے تو اس صورت میں قضاء بھی واجب ہوگی۔

میری رائے پر امام بخاری اس مسئلہ میں اس بات کے قائل ہیں جو امام شافعی سے میں نے نقل کیا کہ کفارہ آئے گا قضاء نہیں، یہ امام شافعی کی ایک روایت ہے اور جمہور کے ساتھ بھی ان کی دوسری روایت ہے۔

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ: مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِهِ صِيَامُ الدَّهْرِ وَإِنْ صَامَهُ: ابوہریرہؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جو آدمی ایک دن بھی افطار کرلے بلا عذر اور بیماری کے تو زندگی بھر کا روزہ بھی کفایت نہ کرے گا اگرچہ روزہ رکھتا ہی رہے۔

یہ روایت امام احمد بن حنبل، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور دارقطنی نے موصولاً تخریج کی ہے اور ابن خزیمہ نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

امام بخاری نے اس روایت کو ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر کسی آدمی نے رمضان میں کھانا کھالیا یا پانی پی لیا تو اس کی وجہ سے اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا کیوں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے لَمْ يَقْضِهِ صِيَامُ الدَّهْرِ وَإِنْ صَامَهُ، رہ گیا قضاء کا مسئلہ تو اس کے بارے میں امام بخاری کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس پر قضاء آئے گی، فرماتے ہیں وَبِهِ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ وَالشَّعْبِيُّ وَابْنُ جُبَيْرٍ وَإِبْرَاهِيمُ وَقَتَادَةُ وَحَمَّادٌ يَقْضِي يَوْمًا مَكَانَهُ ایک دن وہ قضاء کردے۔

اکل و شرب سے قضاء و کفارہ: آدمی اگر کھاپی کر روزہ افطار کردے تو آیا اس پر صرف قضاء واجب ہوگی یا کفارہ بھی واجب ہوگا؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، حضرت امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کے ذمہ قضاء واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا، امام ابوحنیفہ اور امام مالک ارشاد فرماتے ہیں کہ اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا جیسے قضاء واجب ہوگی۔

امام بخاری کی رائے کیا ہے؟ حضرت علامہ ابن بطال اور علامہ ابن منیر کا خیال یہ ہے کہ امام بخاری اس مسئلہ میں مالک وابوحنیفہ کے ہم خیال ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ جیسے مجامع پر کفارہ واجب ہوتا ہے ایسے ہی اکل و شرب کے ذریعہ افطار کردینے پر بھی کفارہ واجب ہوگا، اسی لئے امام بخاری نے یہاں پر اکل و شرب والی روایت ذکر فرمائی ہے مگر عمداً جرم کا جو گناہ ہے وہ تو ساری عمر کے روزوں سے بھی زائل نہیں ہوگا اس کے لئے بہرحال توبہ ضروری ہوگی۔

ابن منیر ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اصل میں افطار بالاکل والشرب کو یہاں ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ افطار بالاکل والشرب افطار بالجماع کے ہم معنی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ بخاری افطار بالجماع میں کفارہ کے تو قائل ہیں اور جو آثار ذکر کئے ہیں اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قضاء کا مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ اس پر قضاء بھی آئے گی یا نہیں؟

رہ گیا افطار بالاکل والشرب اس کے بارے میں حافظ ابن حجر ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ حدیث ثابت نہیں ہے، اور اگر ثابت ہو جائے تو ان لوگوں کے قول کی تائید کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس پر کفارہ نہیں آئے گا، خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری حافظ کی رائے پر شافعی واحمد کے ہم خیال ہیں کہ قضاء واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

مگر میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری بالکل ہی سب سے الگ رائے رکھتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ مجامع پر کفارہ ہے قضاء نہیں، اور جو آدمی کھاپی کر روزہ توڑ دے اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ امام بخاری نے مجامع کے سلسلہ میں جو دلیل پیش کی ہے اس میں صرف کفارہ کا ذکر ہے قضاء کا نہیں، اور اکل وشرب کے بارے میں مصنف نے ایک مرفوع روایت اور دو آثار ذکر کئے ہیں، مرفوع روایت یہ ہے لَمْ یَقْضِهِ صِیَامُ الدَّهْرِ وَإِنْ صَامَهُ اس سے معلوم ہوا کہ کفارہ نہیں، اور اسی کے ہم معنی ابن مسعودؓ کا موقوف اثر ذکر کیا ہے، اس کے بعد سعید وغیرہ کے آثار ذکر کئے ہیں یَقْضِي یَوْمًا مَکَانَهُ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ صرف قضاء آئے گی کفارہ نہیں آئے گا۔

خلاصہ یہ نکلا کہ اس باب کی غرض میں تین قول ہیں۔

(۱) ایک ابن بطال اور ابن منیر کا کہ جیسے مجامع پر کفارہ ہے ایسے ہی آکل وشارب بالقصد پر بھی کفارہ ہے۔

(۲) دوسری غرض حافظ ابن حجر کے نزدیک ہے ان کی رائے میں مجامع پر کفارہ ہے اور قضاء کے اندر اختلاف ہے، اور غیر مجامع کے بارے میں جو روایت وارد ہے حافظ صاحب کہتے ہیں کہ بخاری نے اس کی تضعیف کی ہے اور اگر ثابت ہو تو اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس پر کفارہ نہیں۔

(۳) میری اپنی رائے یہ ہے کہ بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مجامع پر کفارہ ہے قضاء نہیں اور مفطر بالاکل والشرب پر قضاء ہے کفارہ نہیں، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ امام بخاری کا کلام اسی صفحہ کی ابتداء میں گزر گیا ہے وقال أبو جعفر سألت أبا عبد الله إذا أفطر یکفر مثل المجامع؟ قال: لا، ألا تری الأحادیث لم یقضه وإن صام الدهر۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ: یہ حدیث امام بخاری نے یہاں مختصراً ذکر کی ہے، طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ اختصار حضرت عائشہؓ نے کیا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بظاہر اختصار بعض رواۃ کی طرف سے پیش آیا ہے ورنہ یہی حدیث ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں مطولاً ومفصلاً ذکر کی ہے اس میں طعام کا بھی ذکر ہے اور صیام اور عتق کا بھی ذکر ہے۔

(ص ۲۵۹) بَابُ إِذَا جَامَعَ فِي رَمَضَانَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ فَتُصُدِّقَ عَلَيْهِ فَلْيُكَفِّرْ

۱۹۳۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكْتُ، قَالَ: مَا لَكَ؟ قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟ قَالَ: لَا، فَقَالَ: فَهَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَكَثَ النَّبِيُّ ﷺ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذَلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيهَا تَمْرٌ - وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ - قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ؟ فَقَالَ: أَنَا، قَالَ: خُذْ هَذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: أَعَلَى أَفْقَرَ مِنِّي يَا رَسُولَ اللهِ فَوَاللهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا - يُرِيدُ الْحَرَّتَيْنِ - أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ثُمَّ قَالَ: أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ اگر کوئی شخص رمضان میں جماع کرلے اور اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور اس کو صدقہ میں کچھ ملے تو وہ اسی کے ذریعہ کفارہ ادا کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ ہم نبی پاک ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک شخص آپ کے پاس آیا، اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا، آپ نے فرمایا کہ تم کو کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا، حضور ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کوئی غلام ہے جس کو تم آزاد کرسکو؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس کی طاقت رکھتے ہو کہ لگاتار دوماہ کے روزے رکھو؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں، راوی کا بیان ہے کہ پھر نبی کریم ﷺ نے توقف فرمایا اور ہم اسی حالت میں تھے کہ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں ایک عرق یعنی بڑا تھیلا لایا گیا جس میں کھجور تھی، عرق مکتل کو کہتے ہیں، آپ نے دریافت کیا کہ سائل کہاں ہے؟ تو اس شخص نے کہا کہ سائل میں ہوں، آپ نے فرمایا کہ اس کو لو اور صدقہ کردو، اس شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! کیا اپنے سے زیادہ مفلس پر صدقہ کردوں؟ اللہ کی قسم مدینہ منورہ کے دونوں سیاہ پتھریلے علاقوں کے

درمیان کسی گھر کے لوگ بھی میرے اہل خانہ سے زیادہ مفلس نہیں ہیں تو نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اتنا ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک نظر آئے پھر فرمایا کہ یہ کھجور اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی آدمی مُعسر ہو تو آیا یہ اعسار مُسقطِ کفارہ ہے یا نہیں؟ مسئلہ ہے مختلف فیہا، امام ابو حنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اعسار مُسقطِ کفارہ نہیں ہے یہی امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعی کا ایک قول ہے، امام نووی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں وھو المختار، دوسرا قول یہ ہے کہ اعسار کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو جائے گا، یہی حضرت امام احمد کی دوسری روایت ہے جو ان کے اصحاب کے یہاں مختار ہے، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے قول اوّل کی تائید کی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ محض اعسار کی وجہ سے کفارہ ساقط نہیں ہو گا۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ اعسار مُسقطِ کفارہ ہے وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے جب وہ شخص آئے اور آپ نے ان سے کفارہ کے لئے فرمایا اور وہ معذور ظاہر ہوئے اور ایک آدمی کچھ کھجور لیکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو تم لے لو اور کفارہ دے دو۔

مگر انہوں نے کہا فَوَ اللهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا يُرِيدُ الْحَرَّتَيْنِ أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہنس پڑے حتی کہ انیاب شریفہ ظاہر ہو گئے اور کہا أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ اپنے گھر والوں کو تم کھلا دو۔

اگر مُعسر سے کفارہ ساقط نہ ہوتا تو آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس مجامع شخص کو اپنے گھر والوں کو کھلانے کا امر کیوں ارشاد فرماتے؟ مالکیہ میں سے عیسیٰ بن دینار بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں اور اوزاعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ کفارہ کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہے اور اس روایت کے مختلف جوابات دیتے ہیں۔

(۱) ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ یہ اس آدمی کے ساتھ خاص ہے كذا نقله أبو داؤد۔

(۲) بعضوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ روایت ابتداء امر کی ہے بعد میں منسوخ ہو چکی ہے۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نفقہ اس شخص کے ذمہ واجب نہیں تھا، لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ دوسری روایت میں خود یہ تصریح ہے کہ آپ نے خود اس شخص کو بھی

کھانے کا امر فرمایا تھا اور اجازت دی تھی۔

(۴) بعض علماء فرماتے ہیں کہ روایت سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوا کہ مُعسر سے کفارہ مؤخر ہو سکتا ہے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اس سے کفارہ ساقط ہو سکتا ہے؟

إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ: حافظ عبدالغنی نے کتاب المبہمات میں لکھا ہے کہ ان کا نام سلمان یا سلمہ بن صخر بیاضی ہے، لیکن یہ صحیح نہیں اس واسطے کہ ان کا واقعہ تو ظہار کا ہے جو رات میں پیش آیا تھا اور یہ واقعہ دن میں جماع کرنے کا ہے۔

فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ: اس میں تتابع کی قید لگی ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کفارہ کے روزے مسلسل اور تتابع کے طور پر رکھے جائیں گے، یہی ائمۂ اربعہ اور جمہور امت کا مسلک ہے، ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ تتابع کی شرط نہیں، یہ حدیث ان کی تردید کرتی ہے۔

پھر حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے پر قادر ہو؟ انہوں نے اس پر بھی معذرت کا اظہار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے توقف فرمایا۔

اس حدیث میں کفارہ کی ایک خاص ترتیب وارد ہوئی، آپ نے پہلے اعتاق رقبہ کا امر فرمایا۔

رقبہ سے مراد جمہور کے نزدیک رقبۂ مؤمنہ ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک رقبۂ کافرہ بھی کافی ہے اس لئے کہ یہاں مطلق رقبہ کا ذکر ہے، صرف کفارۂ قتل میں قرآن پاک میں مؤمنہ کی قید وارد ہوئی ہے، اب اگر کفارۂ قتل میں مؤمنہ کی قید وارد ہوئی ہے تو یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ پر رقبۂ مؤمنہ شرط ہو۔

اگر اعتاق رقبہ دشوار ہو تو فرمایا کہ کیا تم دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟ جب اس پر بھی معذرت ظاہر کی تب فرمایا کہ کیا تم ساٹھ آدمیوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ معلوم ہوا کہ کفارہ کے ادا کرنے میں یہ خاص ترتیب ہے۔

کیا کفارہ میں ترتیب واجب ہے؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ آیا ان امور ثلاثہ میں مُکفّر کو اختیار ہے یا ایک خاص ترتیب جو حدیث پاک میں مذکور ہے اس کے ذمہ واجب ہے؟

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس پر ترتیب واجب ہے، (۲) امام مالک اور امام احمد کے قول میں دو مذہب ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ترتیب واجب ہے یہی امام احمد کا مشہور مسلک اور مالکیہ کا ایک قول

ہے، لیکن حضرت امام مالک کا مشہور مسلک اور امام احمد بن حنبل کی دوسری روایت یہ ہے کہ اس کو اختیار ہے، ان تینوں اموز میں سے جس کو چاہے مکفِّر ادا کر سکتا ہے۔

اصل میں یہ اختلاف روایت کے الفاظ کا اختلاف ہے، حدیث باب میں تو ترتیب وارد ہوئی ہے مگر مؤطا میں تخییر وارد ہوئی ہے اور یہ اختلاف ابن شہاب زہری کے تلامذہ میں پیدا ہوا ہے، ان کے بعض تلامذہ ترتیب نقل کرتے ہیں اور بعض تخییر نقل کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں طرف ایک جماعت ہے لیکن ترتیب کے نقل کرنے والے بہت ہی زیادہ ہیں، تیس (۳۰) تک پہنچ گئے ہیں جن میں بڑے بڑے اکابر ائمہ شعیب بن ابی حمزہ، لیث بن سعد، ابراہیم بن سعد اور اسی طرح سے منصور بن معتمر ہیں، ان کی روایتیں بخاری شریف میں وارد ہوئی ہیں اس لئے روایتی حیثیت سے ترتیب ہی کو ترجیح حاصل ہے۔

تنبیہ: امام مالک سے مدونہ میں یہ نقل کیا گیا ہے **وَلَا یَعرِفُ مَالِکٌ غَیرَ الإِطعَامِ وَلَا یَأخُذُ بِعِتقٍ وَلَا صِیَامٍ**، ابن دقیق العید نے اس کو بڑا مُعضِلہ شمار کیا ہے کیوں کہ حدیث سے صاف معلوم ہے کہ تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو دیا جا سکتا ہے، علماء مالکیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ امام مالک کا مطلب یہ ہے کہ طعام ارجح ہے عتق اور صیام پر۔

فَبَینَا نَحنُ عَلَی ذَلِکَ أُتِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِعَرَقٍ: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک عَرَق لایا گیا، عَرَق کہتے ہیں زنبیل کو، مسلم شریف میں وارد ہوا ہے بعرقین، دو زنبیلیں لائی گئیں، نووی نے اس کو تعدد پر محمول کیا ہے لیکن تعدد پر محمول کرنا بعید معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ مخرجِ حدیث ایک ہے اس لئے اقرب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اصل میں دو عرق کو دو زنبیلوں میں کر کے لایا گیا تھا اور اس کے بعد لا کر دونوں کو ایک میں کر دیا۔

وَالعَرَقُ المِکتَلُ: مکتل کہتے ہیں زنبیل کو اور ایک عرق پندرہ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع چار مد کا، تو اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایک مسکین کو ایک مد دیا جائے گا، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے اور یہی ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں، امام ابو حنیفہ اپنے قاعدہ پر چلے ہیں لکل مسکین نصف صاع من بر و صاع من غیرہ۔

بعض احناف جیسے علامہ عینی نے مسلم کی روایت سے کچھ اپنے مسلک کی تائید تلاش کی ہے کیوں کہ اس میں عرقین وارد ہوا ہے اور جب عرقین ہوں گے تو ایک عرق ہوتا ہے پندرہ صاع کا لہذا دو عرق ہوگئے تیس صاع کے تو ہر شخص کے واسطے آدھا آدھا صاع ہوگیا، مگر اتنے سے کام نہیں نکلتا اس لئے کہ روایات میں تصریح ہے کہ وہ تمر تھا اور آدھا صاع تمر احناف کے یہاں کافی نہیں، بہر حال اس مسئلہ میں روایت ظاہر کے اعتبار سے جمہور کے موافق ہے، حضرات احناف نے کفارۂ ظہار وغیرہ پر قیاس کیا ہے۔

خُذْهَا فَتَصَدَّقْ بِهِ: آپ نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور صدقہ کردو، اس آدمی نے کہا یا رسول اللہ! مجھ سے بھی زیادہ کوئی اہل بیت افقر ہوں گے؟ خدا کی قسم! مدینہ کے لابتین یعنی اس کے حرتین کے درمیان میرے گھر والوں سے زیادہ کوئی بھی تنگ دست نہیں ہے، حضور ہنس پڑے اور انیاب شریفہ ظاہر ہوگئے اور فرمایا أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ تم اپنے گھر والوں کو اس میں سے کھلا دینا۔

(ص ۲۶۰) بَابُ الْمُجَامِعِ فِي رَمَضَانَ هَلْ يُطْعِمُ أَهْلَهُ مِنَ الْكَفَّارَةِ إِذَا كَانُوا مَحَاوِيجَ

۱۹۳۷. حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ الأَخِرَ وَقَعَ عَلَى امْرَأَتِهِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ: أَتَجِدُ مَا تُحَرِّرُ رَقَبَةً؟ قَالَ: لاَ، قَالَ: أَفَتَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟ قَالَ: لاَ، قَالَ: أَفَتَجِدُ مَا تُطْعِمُ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟ قَالَ: لاَ، قَالَ: فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ وَهُوَ الزَّبِيلُ قَالَ: أَطْعِمْ هَذَا عَنْكَ، قَالَ: عَلَى أَحْوَجَ مِنَّا؟ وَمَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا، قَالَ: فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ اگر رمضان میں جماع کرنے والے شخص کے اہل خانہ ضرورت مند ہوں تو کیا کفارہ کے مال سے وہ ان کو کھلا سکتا ہے؟

حدیث کا ترجمہ گزشتہ باب میں گزر چکا ہے

تشریح: اگر کسی نے رمضان شریف میں جماع کرلیا تو آیا اپنے کفارہ کا کھانا اپنے اہل و عیال کو کھلا سکتا ہے یا نہیں؟ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کھلا سکتا ہے، حضور پاک ﷺ نے فرمایا أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ، لیکن امام

بخاری کو تردد اس لئے پیش آگیا کہ یہ اعطاء ممکن ہے کہ علی وجہ الکفارہ ہو اور ممکن ہے کہ علی وجہ الکفارہ نہ ہو بلکہ آنحضور ﷺ نے اس کی تنگی کی وجہ سے اس کو خرچ کرنے کے لئے دیا ہو، اور اس کے اعسار کی وجہ سے فی الوقت اس سے ادائے کفارہ کو مؤخر کر دیا گیا ہو۔

(ص ٢٦٠) بَابُ الْحِجَامَةِ وَالْقَيْءِ لِلصَّائِمِ

وقال لي يحيى بن صالح: ثنا معاوية بن سلّام ثنا يحيى بن أبي كثير عن عمر بن الحكم بن ثوبان سمع أبا هريرة: إذا قاء فلا يفطر إنما يخرج ولا يولج. ويذكر عن أبي هريرة أنه يفطر، والأول أصح. وقال ابن عباس وعكرمة: الصوم مما دخل وليس مما خرج. وكان ابن عمر يحتجم وهو صائم ثم تركه فكان يحتجم بالليل. واحتجم أبو موسى ليلا. ويذكر عن سعد وزيد بن أرقم وأم سلمة احتجموا صياما. وقال بكير عن أم علقمة: كنا نحتجم عند عائشة فلا تُنهى. ويروى عن الحسن عن غير واحد مرفوعا: أفطر الحاجم والمحجوم. وقال لي عياش: ثنا عبد الأعلى ثنا يونس عن الحسن مثله، قيل له: عن النبي ﷺ؟ قال: نعم، ثم قال: الله أعلم.

١٩٣٨. حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ ثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ.

١٩٣٩. حَدَّثَنَا أَبُو مَعمَر حَدَّثَنَا عبد الوارث عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قال احْتَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ صَائِمٌ. (یہ روایت ہندی نسخوں میں نہیں ہے)

١٩٤٠. حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ ثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ قَالَ: سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَكُنْتُمْ تَكْرَهُونَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ؟ قَالَ: لَا إِلَّا مِنْ أَجْلِ الضَّعْفِ.

وَزَادَ شَبَابَةُ ثَنَا شُعْبَةُ: عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، روزہ دار کے پچھنے لگوانے اور قے کرنے کے حکم کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ جب قے کرے تو روزہ نہ توڑے کیوں کہ قے کرنے والا باہر نکالتا ہے، کوئی چیز اندر داخل نہیں کرتا، حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ قے کرنے والے کا روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے، حضرت ابن

عباسؓ اور عکرمہ نے فرمایا کہ روزہ اس چیز سے ٹوٹتا ہے جو اندر داخل ہو، اس چیز سے نہیں ٹوٹتا جو باہر نکلتی ہے، حضرت ابن عمرؓ روزے کی حالت میں پچھنے لگواتے تھے پھر انہوں نے یہ عمل ترک کر دیا اور رات کے وقت پچھنے لگوانے لگے، حضرت ابو موسیٰؓ نے رات کے وقت پچھنے لگوائے، حضرت سعدؓ، زید بن ارقمؓ اور ام سلمہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے، بکیر نے حضرت ام علقمہ سے نقل کیا وہ کہتی ہیں کہ ہم حضرت عائشہؓ کے سامنے پچھنے لگواتی تھیں اور وہ منع نہیں کرتی تھیں، حضرت حسن نے ایک سے زائد مشائخ سے مرفوعاً نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچھنے لگانے والے اور پچھنے لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا، امام بخاری کہتے ہیں کہ مجھ سے عیاش نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبد الاعلیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یونس نے بیان کیا انہوں نے حضرت حسن سے یہی سابقہ مضمون روایت کیا، حضرت حسن سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ مضمون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے؟ تو انہوں نے کہا ہے کہ ہاں، پھر فرمانے لگے واللہ اعلم کہ اللہ بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں بھی پچھنے لگوائے اور روزے کی حالت میں بھی پچھنے لگوائے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے۔

ثابت بنانی کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ لوگ روزے دار کے لئے پچھنے لگوانے کو ناپسند سمجھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں، ہاں اگر کمزوری کا اندیشہ ہوتا تو ناپسند سمجھتے تھے۔

شبابہ نے شعبہ کے واسطے سے یہی روایت بیان کی اور عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اضافہ کیا یعنی سوال یہ تھا کہ کیا آپ لوگ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پچھنے لگوانے کو ناپسند سمجھتے تھے؟

تشریح: امام بخاری نے اس باب میں حجامت اور قئ دونوں کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے حالانکہ مصنف کی عادت یہ ہے کہ دونوں کے الگ الگ تراجم منعقد کرتے ہیں، یہاں جمع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں معنی کے اندر مشترک ہیں جیسا کہ مصنف نے آگے چل کر عکرمہ اور ابن عباسؓ کے اثر سے اس کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے، اس کے بعد دونوں مسئلے الگ الگ سنئے!

حجامت یعنی پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ٹوٹتا ہے تو اس پر صرف قضاء واجب ہے یا کفارہ بھی؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، (۱) حضرات ائمۂ ثلاثہ ابو حنیفہ، مالک اور شافعی فرماتے ہیں کہ حجامت سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، (۲) امام اوزاعی، احمد بن حنبل، ابو ثور، اسحاق بن راہویہ، ابن منذر، ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہ فرماتے ہیں کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہی قول عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا گیا ہے، پھر ان میں

سے سارے حضرات یہ کہتے ہیں کہ صرف قضاء واجب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا ہے کہ قضاء کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہے، واللہ اعلم حافظ نے یہ کہاں سے نقل کیا ہے؟ مصنف ابن ابی شیبہ میں عطاء بن ابی رباح اور سعید بن جبیر سے منقول ہے قال لاباس بالاحتجامة للصائم مالم یخف ضعفًا اس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ صائم حجامت کرا سکتا ہے بشرطیکہ ضعف کا اندیشہ نہ ہو۔

امام بخاری کی رائے اس مسئلہ میں دوسرے قول کے موافق معلوم ہوتی ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ حجامت مفطر ہے، وہ حدیثِ أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ سے استدلال کرتے ہیں جو متعدد صحابۂ کرام سے منقول ہے جن میں حضرت شداد بن اوسؓ اور حضرت ثوبانؓ کی روایتیں ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور مستدرک حاکم میں موجود ہیں اور ان دونوں کی روایتوں کی تصحیح فرمائی ہے امام علی بن مدینی، احمد بن حنبل، بخاری، عثمان دارمی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور امام حاکم نے، اسی طرح اس مضمون کی روایت معقل بن سنانؓ سے احمد ونسائی نے اور حضرت علیؓ سے امام نسائی اور طبرانی نے اور حضرت اسامہؓ سے احمد ونسائی نے اور دیگر صحابہؓ سے دیگر محدثین کرام نے تخریج فرمائی ہے۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ حجامت مفطر نہیں وہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ سے استدلال کرتے ہیں، اور اسی طرح سے ایک روایت ہے ثلاث لا یفطرن الصائم، القیئ والحجامة والاحتلام، رواہ الترمذی وإسنادہ ضعیف۔

عدمِ افطار کے قائلین نے أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ کے تین قسم کے جوابات دیئے ہیں۔

(۱) پہلا جواب یہ ہے کہ ہماری روایت اصح ہے، ابن عباسؓ جو روایت نقل کرتے ہیں أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ یہ بخاری شریف کی روایت ہے بخلاف أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ والی روایت کے۔

(۲) دوسرا جواب حضرت امام شافعی اور حافظ ابن عبدالبر نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ منسوخ ہے، اس لئے کہ یہ تو فتح مکہ کی روایت ہے، چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ

حضور اکرم ﷺ نے یہ دیکھا کہ اٹھارہ رمضان کو ایک آدمی حجامت کرا رہا ہے آپ نے دیکھ کر فرمایا أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ، اور خود سرکار دوعالم ﷺ سے بحالتِ صوم حجامت کرنا منقول ہے، راوی کہتے ہیں اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ یہ حجۃ الوداع کے سال کا واقعہ ہے جو بالکل آخری زمانہ کا قصہ ہے۔

لیکن اس استدلال پر محدث ابو بکر بن خزیمہ نے یہ اعتراض کیا ہے اور ان کے تلمیذ ابن حبان نے بھی موافقت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس وقت مسافر تھے اور مسافر کے لئے افطار کرنا جائز ہے، گویا آپ حجامت کے ذریعہ افطار کر رہے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سیاق روایت اس بات پر دال ہے کہ صوم پر حجامت طاری ہوئی ہے، فرماتے ہیں اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ، وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ اگر یہ جواب چل سکتا ہے تو فبہا ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ابن خزیمہ اور ان کے تلمیذ ابن حبان کا یہ اعتراض اپنی جگہ پر نہایت وزن دار ہے۔

(۳) تیسرا جواب بعض علماء نے تاویل کے طور پر دیا ہے، پھر تاویل کے طریق پر تین جواب ہیں۔

۱۔ امام طحاوی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں پر افطار سے مراد یہ نہیں کہ روزہ ٹوٹ گیا بلکہ افطار سے مراد یہ ہے کہ حقیقتِ صوم فوت ہوگئی کیوں کہ یہ دونوں غیبت کر رہے تھے اس لئے آپ نے فرمایا أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ۔

علامہ ابن خزیمہ نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بھلا ان صاحب سے پوچھا جائے کہ اگر کوئی آدمی روزہ میں غیبت کرلے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ صاف جواب دیں گے کہ نہیں ٹوٹے گا، جب ان کے نزدیک غیبت سے روزہ ٹوٹتا ہی نہیں تو انہوں نے غیبت کو مفطرِ صوم کیسے قرار دے دیا؟

خلاصۂ تاویل یہ ہے کہ آپ أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ کو محمول کرتے ہیں مغتابین پر اور یہ کہتے ہیں کہ غیبت کی وجہ سے فطرِ صوم کا حکم دیا گیا تھا، یہ تاویل آپ کے مسلک پر صحیح نہیں کیوں کہ غیبت کو آپ مفطر نہیں مانتے ہیں۔

لیکن محدث ابن خزیمہ کے اس اشکال کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہاں پر افطار سے مراد فطرِ حقیقی نہیں، یہ نہیں کہ رکنِ صوم فاسد ہوگیا بلکہ افطار سے مراد فطرِ معنوی ہے اور مطلب یہ ہے کہ حقیقتِ صوم فوت ہوگئی،

اس واسطے کہ خود حدیث پاک میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی گزر چکا ہے مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَ الْعَمَلَ بِهِ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ، اسی طرح سے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی دارمی وغیرہ میں وارد ہوا ہے الصيام جُنّة مالم يخرقها بالغيبة۔

۲۔ بعض حضرات نے ایک دوسری تاویل کی، محدث ابو محمد بغوی مشہور بمحی السنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ کے معنی ہیں قارب الإفطار وہ دونوں افطار کے قریب ہوگئے، حاجم تو اس لئے کہ وہ نلکی کے ذریعہ سے خون چوستا ہے تو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں خون حلق میں نہ اتر جائے، اور محجوم اس لئے کہ خون نکلنے کی وجہ سے کمزوری لاحق ہوتی ہے اس کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں بعد میں روزہ نہ توڑ بیٹھے۔

یہ تاویل بھی کچھ ایسی ہے کہ طبیعت اس کو قبول نہیں کرتی ہے اور اس کے قبول کرنے سے اباء کرتی ہے۔

۳۔ بعضوں نے ایک تاویل یہ کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ دخلا فی وقت الإفطار یعنی شام کا وقت ہو گیا تھا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تین جوابات ہیں، یا ترجیح کا مسلک اختیار کیا جائے، یا نسخ کا دعویٰ کیا جائے، یا تاویل کی جائے، اور پھر تاویل کی کئی صورتیں ہیں جیسا کہ تقریر بالا سے واضح ہے۔

وَالْقَيْءِ لِلصَّائِمِ: قئ صائم کے لئے مفطر ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اگر اجمالی طور پر بیان کروں تو اس میں تین قول ہیں اور اگر کچھ کھول کر بیان کروں تو نوعیتِ کلام بدل جائے گی باقی خلاصہ وہی تین قول پر نکلے گا اس لئے غور سے سنو!

(۱) حضرت امام حسن بصری ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ قئ بہر حال مفطر ہے اور موجبِ قضاء ہے اگرچہ بلا اختیار ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) اس کے بالمقابل ابن بطال نے ابن عباسؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ مطلقاً مفطر نہیں چاہے بالقصد ہی کیوں نہ ہو، یہ امام مالک سے ایک روایت ہے لیکن ابن بطال نے ابن عباسؓ سے کہاں سے نقل فرمایا ہے واللہ اعلم، ابن ابی شیبہ نے المصنف میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے إِذَا تَقَيَّأَ الصَّائِمُ فَقَدْ أَفْطَرَ، اگر صائم قصداً قئ کرتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا، معلوم ہوا کہ بالقصد قئ کرنے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جایا کرتا ہے ابن عباسؓ کے نزدیک۔

(۳) تیسرا قول اس مسئلہ میں ائمۂ اربعہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر بلا قصد کے قی ہو جائے تب روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اور ابن منذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، اور اگر بالقصد کوئی آدمی قی کرتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر بھی ابن منذر نے اجماع نقل کیا ہے۔

لیکن میں نے ماقبل میں جو تفصیل دی ہے اس سے ان دونوں اجماعوں پر اشکال پڑتا ہے۔

پھر جو لوگ یہ فرماتے ہیں کہ بالقصد قی کرنے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا ان میں اختلاف ہے کہ آیا قضاء آئے گی یا قضاء وکفارہ دونوں آئیں گے؟ ائمۂ اربعہ کے یہاں صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا، اور عطاء واوزاعی اور ابوثور سے منقول ہے کہ قضاء بھی واجب اور کفارہ بھی۔

امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ قی صائم کے لئے مفطر نہیں ہے چاہے جیسے بھی ہو۔

حضرات ائمۂ اربعہ نے جو تفصیل اختیار کی ہے اس کی دلیل مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اسحاق بن راہویہ، ابن حبان، حاکم اور بخاری کی تاریخ کبیر کی روایت ہے **مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيءُ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَإِنِ اسْتَقَاءَ عَامِدًا فَلْيَقْضِ**، اس حدیث پر امام بخاری کو تو کلام ہے لیکن حضرات ائمۂ اربعہ کے اصول پر یہ روایت قابل استدلال ہے، آگے وہ آثار آرہے ہیں جن کو بخاری نے ذکر کیا ہے اور ان پر کلام بھی آئے گا۔

إِذَا قَاءَ فَلَا يُفْطِرُ: یوں فرماتے ہیں ابوہریرہؓ کہ اگر قی ہوگئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، **إِنَّمَا يُخْرِجُ وَلَا يُولِجُ** قی خارج ہو رہی ہے ایلاج تھوڑے کر رہا ہے، گویا مفطر اور ناقض صوم کے لئے ایلاج ہے اخراج نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ بھی قیاس کرتے تھے۔

علامہ عینی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ منی نکلنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء واجب ہوتی ہے، میں کہتا ہوں کہ علامہ کا اعتراض صحیح نہیں ہے اس لئے کہ خروج منی کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ احتلام میں نکلے یہ تو ناقض صوم ہے ہی نہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ وطی سے نکلے یا جو فی حکم الوطی ہے یہ صورت ناقض صوم ہے لیکن یہ حقیقۃً یا حکماً ایلاج کہلائے گا تو ایلاج ہی ناقض ہوا۔

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ يُفْطِرُ: اور حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا **وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ**، امام بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کے قی کے سلسلہ میں دو فتوے نقل کئے، ایک **لا یفطر** اور دوسرا

قول أفطر، اور پھر دونوں میں فیصلہ اپنی شرط کے اعتبار سے یہ کردیا کہ لایفطر والی روایت ارجح ہے، لیکن ان کی دونوں روایتوں میں جمع کیا جاسکتا ہے کہ لایفطر محمول ہے اس قئ پر جو بے اختیار آجائے اس کو روایت میں مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یفطر محمول ہے استقاء یعنی بالقصد قئ کرنے پر۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعِكْرِمَةُ: الصَّوْمُ مِمَّا دَخَلَ وَلَيْسَ مِمَّا خَرَجَ: ابن عباسؓ اور عکرمہ کا یہ اثر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، لیکن ابن عباسؓ کے الفاظ ہیں الفطر مما دخل اور عکرمہ کے الفاظ ہیں الإفطار مما دخل ولیس مما خرج، افطار ادخال سے ہوتا ہے اخراج سے نہیں ہوتا ہے اور حجامت میں اخراج ہوتا ہے ادخال نہیں اور یہی حال قئ کا بھی ہے۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ تَرَكَهُ فَكَانَ يَحْتَجِمُ بِاللَّيْلِ: ابن عمرؓ کا یہ اثر امام مالک نے مؤطا میں اور اسی طرح ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں روایت کیا ہے غالباً یہ محمول ہے احتیاط پر۔

أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ: یہ آگئی وہ روایت جس کی طرف ابھی اشارہ گزرا۔

قِيلَ لَهُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ نَعَمْ ثُمَّ قَالَ اللهُ أَعْلَمُ: یعنی اوّلاً تو یہ کہنے لگے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مروی ہے پھر حسن بصری کو اس میں تامل ہوگیا۔

(ص ۲۶۰) بَابُ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ وَالْإِفْطَارِ

۱۹۴۱. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ سَمِعَ ابْنَ أَبِي أَوْفَى قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي سَفَرٍ فَقَالَ لِرَجُلٍ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لِي، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ الشَّمْسُ؟ قَالَ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لِي، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ الشَّمْسُ؟ قَالَ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لِي، فَنَزَلَ فَجَدَحَ لَهُ فَشَرِبَ ثُمَّ رَمَى بِيَدِهِ هَاهُنَا ثُمَّ قَالَ: إِذَا رَأَيْتُمُ اللَّيْلَ أَقْبَلَ مِنْ هَاهُنَا فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ.

تَابَعَهُ جَرِيرٌ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي سَفَرٍ.

۱۹۴۲. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ ثَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَسْرُدُ الصَّوْمَ.

۱۹۴۳. ح وحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ

ﷺ أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الأَسْلَمِيَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أَصُومُ فِي السَّفَرِ، وَكَانَ كَثِيرَ الصِّيَامِ فَقَالَ: إِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ.

ترجمہ: باب، سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ نے بیان کیا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو آپ نے ایک صاحب سے فرمایا کہ اترو اور میرے لئے ستو گھولو، انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ابھی تو سورج نکلا ہوا ہے، آپ نے فرمایا کہ اترو اور میرے لئے ستو گھولو، انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ابھی تو سورج نکلا ہوا ہے، آپ نے فرمایا کہ اترو اور میرے لئے ستو گھولو، تو وہ صاحب اترے اور انہوں نے آپ کے لئے ستو گھولا، آپ نے اس کو پیا پھر اپنے دست مبارک سے مشرق کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ رات اس طرف سے آگئی ہے تو (سمجھ لو کہ) روزہ دار کے افطار کا وقت ہو گیا، اس حدیث کو اسحاق شیبانی سے روایت کرنے میں سفیان کی متابعت جریر اور ابو بکر بن عیاش نے کی ہے انہوں نے عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت بیان کی انہوں نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حمزہ بن عمرو اسلمیؓ نے کہا کہ یارسول اللہ! میں مسلسل روزے رکھتا ہوں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ حمزہ بن عمرو اسلمیؓ نے نبی پاک ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں سفر میں روزہ رکھ سکتا ہوں؟ وہ کثرت سے روزہ رکھتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو روزہ رکھو اور اگر چاہو تو نہ رکھو۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ مکلف کو سفر کی حالت میں اختیار ہے چاہے روزہ رکھے اور چاہے افطار کرے، یہ مسئلہ تقریباً اتفاقی ہے، لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا روزہ رکھنا افضل ہے یا افطار کرنا افضل ہے؟

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی روزہ رکھنے کی قدرت رکھتا ہو تو اس کے لئے روزہ رکھنا افطار سے افضل ہے۔

(۲) حضرت امام اوزاعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ افطار کرنا افضل ہے۔

(۳) عمر بن عبدالعزیز اور ابن منذر فرماتے ہیں أفضلهما أيسرهما۔

(۴) امام مالک سے عتبیہ میں نقل کیا گیا ہے هما سواء دونوں برابر ہیں۔

(۵) بعض ظاہریہ کہتے ہیں کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا صحیح ہی نہیں ہوگا اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کا

ارشاد ہے لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ۔

دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں روزہ رکھنے سے افطار کرنا اس لئے افضل ہے کہ آنحضور ﷺ سفر میں تھے وہاں کچھ روزہ دار تھے اور کچھ افطار کرنے والے تھے، روزہ دار معذور و مجبور ہو گئے اور افطار کرنے والوں نے خوب خدمتیں کیں، آپ نے فرمایا ذَهَبَ الْمُفْطِرُونَ الْيَوْمَ بِالْأَجْرِ، اسی طرح اور بھی دوسری روایات ہیں۔

اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ روزہ رکھنا افضل ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ سفر میں حضور اکرم ﷺ اور عبداللہ بن رواحہؓ نے روزہ رکھا ہے، اگر روزہ رکھنا سفر میں آپ کی خصوصیت ہوتی تو عبداللہ بن رواحہؓ آپ کا ساتھ کیوں دیتے؟ اور اگر خصوصیت نہیں ہے اور عبداللہ بن رواحہؓ نے روزہ رکھا تو یقیناً معلوم ہوا کہ جو شخص مطیق ہو اس کے حق میں روزہ رکھنا افضل ہے۔

رہ گئیں وہ روایات جن میں روزہ رکھنے پر نکیر کی گئی مثلاً ذَهَبَ الْمُفْطِرُونَ الْيَوْمَ بِالْأَجْرِ فرمایا گیا، اس کا ایک مخصوص محمل ہو گا مثلاً حضور ﷺ نے ایسے موقع پر ذَهَبَ الْمُفْطِرُونَ الْيَوْمَ بِالْأَجْرِ ارشاد فرمایا جب افطار کر دینا ہی اولیٰ تھا، کام کرنے کی ضرورت تھی مجاہدہ کا وقت تھا، اسی طرح سے لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ آپ نے جب ارشاد فرمایا ہے تو اس کا بھی ایک مخصوص محمل ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی رخصت سے اعراض کرتا ہو، یا روزہ رکھنا اس کے واسطے شاق گزرتا ہو۔

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي سَفَرٍ إلخ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لِي، اصل میں روشنی تھی اور وہ یہ سمجھے کہ یہ سورج کے موجود ہونے کی روشنی ہے لیکن رسول پاک ﷺ زیادہ جانتے تھے، غرضکہ صحابی نے حضور ﷺ کی بات مان لی، آپ نے ارشاد فرمایا إِذَا رَأَيْتُمُ اللَّيْلَ أَقْبَلَ مِنْ هَاهُنَا فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ جب تم دیکھو کہ مشرق کی جانب سے رات آگئی تو صائم مفطر ہو گیا۔

فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ: محدث ابن خزیمہ فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے فليفطر الصائم۔

حضرۃ الاستاذ کا طالب علمی میں ایک معمول: جس وقت میں ترمذی شریف پڑھتا تھا تو حضرت استاذ مولانا امیر احمد صاحب نے یہی مطلب بیان کیا تھا، یہ جملۂ خبریہ ہے لیکن امر کے معنی میں ہے تو فوراً میں نے

اپنے حاشیہ پر لکھ دیا کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ شخص حکماً مفطر ہو گیا، لہذا اگر مفطرات کا ارتکاب کرے گا تو اس کی وجہ سے اس کے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، ایک زمانہ مدید گزرنے کے بعد جب حق تعالیٰ شانہ نے کتابوں کے مطالعہ کی توفیق عطا فرمائی تو بعینہ یہی توجیہ ایک مسئلہ کے ذیل میں ابو اسحاق شیرازی کے کلام میں ملی۔

میری یہ عادت تھی کہ حدیث پڑھتے ہوئے جب اساتذہ تقریر کرتے اور وہ کوئی مسئلہ بیان کرتے تو لکھ لیتا تھا اور جب کوئی مطلب میرے ذہن میں آتا تھا تو وقت اگر ملا تو فوری تصنیف کر لیا (یعنی لکھ لیا کرتا تھا) ورنہ بعد میں تصنیف کیا کرتا تھا۔

(ص ۲۶۰) بَابٌ إِذَا صَامَ أَيَّامًا مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ سَافَرَ

١٩٤٤ . حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أنا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ الْكَدِيدَ أَفْطَرَ فَأَفْطَرَ النَّاسُ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَالْكَدِيدُ مَاءٌ بَيْنَ عُسْفَانَ وَقُدَيْدٍ.

ترجمہ: باب، جب کسی شخص نے رمضان کے کچھ دن روزے رکھے اور پھر سفر کیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے، آپ نے روزے رکھے یہاں تک کہ آپ کدید پہنچے تو روزہ رکھنا ترک کیا اور لوگوں نے بھی روزے موقوف کئے۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ کدید عسفان اور قدید کے درمیان ایک چشمے کا نام ہے۔

تشریح: امام بخاری نے اس باب میں ایک مسئلہ بیان کیا ہے، ویسے میں یہاں تین مسئلے بیان کروں گا۔

(۱) پہلا مسئلہ وہ سنو جو بخاری نے بیان کیا ہے، ایک آدمی اپنے شہر یا بستی میں موجود ہے وہاں چند دن روزے رکھے پھر سفر شروع کر دیا تو آیا درمیان رمضان سفر کرنے سے افطار کی اجازت ہے یا نہیں؟ اب اس کو افطار کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ جمہور علماء کہتے ہیں کہ اگر اس نے سفر شروع کر دیا اور وہ مسافر ہو گیا تو مسافر ہو جانے کے بعد اس کو افطار کرنے کی گنجائش ہو جائے گی۔

لیکن حضرت علیؓ سے بسند ضعیف منقول ہے مَنِ اسْتُهِلَّ عَلَيْهِ رَمَضَانُ فِي الْحَضَرِ ثُمَّ سَافَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُفْطِرَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ یہ قول ابو محمد بن حزم ظاہری نے حضرت ابن

عباسؓ، حضرت عائشہؓ، عبیدہ سلمانی، خیثمہ بن عبد الرحمن اور ابراہیم نخعی وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ سے جمہور علماء کی تائید فرمائی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی آدمی رمضان میں اپنے شہر میں ہو پھر وسطِ رمضان میں سفر شروع کرے تو اس کو مسافر ہو جانے کے بعد افطار کرنے کی گنجائش ہے کیوں کہ حضور ﷺ رمضان میں مکہ کو نکلے اور کدید پہنچ کر آپ ﷺ نے افطار کر دیا تھا۔

ابو محمد بن حزم ظاہری عجیب آدمی ہیں معلوم نہیں کہاں سے انہوں نے اس روایت کو صوم نفلی پر محمول کر لیا، اور اگلی روایت جو آرہی ہے اس کے طرق میں بھی مصرح ہے کہ رمضان کا واقعہ ہے اس کو بھی انہوں نے خواہ مخواہ نفل پر محمول کر لیا۔

روزہ کی نیت کر لی پھر سفر شروع کیا تو افطار کی اجازت ہے یا نہیں؟ (۲) دوسرا مسئلہ سنو! اگر کسی آدمی نے روزہ کی نیت کر لی ہے اور اس کے بعد پھر سفر شروع ہوتا ہے تو آیا اب اس کو افطار کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک آدمی دس بجے سفر شروع کرتا ہے اور اس سے پہلے روزہ کی نیت کر لی تھی بعد میں سفر کا معاملہ درپیش ہوا تو آیا وہ افطار کر سکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، حضرات ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ افطار کی اب گنجائش نہیں ہے إلا أن یضطرہ أمر، حضرت امام احمد بن حنبل ارشاد فرماتے ہیں کہ افطار کر سکتا ہے یہی اسحاق بن راہویہ اور مزنی کا مسلک ہے۔

سفر کی حالت میں روزہ رکھ لیا تو اب افطار کی اجازت ہے؟ (۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسافر نے سفر کی حالت میں روزہ کی نیت کر لی تو کیا پھر افطار کر سکتا ہے؟ حضرات جمہور فرماتے ہیں کہ ہاں مسافر نے اگر نیت کر لی ہے تو اپنی نیت کے خلاف وہ افطار کر سکتا ہے، شافعیہ کے اس میں دو قول ہیں، ایک اباحتِ افطار کما قالہ الجمہور اور دوسرا عدم الافطار۔

(ص ۲۶۱) بَاب

١٩٤٥. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ ثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ أَنَّ إِسْمَاعِيلَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَهُ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فِي يَوْمٍ حَارٍّ

حَتّٰی یَضَعَ الرَّجُلُ یَدَهُ عَلٰی رَأْسِهِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ، وَمَا فِینَا صَائِمٌ إِلاَّ مَا کَانَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَابْنِ رَوَاحَةَ.

ترجمہ: باب۔

حضرت ابودرداءؓ نے بیان کیا کہ ہم نبی پاک ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں ایسی سخت گرمی میں نکلے کہ انسان گرمی کی شدت کی وجہ سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھتا تھا، ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہیں تھا علاوہ نبی پاک ﷺ اور عبد اللہ بن رواحہؓ کے۔

تشریح: یہ باب بلا ترجمہ ہے اور اس کے ذیل میں مصنف نے حضرت ابودرداءؓ کی روایت ذکر فرمائی ہے، اس کے الفاظ ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اور عبد اللہ بن رواحہؓ روزہ سے تھے اور باقی سارے حضرات مفطر تھے، امام بخاری نے اس روایت کو یہاں باب بلا ترجمہ کے ذیل میں اس لئے ذکر فرمائی کہ صحابۂ کرامؓ کا افطار ہو اور حضور کا اس پر سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی آدمی رمضان میں سفر شروع کر دے تو اس کو روزہ افطار کر دینے کی گنجائش ہے، لیکن باب صاف طور سے اس لئے نہیں لائے کہ روایت میں یہ تصریح وارد نہیں ہوئی ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے؟ مگر مسلم شریف میں روایت الباب ہی میں یہ تصریح وارد ہوئی ہے کہ یہ رمضان شریف کا واقعہ ہے، اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے جو اس روایت کو صوم نفل پر محمول کر لیا ہے ان کا یہ محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوسُفَ: اگر کوئی اُس علاقہ کی گرمی کو دیکھے اور اس کی تپش اور اس کے ریگستانی علاقہ کو تو اس سے صحابۂ کرامؓ کی عظمت اور ان کے مجاہدہ کا اندازہ ہوتا ہے اور دلوں میں ان کی محبت پیدا ہوتی ہے، ان پر اعتراض کرنا اور ان کی لغزشوں کو سب کے سامنے پیش کرنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں۔

(ص ۲۶۱) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم لِمَنْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ وَاشْتَدَّ الْحَرُّ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ

۱۹۴۶. حَدَّثَنَا آدَمُ ثَنَا شُعْبَةُ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَرَأٰی زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ فَقَالُوا: صَائِمٌ، فَقَالَ: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ.

ترجمہ: باب، نبی پاک ﷺ کا اس شخص سے کہ جس پر سایہ کر دیا گیا تھا اور گرمی سخت تھی یہ فرمانا کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے کہ آپ نے بھیڑ دیکھی اور ایک شخص کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ روزہ دار ہے آپ نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔

تشریح: چونکہ امام بخاری یہ بیان کر آئے ہیں کہ آدمی سفر میں روزہ بھی رکھ سکتا ہے اور افطار بھی کر سکتا ہے، اور اگر کسی آدمی کو رمضان کے مہینہ میں سفر درپیش ہو تو وہ بھی افطار کر سکتا ہے تو اب مصنف پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ آپ تو کہتے ہیں کہ صوم اور افطار دونوں کی گنجائش ہے حالانکہ سرکار دو عالم ﷺ سے اس کے خلاف منقول ہے، آپ نے ایسے روزہ دار کے بارے میں فرمایا لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کی بات نہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس روایت کا ایک مخصوص محمل ہے اور وہ یہ ہے کہ جس شخص کو روزہ رکھنا گراں گزر رہا ہو، دشوار ہو رہا ہو، مشقت میں پڑ رہا ہو، دوسروں کے لئے مصیبت کا سبب بن رہا ہو اس کے لئے روزہ نیکی نہیں ہے، اسی معنی پر حدیث باب کو ابن خزیمہ اور ابن جریر طبری نے محمول کیا ہے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ روایت الباب ایسے شخص کے بارے میں ہے جو حضور کی رخصت قبول کرنے سے انکار اور اباء کرتا ہو اور رخصت پر عمل نہ کرتا ہو، واقعہ یہ ہے کہ رخصت پر عمل کرنا بھی ایک مستقل سنت ہے۔

رخصت پر عمل نہ کرنے کا نقصان: حضرت شیخ شرف الدین احمد بن یحی منیری جو مخدوم الملک کے نام سے مشہور ہیں اور اکابر مشائخ فردوسیہ میں سے ہیں بلکہ ایک مستقل سلسلہ کے بانی سمجھے جاتے ہیں وہ اپنے مجاہدہ کے دور کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ غسل کی حاجت ہو گئی، شدت سرما تھی، تیمم کر سکتا تھا لیکن خیال آیا کہ عزیمت پر عمل کروں، پانی سخت ٹھنڈا تھا، پانی میں اتر پڑے، بے ہوش ہو گئے حتی کہ فجر کی نماز بھی جاتی رہی اور جب سورج نکلا اور اس کی گرمی سے آنکھ کھلی، ہوش آیا تب خبر ہوئی کہ رخصتِ شریعت چھوڑنے کی وجہ سے کتنا بڑا عظیم نقصان ہوا کہ فریضہ قضاء ہو گیا، اسلئے بعض مواقع پر رخصت پر بھی عمل کر لینا چاہئے، لیکن یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ ذرا سا پانی ٹھنڈا ہوا اور تیمم کر کے بیٹھ گئے بلکہ واقع میں نقصان کرتا ہو۔

استاذ کا واقعہ ظرافت کے انداز میں: مجھے ایک مرتبہ بخار ہوا اور میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اپنا وضو کر کے نماز پڑھ لوں، جمعہ کا دن تھا، مفتی اعظم مولانا محمد اطہر حسین صاحب میرے یہاں آتے جاتے تھے دوستانہ تھا ان سے فتویٰ طلب کیا، کہنے لگے کہ واہ صاحب! جمعہ کا دن اور وضو؟ غسل کرا دیا اس کے بعد جو بخار چڑھا ۱۰۵ ڈگری بخار ہو گیا اور اتنی شدید گرمی ہوئی کہ کئی دن تک مسلسل بخار رہا، حتی کہ ایک دن میں بیٹھ کر مغرب کی نماز پڑھ رہا تھا کہ میری ناک سے خون آنے لگا، یہ حالت ہو گئی تو میں نے سوچا کہ اس مفتی کی بات اب نہیں مانوں گا، میں خود اپنا مفتی ہوں جو میرا دل فتویٰ دے گا میں اس پر عمل کروں گا۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ بسا اوقات کسی چیز کی نفی کی جاتی ہے اور مقصود اس کے کمال کی نفی ہوتی ہے جیسے حدیث میں ہے لیس المسکین الذی تردّہ التمرۃ و التمرتان و اللقمۃ و اللقمتان ایسے ہی یہاں پر لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ میں بِرّ سے مراد بِرّ کامل کی نفی ہے یعنی بڑا کامل ثواب نہیں کہ آدمی سفر میں روزہ رکھے۔

اس کے بعد غور سے سنو! تم نے ایک حدیث سنی ہو گی بلکہ پڑھی ہو گی لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْ صِيَامُ فِي امْ سَفَرِ، رواہ شارح شرح الجامی بلاسند، یہ حدیث بایں الفاظ مسند احمد میں موجود ہے، بس اچھی طرح سمجھ لو۔

(ص ۲۶۱) بَابٌ لَمْ يَعِبْ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي الصَّوْمِ وَالْإِفْطَارِ

۱۹۴۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے بارے میں نبی پاک ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نے کسی پر اعتراض نہیں کیا۔

حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ ہم نبی پاک ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے لیکن کبھی روزے دار نے غیر روزے دار پر اور غیر روزے دار نے روزہ دار پر اعتراض نہیں کیا۔

تشریح: امام بخاری نے ماقبل میں روایت لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ کی ایک مخصوص توجیہ فرمائی

تھی اور یہ بتلایا تھا کہ یہ ایسے شخص کے حق میں ہے جس کو روزہ نقصان پہونچاتا ہو تو اب اس باب کے ذریعہ اس کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ سفر میں صحابۂ کرامؓ دونوں طرح کے ہوتے تھے، بعض صائم ہوتے اور بعض مفطر ہوا کرتے تھے لیکن نہ صائم مفطر پر اعتراض کرتا تھا اور نہ مفطر صائم پر، معلوم ہوا کہ سفر میں روزہ وافطار میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(ص ۲٦۱) بَابُ مَنْ أَفْطَرَ فِي السَّفَرِ لِيَرَاهُ النَّاسُ

١٩٤٨. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ ثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهُ إِلَى يَدِهِ لِيُرِيَهُ النَّاسَ فَأَفْطَرَ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ: قَدْ صَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو سفر میں اس غرض سے افطار کرے کہ لوگ اس کو دیکھیں (یعنی اس کے روزہ دار نہ ہونے سے آگاہ ہو جائیں)۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے تو آپ روزے سے رہے یہاں تک کہ آپ عسفان پہنچے، پھر آپ نے پانی طلب کیا، اس کو اپنے ہاتھوں کی جانب اوپر اٹھایا تاکہ لوگوں کو دکھائیں اور اس کو نوش فرماکر روزہ موقوف کیا یہاں تک کہ آپ مکہ مکرمہ آئے، یہ رمضان کی بات ہے، تو حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا بھی ہے اور ترک بھی کیا ہے لہذا جس کا دل چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سفر میں اس لئے افطار کرتا ہے تاکہ دوسرے لوگ دیکھ کر جان جائیں کہ سفر میں روزہ رکھنا ضروری نہیں ہے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ آدمی مقتدیٰ ہو اور امام بخاری نے غالباً اس ترجمۃ الباب سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ سفر میں افطار کرنے کی افضلیت صرف اس شخص کے حق میں نہیں ہے جس کو روزہ رکھنا شاق ہوتا ہو، یا جو ریاء کے خوف کا خطرہ رکھتا ہو، یا جو رغبت اور اعراض عن الرخصۃ سے خائف ہو، بلکہ ایسے شخص کے بارے میں بھی افطار کرنا افضل ہے جو مقتدائے قوم ہو تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر افطار کرلیں اور مشقت سے بچ جائیں۔

خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ: یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے جب آپ مقام عسفان میں پہنچے تو پانی منگوایا۔

فَرَفَعَهُ إِلَى يَدِهِ: اسی طرح سے ابن عساکر کا نسخہ ہے، حاشیہ کا نسخہ ہے إِلَى يَدَيْهِ اور ابن السکن کی روایت میں ہے فَرَفَعَهُ إِلَى فِيهِ، یہی روایت ارجح ہے، اور اگر إِلَى يَدِهِ کا لفظ ہے تو اس صورت میں اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ إِلَى بمعنی عَلَى ہے، یہ علامہ زمخشری نے لکھا ہے۔

ابوداؤد میں یہی روایت مسدد سے منقول ہے اور وہ ابو عوانہ سے نقل کرتے ہیں جو بخاری کے استاذ الاستاذ ہیں اس میں فَرَفَعَهُ إِلَى يَدِهِ واقع ہوا ہے جیسا کہ یہاں پر خود ابن السکن کی روایت میں واقع ہوا ہے، حافظ فرماتے ہیں وَهٰذَا أَوْضَحُ، حافظ ابن حجر کہتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ إِلَى يَدِهِ کا کلمہ تصحیف ہے، یہی حدیث کتاب المغازی میں ص ۶۱۳ پر آرہی ہے اس میں ہے فَوَضَعَهُ عَلَى رَاحَتِهِ أَوْ قَالَ رَاحِلَتِهِ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی اپنی ہتھیلی پر رکھا یا اپنی سواری پر رکھا اور پھر اس کے بعد پیا۔

(ص ۲۶۱) بَابٌ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ

قال ابن عمر وسلمة بن الأكوع: نسختها ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْءَانُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَٰتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ﴾ إلى قوله ﴿ تَشْكُرُونَ ﴾.

وقال ابن نمير: ثنا الأعمش ثنا عمرو بن مرة حدثنا ابن أبي ليلى ثنا أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم نزل رمضانُ فشَقَّ عليهم فكان من أطعم كل يوم مسكينا ترك الصوم ممن يطيقه ورخص لهم في ذلك فنسختها ﴿وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ فأمروا بالصوم.

١٩٤٩ . حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ ثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى ثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَرَأَ ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسَاكِينَ﴾ قَالَ: هِيَ مَنْسُوخَةٌ.

ترجمہ: باب، اس آیت کریمہ کا بیان کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں (اور وہ روزہ نہیں رکھتے) ان پر فدیہ واجب ہوگا، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے فرمایا کہ اس آیت کو درج ذیل آیت نے منسوخ کر دیا شَهْرُ رَمَضَانَ

الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الآية کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور جس میں ہدایت کے کھلے ہوئے دلائل ہیں اور جو حق و باطل میں فصل کرنے والی کتاب ہے، تو تم میں سے جو اس مہینہ کو پائے اس کو چاہئے کہ وہ اس کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا مسافر ہو تو اس پر دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرنا لازم ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے پریشانی کا ارادہ نہیں کرتا اور تاکہ تم شمار کو پورا کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر کہ اس نے تم کو ہدایت دی اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

ابن ابی لیلیٰ نے بیان کیا کہ ہم سے نبی پاک ﷺ کے صحابہ نے بیان کیا کہ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم نازل ہوا تو وہ ان پر شاق گزرا، تو جو ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلاتا تھا وہ روزہ ترک کر دیتا تھا اور انکو اسکی رخصت دی گئی تھی لیکن اس آیت کو درج ذیل آیت نے منسوخ کر دیا وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ کہ اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے تو صحابہ کو روزے کا حکم دیا گیا۔

حضرت ابن عمرؓ نے آیت کریمہ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ کہ اس پر فدیہ ہے یعنی چند مسکینوں کو کھانا کھلانا تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ منسوخ ہے۔

تشریح: جب تراجم سابقہ سے یہ ثابت فرمادیا کہ سفر میں افطار جائز ہے تو اس کا مفہوم یہ نکلا کہ حضر میں افطار جائز نہیں ہے اور یہ مسئلہ ہے بھی اسی طرح مجمع علیہا، صرف وہ شخص جو معذور ہو جیسے کسی کو مرض شدید ہو یا کبیر السنّ ہو کہ اس کو روزہ رکھنا شاق ہوتا ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

اس پر یہ اشکال پڑا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں وہ بھی افطار کر سکتے ہیں اور ان کو روزے کا فدیہ دینا پڑے گا۔

امام بخاری نے اس آیت کو ترجمہ بنا کر یہ واضح فرمایا کہ آیت میں جو حکم ہے وہ ابتدائے امر سے تعلق رکھتا ہے اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا، ابن حزم ظاہری نے ابن عباسؓ سے اور ابو عبید القاسم بن سلّام نے بھی ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے اور امام احمد بن داؤد نے معاذ بن جبلؓ سے اور بخاری نے اصحاب محمد ﷺ سے روایت کیا ہے، اور یہی اکثر علماء امام مالک، ابن خزیمہ، بیہقی، ابن جریر طبری اور ابو بکر رازی وغیرہ کی رائے ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ صوم و افطار کی اجازت ایسے مشائخ اور کمزور بوڑھی عورتوں کے حق میں ہے جو روزہ تو رکھ سکتے تھے لیکن روزہ ان کے لئے شاق ہوتا تھا، ابن جریر طبری نے یہ قول ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے پھر اللہ تعالیٰ شانہ نے اس حکم کو منسوخ کر کے ان شیوخ کے لئے اجازت خاص کر دی جو روزہ کی مطلق طاقت نہیں

رکھتے۔

ابن عباسؓ کی دو روایت میں تعارض کا ذکر: یہاں سوال یہ ہے کہ ابن عباسؓ کی یہاں دو روایتیں ہیں، پہلی روایت میں یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کو افطار کی اجازت تھی اور اس کے بدلے میں فدیہ دینا ضروری تھا، اور دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ مشائخ وضعفاء کے لئے اجازت تھی جن پر روزہ شاق ہوتا ہے پھر یہ حکم مخصوص کر دیا گیا ان مشائخ کے لئے جن کو روزہ کی طاقت ہی نہیں، اور ان مشائخ کے حق میں منسوخ ہو گیا جو روزہ رکھ سکتے ہیں گو بمشقت ہی سہی، اور امام بخاری نے ابن ابی لیلیٰ سے اور انہوں نے اصحابِ محمد ﷺ سے نقل کیا ہے کہ ناسخ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ہے۔

اس پر اشکال: اس پر اشکال یہ ہے کہ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ کا حاصل یہ ہے کہ افطار وصوم دونوں مباح ہیں لیکن صوم افضل ہے، اور دو امر مخیّر فیہ میں کسی امر کی افضلیت دوسرے کی منسوخیت کو نہیں چاہتی ہے اس لئے وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ کو وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ کے لئے ناسخ بنانا صحیح نہیں ہو سکتا ہے۔

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ نسخ کی تقریر یہ ہے کہ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ میں صوم کو افتداء سے خیر کہا گیا ہے اور افتداء سنت ہے اور سنت سے خیر یعنی صوم واجب ہو گا، لہذا یہ ثابت ہو گیا کہ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ناسخ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہاں پہنچ کر کرمانی کے جواب کو بہت تعجب کی نظر سے دیکھا کہ یہ بعید اور تکلف ہے، میں کہتا ہوں کہ بعید و تکلف نہیں بلکہ غلط ہے اس لئے کہ کرمانی کا یہ دعویٰ کہ فدیہ سنت ہے یہ اپنی جگہ غلط ہے، فدیہ بدل ہے صوم کا اور صوم ہے فرض تو اس کا بدل بھی فرض ہو گا، اور لفظِ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ ایجاب پر دلالت کرتا ہے جو وجوب کی واضح دلیل ہے۔

اور دوسری خاص بات یہ ہے کہ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ تو اسی آیت وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ میں وارد ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایک آیت کلامِ واحد ہوتا ہے اور آخر اول سے مربوط ہوتا ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اوّلِ آیت صوم وافطار میں تخییر دے رہا ہو اور آخرِ آیت اس کو نسخ کر رہا ہو؟

صحیح جواب: اصل بات یہ ہے کہ اس روایت میں اختصار واقع ہو گیا ہے اور ابوداؤد شریف میں اسی حدیث

میں آیت ثانیہ کے نسخ کی تصریح وارد ہوئی ہے، اور یہاں جو بخاری میں کہا گیا ہے فَنَسَخَتْهَا وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ اس سے مراد خاص یہ لفظ نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آنے والا مضمون ناسخ ہے، اور جب یہ بات اپنی جگہ ثابت ہوگئی کہ ایک آیت ایک کلام ہے، تولا محالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ناسخ نہیں ہو سکتا ہے، ناسخ اگلی آیت ہوگی، اور اس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ اس کے لئے ناسخ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ہے جو آئندہ آیت میں ہے حالانکہ یہ آئندہ آیت میں نہیں ہے بلکہ اسی آیت میں ہے، ابراہیم نخعی کا مطلب یہ ہے کہ مابعد اس کا جو آگے آیت میں آرہا ہے وہ ناسخ ہے۔

جواب نمبر ۲: ایک دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ نسخ کے دعوے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ آیت محکم ہے، پھر اس کے بعد محکم ہونے کی کیا تقریر ہوگی؟ ایک رائے بعض مالکیہ کی ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایسے تھے کہ روزہ رکھ سکتے تھے اور ان کا روزہ قضاء ہو گیا انہوں نے تاخیر کر دی حتی کہ دوسرا سال آگیا اور رمضان آگیا تو اس صورت میں ان کو ہر روزے کی قضاء کے ساتھ ایک مسکین کا کھانا بھی دینا ہوگا فدیہ بھی ادا کرنا ہوگا، لیکن یہ تاویل بالکل بے دلیل اور خلاف ظاہر ہے۔

جواب نمبر ۳: حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ یہاں کلام محذوف ہے جس کا حاصل یہ ہے وعلى الذين يطيقونه ثم عجزوا عن الصيام فدية طعام مسكين، یہی توجیہ امام شافعی سے نقل کی گئی ہے۔

اعتراض: ابو بکر رازی نے اس پر کئی اعتراض کئے ہیں اور ان کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ نہ اس حذف کا کوئی قرینہ ہے اور نہ ہی اس صورت میں وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کے ذکر کرنے کی ضرورت ہے، جب آیت کا تعلق مطیقین سے ہے ہی نہیں غیر مطیقین سے ہے تو پھر مطیقین کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب نمبر ۴: بعض کہتے ہیں کہ اصل میں یہاں حرف "لا" محذوف ہے، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، صاحب ہدایہ اور بہت سے علماء احناف نے یہی بات لکھی ہے اور جلال الدین محلی نے بھی اپنے کلام کا آغاز اسی سے کیا ہے۔

اعتراض: اس پر یہ اشکال ہے کہ اس کے معنی تو یہ نکلے کہ خطاب کیا جارہا ہے مطیقین کو جو مراد نہیں اور مراد لئے جارہے ہیں غیر مطیقین جن کو خطاب نہیں کیا جارہا ہے، دیکھو کہا گیا ہے وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ اور

مراد لیا گیا و علی الذین لا یطیقونہ تو ظاہراً خطاب مطیقین کو ہے اور وہ مراد ہیں نہیں تو حقیقۃً خطاب غیر مطیقین کو ہے لیکن ان کا تذکرہ بھی نہیں، ان کو تو اس وقت مراد لے سکتے جب "لا" کو محذوف مان لیں۔

جواب نمبر ۵: بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یطیقونہ ماخوذ ہے اِطاقۃ سے جو باب اِفعال سے ہے اور باب افعال کا خاصہ ہے سلب ماخذ تو وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کے معنی ہوئے جو لوگ مسلوب الطاقۃ ہیں، اس پر سید طفیل بلگرامی نے یہ اعتراض کیا کہ یہ کوئی ضابطۂ عامہ نہیں کہ جہاں باب افعال ہو گا وہاں سلب ماخذ مقصود ہو گا، بلکہ یہ تو سماعی ہے، پھر سید طفیل صاحب نے یہ لکھ دیا کہ شمس الائمہ نے یہ بات لکھی ہے، مگر سید صاحب نے یہ حفظاً لکھا ہے، یہ وہم ہے شمس الائمہ نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ یطیقون اطاقۃ سے ہے جس کے معنی مسلوب الطاقۃ ہو جانا ہے۔

جواب نمبر ۶: بعض علماء نے اور تقریر کی اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اصل میں اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں کو روزہ بہت سخت لگتا ہے حتی کہ ان کی کمر توڑ دیتا ہے اور طاقت نچوڑ لیتا ہے ایسے لوگوں کو افطار کی اجازت ہے وہ افطار کر کے فدیہ دے دیں لیکن روزہ رکھیں تو زیادہ بہتر ہے، اور کہتے ہیں کہ اس کا قرینہ یہ ہے کہ یطیقونہ ماخوذ ہے طاقت سے اور طاقت کی تفسیر ہے القدرة علی الشیئ بشدة و مشقة کسی چیز پر قادر ہونا شدت و مشقت کے ساتھ، امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے وھو اسم لمقدار ما یمکن أی یفعله بمشقة، راغب کے بعد ابو موسیٰ المدینی، ابن الاثیر جزری اور ابو منظور افریقی وغیرہ نے یہی بات لکھ دی۔

اعتراض: حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ بات لغت کی رو سے ثابت ہوتی تو نہایت نفیس توجیہ ہوتی لیکن اس کا کوئی بھی ثبوت نہیں اگر چہ بڑے بڑے اکابر نے اس کو اختیار کر لیا مگر یہ ثابت ہی نہیں۔

اور اعتراض کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر طاقت کا یہی مفہوم ہوتا تو پھر وہ حضرات اکابر جو مختلف قبائل عرب سے تعلق رکھتے تھے یک قلم آیت کو منسوخ کیوں کہتے؟ جب بغیر نسخ کے اس کے معنی درست ہو سکتے ہیں، اور یہی اس کے لغوی معنی ہیں تو ان اکابر نے لغوی معنیٰ کو کیوں چھوڑا؟ کیوں نسخ کا دعویٰ کیا؟ دیکھو ابن عمر قریشی ہیں، سلمہ بن اکوع جہنی ہیں، معاذ بن جبل انصاری ہیں یہ سبھی لوگ نسخ کا دعویٰ کر رہے ہیں، اور راغب اصفہانی سے پہلے کسی نے بھی طاقت کا مذکورہ بالا مطلب یا ترجمہ نہیں لکھا بلکہ جتنے لوگ بھی طاقت کی تفسیر کرتے ہیں خصوصاً متقدمین

اہل تفسیر وہ سب طاقت کے معنی قوت بتاتے ہیں اور یہی حدیث سے بھی ثابت ہے، آئندہ بخاری شریف میں حدیث آئے گی کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سہل بن حنیفؓ وغیرہ کو عراق کی زمین کی پیمائش اور اس پر اس کی حیثیت کے اعتبار سے خراج مقرر کرنے کے لئے بھیجا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس پر ایسی لگان لگائی ہے هي له مطيقة جس کی وہ طاقت رکھتی ہے، یہاں مطيقة کے معنی ہیں متحمل جس کے اندر اتنی قوت ہے۔

اس لئے لفظِ طاقت کو لیکر تقریر مذکور اور آیت کے محکم ہونے کا دعویٰ بالکل بے معنی ہیں، اور عجیب بات ہے کہ اسی چیز کو لیکر بڑے بڑے علماء علامہ انور شاہ، سید سلیمان ندوی اور فلاں فلاں نے آیت کے محکم ہونے کا دعویٰ کر دیا اخیر میں مولانا علی میاں نے بھی ارکان اربعہ میں یہی بات لکھ دی، لیکن جیسا کہ میں بتا چکا کہ اس تقریر کی بنیاد ہی صحیح نہیں۔

ہاں اگر یہ کہا جائے کہ سیاقِ کلام واندازِ گفتگو سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر مطیق مراد نہیں ہے بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن کو روزہ رکھنے کی طاقت تو ہے لیکن وہ بہت ہی ان پر شاق گزرتا ہے تو یہ بات ٹھیک ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کا مکلف انہی لوگوں کو قرار دیا جو روزے کی طاقت رکھتے ہیں، اور اسی کے بعد فوراً یہ کہہ رہے ہیں کہ جو روزے کی طاقت رکھتے ہیں وہ افطار کر دیں، اس کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ سیدھے یہ کہنا چاہئے تھا کہ روزہ فرض ہے لیکن اختیار ہے خواہ روزہ رکھو یا افطار کر دو اور فدیہ دے دو۔

یہ جو يطيقونه کو اللہ نے صراحت سے ذکر کیا ہے اس سے خود یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس سے ہر مطیق مراد نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے جس کو روزہ رکھنے میں مشقت ہوتی ہے گرانی ہوتی ہے روزہ طاقت نچوڑ لیتا ہے کمر توڑ دیتا ہے، اب بات بالکل صاف ہو جائے گی اور معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ روزہ کی بمشقت ہمت رکھتے ہیں وہ افطار کر کے ایک مسکین کو فدیہ دے دیں، اور سب سے بہتر یہ ہے کہ روزہ رکھ لیں تا کہ اصل فریضہ سے اس کی اصل شکل مطلوب ادا کر کے سبکدوش ہوں، بدل ادا کر کے سبکدوش نہ ہوں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اگر روزہ کی طاقت نہیں تو کیا فدیہ فرض ہے؟ اب ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص میں روزے کی طاقت نہیں ہے کمزور ہے مشقت ہوتی ہے کیا اس کے ذمہ فدیہ ہے؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ فدیہ آئے گا، یہی امام ابو حنیفہ، شافعی وغیرہ کا مسلک ہے، امام مالک کہتے ہیں کہ جب انسان میں روزے کی طاقت ہی نہیں تو اس

پر اصل ہی فرض نہیں آدمی اپنی طاقت کے اعتبار سے مکلف ہے اور جب اصل فرض نہیں تو اس کا بدل یعنی فدیہ بھی فرض نہیں ہے، مالک کی تقریر یہاں نہایت طاقتور ہے اور اس کا توڑ اصول کے اعتبار سے مشکل ہے، بس ایک توڑ ہے کہ صحابۂ کرامؓ فدیہ دیتے تھے، حضرت انسؓ آخر عمر میں عاجز ہو گئے تھے اور فدیہ دیتے تھے جیسا کہ بخاری شریف کتاب التفسیر میں آرہا ہے۔

(ص ۲۶۱) بَابٌ مَتَى يُقْضَى قَضَاءُ رَمَضَانَ

وقال ابن عباس: لا بأس أن يفرّق لقول الله ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾. وقال سعيد بن المسيب في صوم العشر: لا يصلح حتى يبدأ برمضان. وقال إبراهيم النخعي: إذا فرط حتى جاء رمضان آخر يصومهما ولم ير عليه طعاما. ويذكر عن أبي هريرة مرسلا وابن عباس أنه يطعم ولم يذكر الله الإطعام، إنما قال: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾.

۱۹۵۰. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ ثَنَا زُهَيْرٌ ثَنَا يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ: كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلاَّ فِي شَعْبَانَ.

قَالَ يَحْيَى: الشُّغْلُ مِنَ النَّبِيِّ أَوْ بِالنَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، رمضان کے روزے کب قضاء کئے جائیں؟

حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ رمضان کے قضاء روزوں کو متفرق رکھنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دوسرے دنوں میں ان کی گنتی پوری کرو۔ حضرت سعید بن مسیبؒ نے ذی الحجہ کے دس روزوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ نفل روزہ رکھنا بہتر نہیں یہاں تک کہ پہلے رمضان کے روزے رکھے۔ ابراہیم نخعی نے کہا کہ اگر کسی نے کوتاہی کی اور دوسرا رمضان آگیا تو دونوں کے روزے رکھے (یعنی پہلے رمضان کے روزے بھی ساقط نہیں ہوں گے) اور ان کی رائے میں اس پر فدیہ واجب نہیں، حضرت ابوہریرہؓ سے مرسلاً مروی ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے کہ وہ فدیہ ادا کرے، (بخاری نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فدیہ دینے کا ذکر نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ دوسرے دنوں میں ان کی گنتی پوری کرلو۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ میرے اوپر رمضان کے روزے ہوتے تھے میں ان کی قضاء نہیں کر پاتی تھی یہاں تک کہ شعبان آجاتا تھا، یحیی کہتے ہیں کہ قضاء نہ کرسکنے کی وجہ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں مشغول ہونا تھی۔

تشریح: مصنف کا مقصد یہ ہے کہ آیا اگر رمضان کے روزے کسی پر رہ جائیں تو جس وقت قدرت ہو فی الفور اس کو رکھنا چاہئے یا تراخی کر سکتا ہے؟ اور پھر مسلسل رکھنا پڑے گا یا اس میں تفریق بھی کر سکتا ہے؟

امام بخاری کی رائے اس مسئلہ میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ نہ تو فی الفور رکھنا ضروری ہے اور نہ ہی تتابع شرط ہے بلکہ جب موقع ملے علی التراخی روزہ رکھ سکتا ہے، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

حضرت عائشہؓ اور بعض ظاہریہ کی رائے یہ ہے کہ جیسے اداء میں تتابع ہوتا ہے ایسے ہی قضاء میں بھی تتابع ہوگا، حضرات جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اداء میں تتابع اس لئے ہے کہ اس کا ظرف محصور و محدود ہے اور قضاء کے لئے عِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ارشاد فرمایا گیا ہے أیام أخر اپنے عموم کی وجہ سے تمام عمر کو شامل ہے چاہے ان میں روزے متتابع ہوں یا غیر متتابع، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا بَأْسَ أَنْ يُفَرِّقَ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ اسی مقصد کے لئے مصنف نے ذکر کیا ہے۔

وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ فِي صَوْمِ الْعَشْرِ لَا يَصْلُحُ حَتَّى يَبْدَأَ بِرَمَضَانَ: مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی ایسا ہو کہ اس پر رمضان کے روزے قضاء ہوں اور وہ عشر ذی الحجہ کے روزے رکھنا چاہتا ہو تو اسے عشر ذی الحجہ کا روزہ رکھنے اور نفلی روزہ رکھنے کے بجائے رمضان کی قضاء کو مقدم کرنا چاہئے۔

إِذَا فَرَّطَ حَتَّى جَاءَ رَمَضَانُ آخَرُ يَصُومُهُمَا: اس مسئلہ میں تھوڑا سا یہ اختلاف ہے کہ اگر کسی آدمی پر رمضان کے روزے قضاء تھے اس نے قضاء کئے نہیں یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا تو اب فی الوقت تو وہ رمضان کے روزے رکھے گا۔

کیا اگلے رمضان تک روزے نہیں رکھے تو قضاء کے ساتھ فدیہ بھی واجب ہوگا؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، امام بخاری نے یہ اختلاف نقل کیا ہے کہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اس کے ذمہ فدیہ واجب نہیں، یہی حضرت امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے اور امام بخاری نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے ذمہ اطعام ہے یہی ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے، بخاری فرماتے ہیں کہ وَلَمْ يَذْكُرِ اللهُ الْإِطْعَامَ إِنَّمَا قَالَ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ یعنی حق تعالیٰ شانہ نے صرف فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ارشاد فرمایا ہے اطعام کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے کتاب الاستذکار میں لکھا ہے کہ داؤد ظاہری ارشاد فرماتے تھے کہ جو لوگ قضاء کے مؤخر کرنے والوں پر فدیہ کو واجب کہتے ہیں ان کے پاس کوئی حجت موجود نہیں لا من کتاب ولا سنة ولا إجماع۔

فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ: یعنی حضور اکرم ﷺ کی وجہ سے قضاء روزے نہیں رکھا کرتی تھیں کہ شاید حضور ﷺ کو رغبت وخواہش ہو اور شعبان میں چونکہ کثرت سے حضرت والا روزے رکھتے تھے اس لئے ازواج مطہرات کو موقع مل جاتا تھا وہ اپنے قضاء روزے پورے کرلیا کرتی تھیں۔

(ص ۲۶۱) بَابُ الْحَائِضِ تَتْرُكُ الصَّوْمَ وَالصَّلَاةَ

وقال أبو الزناد: إن السنن ووجوه الحق لتأتي كثيرا على خلاف الرأي، فما يجد المسلمون بدا من اتباعها من ذلك أن الحائض تقضي الصيام ولا تقضي الصلاة.

۱۹۵۱. حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي زَيْدٌ عَنْ عِيَاضٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟ فَذَلِكَ مِن نُقْصَانِ دِينِهَا.

ترجمہ: باب، حیض والی عورت روزہ اور نماز ترک کردے۔

ابوالزناد کہتے ہیں کہ سنت کی بہت سی باتیں اور شریعت کے بہت سے احکام قیاس اور رائے کے خلاف ہوتے ہیں، مسلمانوں کو ان کی پیروی سے چارۂ کار نہیں ہوتا، ایسا ہی ایک حکم یہ ہے کہ حائضہ روزوں کی قضاء کرے گی نماز کی قضاء نہیں کرے گی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ عورت کو جب حیض آئے تو وہ نماز نہیں پڑھتی اور روزہ نہیں رکھتی، بس یہی اس کے دین کا نقص ہے۔

تشریح: یہ وہ باب ہے جس کا میں نے کتاب الحیض میں ص ۴۶ پر حوالہ دیا تھا، یوں فرماتے ہیں مصنف کہ حائضہ نہ روزہ رکھے گی اور نہ نماز پڑھے گی، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اداءً تو دونوں ساقط اور قضاء میں نماز ساقط اور روزہ باقی۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جب شریعت نے دونوں کی اداء ساقط کردی تو قضاءً ایک کو باقی اور ایک کو ساقط کیوں کیا؟

(۱) مصنف نے اس سوال کے جواب کے لئے ابوالزناد کا اثر نقل کیا ہے، ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان کی کنیت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سنن اور حق کی بہت سی باتیں عقل کے خلاف آیا کرتی ہیں اور مسلمانوں کو سنن اور حق کا اتباع کرنا چاہئے اپنی عقل ورائے کو اس میں دخل نہیں دینا چاہئے، دیکھو حائضہ نماز کی قضاء نہیں کرتی اور روزہ کی قضاء کرتی ہے۔

(۲) لیکن بعض علماء نے اس کی عقلی حکمت بیان کی ہے کہ روزہ میں قلت ہوتی ہے لہذا اس کی قضاء میں دشواری نہیں، سال میں زیادہ سے زیادہ پانچ چھ روزے، اور نماز میں کثرت ہوتی ہے لہذا اس کی قضاء میں دشواری ہے اس لئے اس کو ہٹا دیا گیا ہے۔

(۳) اور ایک علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اگر عورتیں روزہ رکھیں گی تو لوگوں کو پتہ نہ چلے گا اور نماز قضاء کریں گی تو لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ حیض کے زمانہ کی نمازیں ہیں، میرے نزدیک یہ علت ضعیف ہے، اس لئے کہ نیت تو مخفی امر ہے، یہ کیا ضروری ہے کہ یہ بتایا جائے کہ میں کون سی نماز ادا کر رہی ہوں۔

(۴) بعضوں نے چوتھی حکمت بیان کی ہے کہ اصل میں سیدنا آدم علیہ السلام کی اہل حضرت حواء کو جب حیض آیا تو انہوں نے حضرت آدم سے یہ سوال کیا کہ میں نماز کا کیا کروں؟ آدم نے کہا کہ میں اللہ سے پوچھ کر بتاؤں گا، حق تعالیٰ سے جب سوال کیا تو حضرت جبریل نے آکر ارشاد فرمایا کہ اللہ نے کہہ دیا ہے کہ نماز ساقط، پھر آگیا رمضان کا مہینہ تو سوال کیا آدم علیہ السلام نے فرمادیا کہ کوئی ضرورت نہیں روزہ رکھنے کی، اللہ نے آدم کے کہنے کی لاج تو رکھ لی کہ اداء کو ساقط کر دیا لیکن بے پوچھے ہوئے بتایا تھا اس لئے قضاء کو ساقط نہیں فرمایا گیا۔

مگر یہ فقہاء کے بیانات ہیں اس کی کوئی سند نہ صحیح نہ ضعیف نہ مرسل نہ متصل حتی کہ موضوع سند میں بھی موجود نہیں ہے اس لئے یہ حدیث باطل اور غیر معتبر ہے۔

(ص ۲۶۱) بَابُ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ

وقال الحسن: إن صام عنه ثلاثون رجلا يوما واحدا جاز.

۱۹۵۲. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى بْنِ أَعْيَنَ ثَنَا أَبِي عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ. تَابَعَهُ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرٍو. وَرَوَاهُ يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي جَعْفَرٍ.

۱۹۵۳. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ ثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو ثَنَا زَائِدَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَقْضِيهِ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَدَيْنُ اللهِ أَحَقُّ أَنْ يُقْضَى.

قَالَ سُلَيْمَانُ: فَقَالَ الْحَكَمُ وَسَلَمَةُ وَنَحْنُ جَمِيعًا جُلُوسٌ حِينَ حَدَّثَ مُسْلِمٌ بِهَذَا الْحَدِيثِ - قَالَا: - سَمِعْنَا مُجَاهِدًا يَذْكُرُ هَذَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي خَالِدٍ الْأَحْمَرِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنِ الْحَكَمِ وَمُسْلِمٍ الْبَطِينِ وَسَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ وَعَطَاءٍ وَمُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ أُخْتِي مَاتَتْ. وَقَالَ يَحْيَى وَأَبُو مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ.

وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ نَذْرٍ. وَقَالَ أَبُو حَرِيزٍ: حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: مَاتَتْ أُمِّي وَعَلَيْهَا صَوْمُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جس کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ روزہ ہو، حسن بصری نے کہا کہ اگر اس کی طرف سے تیس آدمی ایک دن روزہ رکھیں تو کافی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا انتقال اس حال میں ہو جائے کہ اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھ سکتا ہے، اس روایت کو عمرو سے روایت کرنے میں موسی بن اعین کی متابعت ابن وہب نے کی ہے، اور اس حدیث کو یحی بن ایوب نے ابو جعفر سے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ ایک شخص نبی پاک ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہو گیا اور ان کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہیں تو کیا ان کی طرف سے میں قضاء روزے رکھوں؟ آپ نے فرمایا کہ ادائیگی میں اللہ کا حق مقدم ہے، سلیمان کہتے ہیں کہ جس وقت مسلم نے یہ حدیث بیان کی اس وقت ہم سب بیٹھے ہوئے تھے تو حکم اور سلمہ نے یہ کہا کہ ہم نے مجاہد کو یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے سنا۔

ابو خالد سے نقل کیا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے اعمش نے بیان کیا، انہوں نے روایت بیان کی حکم، مسلم بطین اور سلمہ بن کہیل سے، انہوں نے سعید بن جبیر، عطاء اور مجاہد سے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہ ایک عورت نے نبی پاک ﷺ سے یہ کہا کہ میری بہن کا انتقال ہو گیا، یحیٰ اور ابو معاویہ کہتے ہیں کہ ہم سے اعمش نے حدیث بیان کی، وہ مسلم سے روایت کرتے ہیں اور وہ سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے کہ ایک عورت نے نبی پاک ﷺ سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا، عبید اللہ روایت کرتے ہیں زید بن ابی انیسہ سے، وہ حکم سے، وہ سعید بن جبیر سے، وہ حضرت ابن عباسؓ سے کہ ایک عورت نے نبی پاک ﷺ سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا اور اس کے ذمہ نذر کے روزے ہیں، ابو حریز کہتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی عکرمہ نے اور انہوں نے روایت کیا حضرت ابن عباسؓ سے کہ ایک عورت نے نبی پاک ﷺ سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا اور ان کے ذمہ پندرہ دنوں کے روزے ہیں۔

تشریح: اگر کسی آدمی کی وفات ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو آیا اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے یا فدیہ دینا پڑے گا؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اسی لئے مصنف نے شرط ذکر فرمائی اور جواب شرط کو حذف کر دیا، خلاصہ کے طور پر یہ سمجھو کہ اس مسئلہ میں تین قول ہیں۔

(۱) امام ابو حنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کی طرف سے فدیہ دیا جائے گا، یہی امام شافعی کا قول جدید ہے۔

(۲) امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ اگر صوم نذر ہو تو ولی روزہ رکھ سکتا ہے باقی اگر صوم فرض ہو تو اس کا فدیہ دینا پڑے گا۔

(۳) حضرات محدثین کرام کی ایک جماعت یہ فرماتی ہے کہ ولی اپنے میت کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے، امام شافعی نے قول قدیم میں حدیث کی صحت پر اپنا قول معلق کیا ہے، امام بیہقی اور امام نووی نے قول قدیم ہی کو راجح قرار دیا ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حدیث مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ ثابت ہے لہٰذا اس پر عمل کرنا واجب ہے، حنابلہ فرماتے ہیں کہ روایت میں یہ تصریح ہے کہ صوم نذر تھا لہٰذا بس اگر نذر ہو تو ولی رکھ سکتا ہے باقی اور نہیں۔

امام بخاری ظاہر یہ کے ہم خیال ہیں اسی لئے حسن بصری کا اثر نقل کیا ہے۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا ہے وہ نسائی کی ابن عباسؓ کی ایک حدیث سے

استدلال کرتے ہیں أنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يَصُومُ أحَدٌ عَنْ أحَدٍ ولكن يُطعَمُ عَنْهُ، اسی طرح دوسری روایت ابن عمرؓ سے منقول ہے قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ من مَاتَ وَعَلَيهِ صَوْمُ شهر فليطعم عنهُ مَكَان كل يَوْمٍ مِسْكِين رَوَاهُ التِّرمِذِيّ، ابو العباس قرطبی مؤطا کی شرح میں فرماتے ہیں إسْنَادُه حسن۔

اب رہ گئیں وہ روایتیں جن میں مَنْ مَاتَ وَعَلَيهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ وارد ہوا ہے اس کا مالکیہ اور حنفیہ وغیرہ کی طرف سے مختلف طریقوں سے جواب دیا گیا ہے۔

(۱) پہلا جواب بعض مالکیہ کا یہ ہے کہ ابن عباسؓ کی روایت میں اضطراب ہے کہ آیا سائل مرد ہے یا عورت؟ مسئول عنہ ماں ہے یا بہن؟ روزہ ایک ماہ کا ہے یا پندرہ دن کا؟ اور پھر نذر کا ہے یا غیر نذر کا؟

مگر میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں، اس واسطے کہ اختلاف تنہا ابن عباسؓ کی روایت میں ہے حضرت عائشہؓ کی روایت میں نہیں ہے۔

(۲) بعض مالکیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ روایت عمل اہل مدینہ کے خلاف ہے۔

لیکن یہ جواب مالکیہ کے اصول پر تو صحیح ہو سکتا ہے دوسرے حضرات اس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتے اس واسطے کہ کسی کا عمل سنتِ ثابتہ کے خلاف کوئی اعتبار نہیں رکھتا ہے۔

(۳) تیسرا جواب امام ابو العباس قرطبی نے یہ دیا ہے کہ بزار کی روایت میں حدیث الباب ہی میں وارد ہوا ہے إن شاء اگر چاہے۔

مگر یہ روایت جس میں إن شاء کا لفظ وارد ہوا ہے اس میں ابن لہیعہ منفرد ہے، مزید یہ ہے کہ کوئی بھی فریق اوّل میں سے اس بات کا قائل نہیں کہ رمضان کا روزہ دوسرے کی طرف سے رکھا جاسکتا ہے اگر ولی چاہے۔

(۴) چوتھا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اللہ میاں فرماتے ہیں لا تزر وازرة وزر أخرىٰ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لا تزر وازرة وزر أخرىٰ کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں ایک کا گناہ دوسرے پر بلاوجہ نہیں لادا جائے گا، باقی بالوجہ لادنا خود نصوص سے ثابت ہے، ماقبل میں بیان کر چکا ہوں کہ ایک آدمی صلوۃ وصوم اور طاعت لیکر آئے گا لیکن اِس کو برا کہا اُس کو برا کہا تو اس کے معاصی کو لاد کر دوسرے پر لاد دیا جائے گا۔

اسی طرح کل عمل ابن آدم کفارة إلا الصوم کے عموم میں یہ صورت بھی داخل ہو سکتی ہے یعنی طاعات

کفارہ بن سکتی ہیں، ایک کو اگر نقصان پہونچایا ہے تو اس کی طاعات اٹھا کر دوسرے کو دے دی جائے گی اس لئے یہ جواب بھی دل کو نہیں لگتا ہے۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں محدثین کرام کا قول روایتی حیثیت سے ارجح معلوم ہوتا ہے، باقی حضرات ائمۂ ثلاثہ ابو حنیفہ، مالک اور شافعی نے قول جدید میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت أن رسول اللہ ﷺ قَالَ لَا یَصُومُ أحَدٌ عَنْ أحَدٍ وَلٰکِن یطعم عنہٗ اور اس مضمون کی ابن عمرؓ کی روایت پر اعتماد کیا ہے کیوں کہ یہی احوط صورت ہے، جب اختلاف آگیا تو ایسی صورت اختیار کی جائے جس میں کسی کا اختلاف نہ ہو۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ اطعام میں کتنی مقدار ہونی چاہئے اور آیا اطعام واجب ہے یا نہیں؟ امام شافعی کے یہاں اطعام واجب ہے اور ہر مسکین کو ایک مد گیہوں دے گا، یہی امام مالک فرماتے ہیں لیکن وہ اطعام کو اس وقت واجب کہتے ہیں جب مرنے والا وصیت کر کے مرا ہو، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اطعام میں وصیت واجب نہیں اور اگر وصیت کر کے مرا ہو تب بھی واجب نہیں جب تک کہ مال نہ چھوڑا ہو، اور پھر اطعام میں حضرات احناف اپنے اسی قاعدہ پر چلے ہیں نصف صاع من بر أو صاع من غیرہ۔

وقال الحسن: یہ اثر دار قطنی نے کتاب المدبج میں موصولاً روایت کیا ہے۔

صَامَ عَنْہُ وَلِیُّہٗ: اس کا ایک مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے أی فلیطعم عنہ ولیہ مکان کل صوم، یہ تاویل کچھ بعید سی لگتی ہے بلکہ بعید ہے۔

جَاءَ رَجُلٌ: حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس آدمی کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

فَدَیْنُ اللہِ أحَقُّ أنْ یُقْضٰی: یعنی جب دین عباد ایک دوسرے کی طرف سے ادا کر سکتا ہے تو دین اللہ بھی ایک شخص دوسرے کی طرف سے ادا کر سکتا ہے۔

قَالَ سُلَیْمَانُ: سلیمان سے مراد سلیمان بن مہران اعمش راوی حدیث عن مسلم البطین ہے۔

فَقَالَ الْحَکَمُ وَسَلَمَۃُ وَنَحْنُ جَمِیعًا جُلُوسٌ: حکم بن عتیبہ، سلمہ بن کہیل کہتے ہیں کہ ہم سارے کے سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے جب مسلم بطین نے یہ حدیث بیان کی تھی اس پر حکم اور سلمہ نے یوں فرمایا سَمِعْنَا مُجَاھِدًا یَذْکُرُ ھٰذَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ امام اعمش یہ حدیث نقل کرتے ہیں عَنْ مُسْلِمٍ

الْبَطِينِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اور جس وقت مسلم البطین نے یہ حدیث بیان کی اسی وقت حکم بن عتیبہ اور سلمہ بن کہیل مجلس میں موجود تھے تو انہوں نے یہ کہا کہ ہم نے یہ حدیث عن مجاھد عن ابن عباس سنی ہے، تو مسلم البطین تنہا سعید بن جبیر کے واسطے سے نقل کرتے ہیں اور حکم بن عتیبہ اور سلمہ بن کہیل یہ روایت مجاہد کے واسطے سے نقل کرتے ہیں، سعید اور مجاہد دونوں ابن عباسؓ کے تلمیذ ہیں دونوں نے یہ روایت سنی ہو گی، سعید سے مسلم بطین نے سن لی اور مجاہد سے حکم بن عتیبہ اور سلمہ نے سن لی۔

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي خَالِدٍ: اب مصنف روایت کی سند میں ایک اور اختلاف بتلا رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اعمش کبھی کہتے ہیں عَنِ الْحَكَمِ وَمُسْلِمِ الْبَطِينِ وَسَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَعَطَاءٍ وَمُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ یعنی اعمش تین استاذوں سے نقل کرتے ہیں اور ان تین استاذوں کے آگے تین استاذ ہیں، اب یہاں پر دو احتمال ہیں، ہو سکتا ہے کہ تینوں استاذوں حکم، مسلم البطین، سلمہ بن کہیل نے تینوں استاذوں سعید بن جبیر، عطاء، مجاہد سے سنا ہو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں لف ونشر غیر مرتب ہو، حکم بن عتیبہ نے روایت کی ہو عطاء سے، مسلم البطین نے روایت کی ہو سعید بن جبیر سے اور سلمہ بن کہیل نے مجاہد سے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ نسائی کی ایک روایت میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔

(ص ٢٦٢) بَابُ مَتَى يَحِلُّ فِطْرُ الصَّائِمِ

وأفطر أبو سعيد الخدري حين غاب قرص الشمس.

١٩٥٤. حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ ثَنَا سُفْيَانُ ثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: سَمِعْتُ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَاهُنَا وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَاهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ.

١٩٥٥. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ ثَنَا خَالِدٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي سَفَرٍ وَهُوَ صَائِمٌ، فَلَمَّا غَرَبَتِ الشَّمْسُ قَالَ لِبَعْضِ الْقَوْمِ: يَا فُلَانُ قُمْ فَاجْدَحْ لَنَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ أَمْسَيْتَ؟ قَالَ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ فَلَوْ أَمْسَيْتَ؟ قَالَ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا، قَالَ: إِنَّ عَلَيْكَ نَهَارًا، قَالَ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا، فَنَزَلَ فَجَدَحَ لَهُمْ فَشَرِبَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ: إِذَا رَأَيْتُمُ اللَّيْلَ قَدْ أَقْبَلَ

مِنْ هَاهُنَا فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ روزہ دار کو افطار کی اجازت کب ہوتی ہے؟

حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس وقت افطار کیا جب سورج کی ٹکیہ غائب ہوئی۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مشرق کی طرف سے تاریکی آجائے اور مغرب کی طرف سے روشنی چلی جائے اور سورج غائب ہو جائے تو روزہ دار کے افطار کا وقت ہو گیا۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ نے بیان کیا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ روزے سے تھے جب سورج غروب ہو گیا تو آپ نے قوم میں سے ایک شخص سے کہا کہ اے فلاں! تم کھڑے ہو جاؤ اور ہمارے لئے ستو گھولو، اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! اگر شام ہو جائے تو یہ خدمت انجام دوں، آپ نے فرمایا کہ اترو اور ہمارے لئے ستو گھولو، اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! اگر شام ہو جائے تو ستو گھولوں، آپ نے فرمایا کہ اترو اور ہمارے لئے ستو گھولو، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابھی دن باقی ہے، آپ نے فرمایا کہ اترو اور ستو گھولو، تب وہ اترے اور انہوں نے سب کے لئے ستو گھولا، آپ ﷺ نے اس کو نوش کیا اور فرمایا کہ جب تم تاریکی کو دیکھو کہ وہ مشرق کی طرف سے آگئی ہے تو سمجھ لو کہ روزہ دار کے افطار کا وقت ہو گیا۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ صائم کو روزہ افطار کرنا کب حلال ہے؟ آیا سورج غروب ہوتے ہی یا کچھ تھوڑا انتظار کرے حتی کہ رات کا تحقق ہو جائے؟ مصنف کا میلان یہ ہے کہ جب مضیّ نہار کا تحقق ہو جائے بس کافی ہے، جزء من اللیل کے گزرنے کی ضرورت نہیں ہے یہی تمام اہل سنت کا مسلک ہے، روافض نے اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ جب تک کوکبِ لیلی کا ظہور نہ ہو تب تک روزہ افطار نہ کرنا چاہئے۔

وَأَفْطَرَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ حِينَ غَابَ قُرْصُ الشَّمْسِ: مصنف نے ابو سعید خدریؓ کا یہ اثر جمہور کی تائید کے لئے ذکر فرمایا ہے۔

إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَاهُنَا: یعنی من جهة المشرق۔

وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَاهُنَا: یعنی من جهة المغرب۔

وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ: یہ تین چیزیں ذکر کی گئی ہیں، ان تینوں میں تلازم ہے، اقبال لیل کے لئے ادبار نہار اور ادبار نہار کے لئے اقبال لیل اور دونوں کے لئے غروب شمس اور غروب شمس کے لئے دونوں، مگر ان تینوں کی تصریح اس لئے کر دی گئی کہ بعض وقت دھوکہ لگ جایا کرتا ہے مثلاً ابر ہوا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرق کی

جانب سے رات آگئی حالانکہ ہوتا نہیں، اسی طرح ابر ہونے کی صورت میں بعض وقت مغرب کی طرف سے ادبارِ نہار محسوس ہوتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہوتی ہے اس لئے آگے وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فرمایا گیا۔

فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ: محدث ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ یہ صیغۂ خبر ہے مگر مراد اس سے امر ہے یعنی صائم کو افطار کر دینا چاہئے۔

بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے فقد صار مفطرًا یہ آدمی مفطر بن گیا۔

لیکن محدث ابن خزیمہ نے اس پر اشکال فرمایا ہے کہ پھر اس میں تعجیل افطار کا حکم کرنے سے فائدہ کیا ہوا؟ یعنی احادیث میں تعجیل افطار کا حکم کیا گیا ہے اب اگر فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ کے معنی فقد صار مفطرًا حکمًا ہے تو تعجیل افطار کا حکم کرنے کا نتیجہ کیا نکلا؟

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مطلب یہ ہوگا کہ شرعًا مفطر ہو چکا ہے اور اس کا اثر یہ ظاہر ہوگا کہ مثلاً اگر کسی نے قسم کھائی لا أفطر اور غروب شمس ہو گیا تو وہ مفطر ہو گیا۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ قسم کھانے والا جب اس طرح کی قسمیں کھاتا ہے تو وہ یہ اضطراری افطار مراد نہیں لیتا ہے، اسی لئے امام ابو اسحاق شیرازی صاحب مہذب نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ ایسا آدمی حانث نہیں ہوگا اس لئے کہ ایمان کا دار و مدار عرف پر ہوتا ہے۔

میرے نزدیک فقد صار مفطرًا کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اگر کسی ایسے امر کا ارتکاب کرتا ہے جو بحالتِ صوم مباح نہیں تو اس کے حق میں کوئی اشکال نہیں ہے، مثلاً ایک شخص بجائے پانی پینے کے اپنی بیوی سے جماع کر لے اپنی باندی سے جماع کر لے تو یہ جائز ہے۔

(ص ۲۶۲) بَابُ يُفْطِرُ بِمَا تَيَسَّرَ بِالْمَاءِ وَغَيْرِهِ

۱۹۵۶. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ ثَنَا الشَّيْبَانِيُّ سُلَيْمَانُ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى قَالَ: سِرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ صَائِمٌ، فَلَمَّا غَرَبَتِ الشَّمْسُ قَالَ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ أَمْسَيْتَ؟ قَالَ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ عَلَيْكَ نَهَارًا، قَالَ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا، قَالَ: فَنَزَلَ

فَجَدَحَ ثُمَّ قَالَ: إِذَا رَأَيْتُمُ اللَّيْلَ أَقْبَلَ مِنْ هَاهُنَا فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ جو میسر آجائے پانی وغیرہ سے افطار کرلے۔

اس باب میں وہی حدیث ہے جو سابقہ باب میں آئی تھی

تشریح: مصنف کا مقصد ظاہر ہے، مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت میں وارد ہوا ہے مَنْ وَجَدَ تَمْرًا فَلْيُفْطِرْ عَلَيْهِ وَمَنْ لم يجد تَمْرًا فَلْيُفْطِرْ عَلَى الْمَاءِ، اس روایت کی بناء پر ابن حزم کہتے ہیں کہ اصل تمر پر افطار کرنا واجب اور اگر یہ نہ ملے تو پانی پر افطار کرے، امام بخاری نے بِمَا تَيَسَّرَ کہہ کر یہ فرمادیا کہ افطار کے لئے کوئی خاص چیز ضروری نہیں ہے۔

فَلَمَّا غَرَبَتِ الشَّمْسُ قَالَ انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا: یہی حدیث امام ابوداؤد نے مسدد سے نقل کی ہے جو بخاری کے استاذ ہیں اس میں وارد ہوا ہے فَقَالَ يَا بِلَالُ انْزِلْ فَاجْدَحْ، امام بخاری نے يَا بِلَالُ کا لفظ حذف کردیا، اس حذف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ روایت کے تمام طرق اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے فرمایا تھا يَا فُلَانُ اس لئے ظن غالب یہ ہے کہ یہ يَا فُلَانُ کا يَا بِلَالُ بن گیا، چونکہ یہ مصحّف تھا اس لئے امام بخاری نے اس کو حذف فرمادیا۔

انْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا: اترو اور ہمارے لئے ستو گھول دو، وہ کہنے لگے إِنَّ عَلَيْكَ نَهَارًا روشنی دیکھ کر یہ سمجھے کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا ہے لیکن صاحبِ نبوت ﷺ دیکھ رہے تھے کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔

(ص ۲۶۳) بَابُ تَعْجِيلِ الْإِفْطَارِ

۱۹۵۷. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ.

۱۹۵۸. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ ثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَصَامَ حَتَّى أَمْسَى، قَالَ لِرَجُلٍ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لِي، قَالَ: لَوِ انْتَظَرْتَ حَتَّى تُمْسِيَ، قَالَ: انْزِلْ فَاجْدَحْ لِي، إِذَا رَأَيْتَ اللَّيْلَ قَدْ أَقْبَلَ مِنْ هَاهُنَا فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ.

ترجمہ: باب، افطار میں جلدی کرنے کا بیان۔

حضرت سہل بن سعدؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اس وقت تک مسلسل خیر پر رہیں گے جب تک کہ وہ

افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔

دوسری روایت کا ترجمہ قریب ہی میں کئی جگہ آچکا ہے

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ صائم کے لئے افطار عین غروب شمس کے وقت جائز ہے، لیکن اس کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ افطار میں تعجیل کرنا مستحبات میں سے ہے، شیعہ تاخیر کو مستحب سمجھتے ہیں، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے شیعہ کی تردید کی ہے ایسے ہی یہود و نصاریٰ بھی تاخیر کرتے ہیں، ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے إنَّ اليهود والنصارى يؤخرون اور ایک روایت میں ہے لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔

(ص ۲۶۳) بَابُ إِذَا أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ

۱۹۵۹. حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: أَفْطَرْنَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي يَوْمِ غَيْمٍ، ثُمَّ طَلَعَتِ الشَّمْسُ. قِيلَ لِهِشَامٍ: فَأُمِرُوا بِالْقَضَاءِ؟ قَالَ: بُدٌّ مِنْ قَضَاءٍ. وَقَالَ مَعْمَرٌ: سَمِعْتُ هِشَامًا: لَا أَدْرِي أَقْضَوْا أَمْ لَا؟

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ اگر رمضان میں افطار کے بعد سورج نکل آئے یعنی غروب نہ ہونے کا علم ہو تو کیا حکم ہے؟

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے بیان کیا کہ ہم نے نبی پاک ﷺ کے زمانے میں بادل کے دن میں افطار کیا پھر سورج نظر آیا، ہشام سے دریافت کیا گیا کہ کیا ان کو قضاء کا حکم دیا گیا؟ تو ہشام نے جواب دیا کہ قضاء تو ضروری ہے، معمر کہتے ہیں کہ میں نے ہشام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے قضاء کی یا نہیں؟

تشریح: مصنف نے جو مسئلہ ذکر کیا ہے وہ کھلا ہوا ہے کہ اتفاق سے ابر اور غبار کی وجہ سے پتہ نہیں چلا لوگ سمجھے کہ رات ہوگئی اور افطار کر دیا بعد میں سورج نکل آیا تو آیا اب قضاء واجب ہوگی یا واجب نہیں ہوگی؟ یا قضاء کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔

(۱) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ قضاء واجب ہے یہی ائمۂ اربعہ کا مسلک ہے۔

(۲) امام احمد سے ایک روایت اور یہی اسحاق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کا مسلک ہے کہ قضاء بھی واجب نہیں ہوگی، اسی کو محدث ابن خزیمہ نے اختیار کیا ہے۔

(۳) امام احمدؒ سے ایک تیسری روایت منقول ہے کہ قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں، امام بخاری کا رجحان اس مسئلہ میں جمہور کے قول کی طرف ہے اسی لئے حضرت اسماءؓ کی حدیث ذکر فرمائی ہے فَأُمِرُوا بِالْقَضَاءِ؟ قَالَ بُدٌّ مِنْ قَضَاءٍ۔

قِيلَ لِهِشَامٍ: فَأُمِرُوا بِالْقَضَاءِ؟: ہشام بن عروہ سے لوگوں نے پوچھا کہ قضاء کا بھی حکم دیا گیا تھا؟ قَالَ: بُدٌّ مِنْ قَضَاءٍ بھلا روزہ کے قضاء کرنے کے علاوہ بھی کوئی اور راستہ ہے؟

وَقَالَ مَعْمَرٌ: سَمِعْتُ هِشَامًا لَا أَدْرِي أَقَضَوْا أَمْ لَا: ہشام کہتے ہیں کہ معلوم نہیں قضاء کیا یا نہیں؟ ہشام کے فتویٰ میں اور ان لوگوں کے بیان میں تعارض ہے، اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ اصل میں ہشام سے جب استفتاء کیا گیا تو انہوں نے اپنی رائے پر فتویٰ دیا کہ جب روزہ نہیں ہوا تو قضاء کے علاوہ اور کیا راستہ ہے؟ لیکن نقل کے اعتبار سے انہوں نے تأمل کا اظہار کیا کہ یہ بات منقول نہیں ہے کہ انہوں نے روزہ کی قضاء کی یا نہیں، لہذا میں یہ نہیں کہہ سکتا ہوں آیا انہوں نے روزہ کی قضاء کی یا نہیں کی۔

(ص ۲۶۳) بَابُ صَوْمِ الصِّبْيَانِ

وقال عمر لنشوان في رمضان: ويلك! وصبياننا صيام، فضربه.

۱۹۶۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ ثَنَا خَالِدُ بْنُ ذَكْوَانَ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ: أَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ غَدَاةَ عَاشُورَاءَ إِلَى قُرَى الْأَنْصَارِ: مَنْ أَصْبَحَ مُفْطِرًا فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ أَصْبَحَ صَائِمًا فَلْيَصُمْ، قَالَتْ: فَكُنَّا نَصُومُهُ بَعْدُ وَنُصَوِّمُ صِبْيَانَنَا وَنَجْعَلُ لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ، فَإِذَا بَكَى أَحَدُهُمْ عَلَى الطَّعَامِ أَعْطَيْنَاهُ ذَاكَ حَتَّى يَكُونَ عِنْدَ الْإِفْطَارِ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: الْعِهْنُ الصُّوفُ.

ترجمہ: باب، بچوں کے روزہ کا بیان، حضرت عمرؓ نے رمضان میں ایک نشہ کرنے والے سے کہا کہ تیرا برا ہو، ہمارے تو بچے بھی روزے سے ہیں، اس کے بعد اس کو کوڑے لگائے۔

ربیع بنت معوذؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے عاشوراء کی صبح کو انصار کی آبادیوں میں یہ پیغام بھیجا کہ جس نے صبح میں کھالیا ہے وہ باقی دن کچھ نہ کھائے اور جس نے صبح روزے کی حالت میں کی وہ روزہ رکھے، وہ کہتی ہیں کہ اس اعلان کے بعد ہم خود بھی روزہ رکھتے تھے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے تھے، اور ہم ان کے لئے اون کا کھلونا رکھتے تھے جب ان میں سے کوئی

کھانے کے لئے روتا وہ کھلونا اس کو دیا کرتے تھے یہاں تک کہ افطار کا وقت ہو جاتا۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر بچوں کو تمرین کی غرض سے روزہ رکھوایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ بچوں کو بلوغ سے پہلے روزہ رکھوایا جائے گا یا نہیں؟ جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ بچوں کے حق میں تمرین کی نیت سے روزہ رکھوانا مشروع ہے۔

پھر یہ کہ کس عمر سے روزہ رکھوانا چاہئے؟ ۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ سات سال سے لیکر دس سال تک کی عمر میں ان کو روزہ رکھوایا جائے، ۲۔ اسحاق کہتے ہیں کہ جب بارہ سال کے ہو جائیں، ۳۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ جب دس سال کے ہو جائیں، ۴۔ مالکیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بچوں کے حق میں روزہ مشروع ہی نہیں۔

امام بخاری نے جمہور کی تائید کی ہے اور بڑے لطیف طریقہ سے مالکیہ پر رد کیا ہے، حاصل ترجیح یہ ہے کہ مالکیہ عمل اہلِ مدینہ کو دلیل بناتے ہیں اور اکابر مدنیین میں حضرت عمرؓ ہیں، انہوں نے ایک بدمست آدمی کو جس نے رمضان میں شراب پی لی تھی اور مست ہو گیا تھا کوڑے لگوائے اور یوں فرمایا کہ اے بے شرم! وَيْلَكَ وَصِبْيَانُنَا صِيَامٌ ہمارے تو بچے بھی روزے سے ہیں۔

وَنُصَوِّمُ صِبْيَانَنَا: مسلم کی روایت میں ہے وَنُصَوِّمُ صِبْيَانَنَا الصِّغَارَ ہم اپنے چھوٹے بچوں کو روزہ رکھواتے تھے، یہاں سوال یہ ہے کہ یہ تو بچوں کو تکلیف پہونچانا ہوا جبکہ شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، احکام اسلامیہ پر عمل کرنے کا شوق و جذبہ تھا، اسی غلبۂ شوق میں خود بھی کر لیتے اور بچوں سے بھی کروالیتے، نیز اس سے مراد ایسے چھوٹے بچے نہیں جو روزہ کے قطعاً متحمل نہ ہوں اس کو تو ہر آدمی سمجھ سکتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہوگی جب سردی کا زمانہ ہو گا روزے چھوٹے ہوتے ہیں صحابہ خود بھی روزے رکھ لیتے اور بچے بھی رکھ لیتے تھے۔

وَنَجْعَلُ لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ: اور ہم ان کے لئے اون کی گڑیا بنا دیتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کو لئے اُون کی گڑیا بنا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، علماء نے لکھا ہے کہ بچیوں کے لئے ایسی گڑیا بنانا جس کو تم لوگ سمجھتے ہو جائز ہے، حنفیہ، حنابلہ، شافعیہ اور مالکیہ وغیرہ کی کتابوں میں مصرح ہے، لیکن بعض مالکیہ اور شافعیہ کے کلام سے کچھ منع سا نکلتا ہے، راجح جواز ہے البتہ گڑیا حیوان کی بالکل شکل کی نہ ہو کہ اس کی آنکھ بھی

ہو، ناک بھی ہو اور کان بھی بنایا جائے بس ویسے ہی کپڑا لپیٹ لیا جائے اور کمر پر ذرا کس دیا جائے گردن کس دی جائے معلوم ہو کہ کوئی بڑھیا ہے جس کے نہ ناک ہے اور نہ آنکھ اور نہ کان ہے۔

(ص ۲۶۳) بَابُ الْوِصَالِ، وَمَنْ قَالَ لَيْسَ فِي اللَّيْلِ صِيَامٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ

ونهى النبي ﷺ عنه رحمة لهم وإبقاء عليهم وما يكره من التعمّق.

١٩٦١. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثنا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تُوَاصِلُوا، قَالُوا: إِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْكُمْ إِنِّي أُطْعَمُ وَأُسْقَى - أَوْ إِنِّي أَبِيتُ أُطْعَمُ وَأُسْقَى.

١٩٦٢. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ، قَالُوا: إِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: إِنِّي لَسْتُ مِثْلَكُمْ إِنِّي أُطْعَمُ وَأُسْقَى.

١٩٦٣. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ ثَنَا اللَّيْثُ ثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: لَا تُوَاصِلُوا، فَأَيُّكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ، قَالُوا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي أَبِيتُ لِي مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِي وَسَاقٍ يَسْقِينِ.

١٩٦٤. حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدٌ قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ رَحْمَةً لَهُمْ فَقَالُوا: إِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: لَمْ يَذْكُرْ عُثْمَانُ "رَحْمَةً لَهُمْ".

ترجمہ: باب، صوم وصال کا بیان، نیز ان لوگوں کے موقف کا ذکر جو یہ کہتے ہیں کہ رات میں روزہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ پھر روزے پورے کرو رات تک، نیز نبی پاک ﷺ نے صحابہ کو صوم وصال سے مہربانی اور شفقت کی وجہ سے منع فرمایا، نیز اس بات کا بیان کہ اس معاملہ میں تعمق یعنی مبالغہ کرنا ناپسندیدہ ہے۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ صوم وصال نہ رکھو، صحابہ نے عرض کیا کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا معاملہ تمہارے کسی فرد کی مانند نہیں ہے، مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے، یا یہ فرمایا کہ میں اس حال میں

رات گزارتا ہوں کہ مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا، صحابہ نے عرض کیا کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صوم وصال نہ رکھو اور تم میں سے جو صوم وصال کا ارادہ کرے تو وہ سحر کے وقت تک وصال کرلے (یعنی سحر تک کھائے پیئے بغیر رہ سکتا ہے) صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرے واسطے کھلانے والا ہوتا ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور پلانے والا ہوتا ہے جو مجھے پلاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ پر شفقت کے لئے صوم وصال سے منع فرمایا، صحابہ نے عرض کیا کہ آپ صوم وصال رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ عثمان نے رَحْمَةً لَهُمْ کا اضافہ ذکر نہیں کیا۔

تشریح: وصال کے معنی ظاہر ہے، اصطلاح صیام میں وصال کہتے ہیں پیاپے روزے رکھنے کو، پیاپے روزے رکھنا کیسا ہے؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں، (۱) حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ وصال مکروہ تنزیہی ہے، (۲) شافعیہ اور ظاہریہ کہتے ہیں کہ حرام ہے، (۳) حنابلہ فرماتے ہیں کہ سحر تک جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے اور سحر کے بعد مکروہ تنزیہی ہے، امام بخاری نے اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں کیا اس لئے کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور ترجمہ میں اجمال رکھا ہے۔

آگے فرماتے ہیں وَمَنْ قَالَ لَيْسَ فِي اللَّيْلِ صِيَامٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ یہ کہنے والے ابو العالیہ ہیں، ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ رات میں تھوڑے روزہ ہے؟ اللہ نے تو روزہ کی حدرات کے دخول کو بنایا ہے لہٰذا جب رات داخل ہوگئی تو روزہ کا وقت ختم ہوگیا، اب وصالِ صیام کے کیا معنیٰ؟

آگے امام بخاری اپنی رائے بتلاتے ہیں وَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْهُ رَحْمَةً لَهُمْ وَإِبْقَاءً عَلَيْهِمْ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ التَّعَمُّقِ نبی اکرم ﷺ نے وصال سے منع کیا ہے رحمت وشفقت کی وجہ سے لیکن تعمق اس باب میں مکروہ ہے، بخاری کی جو رائے معلوم ہوتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رات تو وقت صوم ہے نہیں لیکن وصال سرکار دوعالم ﷺ سے ثابت ہے اور آپ نے امت کو رحمةً وشفقةً منع کیا ہے، اگر ایکادن کا وصال ہوگیا تو گنجائش ہے البتہ

تعمق اور غلو کرنا پیاپے وصال کرنا مکروہ ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا ہے۔

إِنَّکَ تُوَاصِلُ: حضور اکرم ﷺ وصال کرتے تھے اور صحابہ کو منع کرتے تھے، جب صحابہ نے وصال پر یہ دلیل پیش کی کہ آپ بھی تو وصال کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں تم جیسا نہیں ہوں إِنِّي أُطْعَمُ وَأُسْقَى مجھ کو کھلایا پلایا جاتا ہے یا یوں فرمایا إِنِّي أَبِيتُ أُطْعَمُ وَأُسْقَى بعض الفاظ میں ہے إِنَّ رَبِّي يطعمني ويسقيني۔

سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ کو جب کھلایا پلایا جاتا تھا تو آپ کا وصال کہاں باقی رہا؟ اس کا جواب ۱ یہ ہے کہ یہ طعام وشرابِ جنت ہوتا تھا جو وصال میں مؤثر نہیں، ۲ بعضوں نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ معنوی کھانا اور روحانی غذا تھی، ۳ تیسرا جواب یہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کو وصال میں ایسی قوت معلوم ہوتی تھی جیسے کھاپی کر ہوتی ہے، یا یوں کہیے کہ بلا کھائے پیئے ہی آپ کو سیرابی اور آسودگی محسوس ہوتی تھی، ۴ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اصل میں حضور ﷺ پر اس وقت عشق خداوندی اور یادِ ربانی کا اتنا غلبہ اور زور ہوتا تھا کہ اس میں مشغولی کی وجہ سے آپ کو ایسی لذت محسوس ہوتی تھی جو کھانے اور پینے پر غالب آجاتی تھی گویا آپ کھائے ہوئے اور پانی پیئے ہوئے ہوتے تھے، شاعر کہتا ہے

لَهَا أَحَادِيثُ مِنْ ذِكْرَاکَ تَشْغَلُهَا عَنِ الشَّرَابِ وَتُلْهِيهَا عَنِ الزَّادِ

میری محبوبہ کی ایسی باتیں ہیں کہ اگر اس کا تذکرہ چھیڑ دیا جائے تو وہ کھانے اور پینے سے غافل کردیں گی۔

اور یہ تجربہ ہے کہ اگر کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے ساتھ مصروف کلام ہونے میں کھانے پینے سے غفلت ہوجایا کرتی ہے۔

حضرت جی مولانا یوسف کا واقعہ: میں نے حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کو دیکھا ہے ان کے سامنے ناشتہ کے وقت چائے پیش کی گئی، اجتماع ہو رہا تھا، حضرت مولانا ایک جماعت سے محو گفتگو تھے چائے ٹھنڈی ہوگئی لیکن حضرت کا التفات نہیں ہوا، چائے والے نے دوبارہ چائے پیش کی اور حضرت محوِ گفتار اور کہہ بھی دیا کہ چائے حاضر ہے ایک گھونٹ پی کر رکھ دیا، ٹھنڈی ہونے کو تھی کہ حضرت شیخ دامت برکاتہم نے فرمایا یوسف چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے، حضرت مولانا نے جلدی سے چائے پی لی چونکہ مولانا؛ حضرت شیخ کے شاگرد بھی

تھے اور پروردہ بھی تھے اور حضرت بے انتہا احترام کرتے تھے اس لئے فوراً چائے پی لی، یہ ہے محویت۔

اگر کسی سے تعلق اور محبت ہوتی ہے تو اس سے بات کرنے میں اتنی مصروفیت ہو جاتی ہے اور ایسی محویت طاری ہو جاتی ہے کہ کھانا پینا بھول جاتا ہے اور ضروری امور مختل ہو جاتے ہیں، پھر حضرت حق جو مرکزِ جمال ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا إن الله جميل يحب الجمال اگر ان کے جمال کا کوئی عکس کسی عارف کے قلب پر پڑ جائے اور اس کی یاد کی دھن کسی قلب پر لگ جائے اور اللہ کرے کہ ہم سب کے دلوں کو خوب خوب لگ جائے تو پھر پتہ چل جائے گا کہ اس کی یاد میں کتنا لطف اور کتنا مزہ آتا ہے۔

حضرت شیخ زکریا کا حال: حضرت شیخ دامت برکاتہم رمضان شریف میں پورے مہینہ کوئی غذا نہیں چکھتے ہیں، صرف یخنی کی ایک دو پیالیاں پیش کی جاتی ہیں یا زبردستی ابو الحسن صاحب (شیخ کے خاص خادم) ایک دو انڈے ٹھوس دیتے ہیں، ٹھوس دینے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت کھاتے نہیں لیکن ابو الحسن ایسا عجیب خادم ہے کہ سو منطقوں سے کھلا دیتا ہے، عقل نہیں کام کرتی کہ حضرت ویسے کے ویسے ہیں، اور نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں، بہت کم خوراک ہے حضرت کی، وہی بات ہے

لَهَا أَحَادِيثُ مِنْ ذِكْرَاكَ تَشْغَلُهَا عَنِ الشَّرَابِ وَتُلْهِيهَا عَنِ الزَّادِ

(ص ۲۶۳) بَابُ التَّنْكِيلِ لِمَنْ أَكْثَرَ الْوِصَالَ

رواه أنس عن النبي ﷺ.

١٩٦٥ . حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ: إِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: وَأَيُّكُمْ مِثْلِي إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ، فَلَمَّا أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا عَنِ الْوِصَالِ وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ثُمَّ يَوْمًا ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ فَقَالَ: لَوْ تَأَخَّرَ لَزِدْتُكُمْ، كَالتَّنْكِيلِ لَهُمْ حِينَ أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا.

١٩٦٦ . حَدَّثَنَا يَحْيَى ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ مَرَّتَيْنِ، قِيلَ: إِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ، فَاكْلَفُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ.

ترجمہ: باب، اس شخص کی فہمائش کا بیان جو صوم وصال زیادہ رکھے، اس مضمون کو نبی کریم ﷺ سے حضرت انسؓ نے بیان کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے میرے مثل کون ہے؟ میں رات اس حال میں گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، تو جب صحابہ نے صوم وصال ترک کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان کو ایک دن صوم وصال رکھوایا، پھر ایک دن اور رکھوایا، پھر چاند نظر آگیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چاند تاخیر سے نظر آتا تو میں تمہیں مزید صوم وصال رکھواتا، آپ نے یہ بات ان کی فہمائش کے لئے کہی، کیوں کہ انہوں نے صوم وصال ترک کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ صوم وصال سے بچو، آپ نے یہ بات دو مرتبہ فرمائی، عرض کیا گیا کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں رات اس حال میں گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے، تم اتنا عمل اختیار کرو جتنے کی طاقت رکھتے ہو۔

تشریح: تنکیل ماخوذ ہے نِکل سے اور نِکل کہتے ہیں اس بیڑی کو جو سواری اور گھوڑے کے منھ میں ڈالا جاتا ہے، اسی سے نکال ہے عذاب کے معنی میں، تنکیل کہتے ہیں توبیخ اور عقوبت کو، عذاب دینے کو، زجر و سرزنش کرنے کو، جو اکثار وصال کرے یعنی مسلسل روزے رکھے اس پر اگر تنکیل کی جائے اور اس کو باتیں سنائی جائیں تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے۔

وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ثُمَّ يَوْمًا: یہ آگیا وہ لفظ جس کا میں نے ماقبل میں حوالہ دیا تھا باب برکۃ السحور من غیر إیجاب کے ذیل میں، سحور مندوب ہے لیکن واجب نہیں ہے۔

(ص ۲۶۴) بَابُ الْوِصَالِ إِلَى السَّحَرِ

۱۹۶۷. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ ثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: لَا تُوَاصِلُوا فَأَيُّكُمْ أَرَادَ أَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ، قَالُوا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي أَبِيتُ لِي مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِي وَسَاقٍ يَسْقِينِ.

ترجمہ: باب، سحر تک صوم وصال رکھنے کا بیان۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صوم وصال نہ رکھو اور تم میں

سے جس کا ارادہ صوم وصال کا ہو وہ سحر تک صوم وصال رکھ لے، صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرے واسطے ایک کھلانے والا ہوتا ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور ایک سیراب کرنے والا ہوتا ہے جو مجھے سیراب کرتا ہے۔

تشریح: یہ آگیا دوسرا باب، یوں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سحر تک وصال کرتا ہے تو گنجائش ہے، یہی امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہ، ابن منذر، ابن خزیمہ اور مالکیہ کی ایک جماعت کا مسلک ہے، جمہور علماء کی رائے میں بیان کر چکا ہوں، حنابلہ فرماتے ہیں کہ بعد السحر وصال کرنا مکروہ ہے اور شافعیہ اور ظاہریہ مطلقاً حرمت کے قائل ہیں، حنفیہ اور مالکیہ مطلقاً کراہت کے قائل ہیں۔

(ص ۲۶۴) بَابُ مَنْ أَقْسَمَ عَلَى أَخِيهِ لِيُفْطِرَ فِي التَّطَوُّعِ

ولم ير عليه قضاء إذا كان أوفق له.

١٩٦٨ . حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ ثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً فَقَالَ لَهَا: مَا شَأْنُكِ؟ قَالَتْ: أَخُوكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا، فَجَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا فَقَالَ: كُلْ، قَالَ: فَإِنِّي صَائِمٌ، قَالَ: مَا أَنَا بِآكِلٍ حَتَّى تَأْكُلَ، قَالَ: فَأَكَلَ، فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُومُ قَالَ: نَمْ، فَنَامَ ثُمَّ ذَهَبَ يَقُومُ فَقَالَ: نَمْ، فَلَمَّا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ قَالَ سَلْمَانُ: قُمِ الآنَ، فَصَلَّيَا فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ: إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: صَدَقَ سَلْمَانُ.

ترجمہ: باب، اس شخص کا بیان جو اپنے بھائی کو نفل روزہ توڑنے کی قسم دے، اور اس شخص کے موقف کا بیان جو اس میں قضاء کا قائل نہیں جب کہ روزہ توڑنا اس کے لئے زیادہ مناسب ہو۔

حضرت ابوجحیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت سلمانؓ اور حضرت ابودرداءؓ کے درمیان مواخات کرائی تھی، حضرت سلمانؓ حضرت ابودرداءؓ کے گھر آئے تو انہوں نے ام درداءؓ کو میلے کپڑوں میں دیکھا انہوں نے کہا کہ تمہیں کیا ہوا؟ ام درداءؓ نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی ابودرداءؓ کو دنیا کی چیزوں سے کوئی سروکار نہیں ہے، ابودرداءؓ آئے انہوں نے حضرت سلمانؓ

کے لئے کھانا تیار کیا، حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا کہ تم بھی کھاؤ، وہ کہنے لگے کہ میرا روزہ ہے، حضرت سلمانؓ نے کہا کہ جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی کھانے والا نہیں، تو ابو درداءؓ نے کھایا، جب رات آئی تو ابو درداءؓ عبادت کے لئے کھڑے ہوئے، حضرت سلمانؓ نے کہا کہ سو جاؤ تو وہ سو گئے اور پھر عبادت کے لئے کھڑے ہونے لگے، انہوں نے کہا کہ سو جاؤ، پھر جب رات کا آخری حصہ آیا تو حضرت سلمانؓ نے کہا کہ اب نماز کے لئے کھڑے ہو، ان دونوں نے نماز پڑھی، پھر حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا کہ بے شک تمہارے رب کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے نفس کا بھی تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے گھر والوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے تو ہر حقدار کو اس کا حق دو، حضرت ابو درداءؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور یہ قصہ بیان کیا، نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ سلمان نے درست کہا۔

تشریح: یہاں سے امام بخاری نے صوم تطوع کے ابواب شروع فرمائے ہیں، آگے روایت کے ذیل میں ترجمہ کے متعلق کلام آئے گا۔

نفل روزہ رکھنا بالاتفاق مستحب ہے، اور اگر کسی آدمی نے روزہ شروع کر دیا تو اس کا اتمام واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کو افطار کرا دیا تو اس پر قضاء ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

(۱) جمہور علماء جس میں امام شافعی اور امام احمد ہیں فرماتے ہیں کہ اس کا اتمام واجب نہیں ہے اور اگر کسی شخص نے افطار کر دیا تو اس پر قضاء بھی واجب نہیں ہوگی، (۲) امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ قضاء واجب ہے، پھر اس کے بعد امام ابو حنیفہ اور امام احمد کہتے ہیں کہ مطلقاً واجب ہے اور (۳) امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر بلا عذر افطار کیا ہے تو واجب ہے ورنہ عذر کی صورت میں واجب نہیں۔

امام بخاری کا وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ قَضَاءً إِذَا كَانَ أَوْفَقَ لَهُ کہنا اسی بات کی طرف مشیر ہے کہ وہ امام مالک کے ہم خیال ہیں۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ صوم تطوع اختیاری ہے، جیسے ابتداء میں اختیار ہے بقاء کی صورت میں بھی اختیار ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت جویریہ بنت حارثؓ نے جمعہ کے دن روزہ رکھا تھا، رسول پاک ﷺ نے ان سے افطار کرا دیا جیسا کہ آئندہ بخاری شریف میں ص ۲۶۶ کی سطر اخیر میں آرہا ہے، اسی طرح اور بھی دوسری روایات ایسی ہیں جس میں حضور ﷺ نے صائمین تطوع کو اختیار دیا إن شاء صامه وإن شاء أفطر۔

اور جو حضرات ایجابِ قضاء کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے روزہ توڑ دینے کی صورت

میں قضاء کا حکم دیا ہے، چنانچہ امام مالک نے مؤطا میں ابن شہاب زہری سے نقل کیا ہے أَنَّ عَائِشَةَ وَحَفْصَةَ زَوْجَتِي النَّبِيِّ ﷺ أَصْبَحَتَا صَائِمَتَيْنِ مُتَطَوِّعَتَيْنِ فَأُهْدِيَ لَهُمَا طَعَامٌ فَأَفْطَرَتَا عَلَيْهِ فَدَخَلَ عَلَيْهِمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ وَبَدَرَتْنِي بِالْكَلَامِ وَكَانَتْ بِنْتَ أَبِيهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَصْبَحْتُ أَنَا وَعَائِشَةُ صَائِمَتَيْنِ مُتَطَوِّعَتَيْنِ فَأُهْدِيَ لَنَا طَعَامٌ فَأَفْطَرْنَا عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اقْضِيَا يَوْمًا، یہ حدیث حضرت امام ترمذی اور نسائی نے بھی اسی طرح سے ابن شہاب زہری کے طریق سے نقل کی ہے لیکن زہری اور عائشہؓ کے درمیان عروہ کا واسطہ نقل فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی نفلی روزہ رکھے تو اس پر اس کا اتمام ضروری ہے اور پھر روایتوں میں یہ وارد ہوا ہے کہ صائم اگر قضاء کرے تو کوئی حرج نہیں وہ استحباب پر محمول ہے عند المالکیہ، اور احناف یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ ابتداء امر کا واقعہ ہو جب ایجابِ اتمام تطوع کا حکم نہیں ہوا تھا۔

ایک توجیہ بعض احناف نے کی ہے أي في الابتداء ابتداء میں اختیار ہے، ویسے مسئلہ کی وضاحت کتاب الایمان میں حضرت طلحہؓ کی روایت هل علي غیرها کے ذیل میں ہو چکی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: یہ حدیث امام بخاری نے اسی سند کے ساتھ کتاب الادب میں ص ۹۰۶ پر تخریج فرمائی ہے، یہ حدیث بخاری میں بیک سند و متن مکرر ہے۔

آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ: نبی اکرم ﷺ نے حضرت سلمانؓ اور حضرت ابو درداءؓ کے درمیان مؤاخات کرائی تھی۔

مؤاخات دو مرتبہ ہوئی: آنحضور ﷺ نے صحابہ میں مؤاخات دو مرتبہ کرائی ہے، ایک مرتبہ ہجرت سے پہلے اور یہ مہاجرین کے مابین ہوئی ہے، اور دوسری مرتبہ ہجرت کے بعد اور یہ مہاجرین وانصار کے مابین ہوئی ہے، جب جیسا موقع ملا آنحضور ﷺ مؤاخات کرا دیا کرتے تھے۔

فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً: حضرت ام درداءؓ کو دیکھا کہ وہ کام کاج کے کپڑے پہنے ہوئے تھیں یعنی زینت کے کپڑے نہیں تھے، قاعدہ یہ ہے کہ بیوی اپنے خاوند کے لئے تزین کرتی ہے اور تبذل کے (یعنی سادہ اور معمولی) کپڑے وہ اس وقت پہنتی ہے جب کام کاج کرنا ہو بے وقت ان کپڑوں کو وہ پسند نہیں کرتی ہے، حضرت ام درداءؓ کو جب حضرت سلمانؓ نے بغیر زینت کے کپڑوں میں دیکھا تو حال پوچھا، انہوں نے کہا کہ ابو درداء کو دنیا میں

کوئی حاجت ہے نہیں پھر میں کپڑے ہی کس کے لئے تبدیل کروں گی؟ اتنے میں ابو درداءؓ آ گئے کھانا پکایا اور کہا کہ کھالو تو کہا کہ میں روزہ سے ہوں، حضرت سلمانؓ نے فرمادیا مَا أَنَا بِآكِلٍ حَتّٰى تَأْكُلَ میاں صاحب! جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں کھا نہیں سکتا، مجبوراً حضرت ابو درداءؓ کو کھانا پڑا۔

یہاں پر اشکال یہ ہے کہ اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے أقسم علی أخیه کا مضمون ثابت ہو جو ترجمہ میں مذکور ہے، یہاں تو صرف اتنی بات ہے کہ حضرت سلمانؓ نے حضرت ابو درداءؓ سے کہہ دیا کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم نہیں کھاؤ گے پھر روایت سے ترجمہ کیسے ثابت ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہی روایت حضرت امام بزار نے محمد بن بشار سے تخریج کی ہے جو بخاری کے استاذ ہیں جس میں ہے أقسمت علیک لتفطرنّ اور اسی طرح سے تمام محدثین جنہوں نے یہ روایت تخریج فرمائی ہے ان کی روایت میں واقع ہوا ہے جیسے ابن خزیمہ، دار قطنی، ابن حبان وغیرہم۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ روایت محمد بن بشار نے بخاری سے نقل کی تو یہ جملہ نقل نہیں کیا اور جب اپنے دوسرے تلامذہ سے نقل کی تو اس جملہ کو نقل کیا، امام بخاری کو خود سنتے ہوئے یہ جملہ نہیں پہنچا تھا لیکن بہرحال روایت میں معروف تھا اس واسطے ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ فرمادیا۔

فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ: جب رات کا وقت آیا تو ابو درداءؓ تہجد کے لئے کھڑے ہو گئے حضرت سلمانؓ نے فرمایا میاں صاحب! پہلے سو جاؤ، سو گئے پھر اٹھنے کا ارادہ کیا فرمایا کہ سو جاؤ، پھر جب آخری شب ہوئی تو سلمانؓ نے فرمایا کہ اب اٹھو اور نماز پڑھو چنانچہ دونوں نے نماز پڑھی، اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے کہا إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا تیرے رب کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے نفس کا بھی حق ہے، تیرے اہل کا بھی حق ہے، ہر حق والے کو اس کا حق ادا کرو، نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر سارا ماجرا ذکر کیا، آنحضور ﷺ نے فرمایا صَدَقَ سَلْمَانُ سلمان نے سچ کہا، حق تعالیٰ کس قدر کریم ہے کہ بندوں سے ہر وقت اپنی عبادت کا مطالبہ نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کے آپس کے حقوق کی بھی رعایت فرماتے ہیں۔

(ص ۲۶۴) بَابُ صَوْمِ شَعْبَانَ

١٩٦٩. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ: لَا يُفْطِرُ، وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ: لَا يَصُومُ، فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ إِلَّا رَمَضَانَ، وَمَا رَأَيْتُهُ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِي شَعْبَانَ.

١٩٧٠. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ ثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ قَالَتْ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُ شَهْرًا أَكْثَرَ مِنْ شَعْبَانَ؛ فَإِنَّهُ كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ كُلَّهُ، وَكَانَ يَقُولُ: خُذُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ؛ فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا، وَأَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مَا دُووِمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّتْ، وَكَانَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً دَاوَمَ عَلَيْهَا.

ترجمہ: باب، شعبان کے مہینہ میں روزہ رکھنے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (روزہ رکھنا شروع کرتے تو مسلسل) روزہ رکھتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ روزہ موقوف نہیں کریں گے اور روزہ موقوف (بھی مسلسل) فرماتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ روزے نہیں رکھیں گے، میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی ماہ میں مکمل روزے رکھے ہوں سوائے رمضان کے اور میں نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے رکھتے ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ شعبان سے زیادہ روزے کسی ماہ میں بھی نہیں رکھتے تھے، آپ شعبان میں پورے ماہ روزہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اتنا عمل اختیار کرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتائے گا یعنی اجر وثواب دینا بند نہیں کرے گا یہاں تک کہ تم اکتا جاؤ اور نبی پاک ﷺ کو سب سے محبوب نماز وہ تھی جس پر مداومت کی جائے خواہ وہ کم ہو اور آپ ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تھے تو اس پر مداومت فرماتے تھے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد شعبان کے روزہ کی ترغیب بیان کرنا ہے۔

شعبان کی وجہ تسمیہ: (۱) شعبان کو شعبان اس لئے کہتے ہیں کہ اہل عرب اس مہینہ میں طلب مال اور غارات کے واسطے نکلا کرتے تھے یعنی لوٹ مار اور قتل وانتقام کی غرض سے منتشر ہو جاتے تھے، (۲) بعض کہتے ہیں سمي بِهِ لأنَهُ يتشعب فِيهِ خير كثير کہ رمضان اس واسطے کہ اس میں رمضان کی طرح سے خیر کثیر منتشر ہوتی ہے، (۳) یا یہ کہ آئندہ رمضان کے اعزاز میں اس مہینہ میں خیر کثیر منتشر ہوتی ہے، لیکن یہ تسمیہ ضعیف ہے

اس لئے کہ اس مہینہ کو شعبان اسلام سے پہلے ہی کہا جاتا تھا، اور روزۂ رمضان کی فرضیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ پہلے فرض ہوا ہے یا اس امت کے خصائص میں سے ہے۔

وَمَا رَأَيْتُهُ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِي شَعْبَانَ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں کثرت سے روزہ رکھتے تھے۔

شعبان میں کثرت سے روزہ رکھنے کی وجوہ: (۱) ابوداؤد اور نسائی وغیرہ میں یہ وارد ہوا ہے کہ شعبان ایک ایسا مہینہ ہے کہ لوگ اس میں غافل ہو جاتے ہیں حالانکہ اس میں اعمالِ عباد اٹھائے جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ میرا عمل اس حال میں اٹھایا جائے کہ میں روزہ دار ہوں۔

(۲) ترمذی شریف کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے **کان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يصوم في شعبان لتعظيم رمضان** رمضان کی تعظیم میں شعبان کے روزے کی کثرت کیا کرتے تھے تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ رمضان کا مہینہ کس قدر اہم ہے کہ اس کے لئے پیشگی طور پر نفس کو تیار کیا جاتا ہے۔

(۳) بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کی وجہ سے اپنے ایامِ حیض کے روزے پورے سال رکھ نہیں پاتی تھیں اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے تھے تاکہ وہ اپنے ایام کے روزے پورے کر لیں۔

(۴) بعض علماء نے ایک حکمت اور بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وہ ہر مہینہ کے اندر کچھ نفلی روزے رکھا کرتے تھے مثلاً ایام بیض کے روزے ہیں، جمعہ کے روزے ہیں، یوم الخمیس کا روزہ ہے، اثنین کا روزہ ہے، یہ روایات میں ثابت ہیں آپ رمضان آجانے کے بعد یہ روزے رکھ نہیں پاتے تھے اور بسا اوقات اسفار میں بھی یہ روزے رہ جایا کرتے تھے اس لئے ان روزوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے قیام کے زمانہ میں پورا فرمایا کرتے تھے۔

فَإِنَّهُ كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ كُلَّهُ: روایتِ گزشتہ میں ہے مَا رَأَيْتُهُ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِي شَعْبَانَ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کا اکثر حصہ روزہ رکھتے تھے اور اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سارے شعبان کا روزہ رکھتے تھے۔

علامہ طیبی نے ان دونوں روایتوں کو دو الگ صورتوں پر محمول فرمایا ہے، (۱) ایک جمع بعض علماء نے یہ کیا ہے

کہ اصل میں حضور ﷺ سارے شعبان کا روزہ ہر سال مسلسل اور مکمل نہیں رکھتے تھے بلکہ ہوتا یہ تھا کہ کبھی شعبان کا ابتدائی عشرہ کا روزہ رکھا کبھی اوسط کا اور کبھی آخر کا، مل کر مکمل ہو جاتا تھا اسی کو راوی نے یَصُومُ شَعْبَانَ كُلَّهُ سے تعبیر کر دیا ہو گا، اور جس روایت میں یہ وارد ہوا ہے کہ آپ کثرت سے شعبان میں روزہ رکھتے تھے وہ بالکل اپنے ظاہر پر ہے، (۲) عبداللہ بن مبارک سے امام ترمذی نے نقل فرمایا ہے کہ اہل عرب کی عادت یہ ہے کہ وہ کل بول کر اکثر مراد لیا کرتے ہیں، اس صورت میں معنیً روایتین بالکل ایک ہو جاتا ہے، اسی کو امام نووی، ابن قیم اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اختیار کیا ہے۔

اب یہاں اشکال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ شعبان کے روزہ کا اتنا اہتمام کیوں کرتے تھے؟ جبکہ مسلم شریف میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی وارد ہوا ہے أَفْضَلُ الصَّوْمِ بَعْدَ رَمَضَانَ صَوْمُ الْمُحَرَّمِ، اس کے دو جواب ہیں، اوّل یہ کہ ہو سکتا ہے کہ اس کا پتہ بعد میں چلا ہو، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ امت کے حق میں ہے اور رسول پاک ﷺ نے جو کچھ کیا ہے وہ آپ کے حق میں اس سے افضل ہے۔

(ص ۲۶۴) بَابُ مَا يُذْكَرُ مِنْ صَوْمِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم وَإِفْطَارِهِ

۱۹۷۱. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ ثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَا صَامَ النَّبِيُّ ﷺ شَهْرًا كَامِلاً قَطُّ غَيْرَ رَمَضَانَ، وَيَصُومُ حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ: لَا وَاللَّهِ لَا يُفْطِرُ، وَيُفْطِرُ حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ: لَا وَاللَّهِ لَا يَصُومُ.

۱۹۷۲. حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يَصُومَ مِنْهُ، وَيَصُومُ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا، وَكَانَ لَا تَشَاءُ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ.

وَقَالَ سُلَيْمَانُ عَنْ حُمَيْدٍ أَنَّهُ سَأَلَ أَنَسًا فِي الصَّوْمِ.

۱۹۷۳. حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسًا عَنْ صِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: مَا كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَرَاهُ مِنَ الشَّهْرِ صَائِمًا إِلَّا رَأَيْتُهُ، وَلَا مُفْطِرًا إِلَّا رَأَيْتُهُ، وَلَا مِنَ اللَّيْلِ قَائِمًا إِلَّا رَأَيْتُهُ، وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتُهُ، وَلَا مَسِسْتُ خَزَّةً وَلَا حَرِيرَةً أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَلَا شَمِمْتُ مِسْكَةً وَلَا عَنْبَرَةً

أَطْيَبَ رَائِحَةً مِنْ رَائِحَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

ترجمہ: باب، نبی پاک ﷺ کے روزہ رکھنے اور روزہ نہ رکھنے کے معمول کا بیان۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی بھی ماہ کے مکمل روزے نہیں رکھے، آپ روزے (اس طرح مسلسل) رکھتے کہ کہنے والا یہ کہتا کہ بخدا آپ روزہ ترک نہیں فرمائیں گے اور روزہ موقوف فرماتے تو کہنے والا یہ کہتا کہ بخدا آپ روزے نہیں رکھیں گے۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کسی مہینہ میں روزہ موقوف فرماتے تو ہم یہ گمان کرتے کہ آپ اس ماہ روزہ نہیں رکھیں گے اور روزہ رکھتے تو ہم گمان کرتے کہ آپ اس ماہ میں ایک روزہ بھی موقوف نہیں کریں گے اور تم اگر یہ چاہتے کہ رسول اللہ ﷺ کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھو تو ضرور دیکھ لیتے اور اگر تم یہ چاہتے کہ آپ ﷺ کو سوتے ہوئے دیکھو تو ضرور دیکھ لیتے، سلیمان نے حمید سے یہ نقل کیا کہ انہوں نے حضرت انسؓ سے روزے کے بارے میں سوال کیا۔

حمید نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے نبی کریم ﷺ کے روزوں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں جس ماہ میں بھی یہ چاہتا کہ آپ کو روزہ دار دیکھوں تو ضرور دیکھ لیتا اور جس ماہ میں بھی یہ چاہتا کہ آپ کو روزہ موقوف کئے ہوئے دیکھوں تو ضرور دیکھ لیتا اور جس رات میں بھی یہ چاہتا کہ آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں تو ضرور دیکھ لیتا اور جس رات میں بھی یہ چاہتا کہ آپ کو سوتا ہوا دیکھوں تو ضرور دیکھ لیتا، میں نے کوئی اون اور کوئی ریشم رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہیں چھوئی، میں نے کوئی مشک اور کوئی عبیر ایسی نہیں سونگھی جسکی خوشبو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے زیادہ اچھی ہو۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود ظاہر ہے، یعنی سرکار دوعالم ﷺ رمضان کے علاوہ باقی ایام میں دوامی روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ کبھی روزہ رکھتے اور کبھی افطار کرتے تھے، لہٰذا امت کو یہ چاہئے کہ سرور عالم ﷺ کا صیام تطوع میں اقتداء کرے اور جو بات اتباع سنت میں ہے وہ اپنی طرف سے نئی نئی عبادات اور نئے نئے مجاہدات کی ایجاد کرنے میں نہیں ہے۔

مشائخ وصوفیاء کے اذکار واشغال کی کچھ نہ کچھ اصل موجود ہے: البتہ یہ سمجھ لو کہ حضرات مشائخ صوفیاء نے کچھ اذکار واشغال اپنی طرف سے انتخاب کئے ہیں ان کی مجموعی ہیئت کے بارے میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ منقول نہیں لیکن اس کی اصل ضرور منقول ہے، اس لئے کہ حضرات صوفیاء یہ سارے اوراد ووظائف اس لئے کراتے ہیں کہ نفس کا تزکیہ ہو جائے، غیر اللہ سے دل پاک ہو جائے، قد أفلح من زکّٰھا قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے اور تزکیہ کی ترغیب دی گئی ہے، اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ کلمۂ لا إله إلا الله دل کا زنگ دور

کرنے میں نہایت ہی بڑا سبب اور ذریعہ اور وسیلہ ہے حتی کہ یہ مبارک کلمہ ایک بار کہنا اتنی بڑی طاقت رکھتا ہے کہ کفر کی سیاہی ایک آن میں کاٹ کر رکھ دیتا ہے، لہذا جتنی مرتبہ بھی یہ کلمہ کہا جائے گا دل کا زنگ اور اس کی تاریکی اور ظلمانیت کو دور کرے گا، اس لئے جہاں تک ہو سکے کثرت سے اس کلمہ کو پڑھنا چاہئے۔

حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کی ہدایات اور کرامات:

(۱) حضرت اقدس استاذی و مربی مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے صرف ایک مرتبہ یوں ارشاد فرمایا تھا کہ کثرت سے لا الہ الا اللہ پڑھو مجھ کو جو کچھ ملا وہ لا الہ الا اللہ سے ملا، یہی ایک کلمہ ایسا ہے جو حضرت نے فرمایا، جس سے یہ نکلتا ہے کہ حضرت کو کچھ ملا، لیکن کیا ملا؟ اس کو وہی لوگ جان سکتے ہیں جو ان چیزوں سے واقف ہیں۔

ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کی تربیت کرتے تھے، ہزاروں میل دور پر ان کے مریدین ہوں تو وہ اپنے قلب مبارک سے وہیں سے ان کے قلب کی خبر رکھتے تھے اور اصلاح کرتے تھے۔

(۲) بلا مبالغہ اپنے اوپر گزری ہوئی ایک بات کہہ دیتا ہوں ایک مرتبہ میری جماعت چھوٹ گئی بھلا میری شکایت میرا کوئی شاگرد تو کرنے سے رہا حضرت نے اسی وقت بلایا اور یہ وفات سے ایک ماہ پیشتر کی بات ہے، فرمانے لگے کہ "میں آئندہ کبھی نہ سنوں کہ تمہاری جماعت چھوٹ گئی ہے"، سنوں کا لفظ حضرت نے بعد میں کہا، پہلے تو یوں فرمایا کہ "مجھے آئندہ کبھی معلوم نہ ہو کہ تمہاری جماعت چھوٹ گئی ہے"، مجھے دل میں ایک دم خطرہ گزرا کہ حضرت کو میرا حال منکشوف ہو گیا تو فوراً "مجھے کبھی معلوم نہ ہو" کو "میں کبھی نہ سنوں" سے بدل دیا اٹھا کر، میں نے (دل میں) کہا کہ میں اتنا بدھو نہیں ہوں جتنا آپ مجھے سمجھ رہے ہیں، میں بھی کچھ پڑھا لکھا ہوں۔

(۳) ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ بندہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں، میرے دل میں خیال گزرا کہ کبائر بھی؟ فرمایا کہ کبائر بھی، یہ ویسے ہی بچکانہ خیال تھا۔

(۴) ایک مرتبہ حضرت بیٹھے ہوئے تھے میں صبح کے وقت داخل ہوا حضرت کے سامنے پھولوں کا گجرا رکھا ہوا تھا، میرے دل میں آیا کہ اگر یہ مجھے مل جاتا تو بڑا اچھا تھا، ابھی پورے بیٹھ بھی نہیں پایا تھا کہ حضرت نے اٹھا کر فرمایا کہ لو میاں! میں نے کہا الحمد للہ۔

(۵) میں نماز نہیں پڑھاتا، ایک مرتبہ جمعہ کے دن عصر کے وقت میں اپنی دانست میں بڑا پاک صاف ستھرا ہو کر تشریف رکھتا تھا، امام کی تلاش ہوئی لیکن امام غائب، جیسے شیعوں کے امام منتظر غائب، حضرت نے امام کی تلاش شروع کروائی، میرے دل میں خیال آیا اور میں بالکل اُس طرف تھا جانب جنوب میں کہ اگر آج مجھ سے کہیں گے کہ امامت کردو، تو کروں گا، حضرت نے فوراً فرمایا میاں یونس! تم پڑھادوگے؟ میں نے کہا جی! حضرت آج میں پڑھادوں گا، آج میں بالکل صاف ستھرا ہو کر آیا ہوں، بہت اہتمام کر رکھا تھا، بزرگوں کی اپنی باتیں ہیں۔

حضرت شیخ زکریا کی کرامت: اسی طرح کی حضرت شیخ کی بھی باتیں سنادوں، ایک مرتبہ نہ معلوم مجھے کیا سوجھی حضرت بہت سخت بیمار اور میں پنکھا کرنے لگا، میری باہیں دکھ رہی تھیں میں نے سوچا کہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا، کوئی آجاتا تو پنکھا دے دیتا، حضرت شیخ ہاتھ اٹھا کر مسکرائے اور فرمایا بس بخشو! میں نے وہیں پنکھار کھ دیا۔

اس طرح کے حضرت شیخ کے قصے تو اس قدر زیادہ ہیں کہ کیا بیان کروں، پاس بہت آنا جانا ہوا لیکن ان باتوں کا نقل کرنا بالکل فضول بات ہے۔

ایک مرتبہ حضرت نے صاف فرمایا تھا کہ ہمارے مشائخ کی یہ عادت نہیں کہ وہ قلوب کو جھانکتے پھریں۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کا کشف: ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے یہاں معانقہ نہیں، میں نے کہا کہ حضرت اجازت ہو تو معانقہ کرلوں، میں نے معانقہ کیا اور نیت کی کہ حضرت کے قلب مبارک سے میرے دل میں فیض آرہا ہے تو ایک دم فوراً الگ ہوتے ہی فرمایا کہ آپ نے افادہ کیا اور ہم نے استفادہ کیا، ہم نے کہا جی ہاں الٹی بات۔

بزرگوں کی باتیں اس لئے بتاتا ہوں کہ میرا مزاج تعصب کا نہیں۔

حضرت تھانوی اور حضرت مدنی کا احترام: کانگریس اور لیگ کا جو جھگڑا ہے میں اس کا قائل نہیں، حضرت اقدس سلطان الاولیاء حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی بزرگی کا میں ویسا ہی قائل ہوں جیسے حکیم الامت مجدد الملت حضرت شاہ اشرف علی تھانوی کا قائل ہوں، نہ میں حضرت تھانوی کو اتنا چڑھا دیتا ہوں کہ حضرت مدنی کو ان کے سامنے پاسنگ بنادوں اور نہ حضرت مدنی کو اتنا چڑھا دیتا ہوں کہ حضرت تھانوی کو

بے حقیقت کردوں، میں تو ایسے بزرگوں کا مرید ہوں جو دونوں مشائخ کی توقیر و تعظیم کرتے تھے اور اسی مسلک کا حامل ہوں، یہ اس لئے کہہ دیا تاکہ تم لوگ مجھے جان لو۔

مسلمانوں کو ہدایت: مسلمانوں کو تو ایک جماعت اختیار کرنا چاہئے، تبلیغ، اپنوں کو بچاؤ، اس وقت ضرورت ہے کہ غیر مسلموں کے پھندے سے ان کو چھڑاؤ، ان کے پاس جا کر ان کی اصلاح کرو۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: یہ حدیث اسی سند سے ابواب تہجد میں ص ۱۵۳ پر گزر چکی ہے، اور وَ كَانَ لَا تَشَاءُ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ کے تین مطلب وہاں پر بیان کر چکا ہوں، (۱) حضور ﷺ رات کے کسی حصہ کو نماز کے لئے یا نوم کے لئے خاص نہیں کرتے تھے جو موقع ملا کر لیا کرتے تھے، (۲) یا مطلب یہ ہے کہ گاہے تو آپ ﷺ پوری رات سو جاتے تھے اور گاہے آنحضور ﷺ پوری رات نماز پڑھتے تھے، (۳) یا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کبھی اول شب میں نماز پڑھتے اور اس کے بعد سوتے، اور کبھی اوسط میں نماز پڑھتے اول و آخر میں سوتے، اور کبھی آخر میں نماز پڑھتے اور اول و اوسط میں سو جاتے۔

(ص ۲۶۵) بَابُ حَقِّ الضَّيْفِ فِي الصَّوْمِ

۱۹۷۴. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ ثَنَا عَلِيٌّ ثَنَا يَحْيَى قَالَ: ثَنِي أَبُو سَلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ - يَعْنِي إِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا - فَقُلْتُ: وَمَا صَوْمُ دَاوُدَ؟ قَالَ: نِصْفُ الدَّهْرِ.

ترجمہ: باب، روزے کے معاملہ میں (میزبان پر) مہمان کے حق کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ میرے یہاں تشریف لائے اس کے بعد راوی نے پوری حدیث ذکر کی جس میں یہ مضمون بھی ہے کہ بے شک تمہارے مہمان کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اور تمہاری اہلیہ کا بھی تمہارے اوپر حق ہے، (حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ) میں نے دریافت کیا کہ صوم داؤدی کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ آدھی زندگی روزہ رکھنا (ایک دن روزہ ایک دن افطار)

تشریح: روزہ میں مہمان کا بھی حق ہے لہذا مہمان کی وجہ سے روزہ افطار کیا جا سکتا ہے۔

آیا ضیافت عذر فی الافطار ہے یا نہیں؟ غور سے سنو! میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ صوم نفل میں اختلاف ہے کہ

آیا ابتداء کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے یا نہیں؟ شافعی واحمد کہتے ہیں کہ واجب نہیں ہوتا اور ابو حنیفہ ومالک کہتے ہیں کہ واجب ہو جاتا ہے۔

پھر جو لوگ وجوب کے قائل ہیں ان میں یہ اختلاف ہے کہ آیا بلا عذر افطار کر سکتے ہیں یا عذر سے افطار کرنا چاہئے؟ حنفیہ کی ظاہر الروایہ یہ ہے کہ بلا عذر کے افطار نہیں کر سکتے ہیں لیکن منتقی کی روایت یہ ہے کہ بلا عذر افطار کر سکتے ہیں البتہ بعد میں قضاء کرنا پڑے گا۔

پھر ظاہر الروایہ میں یہ اختلاف ہے کہ آیا ضیافت یعنی مہمان کا آجانا یہ عذر ہے یا نہیں؟ (۱) بعض کہتے ہیں کہ عذر ہے اور (۲) بعض کہتے ہیں کہ عذر نہیں ہے یہی مالکیہ کا مسلک ہے، (۳) حنفیہ کا تیسرا قول یہ ہے کہ بعد الزوال عذر نہیں ہے قبل الزوال عذر ہے الا یہ کہ افطار نہ کرنے میں والدین کا عقوق ہوتا ہو تو پھر اس صورت میں بعد الزوال بھی افطار کر دینا چاہئے۔

(ص ۲۶۵) بَابُ حَقِّ الْجِسْمِ فِي الصَّوْمِ

١٩٧٥. حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا الأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا عَبْدَ اللهِ أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ؟ فَقُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: فَلاَ تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ؛ فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ بِحَسْبِكَ أَنْ تَصُومَ كُلَّ شَهْرٍ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ لَكَ بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا فَإِنَّ ذَلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ، فَشَدَّدْتُ فَشُدِّدَ عَلَيَّ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً، قَالَ: فَصُمْ صِيَامَ نَبِيِّ اللهِ دَاوُدَ - عَلَيْهِ السَّلاَمُ - وَلاَ تَزِدْ عَلَيْهِ، قُلْتُ: وَمَا كَانَ صِيَامُ نَبِيِّ اللهِ دَاوُدَ - عَلَيْهِ السَّلاَمُ - قَالَ: نِصْفَ الدَّهْرِ، فَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَقُولُ بَعْدَ مَا كَبِرَ: يَا لَيْتَنِي قَبِلْتُ رُخْصَةَ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، روزے کے معاملہ میں جسم کے حق کا بیان۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبد اللہ! کیا مجھے یہ خبر (درست) نہیں پہنچی کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات بھر عبادت کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ کیوں نہیں یا رسول اللہ! (یعنی خبر

درست ہے) آپ نے فرمایا کہ ایسا مت کرو، روزہ رکھو بھی اور موقوف بھی کرو، عبادت بھی کرو اور سویا بھی کرو، کیوں کہ تمہارے جسم کا بھی تمہارے اوپر حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی تمہارے اوپر حق ہے، اور تمہارے لئے کافی ہے کہ تم ہر ماہ تین دن روزے رکھو اس لئے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے اور اس طرح یہ ہمیشہ روزہ رکھنے کے مانند ہو جائے گا، میں نے سختی کا راستہ اختیار کیا تو میرے ساتھ سختی کی گئی، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں (اس سے زیادہ) قوت محسوس کرتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ پھر تو تم اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام والے روزے رکھو اور اس سے زیادہ نہ رکھو، میں نے کہا کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کے روزے کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ آدھی زندگی کے روزے (یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار) لیکن حضرت عبد اللہؓ جب بوڑھے ہوئے تو یہ کہتے تھے کہ کاش میں نے نبی پاک ﷺ کی پیش کردہ رخصت قبول کی ہوتی۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ صوم میں جسم کا بھی حق ہے لہذا آدمی کو اپنے جسم اور اپنی صحت کی رعایت کرنی چاہئے، ایسا روزہ نہ رکھے کہ تلف ہو جائے اور بدن انتہائی کمزور ہو جائے، ہاں یہ اور بات ہے کہ اگر شیخ و مرشد کسی خاص امر اور علت کی بناء پر شرعی مجاہدہ کی اجازت دے تو اس میں گنجائش ہے اس لئے کہ یہ وقتی چیز ہے۔

يَا لَيْتَنِي قَبِلْتُ رُخْصَةَ النَّبِيِّ ﷺ: نبی پاک ﷺ نے نور نبوت سے یہ دیکھ لیا تھا کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص مجاہدۂ شدیدہ برداشت نہیں کر پائیں گے اس لئے آپ نے ان سے یہی فرمایا تھا کہ صوم نبی اللہ داؤد اختیار کرو، مگر انہوں نے اپنے نفس پر شدت کی چنانچہ بعد میں ان کو شاق گزرا تھا، مگر جس حال پر حضور پاک ﷺ کو چھوڑ گئے تھے تو یہ چاہتے تھے کہ اس میں تبدیلی نہ آئے۔

(ص ۲۶۵) بَاب صَوْمِ الدَّهْرِ

۱۹۷۶ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو قَالَ: أُخْبِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنِّي أَقُولُ: وَاللَّهِ لَأَصُومَنَّ النَّهَارَ وَلَأَقُومَنَّ اللَّيْلَ مَا عِشْتُ، فَقُلْتُ لَهُ: قَدْ قُلْتُهُ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، قَالَ: فَإِنَّكَ لَا تَسْتَطِيعُ ذَلِكَ فَصُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ وَصُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا وَذَلِكَ مِثْلُ صِيَامِ الدَّهْرِ، قُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمَيْنِ، قُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا فَذَلِكَ صِيَامُ

دَاوُدَ - عَلَيْهِ السَّلاَمُ - وَهُوَ أَفْضَلُ الصِّيَامِ، فَقُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لاَ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ.

ترجمہ: باب، ہمیشہ روزہ رکھنے کا بیان۔

اس باب میں وہی حدیث ہے جو سابقہ باب میں بھی آئی نیز پیچھے متعدد بار اس کا ترجمہ آچکا ہے

تشریح: یہ باب صوم دہر کے بیان میں ہے، صوم دہر کہتے ہیں ہمیشہ روزہ رکھنے کو، امام بخاری نے ترجمہ میں اجمال رکھا ہے اس لئے کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔

(۱) ابو محمد بن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ حرام ہے۔

(۲) اسحاق بن راہویہ، دیگر ظاہریہ اور امام احمد ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے، مالکیہ میں سے قاضی ابن عربی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی قاضی ابویوسف کا مسلک ہے۔

(۳) ابن منذر وغیرہ فرماتے ہیں کہ صوم دہر مباح اور جائز ہے۔

(۴) حضرت امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ عیدین اور ایام تشریق کے علاوہ باقی ایام کا روزہ مسلسل رکھنا مستحب ہے اس شخص کے لئے جس کو طاقت ہو اور خطرہ نہ ہو کہ کسی حق میں اس سے کوتاہی واقع ہوگی ورنہ مکروہ ہے۔

چونکہ مسئلہ مختلف فیہا تھا اس لئے امام بخاری نے اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں فرمایا لیکن جو روایت ذکر فرمائی ہے اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک صوم دہر جائز ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا تھا وَصُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا وَذَلِكَ مِثْلُ صِيَامِ الدَّهْرِ حضور نے صیام دہر کے مثل اس کو قرار دیا ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ نفس وجہ تشبیہ میں شریک ہوتے ہیں، تو جب مشبّہ جائز ہے جو مشبّہ بہ کے موافق ہے مسلسل روزہ رکھنے میں تو معلوم ہوا کہ مسلسل روزہ رکھنا اور ہمیشہ روزہ رکھنا مباح ہے۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ صوم الدہر افضل ہے یا صومِ داؤد؟ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ صومِ داؤد افضل ہے یعنی صوم یوم و إفطار یوم، شافعیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، امام غزالی نے صیام داؤد پر صوم دہر کو

فضیلت دی ہے اور امام متولی نے صیام داؤد کو فضیلت دی ہے۔

رہا یہ کہ صوم دہر کو ہمارے حضرات مکروہ کیوں کہتے ہیں؟ یا جیسا کہ بعض متاخرین احناف کی رائے ہے جیسے علامہ انور شاہ اس کو مفضول کیوں کہتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ روزہ انسان کی طبیعت وعادت بن جائے گا تو جو روزے کا مقصود ہے یعنی نفس پر لگام لگانا وہ حاصل نہیں ہوگا، نیز یہ تبتّل کے مشابہ ہے اور شریعت اسلامیہ میں تبتّل کی اجازت نہیں، نیز ایک نقصان یہ بھی ہوگا کہ بہت سے وظائف ضرور یہ روزے کی وجہ سے چھوٹ جائیں گے۔

فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمَيْنِ: جب حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مہینہ تین دن کا روزہ رکھو اور إِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا کے قاعدہ کے تحت تیس روزوں کا ثواب ملے گا تو انہوں نے اس پر مزید کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ اچھا! فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمَيْنِ، ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو پھر ایک دن روزہ رکھو۔

مسلم شریف میں ایک روایت واقع ہوئی ہے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھو اور تم کو بقیہ روزے کا ثواب ملے گا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مزید کی مجھے طاقت ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تم دو دن کا روزہ رکھو تم کو مابقی کا ثواب ملے گا لک أجر مابقي، پھر انہوں نے جب درخواست کی تو فرمایا کہ تین دن کا روزہ رکھو اجر مابقی ملے گا، پھر انہوں نے درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ چار دن کا روزہ رکھو تمہیں اجر مابقی ملے گا۔

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ عمل بڑھتا گیا اور ثواب گھٹتا گیا، پہلے ایک دن کے روزہ پر اجر مابقی مل رہا تھا پھر دو دن کے روزہ پر اجر مابقی پھر تین دن کے روزہ پر اور پھر چار دن کے روزہ پر؟

بعض علماء نے توجیہ کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ایک دن کا روزہ رکھو تو تمہیں ایک عشرہ کا اجر مابقی حاصل ہوگا اور دو دن کا روزہ رکھو گے تو دو عشرہ کا اجر مابقی حاصل ہوگا اور تین دن کا روزہ رکھو گے تو تین عشرہ کا اجر مابقی حاصل ہوگا۔

لیکن یہ توجیہ غلط ہے اس لئے کہ آگے روایت میں یہ بھی تو ہے کہ چار دن کا روزہ رکھو تمہیں اجر مابقی حاصل ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کا فضل متوجہ تھا اور عمل قلیل کے ساتھ ثواب کثیر دیا جارہا تھا، لیکن جب انہوں نے اپنے نفس پر بہت زیادہ مشقت ڈالنی چاہی تو ہوا یہ کہ عمل تو بڑھ گیا لیکن جو فضل آرہا تھا اس میں کمی پیدا ہوگئی، یہی سب سے اچھی توجیہ معلوم ہوتی ہے۔

(ص ۲٦۵) بَابُ حَقِّ الْأَهْلِ فِي الصَّوْمِ

رواه أبو جحيفة عن النبي ﷺ.

١٩٧٧. حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ سَمِعْتُ عَطَاءً أَنَّ أَبَا الْعَبَّاسِ الشَّاعِرَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو بَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ أَنِّي أَسْرُدُ الصَّوْمَ وَأُصَلِّي اللَّيْلَ، فَإِمَّا أَرْسَلَ إِلَيَّ وَإِمَّا لَقِيتُهُ، فَقَالَ: أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ وَلاَ تُفْطِرُ وَتُصَلِّي وَلاَ تَنَامُ فَصُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ؛ فَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِنَفْسِكَ وَأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، قَالَ: إِنِّي لَأَقْوَى لِذَلِكَ، قَالَ: فَصُمْ صِيَامَ دَاوُدَ - عَلَيْهِ السَّلاَمُ- قَالَ: وَكَيْفَ؟ قَالَ: كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا وَلاَ يَفِرُّ إِذَا لاَقَى، قَالَ: مَنْ لِي بِهَذِهِ يَا نَبِيَّ اللهِ، قَالَ عَطَاءٌ: لاَ أَدْرِي كَيْفَ ذَكَرَ صِيَامَ الأَبَدِ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لاَ صَامَ مَنْ صَامَ الأَبَدَ مَرَّتَيْنِ.

ترجمہ: باب، روزے کے معاملہ میں اہل کے حق کا بیان، اس مضمون کو نبی کریم ﷺ سے حضرت ابوجحیفہؓ نے بیان کیا ہے۔

روایت کا ترجمہ گزشتہ سے پیوستہ باب میں گزر چکا ہے

تشریح: امام بخاری فرماتے ہیں کہ جیسے ضیف کا حق صوم میں ہوتا ہے ایسے ہی اہل کا حق بھی صوم میں ہوتا ہے، لہٰذا اہل وعیال کی رعایت کرتے ہوئے افطار کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ میاں صاحب روزہ رکھتے چلے جائیں اور بیوی کا حق پورا نہ کرے۔

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ امام بخاری حقوق کے تراجم منعقد کر رہے ہیں، حق الضيف فی الصوم کا ترجمہ منعقد کیا پھر حق الجسم فی الصوم کا ترجمہ منعقد فرمایا، پھر بیچ میں باب صوم الدھر منعقد کر دیا اور پھر حقوق کے تراجم منعقد کرنے شروع کر دیئے حق الأھل فی الصوم، تو حقوق کے تراجم میں صوم الدھر کو مصنف نے کیوں داخل فرمادیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صوم دہر بعض وقت حقوق میں کوتاہی کا سبب بن جاتا ہے اس لئے امام بخاری نے بیچ میں داخل کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر اس سے حقوق میں کوتاہی نہ پیدا ہوتی ہو تب تو کوئی حرج نہیں اور اگر کوتاہی آتی ہو تو پھر اس صوم سے اجتناب کرنا چاہئے اور صوم داؤد جو اس سے بھی افضل ہے اس کو اختیار کرنا چاہیے۔

قَالَ: مَنْ لِي بِهَذِهِ يَا نَبِيَّ اللهِ؟ یعنی اے اللہ کے نبی! اس خصلت کا میرے لئے کون ضامن ہو سکتا ہے کہ دشمن کے مقابل میں میں بھاگوں نہیں؟ یہ تو نبی کی ہی شان ہو سکتی ہے۔

لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ، مَرَّتَيْنِ: حضور ﷺ نے فرمایا **لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ، لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ،** بعض علماء کہتے ہیں کہ (۱) اس کا محمل یہ ہے کہ آدمی ایام تشریق کے بھی روزے رکھ لے اور عیدین کے بھی، لیکن اس صورت میں گنہگار ہو گا نہ کہ **لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ** کے درجہ میں داخل ہو گا، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی ایام منہیہ کے روزے رکھ لے تو یہ بڑا گنہگار ہو جائے گا، اور **لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ** تو ہلکا جملہ ہے اس سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ثواب نہیں ملے گا حالانکہ ایام منہیہ کے روزہ رکھنے میں گناہ ہو گا۔

(۲) دوسرا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ اصل میں روزہ کے ذریعہ سے نفس کے مقتضیات کو توڑنا مقصود ہوتا ہے اب اگر کوئی آدمی ہمیشہ روزہ رکھنے لگے گا تو یہ روزہ اس کی طبیعت وعادت بن جائے گا اور مقصود روزہ حاصل نہیں ہو گا۔

(۳) تیسرا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اس کے جسم میں کمزوری لاحق ہو جاتی ہے تو بہت سے ایسے وظائف جو بعض اوقات صوم نفلی سے افضل اور اہم ہوتے ہیں اس سے چھوٹ جایا کرتے ہیں تو ایسے شخص کے لئے یہ روزہ کیا کار آمد اور مفید ثابت ہوا؟

(ص ۲۶۵) بَابُ صَوْمِ يَوْمٍ وَإِفْطَارِ يَوْمٍ

۱۹۷۸. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا غُنْدَرٌ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُغِيرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: صُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، قَالَ: أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، فَمَا زَالَ حَتَّى قَالَ: صُمْ يَوْمًا

وَأَفْطِرْ يَوْمًا، فَقَالَ: اقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ، قَالَ: إِنِّي أُطِيقُ أَكْثَرَ، فَمَا زَالَ حَتَّى قَالَ: فِي ثَلَاثٍ.

ترجمہ: باب، ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنے کا بیان۔

روایت کا ترجمہ ماقبل ابواب میں گزر چکا ہے

تشریح: یہی ہے صوم داؤد، مقصود اس کی فضیلت بیان کرنا ہے۔

فَمَا زَالَ حَتَّى قَالَ فِي ثَلَاثٍ: تین دن میں قرآن پاک ختم کر لیا کرو، امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ تین دن سے کم میں ختم کرنا مکروہ ہے، جمہور علماء کی رائے ہے کہ انسان کے نشاط پر موقوف ہے جتنا نشاط ہو اتنا پڑھ سکتا ہے۔

بہت سے ایسے اکابر گزرے ہیں جو دن میں کئی کئی قرآن پاک ختم کرتے تھے، ابن الکاتب کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ دن رات میں چار قرآن پاک ختم کر لیا کرتے تھے، اور حضرت علامہ قسطلانی نے شیخ موسیٰ سِدرانی کے متعلق نقل کیا ہے کان یختم فی الیوم واللیلۃ سبعین ألفا ختمًا ستر ہزار ختم کرتے تھے، یہ چیز من باب طی اللسان والزمان و من باب الکرامات کے ہو سکتی ہے ہر انسان کے بس کی بات نہیں، لیکن اس کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، حضرت امام غزالی کی تالیفات کا جب ان کی عمر پر حساب لگایا جاتا ہے تو جوڑ نہیں بیٹھتا ہے، یہی حال حافظ ابن عساکر کی تاریخ دمشق کا ہے اسی (۸۰) جلدوں میں ہے، بس اللہ جانے کہ کیا کرتے تھے، بیٹھے لکھتے رہتے تھے۔

(ص ۲۶۵) بَابُ صَوْمِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

۱۹۷۹. حَدَّثَنَا آدَمُ ثَنَا شُعْبَةُ ثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْعَبَّاسِ الْمَكِّيَّ وَكَانَ شَاعِرًا - وَكَانَ لَا يُتَّهَمُ فِي حَدِيثِهِ - قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّكَ لَتَصُومُ الدَّهْرَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ، فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: إِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ هَجَمَتْ لَهُ الْعَيْنُ وَنَفِهَتْ لَهُ النَّفْسُ لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ، صَوْمُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ، قُلْتُ: فَإِنِّي أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَصُمْ صَوْمَ دَاوُدَ - عَلَيْهِ السَّلَامُ - كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا وَلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقَى.

۱۹۸۰. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ ثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو الْمَلِيحِ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ أَبِيكَ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فَحَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ذُكِرَ لَهُ صَوْمِي فَدَخَلَ عَلَيَّ فَأَلْقَيْتُ لَهُ وِسَادَةً مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ، فَجَلَسَ عَلَى الْأَرْضِ وَصَارَتِ الْوِسَادَةُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَقَالَ: أَمَا يَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: خَمْسًا؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: سَبْعًا؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: تِسْعًا؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: إِحْدَى عَشْرَةَ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا صَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاوُدَ - عَلَيْهِ السَّلَامُ - شَطْرَ الدَّهْرِ صُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا.

ترجمہ:　　باب،　　حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے کا بیان۔

(پہلی حدیث میں تقریباً وہی الفاظ ہیں جو سابقہ طرق میں آچکے ہیں اور ان کا ترجمہ سابقہ ابواب میں دیکھا جاسکتا ہے البتہ دوسری روایت میں نئے الفاظ آئے ہیں اس لئے اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے)

ابو قلابہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو الملیح نے یہ کہا کہ میں تمہارے والد کے ساتھ عبد اللہ بن عمرؓ کے یہاں گیا تو انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے میرے روزے کا ذکر ہوا تو آپ میرے گھر تشریف لائے میں نے آپ کے لئے چمڑے کا ایک تکیہ پیش کیا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی لیکن آپ زمین پر تشریف فرما ہوئے اور تکیہ میرے اور آپ کے درمیان رہا، آپ نے فرمایا کہ تمہیں یہ کافی نہیں کہ ہر ماہ تین دن روزے رکھو؟ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! (یہاں اختصار ہے اور آگے بھی اختصار ہے، ہر جگہ مراد یہ ہے کہ میں نے یہ عرض کیا کہ میں زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا پانچ دن روزے رکھ لیا کرو، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے سات روزے رکھ لیا کرو، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے نو روزے رکھ لیا کرو، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ اچھا گیارہ روزے رکھ لیا کرو، پھر نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں، آدھی عمر روزہ رکھنا کہ ایک دن روزہ رکھو ایک دن افطار کرو۔

تشریح:　صوم داؤد ہی صَوْمُ یَوْمٍ وَإِفْطَارُ یَوْمٍ ہے، لیکن امام بخاری نے یہاں اس باب کے ذریعہ سے ان کی اقتداء کی طرف اشارہ کیا ہے کیوں کہ یہ ایک نبی کا روزہ ہے اس لئے اس کو اہتمام سے رکھنا چاہئے۔

آیا صوم داؤد افضل ہے یا صوم دہر؟ میں ابھی مسئلہ بیان کر چکا ہوں کہ حنفیہ، حنابلہ اور بعض شافعیہ صوم داؤد کو افضل کہتے ہیں، بعض شافعیہ سے مراد امام متولی ہیں، امام غزالی نے صوم الدہر کو افضل کہا ہے، امام احمد سے منقول ہے کہ صوم الدہر مکروہ ہے مکروہ تنزیہی ہے یہی حضرات حنفیہ کا قول ہے۔

وَكَانَ شَاعِرًا وَكَانَ لَا يُتَّهَمُ فِي حَدِيثِهِ: یہ اس واسطے بیان فرمادیا کہ شعراء کے متعلق مشہور ہے اشعرهم أكذبهم سب سے بڑا شاعر وہ ہے جو سب سے بڑا جھوٹ بولنے والا دروغ گو ہو، شاعر زمین وآسمان کے قلابے ملاتا ہے پانی میں آگ لگاتا ہے موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرتا ہے، اس لئے فرمادیا کہ تھے تو شاعر لیکن حدیث پاک میں متہم نہیں تھے۔

قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ: یہ نداء برائے سوال ہے۔

(ص ۲۶۶) بَابُ صِيَامِ أَيَّامِ الْبِيضِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ

۱۹۸۱. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ ثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ ثَنَا أَبُو عُثْمَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أَوْصَانِي خَلِيلِي ﷺ بِثَلَاثٍ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحَى وَأَنْ أُوتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ.

ترجمہ: باب، ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزہ رکھنے کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ مجھے میرے خلیل یعنی نبی کریم ﷺ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی، ہر ماہ تین روزے رکھنے کی، دو رکعت چاشت کی نماز پڑھنے کی اور اس بات کی کہ میں سونے سے قبل وتر کی نماز پڑھوں۔

تشریح: بیض ابیض کی جمع ہے، اصل میں یہ صفت ہے لیالی کی اور اصل عبارت ہے صيام أيام الليالي البيض اس کے بعد اختصار کرکے صيام البيض کر دیا گیا۔

ایام بیض کا روزہ رکھنا جیسا کہ میں نے بتلایا مستحب ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے، اس میں قدیم زمانہ میں کچھ اختلاف رہ چکا ہے، بعض لوگ فرماتے تھے کہ صوم بیض واجب ہے اور پھر منسوخ ہو گیا، البتہ مالکیہ اس مسئلہ میں مخالف ہیں، امام مالک تعیین بیض کے قائل نہیں۔

باقی بیض کا مصداق کیا ہے اس میں علماء کے دو قول ہیں، (۱) تیرہ، چودہ، پندرہ یہی مشہور قول ہے اور یہی حنفیہ، حنابلہ اور شافعیہ کا مسلک ہے، (۲) ایک قول یہ ہے کہ بارہ، تیرہ اور چودہ کی تاریخ ایام بیض ہے، ان کو ایام بیض اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی راتیں ابیض یعنی روشنی چاند کی وجہ سے چمکدار ہوا کرتی ہیں۔

اس کے بعد یہ سمجھو کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاذ حافظ عراقی نے شرح ترمذی میں لکھا ہے کہ ایام بیض

میں اور اس کی تعیین میں علماء کے نو قول ہیں، حافظ ابن حجر نے اس پر ایک قول کا اضافہ کر کے دس قول لکھے ہیں وہ سارے اقوال حاشیہ میں ذکر کئے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

اول دو قول وہ ہیں جو اوپر بیان ہو چکے، (۳) مہینہ کی پہلے تین تاریخیں، (۴) ایک مہینہ کی پہلی سنیچر، اتوار، پیر اور دوسرے مہینہ کی منگل، بدھ، جمعرات، (۵) مہینہ کی پہلی جمعرات پھر پیر پھر دوسری جمعرات، (۶) مہینہ کا پہلا پیر پھر جمعرات پھر دوسرا پیر، (۷) مہینہ کی پہلی، دسویں، بیسویں تاریخ، (۸) مہینہ کی پہلی، گیارہویں، اکیسویں، (۹) مہینہ کی آخری تین تاریخ۔

مگر عراقی نے دو کے علاوہ باقی جو اقوال نقل فرمائے ہیں ان اقوال پر مجھے اشکال ہے اور ان کو ایام بیض کا مصداق قرار دینا میرے نزدیک صحیح نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ سے دو سنتیں نقل کی جاتی ہیں، ایک ایام بیض کے روزہ رکھنے کی ترغیب اور دوسرے ہر مہینہ میں تین روزہ رکھنے کی ترغیب، اب بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ دونوں روایتوں کا مصداق ایک ہے اور ایام بیض ہی ثلاثة أيام من كل شهر ہیں اور پھر ثلاثة أيام من كل شهر کی تفسیر جہاں کہیں بھی مل گئی اس کو ایام بیض کے ساتھ ملا دیا گیا، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ صیام ثلاثة أيام من كل شهر ایک مستقل سنت ہے اور ایام بیض کا روزہ رکھنا مستقل سنت ہے، ہاں دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔

علامہ موفق صاحب مغنی نے مستحبات میں لکھا ہے کہ تین دن کا روزہ رکھنا ہر مہینہ میں مستحب ہے اور فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور دلیل میں بخاری شریف کی روایت عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي ﷺ بِثَلَاثٍ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحَى وَأَنْ أُوتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ پیش فرمائی ہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ یہ تینوں ایام ایام بیض ہونے چاہئیں، اس لئے کہ ابوذر غفاریؓ کی حدیث میں وارد ہے قال رسول الله ﷺ يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وقال حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

اسی کے قریب قریب حنفیہ کی کتاب شامی اور امداد الفتاح اور فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہے۔

اب جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ دو حدیثیں ہیں اور صیام ثلاثة أيام من كل شهر ایک سنت ہے اور یہ

سنت صیام ایام بیض سے ادا ہو سکتی ہے تو ایام بیض کی تفسیر میں دس قول نقل کرنا صحیح نہیں، بلکہ اصل میں اختلاف مہینہ میں جو تین روزے مستحب ہیں ان کی تعیین میں ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مہینہ کے ابتدائی تین دن اور بعضوں نے کہا ہے کہ انتہائی تین دن ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

(ص ۲۶۶) بَابُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَمْ يُفْطِرْ عِنْدَهُمْ

١٩٨٢. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى ثَنِي خَالِدٌ هُوَ ابْنُ الْحَارِثِ ثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى أُمِّ سُلَيْمٍ فَأَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَسَمْنٍ، قَالَ: أَعِيدُوا سَمْنَكُمْ فِي سِقَائِهِ وَتَمْرَكُمْ فِي وِعَائِهِ فَإِنِّي صَائِمٌ، ثُمَّ قَامَ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ فَصَلَّى غَيْرَ الْمَكْتُوبَةِ، فَدَعَا لأُمِّ سُلَيْمٍ وَأَهْلِ بَيْتِهَا فَقَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ لِي خُوَيْصَةً، قَالَ: مَا هِيَ؟ قَالَتْ: خَادِمُكَ أَنَسٌ، فَمَا تَرَكَ خَيْرَ آخِرَةٍ وَلاَ دُنْيَا إِلاَّ دَعَا لِي بِهِ، قَالَ: اللَّهُمَّ ارْزُقْهُ مَالاً وَوَلَدًا وَبَارِكْ لَهُ، فَإِنِّي لَمِنْ أَكْثَرِ الأَنْصَارِ مَالاً. وَحَدَّثَتْنِي ابْنَتِي أُمَيْنَةُ أَنَّهُ دُفِنَ لِصُلْبِي مَقْدَمَ الْحَجَّاجِ الْبَصْرَةَ بِضْعٌ وَعِشْرُونَ وَمِائَةٌ.

وقال ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ ثَنِي حُمَيْدٌ سَمِعَ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: باب، اس شخص کے حکم کا بیان جو کسی قوم کے پاس جائے اور ان کے یہاں روزہ نہ توڑے۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ حضرت ام سلیمؓ کے گھر آئے، وہ آپ کی خدمت میں کھجور اور گھی لائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنا گھی اس کے مشکیزے میں ڈال دو اور کھجور اس کے تھیلے میں ڈال دو کیوں کہ میں روزے سے ہوں، پھر آپ گھر کے ایک گوشے کی جانب تشریف لے گئے اور نفل نماز پڑھی اور حضرت ام سلیمؓ اور ان کے گھر والوں کے لئے دعا کی، حضرت ام سلیمؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرا ایک خاص شخص ہے، آپ نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کا خادم انس، تو آپ نے آخرت اور دنیا کی ایسی کوئی خیر نہیں چھوڑی جس کی دعا میرے لئے نہ کی ہو، آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو مال واولاد عطا فرما اور اس میں برکت عطا فرما (حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ) میں بالیقین انصار میں سب سے زیادہ مال والا ہوں اور مجھ سے میری بیٹی امینہ نے بیان کیا کہ حجاج کے بصرہ آنے کے وقت تک میری صلبی اولاد میں سے ایک سو بیس سے زائد افراد دفن کئے جا چکے تھے۔

تشریح: إِنَّ لِي خُوَيْصَةً: خویصة خاصّہ کی تصغیر ہے یعنی میرا ایک خاص بچہ ہے، آپ نے فرمایا

کون؟ فرمانے لگیں آپ کا خادم انس ہے، حضور ﷺ نے ان کے لئے دعا کی اور دعا میں آپ نے فرمایا اللّٰھُمَ ارْزُقْهُ مَالًا وَوَلَدًا وَبَارِكْ لَهُ ان کے مال وولد میں اے اللہ برکت دے، اس دعا کی برکت ان کی اولاد میں بھی ظاہر ہوئی اور مال میں بھی۔

اولاد کی برکت کا ظہور تو سنئے کہ کیا ہوا؟ فرماتے ہیں کہ میری بیٹی اُمینہ نے یہ بتلایا کہ جب حجاج بصرہ آیا اس وقت میری صلبی اولاد ایک سو بیس سے زائد دفن کی جا چکی تھی، حجاج بصرہ میں سن ۷۵ھ میں آیا ہے اور حضرت انسؓ کی وفات سن ۹۳ھ یا سن ۹۲ھ یا سن ۹۱ھ میں ہوئی ہے، بہر حال حجاج کی آمد کے تقریباً سولہ یا سترہ یا اٹھارہ سال بعد وفات ہوئی ہے، اس کے بعد نہ معلوم کتنے بچے پیدا ہوئے ہوں گے اور کتنے بچے زندہ تھے اس کو بھی سن لو، مسلم شریف کی روایت میں وارد ہوا ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں وَإِنَّ وَلَدِي وَوَلَدَ وَلَدِي لَيَتَعَادُّونَ عَلَى نَحْوِ الْمِائَةِ میرے بیٹے اور پوتے سو (۱۰۰) کے قریب زمین پر چل رہے ہیں اور ایک سو بیس سے زائد دفن کر چکے گویا پورا گاؤں انہیں کی اولاد سے آباد ہو گیا تھا، اور کس کی برکت تھی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی برکت تھی۔

ان کے مال کے متعلق بھی سنو! روایات میں یہ وارد ہے کہ بصرہ میں ان کا ایک باغ تھا ہر شخص کے باغ میں سال میں ایک مرتبہ پھل آتا ہے لیکن ان کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیا کرتا تھا یہ کس کی برکت تھی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی۔

(ص ۲۶۶) بَابُ الصَّوْمِ آخِرَ الشَّهْرِ

۱۹۸۳۔ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا مَهْدِيٌّ عَنْ غَيْلَانَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ ثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ ثَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ سَأَلَهُ - أَوْ سَأَلَ رَجُلًا وَعِمْرَانُ يَسْمَعُ - فَقَالَ: يَا أَبَا فُلَانٍ أَمَا صُمْتَ سَرَرَ هَذَا الشَّهْرِ؟ قَالَ: أَظُنُّهُ، قَالَ: يَعْنِي رَمَضَانَ، قَالَ الرَّجُلُ: لَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: فَإِذَا أَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ، لَمْ يَقُلِ الصَّلْتُ أَظُنُّهُ يَعْنِي رَمَضَانَ.

وَقَالَ ثَابِتٌ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عِمْرَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَشَعْبَانُ أَصَحُّ.

ترجمہ: باب، مہینے کے آخر میں روزہ رکھنے کا بیان۔

حضرت عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا یا کسی اور شخص نے دریافت کیا اور وہ

سن رہے تھے (شک مطرف کی طرف سے ہے) کہ آپ نے فرمایا کہ اے ابو فلاں! کیا تم نے اس مہینہ کے آخر میں روزہ نہیں رکھا؟ ابو نعمان راوی کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ حضور کی مراد رمضان کا مہینہ تھا، اس شخص نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ جب تم افطار کر لو تو دو روزے رکھو، صلت راوی نے یہ نہیں کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ رمضان مراد لیا، امام بخاری کہتے ہیں کہ ثابت نے مطرف سے روایت بیان کی، انہوں نے عمران سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے اور اس میں سَرَرِ شَعْبَان روایت کیا۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جیسے ایام بیض کے روزے مستحب ہیں ایسے ہی مہینہ کے آخر کا روزہ بھی مستحب ہے، روایت سے اگرچہ معین طور پر یہ معلوم ہے کہ شعبان کا مہینہ مراد ہے لیکن مصنف نے ترجمہ میں اطلاق کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ حکم شعبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر مہینہ کا یہی حکم ہے۔

اب اس پر اشکال یہ ہے کہ حدیث میں تو وارد ہوا ہے لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس شخص کے لئے ہے جو رمضان کی نیت سے پیشگی طور پر احتیاطی روزہ رکھتا ہو اور اگر کسی آدمی کی یہ عادت ہو کہ ہر مہینہ کے آخر میں وہ روزہ رکھتا ہو تو اس کے حق میں ممانعت نہیں ہے۔

قَالَ: أَظُنُّهُ: یہ مقولہ ہے ابو النعمان استاذ بخاری کا، یوں فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ اس سے مراد رمضان کو لیا لیکن یہ تفسیر غلط ہے کما قال الخطابی و الداؤدی و ابن الجوزی اس واسطے کہ رمضان کے سرر کے روزہ کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے؟ رمضان کا تو پورا روزہ رکھنا ضروری اور فرض ہے بلکہ اس سے مراد شعبان کا روزہ ہے جیسا کہ روایت کے دوسرے طریق میں وارد ہوا ہے، اور امام بخاری نے اس پر تنبیہ بھی کی ہے اور لکھا ہے و شعبان أصح، اصح کا مطلب یہ ہے کہ شعبان صحیح ہے اور رمضان کے ساتھ تفسیر کرنا غلط ہے۔

سَرَرِ: سین کا کسرہ اور فتحہ اور ضمہ تینوں نقل کیا گیا ہے، اس کی تفسیر میں علماء کے تین قول ہیں، جمہور علماء جس میں اوزاعی اور ابو عبید ہیں فرماتے ہیں کہ اس سے آخر مہینہ مراد ہے، اس واسطے کہ سرر کہا جاتا ہے اس کو جس میں چاند مستور ہوتا ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ ابتدائی مہینہ مراد ہے اس میں بھی چاند جلدی سے چھپ جاتا ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ اصل میں سَرَر ہے بمعنی سُرَّۃ کے، سُرَّۃ کہتے ہیں ناف کو اور مراد اس سے وسط الشہر ہے۔

(ص ۲۶۶) بَابُ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

وإذا أصبح صائما يوم الجمعة فعليه أن يفطر يعني إذا لم يصم قبله ولا يريد أن يصوم بعده.

١٩٨٤. حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادٍ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرًا أَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ. زَادَ غَيْرُ أَبِي عَاصِمٍ: أَنْ يَنْفَرِدَ بِصَوْمٍ.

١٩٨٥. حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ ثَنَا أَبِي ثَنَا الْأَعْمَشُ ثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: لَا يَصُومَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ.

١٩٨٦. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ ثَنَا غُنْدَرٌ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهِيَ صَائِمَةٌ، فَقَالَ: أَصُمْتِ أَمْسِ؟ قَالَتْ: لَا، قَالَ: تُرِيدِينَ أَنْ تَصُومِي غَدًا، قَالَتْ: لَا، قَالَ: فَأَفْطِرِي.

وَقَالَ حَمَّادُ بْنُ الْجَعْدِ سَمِعَ قَتَادَةَ حَدَّثَنِي أَبُو أَيُّوبَ أَنَّ جُوَيْرِيَةَ حَدَّثَتْهُ فَأَمَرَهَا فَأَفْطَرَتْ.

ترجمہ: باب، جمعہ کے دن روزہ رکھنے کا بیان۔

جب جمعہ کی صبح روزے کی حالت میں کرے تو اس کو چاہئے کہ روزہ توڑ دے یعنی جب کہ اس نے جمعہ سے قبل روزہ نہ رکھا ہو اور اس کے بعد بھی روزہ رکھنے کا ارادہ نہ ہو۔

محمد بن عباد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے اس بارے میں دریافت کیا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں، ابو عاصم کے علاوہ دیگر روات نے یہ اضافہ کیا ہے کہ منع اس بات سے فرمایا ہے کہ فقط جمعہ کا روزہ رکھے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے الا یہ کہ اس سے ایک دن قبل یا ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھے۔

جویریہ بنت حارث کہتی ہیں کہ جمعہ کے دن نبی پاک ﷺ ان کے یہاں تشریف لائے اور وہ روزے سے تھیں تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا کل تم روزہ رکھو گی؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر تم روزہ توڑ دو۔

تشریح: صوم یوم جمعہ کے بارے میں اختلاف ہے، (۱) ابو محمد بن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ حرام ہے، (۲) ابراہیم نخعی اور شعبی سے کراہت منقول ہے، (۳) حضرت امام شافعی، امام احمد اور قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں

کہ تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے اور اگر آگے پیچھے ایک دو دن روزہ رکھ لیا جائے تو کوئی کراہت نہیں ہے،

(۴) امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ جمعہ کے دن روزہ رکھنا مندوب ہے، یہی ان دونوں حضرات سے مشہور ہے لیکن قاضی عیاض نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ اس کا افراد مکروہ ہے، اور یہی نور الایضاح اور اس کی شرح امداد الفتاح میں لکھا ہوا ہے اور صاحب در مختار نے بھی اسی کو نقل کیا ہے، علامہ طحطاوی فرماتے ہیں **وهو المعتمد كذا نقله العلامة ابن عابدين الشامي۔**

اسی طرح مالکیہ اور حنفیہ بھی شافعیہ اور حنابلہ کی طرح سے افراد کی کراہت کے قائل ہو گئے اور ایک دن پہلے یا ایک دن بعد اگر روزہ رکھا جائے تو اس کی سنیت کا اعتراف کرتے ہیں لہذا مذاہب اربعہ میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا ہے۔

مگر مشہور یہ ہے کہ مذاہب اربعہ میں اختلاف ہے، شافعی واحمد کے یہاں افراد مکروہ ہے اور ابو حنیفہ ومالک کے یہاں افراد مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نقل کرتے ہیں **كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَصُومُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حَسَنَهُ التِّرْمِذِيُّ،** لیکن دوسرے حضرات یوں فرماتے ہیں کہ یہ محمول ہے صومِ عادت پر، مگر حنفیہ کا استدلال روایت کے اطلاق سے ہے۔

جو لوگ افراد کی کراہت کے قائل ہیں وہ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی روایات سے استدلال کرتے ہیں **لَا يَصُومَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ** تنہا جمعہ کا روزہ نہ رکھا جائے اس سے پہلے ایک دن یا اس کے بعد میں ایک دن روزہ رکھ لیا جائے، میں یہ بتلا چکا ہوں کہ یہ قول حنفیہ اور مالکیہ کے مذہب میں بھی موجود ہے۔

مگر اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آیا رسول اکرم ﷺ نے افراد سے کیوں منع فرمایا ہے اور اگر اس سے پہلے ایک دو دن روزہ رکھ لیا جائے تو منع نہیں فرمایا ہے؟ علماء نے اس کی کئی حکمتیں بیان کی ہیں۔

(۱) ایک حکمت یہ ہے کہ یہ یوم العید ہے اور عید کے دن کا روزہ ممنوع ہے، لیکن یہ حکمت ضعیف ہے اس واسطے کہ اگر اگلے پچھلے دن کا روزہ رکھ لیا جائے تو اس سے یوم العید کے روزے سے بچنا کہاں لازم آیا؟

(۲) دوسری حکمت بعضوں نے یہ بیان کی ہے کہ تاکہ آدمی وظائف یوم جمعہ سے ضعیف نہ بن جائے، اس میں اشکال ہے کہ اگر آگے پیچھے ایک دو دن کا روزہ رکھے گا تو اور زیادہ ضعف ہو جانے کا امکان ہے، اس کا جواب

یہ ہو سکتا ہے کہ اتباع سنت کی برکت کی وجہ سے آدمی کو یہ ضعف لاحق نہ ہو۔

(۳) تیسری حکمت بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ اصل میں یہودیوں اور عیسائیوں کی یہ عادت تھی کہ ان کو جو یوم افضل ملا ہوا تھا یعنی یوم السبت اور اور یوم الاحد خاص طور سے وہ اس دن کا اہتمام سے روزہ رکھتے تھے، شریعت اسلامیہ نے ان کا تشبہ اختیار کرنے سے روکا اور منع کیا کہ صرف جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھا جائے بلکہ اس سے ایک دو دن پہلے یا ایک دن کے بعد کا روزہ رکھ لیا جائے۔

(۴) بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ممکن ہے اس خوف کی وجہ سے منع کیا گیا ہو کہ کوئی اس کے وجوب کا اعتقاد کرلے، اس پر اشکال یہ ہے کہ احادیث ترمذی وغیرہ میں یوم الخمیس اور یوم الاثنین کے روزہ کا رکھنا خاص طور سے وارد ہوا ہے۔

اقرب یہی معلوم ہوتا ہے کہ تشبہ بالیہود سے روکنے کے لئے ایسی صورت اختیار کی گئی ہے اور یہ کراہت تنزیہی ہے۔

امام بخاری کی رائے اس مسئلہ میں جمہور کے موافق ہی معلوم ہوتی ہے۔

يَعْنِي إِذَا لَمْ يَصُمْ قَبْلَهُ وَلَا يُرِيدُ أَنْ يَصُومَ بَعْدَهُ: تنہا اگر کسی نے یوم جمعہ کا روزہ رکھا ہو تو وہ رکھے ہی نہیں اس لئے کہ اس نے منہی عنہ کا ارتکاب کیا ہے لہذا روزہ توڑ دے ہاں اگر آگے پیچھے روزہ رکھنے کا ارادہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

یہ عبارت اسی طرح سے ابوالوقت اور ابوذر کے نسخہ میں موجود ہے مگر یہ امام بخاری کی عبارت نہیں اس لئے کہ اگر امام بخاری کی عبارت ہوتی تو يَعْنِي کے بجائے أعني ہوتا، مزید بات یہ ہے کہ بخاری کو أعني کہنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔

عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ: حضرت جویریہ بنت حارثؓ زوج النبی ﷺ کی بخاری شریف میں صرف یہی ایک روایت موصولاً نقل کی گئی ہے۔

(ص ۲۶۷) بَابٌ هَلْ يَخُصُّ شَيْئًا مِنَ الْأَيَّامِ

۱۹۸۷. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثنا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ: هَلْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَخْتَصُّ مِنَ الْأَيَّامِ شَيْئًا؟ قَالَتْ: لَا، كَانَ عَمَلُهُ دِيمَةً، وَأَيُّكُمْ يُطِيقُ مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُطِيقُ؟

ترجمہ: باب، روزہ کے لئے ایام خاص کرنا کیسا ہے؟

علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ دنوں میں سے کوئی دن روزے کے لئے خاص فرماتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ نہیں، آپ ﷺ کا عمل تو مواظبت کے ساتھ ہوتا تھا اور تم میں سے کون ایسا ہے جو اتنی طاقت رکھتا ہو جتنی طاقت رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھی۔

تشریح: کیا آدمی کوئی خاص دن روزہ کے لئے مخصوص کر سکتا ہے؟ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کوئی دن مخصوص نہیں فرماتے تھے آپ کا عمل دائمی ہوا کرتا تھا، یہ نہیں ہوتا تھا کہ آپ کسی دن روزہ رکھ لیں اور کسی دن نہ رکھیں۔

علامہ زین بن منیر فرماتے ہیں کہ تردید کی وجہ یہ ہے کہ روایت باب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کسی دن کی تخصیص نہیں فرماتے تھے بلکہ مداومت فرماتے تھے مگر حضرت عائشہؓ ہی سے اس کے خلاف روایت نقل کی گئی ہے، چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کا روزہ کس طور کا ہوتا تھا؟ فرمانے لگیں كَانَ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ قَدْ صَامَ وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَفْطَرَ یعنی حضور ﷺ بعض اوقات روزہ رکھتے تو رکھتے ہی چلے جاتے حتی کہ ہم کہنے لگتے کہ بس اب روزہ ہی رکھیں گے اور بعض اوقات افطار فرماتے تو افطار ہی فرماتے چلے جاتے حتی کہ ہم کہنے لگتے کہ بس اب افطار ہی کریں گے۔

تو روایت باب سے معلوم ہوتا ہے کہ تخصیص نہ کرے اور مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی حرج نہیں یعنی کسی خاص دن میں روزہ رکھنے میں کوئی حرج کی بات نہیں اس لئے امام بخاری کو تردد پیش آ گیا، لیکن ظاہر روایت پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دن کو خاص کر لینے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، حضور ﷺ سے یوم الاثنین اور یوم الخمیس کے روزہ کی تخصیص ثابت ہے۔

غالباً یہ بھی تردد کا سبب بن سکتا ہے کہ ظاہر روایت الباب سے عدم التخصیص معلوم ہوتا ہے اور ترمذی وغیرہ

کی روایات سے یوم الاثنین اور یوم الخمیس کی تخصیص معلوم ہوتی ہے اس لئے بخاری کو تردد پیش آگیا کہ آیا تخصیص کرے یا نہ کرے؟ لیکن جمہور علماء کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے، کوئی آدمی کوئی خاص دن متعین کر لے کہ اس میں روزہ رکھے گا تو گنجائش ہے۔

(ص ۲۶۷) بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ

١٩٨٨. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ثَنَا يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَيْرٌ مَوْلَى أُمِّ الْفَضْلِ أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ حَدَّثَتْهُ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صَوْمِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ صَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَيْسَ بِصَائِمٍ، فَأَرْسَلَتْ أُمُّ الْفَضْلِ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَعِيرِهِ فَشَرِبَهُ.

١٩٨٩. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ ثَنَا ابْنُ وَهْبٍ - أَوْ قُرِئَ عَلَيْهِ - قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ النَّاسَ شَكُّوا فِي صِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ عَرَفَةَ، فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ بِحِلَابٍ وَهُوَ وَاقِفٌ فِي الْمَوْقِفِ فَشَرِبَ مِنْهُ وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ.

ترجمہ: باب، عرفہ کے دن روزہ رکھنے کا بیان۔

حضرت ام فضل بنت حارثؓ نقل کرتی ہیں کہ عرفہ کے دن ان کے پاس کچھ لوگوں نے نبی پاک ﷺ کے روزے کے بارے میں اختلاف کیا بعض نے کہا کہ آپ روزے سے ہیں اور بعض نے کہا کہ روزے سے نہیں ہیں تو انہوں نے آپ کے پاس دودھ کا ایک پیالہ بھیجا آپ ﷺ اس وقت اپنے اونٹ پر تھے، آپ نے اس کو نوش فرمایا۔

حضرت میمونہؓ بیان کرتی ہیں کہ عرفہ کے دن لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے روزے کے بارے میں شک ہوا تو انہوں نے آپ کی خدمت میں دودھ کا برتن بھیجا، آپ عرفہ میں وقوف کر رہے تھے، آپ نے اس میں سے نوش فرمایا اس حال میں کہ لوگ دیکھ رہے تھے۔

تشریح: عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا غیر حاجی کے لئے باتفاقِ ائمۂ اربعہ مستحب ہے اور حضور اکرم ﷺ سے اس دن کے روزہ کی ترغیب دینا وارد ہوا ہے۔

مسلم شریف میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے کہ صومِ عاشوراء کے روزہ سے ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یومِ عرفہ کے روزہ رکھنے سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

دو سال کے گناہ معاف ہونے کی حکمت: علماء نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ صوم عاشوراء سنتِ موسویہ ہے اور صومِ عرفہ سنتِ محمدیہ ہے، حضرت محمد ﷺ دوسرے انبیاء سے افضل ہیں لہذا سنتِ محمدیہ میں بہ نسبت دیگر انبیاء کی سنت کے زیادہ فضیلت ہے۔

بعض مشائخ نے استنباط کیا ہے کہ جس آدمی کو صومِ عرفہ کی توفیق ہو جائے گویا اس کو ایک سال اور زندگی ملے گی اس واسطے کہ صومِ عرفہ سے ایک سال گزشتہ کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور ایک سال آئندہ کے، اور ایک سال آئندہ کے گناہ کی معافی کا اسی وقت امکان ہے جب ایک سال مزید اس کی زندگی بھی ہو۔

حاجی کیلئے صوم عرفہ: رہ گیا عرفہ کا روزہ حاجی کے لئے تو یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، امام بخاری نے ص ۲۲۵ پر اس کے لئے مستقل طور پر ایک ترجمہ منعقد فرمایا تھا بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ وہاں پر میں علماء کے پانچ مذاہب بیان کر چکا ہوں جس میں خاص طور پر میں نے ائمۂ اربعہ کے مذاہب بیان کئے تھے اسی کا یہاں پر بھی اعادہ کرتا ہوں، (۱) مالکیہ کہتے ہیں کہ مکروہ ہے، (۲) حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ خلاف اولیٰ ہے، (۳) حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر حاجی کو اس کی وجہ سے ضعف لاحق نہ ہوتا ہو اور ضروری امور میں فتور واقع نہ ہوتا ہو تو صوم یوم عرفہ اس کے حق میں مندوب ہے، اور باقی مذاہب وہاں پر گزر چکے ہیں۔

تراجم مقرر کرنے میں امام بخاری کا عجیب طرز: دیکھو عجیب بات ہے، امام بخاری نے ص ۲۲۵ پر کتاب الحج میں بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ منعقد کیا اور یہاں کتاب الصوم میں ص ۲۶۷ پر بعینہ وہی باب بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ منعقد فرمایا ہے، اب بادیٔ النظر میں دیکھنے والا تکرار سمجھے گا کہ لفظاً بھی تکرار ہے اور معناً بھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تکرار ہے ہی نہیں، امام بخاری نے وہاں بحیثیت مسئلۂ حج کے ذکر فرمایا ہے اور یہاں بحیثیتِ مسئلۂ صوم کے ذکر کیا ہے، گویا وہاں یہ بتلایا ہے کہ حاجی کے لئے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے اور یہاں یہ بتلایا ہے غیر حاجی کے لئے کیا حکم ہے؟ ویسے امام بخاری نے دونوں جگہ وہی ام فضلؓ والی روایت ذکر فرمائی ہے اور یہاں مزید حضرت میمونہؓ کی روایت ذکر فرمادی ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صومِ یوم عرفہ واجب نہیں ہے۔

عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ: عمیر مولیٰ عبداللہ بن عباسؓ کی بخاری شریف میں صرف دو روایتیں ہیں، ایک یہ اور دوسری کتاب التیمم میں گزر چکی ہے، اس روایت کو امام بخاری نے تین جگہ روایت فرمایا ہے، ایک یہاں پر اور دوسری جگہ کتاب الحج میں اور تیسری جگہ کتاب الاشربہ میں۔

وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَعِيْرِهِ: اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ عرفات میں اپنے اونٹ پر تھے، یہاں بعیر کا لفظ ہے جو صحیح بخاری میں متعدد جگہ واقع ہوا ہے اور حضرت ام فضلؓ کی احادیث میں بعیر ہی کا ذکر وارد ہوا ہے، اسی طرح خالد بن عداء اور نبیط بن شریط کی حدیث میں ابوداؤد میں وارد ہوا ہے اور نسائی میں ہے علی جمل أحمر۔

لیکن ان دونوں روایتوں پر یہ اشکال پڑتا ہے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث طویل میں جو مسلم شریف، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں وارد ہوئی ہے یہ تصریح وارد ہوئی ہے کہ حضور ﷺ ناقۂ قصواء پر تشریف فرما تھے، چنانچہ اس کے الفاظ ہیں حَتّٰى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے بذل المجہود میں آپ ﷺ کا ناقہ پر ہونا راجح قرار دیا ہے لیکن یہ مشکل ہے اس لئے کہ روایتیں دونوں صحیح ہیں۔

جمع بین الروایات کی صورت میرے نزدیک یہ ہے کہ لفظ ناقہ خاص ہے اور اس کا مدلول مخصوص ہے لیکن لفظ بعیر مشترک طور پر ابل اور ناقہ دونوں پر بولا جاتا ہے کما صرح بذلک فی القاموس، اسی طرح سے علامہ ابن الاثیر جزری نے نہایہ میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے الدر النثیر میں تصریح فرمائی ہے۔

البتہ ایک اشکال یہ ضرور رہ جاتا ہے کہ نسائی کی روایت میں علی جمل أحمر واقع ہوا ہے اور جمل کا اطلاق ابلِ ذکر پر ہوتا ہے لیکن اوّل تو وہ روایت شاذ ہے اور اگر ثابت مان لیا جائے تو اس کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ جمل کا اطلاق کبھی علی وجہ الشذوذ ناقہ پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ صاحبِ قاموس نے تصریح فرمائی ہے، بہر حال اگر اس طرح کی توجیہ کی جائے تو تمام روایتیں جمع ہو سکتی ہیں اور کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے۔

عَنْ مَيْمُوْنَةَ: علامہ عبد الغنی نابلسی نے یہ لکھ دیا ہے کہ یہ طریق یعنی حضرت میمونہؓ کی یہ حدیث اس سند سے کتاب الحج میں تخریج فرمائی ہے یہ وہم ہے، مصنف نے حضرت میمونہؓ کی یہ حدیث اس طریق سے سوائے اس جگہ کے کہیں بھی تخریج نہیں فرمائی ہے۔

(ص ۲۶۷) بَابُ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ

١٩٩٠. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ قَالَ: شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ: هَذَانِ يَوْمَانِ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ صِيَامِهِمَا يَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَالْيَوْمُ الْآخَرُ تَأْكُلُونَ فِيهِ مِنْ نُسُكِكُمْ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: مَنْ قَالَ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ فَقَدْ أَصَابَ، وَمَنْ قَالَ: مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فَقَدْ أَصَابَ.

١٩٩١. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ ثَنَا وُهَيْبٌ ثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ وَعَنِ الصَّمَّاءِ وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ.

١٩٩٢. وَعَنْ صَلَاةٍ بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ.

ترجمہ: باب، عید کے دن روزہ رکھنے کا بیان۔

ابو عبید مولیٰ ابن ازہر بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ عید میں شریک ہوا، انہوں نے کہا کہ یہ ایسے دو دن ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے ایک تمہارے روزے سے افطار کا دن اور دوسرا وہ دن جس میں تم اپنی قربانی کا گوشت کھاتے ہو۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ جس نے مولیٰ ابن ازہر کہا اس نے بھی درست کہا اور جس نے مولیٰ عبد الرحمن بن عوف کہا اس نے بھی صحیح کہا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے عید الفطر اور قربانی کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا، نیز آپ نے نے اشتمال صماء یعنی ایک کپڑے میں لپٹنے سے بھی منع فرمایا اور آپ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں احتباء کرے یعنی دونوں پاؤں پیٹ سے ملا کر بیٹھے، نیز فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا۔

تشریح: امام بخاری نے دو باب منعقد کئے ہیں، بَابُ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ اور اس کے بعد بَابُ صَوْمِ يَوْمِ النَّحْرِ، اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ یوم الفطر اور یوم النحر کا روزہ رکھنا کسی کے یہاں جائز نہیں ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نے نذر مان لی تو آیا یہ نذر منعقد ہوگی یا منعقد نہیں ہوگی؟ (۱)

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ نذر منعقد نہیں ہوگی یہی امام ابو حنیفہ کی ایک روایت ہے، (۲) حنفیہ کا مشہور

مسلک اور حنابلہ کا راجح قول یہ ہے کہ نذر منعقد ہو جائے گی لیکن بالاتفاق اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اس کے بعد قضاء واجب ہوگی اور کفارہ دینا پڑے گا، (۳) امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی خاص طور سے عیدین کے دن کے روزہ کی نذر مانتا ہے تو انعقاد نہیں ہوگا اور اگر کسی آدمی نے اتفاق سے کسی خاص دن کے روزہ کی نذر مان لی مثلاً یہ کہ میں آئندہ آنے والے جمعہ کو روزہ رکھوں گا اور اتفاقاً چاند ہو گیا اور اس دن عید ہو گئی تو اس کے نذر منعقد ہونے میں ان کے یہاں اختلاف ہے قیل ینعقد و قیل لا ینعقد، مشہور یہ ہے کہ منعقد ہو جائے گی اور اس کے ذمہ کفارہ واجب ہوگا۔

بہر حال یہ مسئلہ تو متفق علیہا ہے کہ عیدین کا روزہ رکھنا جائز نہیں اور اگر کوئی نذر مان لے تب بھی جائز نہیں ہے البتہ بعد میں قضاء و کفارہ ہے یا نہیں؟ (۱) حنفیہ اور حنابلہ علی الظاہر قضاء و کفارہ کے قائل ہیں، (۲) شافعیہ مطلق قائل نہیں اور (۳) مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر علی التعیین نذر مانتا ہے تو نہ قضاء ہے اور نہ کفارہ ہے، اور اگر علی التعیین نہیں مانتا اتفاقاً نام لیا کسی دن کا اور پڑ گیا عید کا دن تو اس صورت میں ان کے یہاں اختلاف ہے، امام بخاری اس مسئلہ میں بظاہر امام شافعی کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: بخاری فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ فرمایا کرتے تھے کہ ابو عبید کو بعض لوگ مولیٰ ابن ازہر کہتے ہیں اور بعض لوگ مولیٰ ابن عبد الرحمن بن عوف کہتے ہیں، دونوں صحیح ہیں، بعض شراح فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس کی صورت یہ ہو کہ دونوں اس کی ولاء میں شریک ہوں، یا یہ کہ وہ ایک کے علی الحقیقۃ مولیٰ ہو اور دوسرے کے مجازاً، اس لئے کہ کثرت سے ان کے پاس آتے جاتے ہوں اور ان کی خدمت کرتے ہوں اور علم حاصل کرتے ہوں۔

(ص ۲۶۷) بَابُ الصَّوْمِ يَوْمَ النَّحْرِ

۱۹۹۳۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِينَا قَالَ: سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: يُنْهَى عَنْ صِيَامَيْنِ وَبَيْعَتَيْنِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ.

۱۹۹۴. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى ثَنَا مُعَاذٌ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ: رَجُلٌ نَذَرَ أَنْ يَصُومَ يَوْمًا - قَالَ: أَظُنُّهُ قَالَ: الإِثْنَيْنِ - فَوَافَقَ يَوْمَ عِيدٍ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَمَرَ اللّٰهُ بِوَفَاءِ النَّذْرِ وَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ صَوْمِ هَذَا الْيَوْمِ.

۱۹۹۵. حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ ثَنَا شُعْبَةُ ثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ قَزَعَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدِ الْخُدْرِيَّ وَكَانَ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً قَالَ: سَمِعْتُ أَرْبَعًا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَعْجَبْنَنِي، قَالَ: لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ مَسِيرَةَ يَوْمَيْنِ إِلاَّ وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ، وَلاَ صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالأَضْحَى، وَلاَ صَلاَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلاَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ، وَلاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا.

ترجمہ:　باب، دس ذی الحجہ کو روزہ رکھنے کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ دو دن کے روزے اور دو قسم کی بیع ممنوع ہیں، روزے عید الفطر و عید الاضحیٰ کے اور بیع ملامسہ اور بیع منابذہ۔

زیاد بن جبیر نے بیان کیا کہ ایک شخص حضرت ابن عمرؓ کے پاس آیا اور اس نے یہ کہا کہ ایک شخص نے ایک دن کے روزے کی نذر مانی، راوی کہتا ہے کہ میرا خیال ہے کہ اس نے پیر کے دن کا نام لیا، مگر اس دن عید ہو گئی، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت قزعہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے جنہوں نے نبی پاک ﷺ کی معیت میں بارہ غزوات کئے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی پاک ﷺ سے چار باتیں سنیں اور وہ مجھے پسند آئیں، (۱) آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورت دو دن کی مسافت کا سفر نہ کرے مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم ہو، (۲) دو دن ایسے ہیں جن میں کسی قسم کا روزہ جائز نہیں عید الفطر کا دن اور عید الاضحیٰ کا دن، (۳) فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز جائز نہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز درست نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، (۴) کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف: مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد۔

تشریح:　مسئلہ گزر گیا۔

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عُمَرَ:　حضرت ابن عمرؓ کے پاس آکر ایک آدمی نے سوال کیا کہ ایک آدمی نے مثلاً دوشنبہ کے دن کے روزہ کی نذر مان لی اتفاق سے عید کا دن آگیا تو اب وہ کیا کرے روزہ رکھے یا افطار کرے؟

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا أَمَرَ اللهُ بِوَفَاءِ النَّذْرِ وَنَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ صَوْمِ هَذَا الْيَوْمِ، اللہ میاں نے نذر پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کے روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔

ابن عمرؓ کا کیا مقصود ہے؟ اس میں اختلاف ہے، (۱) شراح شافعیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ امر و نہی میں جب تعارض ہو تو نہی کو ترجیح ہوتی ہے لہذا اس دن کا روزہ رکھنا جائز نہیں، (۲) اور بعض شراح یوں فرماتے ہیں کہ اصل میں امر بایفاء النذر فلیوفوا نذورھم عام ہے اور ان دونوں کے روزہ رکھنے کی ممانعت خاص ہے اور قاعدہ ہے کہ عام وخاص میں تعارض ہو تو خاص کو عام پر ترجیح ہوتی ہے لہذا مطلب یہ ہے کہ ان ایام کا روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے، یہ بھی شافعیہ اور جمہور کے اصول پر چلتا ہے ورنہ حنفیہ کے یہاں جب عام وخاص میں تعارض ہوتا ہے تو وہ عام کو ترجیح دیا کرتے ہیں، (۳) بعض علماء جیسے حضرت امام خطابی ارشاد فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے یہاں پر فتویٰ دینے سے تورع اور پرہیز اختیار کیا اس لئے کہ دلائل میں اس مقام پر تعارض ہے، (۴) اور بعض علماء احناف نے یہ توجیہ کی کہ دیکھو دو امر ہیں ایک اللہ میاں کا اور ایک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، لہذا تم کو دونوں پر عمل کرنا چاہئے اس لئے اس دن کا روزہ نہ رکھو کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہے مگر اللہ پاک نے ایفاء نذر کا حکم دیا ہے لہذا تم اس کا ایفاء کرو اور اس کی شکل یہ ہے کہ آدمی قضاء و کفارہ کرلے۔

نذر معصیت منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟ ان دنوں کا روزہ رکھنا معصیت ہے اور معصیت کی اگر کوئی نذر مان لے تو منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے، (۱) مالکیہ وشافعیہ کے یہاں منعقد نہیں ہوتی، (۲) حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں انعقاد ہو جائے گا لیکن ارتکاب معصیت جائز نہیں البتہ کفارۂ یمین واجب ہوگا، ایک حدیث نسائی شریف میں وارد ہے لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهَا كَفَّارَةُ يَمِينٍ اس روایت میں اگرچہ کلام ہے لیکن مقام احتیاط ہے اور اس کے بعض مؤیدات بھی ہیں اس لئے ارجح واقویٰ اس باب میں حنابلہ اور حنفیہ ہی کا مسلک ہے۔

حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: اس روایت کے ٹکڑے اپنی اپنی جگہ پر گزر چکے ہیں اور میں ہر ایک پر کلام کرتا رہا ہوں۔

(ص ۲٦٨) بَابُ صِيَامِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

١٩٩٦. وَقَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي كَانَتْ عَائِشَةُ تَصُومُ أَيَّامَ مِنًى وَكَانَ أَبُوهَا يَصُومُهَا.

١٩٩٧. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا غُنْدَرٌ ثَنَا شُعْبَةُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عِيسَى عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ.

١٩٩٨. وَعَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَا لَمْ يُرَخَّصْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَنْ يُصَمْنَ إِلَّا لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْهَدْيَ.

١٩٩٩. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: الصِّيَامُ لِمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ إِلَى يَوْمِ عَرَفَةَ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا وَلَمْ يَصُمْ صَامَ أَيَّامَ مِنًى. وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ. تَابَعَهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ.

ترجمہ: باب، ایام تشریق کے روزوں کا بیان۔

ہشام بن عروہ نے بیان کیا کہ مجھے میرے والد نے یہ بتایا کہ حضرت عائشہؓ منیٰ میں قیام کے ایام (گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) میں روزہ رکھتی تھیں، نیز ان کے والد بھی ان ایام میں روزہ رکھتے تھے۔

حضرت عروہ حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں اور حضرت سالم حضرت ابن عمرؓ سے کہ ان دونوں نے ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دی علاوہ اس کے جس کو قربانی میسر نہ آئے۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ حج تمتع کرنے والے کو تمتع کے روزے عرفہ کے دن تک رکھ لینے چاہئیں، اور اگر اس کو ہدی میسر نہ آئے اور اس نے (عرفہ سے پہلے پہلے) روزے بھی نہ رکھے ہوں تو منیٰ کے دنوں میں روزے رکھے۔

ابن شہاب نے حضرت عروہ کے طریق سے حضرت عائشہؓ سے اسی کے مثل روایت کیا ہے، اس حدیث کو ابن شہاب سے روایت کرنے میں امام مالک کی متابعت ابراہیم بن سعد نے کی ہے۔

تشریح: **ایام تشریق کی تفسیر:** ایام تشریق کی تفسیر میں اختلاف ہے، (۱) حضرات ائمۂ اربعہ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق سے مراد یوم النحر کے بعد کے تین دن گیارہ، بارہ اور تیرہ ہیں، (۲) بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ اس میں چار دن داخل ہیں یوم النحر اور اس کے بعد کے تین دن، یہ قول ابن عباسؓ اور عطاء سے منقول ہے، (۳) بعضوں نے یہ کہا ہے کہ عید کے بعد کے دو دن ایام تشریق کا مصداق ہیں، بعض لوگوں نے یہ

قول حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے اصل میں قربانی کے بارے میں یہ منقول ہے کہ کل تین دن ہیں یوم النحر اور اس کے بعد کے دو دن ایام تشریق کے، اب اگر دو دن انہوں نے ایام تشریق کے قربانی کے سمجھے ہیں تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ ان کے یہاں ایام تشریق کل دو دن ہی ہیں، بہر حال حافظ کی عبارت سے ایہام ضرور ہوتا ہے اور حافظ نے خود یہ لکھا ہے کہ یوم النحر کے بعد دو دن ایام تشریق ہیں یا تین دن۔

ان کو ایام تشریق اس لئے کہتے ہیں (۱) لِأَنَّ لُحُومَ الْأَضَاحِيِّ تُشَرَّقُ فِيهَا یعنی سورج میں پھیلایا جاتا تھا، اور (۲) بعض کہتے ہیں اس لئے کہ قربانی اس وقت کی جاتی ہے جب طلوعِ شمس ہو جاتا ہے، (۳) بعض کہتے ہیں کہ اس واسطے کہ اضحیٰ کی نماز یعنی صلوۃ عید الاضحیٰ اس وقت پڑھی جاتی ہے جب طلوعِ شمس ہو جایا کرتا ہے۔

صیام ایام تشریق: صیام ایام تشریق کے مسئلہ میں بڑا شدید اختلاف ہے، اس میں نو مذاہب ہیں۔

میں یہاں پر صرف ائمۂ اربعہ کا مسلک بیان کروں گا اور اس پر مزید ایک مسلک، (۱) ابو اسحاق مروزی جو اکابر شافعیہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ اس دن کا روزہ رکھنا مطلقاً جائز ہے، یہ قول حضرت زبیرؓ اور ابو طلحہؓ سے منقول ہے، (۲) امام ابو حنیفہ، امام شافعی فی الجدید اور امام احمد فی قولہ الاخیر ارشاد فرماتے ہیں کہ مطلقاً جائز نہیں، یعنی نہ تو قارن کے لئے جائز اور نہ متمتع کے لئے اور نہ ان کے علاوہ کے لئے، (۳) ہم نے جو یہ کہا ہے فی قولہ الاخیر اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ امام احمد کا دوسرا قول اس کے بالمقابل یہ ہے کہ قارن اور متمتع اس دن کا روزہ رکھ سکتا ہے، یہی حضرت امام شافعی کا قول قدیم ہے، یہ اس وقت ہے جب وہ غیر واجد الهدی ہو، بدر الدین زرکشی حنبلی نے لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے عدم جواز ہی کے قول کی طرف رجوع فرمایا ہے۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ قارن اور متمتع اگر واجد الهدی نہ ہو تو وہ اس دن روزہ رکھ سکتا ہے انہوں نے دلیل میں حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ کا قول پیش کیا ہے قَالَا لَمْ يُرَخَّصْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَنْ يُصَمْنَ إِلَّا لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْهَدْيَ، اور جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس دن کا روزہ رکھنے کی گنجائش نہیں ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اور اسی طرح سے ان سے پہلے حضرت علیؓ قارن اور متمتع کو بھی ان ایام میں روزہ رکھنے سے منع کرتے تھے، غرض کہ کسی کے پاس مرفوع دلیل تو ہے نہیں، ہر ایک نے موقوف دلیل سے ہی استدلال کیا ہے۔

(ص ۲۶۸) بَابُ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ

٢٠٠٠. حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَوْمَ عَاشُورَاءَ إِنْ شَاءَ صَامَ.

٢٠٠١. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَمَرَ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ.

٢٠٠٢. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَصُومُهُ في الجاهلية، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تَرَكَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ.

٢٠٠٣. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ عَامَ حَجَّ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: هٰذَا يَوْمُ عَاشُورَاءَ وَلَمْ يُكْتَبْ عَلَيْكُمْ صِيَامُهُ وَأَنَا صَائِمٌ، فَمَنْ شَاءَ فَلْيَصُمْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُفْطِرْ.

٢٠٠٤. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ ثَنَا أَيُّوبُ ثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ فَرَأَى الْيَهُودَ تَصُومُ يَوْمَ عَاشُورَاءَ، فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ قَالُوا: هٰذَا يَوْمٌ صَالِحٌ هٰذَا يَوْمٌ نَجَّى اللّٰهُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ فَصَامَهُ مُوسَى، قَالَ: فَأَنَا أَحَقُّ بِمُوسَى مِنْكُمْ، فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ.

٢٠٠٥. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ ثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ أَبِي عُمَيْسٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ تَعُدُّهُ الْيَهُودُ عِيدًا، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: فَصُومُوهُ أَنْتُمْ.

٢٠٠٦. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَحَرَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ إِلاَّ هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَهٰذَا - يَعْنِي شَهْرَ رَمَضَانَ.

٢٠٠٧. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ثَنَا يَزِيدُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ قَالَ: أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلاً مِنْ أَسْلَمَ أَنْ أَذِّنْ فِي النَّاسِ: أَنَّ مَنْ كَانَ أَكَلَ فَلْيَصُمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ؛ فَإِنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ.

ترجمہ: باب، عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا بیان۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ نے عاشوراء کے دن فرمایا کہ جو چاہے روزہ رکھے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ جس کا جی چاہے وہ روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے روزہ نہ رکھے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں قریش عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ بھی اس دن روزہ رکھتے تھے، پھر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور اس کے روزہ کا حکم بھی دیا مگر جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ جس کا دل چاہے اس روزہ کو رکھے اور جس کا دل چاہے نہ رکھے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے جس سال حج کیا اس سال عاشوراء کے دن منبر پر فرمایا کہ اے مدینہ منورہ والو! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ عاشوراء کا دن ہے اس دن کا روزہ تمہارے اوپر فرض نہیں کیا گیا لیکن میں روزہ دار ہوں، تو جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے روزہ نہ رکھے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیسا روزہ ہے؟ صحابہ نے بتایا کہ یہ ایک مبارک دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا، آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے تمہیں کیا نسبت! میں حضرت موسیٰ سے نسبت کا زیادہ حقدار ہوں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور اس روزے کا حکم بھی دیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیان کیا کہ یہود عاشوراء کے دن کو عید کا دن شمار کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اس دن روزہ رکھو۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا میں نے نبی پاک ﷺ کو کسی ایسے دن کے روزے کا اہتمام کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس کو آپ نے دوسرے دنوں سے افضل قرار دیا ہو علاوہ اس دن یعنی عاشوراء کے دن کے اور علاوہ اس ماہ یعنی ماہ رمضان کے۔

حضرت سلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے قبیلۂ اسلم کے ایک شخص کو لوگوں میں یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ جس نے کچھ کھالیا ہے وہ دن کے باقی حصہ میں کچھ نہ کھائے اور جس نے کھایا نہیں ہے وہ روزہ رکھے کیوں کہ آج عاشوراء کا دن ہے۔

تشریح: **عاشوراء اسلامی نام ہے؟** عاشوراء کے بارے میں ابن درید کہتے ہیں کہ یہ اسلامی نام ہے، ابو الفتاح بن دحیہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کو اسلامی نام قرار نہیں دیا جاسکتا ہے کیوں کہ ابن اعرابی نے اس کے وزن پر خابوراء کا لفظ نقل کیا ہے گویا یہ وزن پہلے ہی سے کلام عرب میں موجود ہے، دوسری دلیل یہ

پیش کی ہے کہ حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں كَانَ يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ تَصُوْمُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، مگر یہ دوسری دلیل ناقص اور ناتمام ہے، اس لئے کہ قریش اگر عاشوراء کا روزہ جاہلیت میں رکھتے تھے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کو عاشوراء کہا جاتا تھا اور اس وقت یہ نام موجود تھا۔

عاشوراء کی وجہ تسمیہ: بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ عاشوراء معدول ہے عاشرہ سے اور اصل میں یہ صفت ہے رات کی اس کے بعد وصفیت کو مغلوب کر کے اسمیت کو غالب کر دیا گیا، اصل تھا یوم اللیلۃ العاشرۃ اور اس کے بعد عاشرہ کو عاشوراء بنایا گیا اور پھر عاشوراء کا اطلاقِ وصفی ہٹا کر اطلاقِ اسمی کر دیا گیا اور اس کو یوم عاشر پر بولا جانے لگا، اسی لئے مصنف نے فرمایا ہے صِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ۔

یوم عاشوراء کا مصداق: اب اس میں اختلاف ہے کہ یوم عاشوراء کا مصداق کیا ہے؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔

(۱) راجح یہ ہے کہ اس سے مراد محرم کی دسویں تاریخ ہے اور یہی ائمۂ اربعہ کا مسلک ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ محرم کی نویں تاریخ ہے یہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے منقول ہے، حکم بن اعرج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے عاشوراء کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا إِذَا رَأَيْتَ هِلَالَ الْمُحَرَّمِ فَاعْدُدْ وَأَصْبِحْ يَوْمَ التَّاسِعِ صَائِمًا قُلْتُ أَهٰكَذَا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَصُوْمُهُ؟ قَالَ هٰكَذَا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَصُوْمُهُ رواہ مسلم۔

مگر اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ دوسرے صحابہ کی روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے تھے اور خود ابن عباسؓ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دسویں تاریخ ہی کا روزہ رکھا کرتے تھے، فرماتے ہیں أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ لَئِنْ بَقِيْتُ إِلَى قَابِلٍ، اور بعض الفاظ میں ہے لَئِنْ عِشْتُ إِلَى قَابِلٍ لَأَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ اگر اگلے سال میں زندہ رہ گیا تو نویں تاریخ کا روزہ رکھوں گا رواہ مسلم وأصحاب السنن، مطلب یہ ہے کہ پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے تھے لیکن یہ فرمادیا کہ اگر زندگی رہ گئی تو اگلے سال نویں تاریخ کا روزہ رکھوں گا۔

مگر اس کے مطلب میں اختلاف ہے کہ آیا کیا مقصود ہے؟ دسویں کے بجائے نویں کا رکھیں گے یا دسویں کے

ساتھ نویں کا بھی رکھیں گے؟

دونوں ہی احتمال ہیں، راجح فی المذاہب الاربعہ احتمال ثانی ہے یعنی دسویں کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھیں گے تاکہ یہودیوں کے ساتھ تشبہ نہ رہے، کیوں کہ وہ صرف دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے ہیں۔

پھر یہاں پر یہ اشکال پڑتا ہے کہ ابن عباسؓ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ دسویں تاریخ کا روزہ رکھا کرتے تھے اور ابن عباسؓ سے حکم بن اعرج نے جو نقل کیا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ نویں تاریخ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

علامہ ابن منیر وغیرہ نے اس کی کچھ توجیہ کی ہے لیکن مسلم کے الفاظ پر وہ توجیہ کچھ منطبق نہیں ہوتی ہے انہوں نے ایک عجیب وغریب سا لفظ رکھا ہے إِذَا رَأَيْتَ هِلَالَ الْمُحَرَّمِ فَاعْدُدْ وَأَصْبِحْ يَوْمَ التَّاسِعِ صَائِمًا اور چونکہ روزہ کے لئے رات سے نیت ضروری ہے اب لامحالہ جب یہ کہا جا رہا ہے کہ تم صبح کرو روزہ رکھنے کی حالت میں، تو مطلب یہی ہوگا کہ جو اس کے آگے کا دن آرہا ہے اس کا روزہ رکھو، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس توجیہ کو اختیار کیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں ابن عباسؓ کی دوسری روایت کا اس سے معارضہ ختم ہو جائے گا۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ عاشوراء کا مصداق گیارہویں تاریخ ہے یہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی تفسیر سے نقل کیا گیا ہے، بہر حال ان مذاہب میں پہلا ہی قول ارجح ہے۔

عاشوراء کے روزہ کا حکم کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے کہ عاشوراء کے روزہ کا حکم کیا ہے؟ اب تو کچھ اختلاف نہیں ہے سارے ہی لوگ اس کے روزہ کو مستحب کہتے ہیں البتہ سلف میں اختلاف تھا کہ آیا عاشوراء کا روزہ ابتداء امر میں واجب تھا یا نہیں؟ میں یہ بتلا چکا ہوں کہ حنفیہ کا قول واحد یہ ہے کہ عاشوراء کا روزہ ابتداء امر میں فرض تھا اور اس کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی، یہی امام احمد کی ایک روایت اور شافعیہ کے یہاں ایک قول اور مالکیہ میں سے قاضی ابو الولید باجی کی رائے ہے، لیکن شافعیہ اور حنابلہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اس کا روزہ ابتداء امر ہی سے غیر مؤکد تھا فرض اور واجب نہیں تھا۔

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ صومِ عاشوراء میں تین قول تھے، ایک قول یہ ہے کہ فرض تھا اور اس کی فرضیت اب بھی باقی ہے، یہ قول مع اپنے قائل کے ختم ہو گیا، دوسرا قول یہ ہے کہ اس دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے، ابن عمرؓ

سے یہ قول منقول ہے یہ قول بھی قائل کے ساتھ ختم ہوگیا، تیسرا قول یہ ہے کہ اس دن کا روزہ رکھنا مستحب ہے، یہی ائمۂ اربعہ کا مسلک ہے یہ قول بھی باقی ہے اور اس کے قائلین بھی باقی ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: حنفیہ نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ صومِ عاشوراء ابتداء امر میں فرض تھا اور بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں اس لئے کہ اس میں یہ تصریح ہے کہ آنحضور ﷺ نے پہلے یوم عاشوراء کے روزہ کا امر کیا تھا اور جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو عاشوراء کی فرضیت ختم ہوگئی، کَانَ مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ یہ فِرِضَ رَمَضَانُ کے مقابل میں یوم عاشوراء کے روزہ کا ذکر کرنا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ پہلے اس کا روزہ مامور علی وجہ الفریضہ تھا پھر فرضیتِ رمضان نے اس کی فرضیت کو منسوخ کر دیا، ورنہ یہ ظاہر بات ہے کہ مندوب تو وہ اب بھی ہے، حالانکہ بعض روایات میں ہے فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تُرِكَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ اور ترک جو چیز ہوئی ہے وہ وجوب یا فرضیت ہی ہوئی ہے استحباب اب تک باقی ہے۔

لیکن جو حضرات اس کے وجوب کے قائل نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ابتداء میں مؤکد تھا، فرضیتِ رمضان کے بعد وہ تأکد مرتفع ہوگیا ولکلّ وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات۔

كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ: قریش نے جاہلیت میں یہ روزہ رکھنا کہاں سے شروع کیا؟ اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اہل کتاب سے لیا ہو یا پھر یہ سنن ابراہیمی سے ہو اور ابراہیم علیہ السلام کسی وجہ سے اس دن کا روزہ رکھتے ہوں اور اس کے بعد وہیں سے یہ قریش میں منتقل ہوتا چلا آیا ہو۔

يَوْمَ عَاشُورَاءَ عَامَ حَجَّ: جس سال انہوں نے حج کیا، معاویہؓ کا پہلا حج سن ۴۴ھ میں ہے اور آخری حج سن ۵۷ھ میں ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ آخری حج مراد ہے۔

أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ: امیر معاویہؓ نے اہل مدینہ کے علماء کو اس لئے طلب کیا تھا تاکہ انہیں اس سنت سے واقف کر دیں کہ اب صومِ عاشوراء فرض نہیں رہا، ممکن ہے کہ کوئی آدمی فرضیت کا قائل ہو تو اس کو بتلانا مقصود ہو، اور بعض علماء کہتے ہیں ممکن ہے کہ امیر معاویہؓ اپنی موافقت کے واسطے اپنے پاس بلاتے ہوں تاکہ دوسرے علماء بھی ان کی رائے میں موافقت کر لیں۔

وَلَمْ يُكْتَبْ عَلَيْكُمْ صِيَامُهُ: اس روایت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عاشوراء کا

روزہ اوّل امر ہی میں واجب نہیں تھا، لیکن حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے وَلَمْ یَکْتُبِ اللهُ عَلَیْکُمْ صِیَامَهُ الآن أی بعد فرضیة صوم رمضان، امیر معاویہؓ تو مسلمۃ الفتح میں سے ہیں، بہت بعد میں ان کی مدینہ آمد ہوئی ہے، ماضی کی ساری تفصیلات کا ان کو علم ہو جانا لازم اور ضروری نہیں ہے اس میں دوسروں کی روایت پر اعتماد کیا جائے گا۔

قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمَدِينَةَ: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پاک تشریف لائے آپ نے یہودیوں کو یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا فرمایا کہ یہ کیا دن ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ اچھا دن ہے، اس دن میں اللہ نے بنی اسرائیل کو نجات دی تھی ان کے دشمن سے لہذا موسیٰ نے روزہ رکھا، آپ نے فرمایا کہ میں موسیٰ کا زیادہ حقدار ہوں لہذا آپ نے روزہ رکھا اور اس کے روزہ کا حکم دیا۔

بیرونی کا اعتراض: اس حدیث پر ابو ریحان بیرونی نے جو مشہور ماہر ریاضیات ہے اپنی کتاب الآثار الباقیة عن القرون الخالیة میں اعتراض کیا ہے، اس کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث تقویم یہودی اور تقویم عربی پر منطبق نہیں ہوتی ہے یعنی اس کے مطابق صحیح اور ثابت نہیں اترتی ہے، اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ربیع الاول میں ہوئی ہے اور عاشوراء کا روزہ محرم میں ہوا کرتا ہے، اور جو عاشوراء کا روزہ محرم میں رکھا جاتا ہے اس کو اصطلاح یہود میں "صوم الکتبور" کہا جاتا ہے جو ان کے سال کے ساتویں مہینہ میں جس کا نام "تشری" ہے اس کی دسویں تاریخ کو رکھا جاتا ہے، اب اس صورت میں جب ہجرت ہوئی ہے ربیع الاول میں تو ساتواں مہینہ رمضان کا واقع ہوتا ہے، لہذا یہ صوم کفارہ جو یہودیوں کے یہاں تشری کی دسویں تاریخ کو رکھا جاتا ہے رمضان میں واقع ہونا چاہئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے کس طرح سے پایا؟

اس کے علاوہ اس نے اور بھی اعتراضات کئے اور دلائل بھی پیش کئے ہیں۔

ایک اور بات اس نے پیش کی وہ یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ اس دن میں اللہ نے بنو اسرائیل کو دشمن سے نجات دی، بعض روایات میں ہے کہ اس دن اللہ نے فرعون کو غرق کیا، فرعون کی غرقابی کا واقعہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ اکیس (۲۱) نیسن میں ہوا ہے جو یہودیوں کی عید الفطر کا ساتواں دن ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد یہودیوں کا سب سے پہلا روزہ یہودیوں کا عید الفصح کا واقع ہوا ہے جو منگل کے روز ۲۲ آذار سن

۱۹۳۳ اسکندری کو واقع ہوا ہے جو ۷ ار مضان کو پڑتا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں بیرونی کو جو اشکال ہوا وہ یہ ہوا کہ اس نے یوم عاشوراء جو اصطلاحِ اسلام میں محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ ہے اس کو اس نے یہ سمجھ لیا کہ یہ وہی روزہ ہے جس کو یہودی "صوم کتبور" کہتے ہیں، حالانکہ صوم کتبور کی پوری تفصیل تورات کے ابواب کے دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ تو کسی بہت بڑے جرم کا بدلہ اور کسی بڑے گناہ کی سزا ہے، اور یوم عاشوراء کے روزہ کا ذکر جو احادیث میں وارد ہوا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوشی کا روزہ رکھا جاتا تھا، تولا محالہ یہ روزہ نیسن کے مہینہ میں واقع ہوگا جس کو نیسان کہتے ہیں اور جس کو انگریزی میں اپریل کہتے ہیں، اب ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی آمد کے بعد جو ان کا پہلا مہینہ پیش آیا ہو وہ نیسان کا ہو اور اس میں ان کو روزہ رکھتے ہوئے پایا ہو، اور اس کی مزید تفصیل اگر دیکھنی ہو تو حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی کے ارکان اربعہ میں دیکھی جائے۔

میرے نزدیک سب سے آسان جواب وہ ہے جو ابو حاتم بن حبان بستی نے دیا ہے اور جس کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ یہ مطلب نہیں کہ جس وقت حضور اکرم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری ہوئی تو اس وقت ہی یہودی عاشوراء کا روزہ رکھ رہے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ تشریف لائے اور قیام کیا حتی کہ عاشوراء کا مہینہ آیا اور عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا اس وقت آپ نے تحقیق کی اور تحقیق کرنے کے بعد آپ نے اعلان کرایا مَنْ كَانَ أَكَلَ فَلْيَصُمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ فَإِنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ، اور روایت سے تائید اس کی اس طور پر بھی ہوتی ہے کہ قری الانصار میں اعلان کرایا گیا تھا اور آپ کی آمد کے بعد اسلام کا پھیلنا شروع ہوا ہے ایک دم آتے ہی انتشار اسلام نہیں ہو گیا تھا۔

اصل میں بیرونی کو اصطلاحِ حدیث سے ناواقفیت کی بناء پر یہ اشکال ہوا، سنن کی روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ جب مدینہ آئے تو دیکھا ولهم يَوْمَانِ يلعبون فيهما، آپ نے پوچھا کہ یہ کیسا دن ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ ان کے عید نیروز اور عید مہرجان کا دن ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو اس کے بدلہ میں اس سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ، اب ہر عقل مند آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ آتے ہی آنحضور ﷺ نے یوم نیروز اور یوم مہرجان کے عیدوں کا مشاہدہ نہیں کیا اور آتے ہی آپ کو اللہ نے عید فطر اور عید اضحیٰ عطا نہیں

فرمائی بلکہ رمضان کا روزہ اگلے سال فرض ہوا ہے اور اگلے سال ہی عید الفطر کی نماز پڑھی گئی ہے۔

حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: یہ حدیث بخاری شریف کی ثلاثیات کی چھٹی حدیث ہے اور یہ حدیث ص۲۵۷ پر بھی گزر چکی ہے، فرق اتنا ہے کہ یہاں بخاری نے مکی سے نقل کیا ہے اور ص۲۵۷ پر ابو عاصم سے نقل کیا ہے اور یہ دونوں کے دونوں یزید سے اور وہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے نقل کرتے ہیں، اب سند میں اختلاف کی وجہ سے ان کو دو شمار کر لیا گیا لیکن، متن کے اتحاد کی وجہ سے یہ ایک ہی حدیث ہے، اسی واسطے میں نے یہ کہا تھا کہ ثلاثیات بخاری سنداً تو بائیس ہیں اور متناً کل سترہ ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(كِتَابُ صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ)

(ص ٢٦٩) بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ

٢٠٠٨. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ ثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لِرَمَضَانَ: مَنْ قَامَهُ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

٢٠٠٩. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ.

٢٠١٠. وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ، ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ، وَالَّتِي تَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي تَقُومُونَ - يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ.

٢٠١١. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى، وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ.

٢٠١٢. ح وحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ ثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ وَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلَّى فَصَلَّوْا مَعَهُ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ

الثَّالِثَةِ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ حَتَّى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ، فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ.

۲۰۱۳. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ثَنِي مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ: كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ قَالَ: يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي.

(کتاب التراویح)

ترجمہ: باب، رمضان میں رات کے قیام یعنی تراویح پڑھنے والے کی فضیلت کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو رمضان کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو رمضان میں ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے عبادت کرے گا اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو رمضان میں ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے عبادت کرے گا اس کے ماضی کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، ابن شہاب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک معمول اسی کے مطابق تھا پھر یہی معمول حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع میں رہا۔

عبد الرحمن بن عبد القاری بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ رمضان کی شب میں مسجد نبوی کی طرف نکلا تو دیکھا کہ لوگ الگ الگ منقسم ہیں، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہے، کوئی ایک جماعت کو نماز پڑھا رہا ہے، تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں ان کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہو، پھر انہوں نے اس کا فیصلہ فرمالیا اور سب کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کر دیا، پھر میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ دوسری رات مین نکلا تو لوگ ایک قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ نئی چیز کیا ہی عمدہ ہے! اور جس نماز کے وقت یہ سو جاتے ہیں وہ اس نماز سے افضل ہے جس کو یہ پڑھتے ہیں، اس سے ان کی مراد رات کے آخری حصہ کی نماز یعنی تہجد تھی، لوگ رات کے اول حصہ میں نماز پڑھتے تھے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں تراویح پڑھی (اس سند سے متن اتنا ہی ہے)

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات درمیان شب میں نکلے اور مسجد میں تراویح کی نماز پڑھی، لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی، صبح ہوئی تو لوگوں میں یہ چیز گفتگو کا موضوع بن گئی، (اگلی شب) اس سے زیادہ لوگ جمع ہوئے

اور انہوں نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی، صبح ہوئی تو لوگوں میں اس کا تذکرہ ہوا، تیسری شب مسجد میں آنے والے بہت ہو گئے، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے نماز پڑھائی اور لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، جب چوتھی رات آئی تو اتنے لوگ جمع ہو گئے کہ مسجد تنگ ہو گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے، جب آپ فجر سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اوّلاً خطبہ کا تشہد پڑھا اور پھر فرمایا کہ تمہارا جمع ہونا میرے اوپر مخفی نہیں تھا لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ نماز تمہارے اوپر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاؤ، رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اور یہی کیفیت قائم رہی۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کتنی رکعت پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان؛ آپ ﷺ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آپ چار رکعت اس طرح پڑھتے کہ تم اس کے حسن اور طول کو نہ پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے اور تم ان کی خوبی اور طول کو نہ پوچھو، پھر تین رکعت پڑھتے، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ وتر سے پہلے سوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ! بے شک میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔

تشریح: قیام رمضان کا لفظ جب اصطلاح رمضان یعنی ابواب رمضان میں بولا جاتا ہے تو اس سے مراد صلوۃ تراویح ہوتی ہے، صلوۃ تراویح کی مشروعیت پر تمام امت کا اتفاق و اجماع ہے سوائے روافض کے کسی نے اس میں مخالفت نہیں کی ہے، اور یہ نماز حضرات ائمۂ اربعہ کے یہاں سنت مؤکدہ ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ صلوۃ تراویح کی نماز واجب نہیں ہے۔

اس کی عددِ رکعات میں اختلاف ہے اور بڑا طویل و شدید اختلاف ہے، صحابہ و تابعین اور بعد کے ائمہ کے جو معمولات نقل کئے جاتے ہیں وہ گیارہ رکعت سے لیکر سینتالیس رکعت تک کے نقل کئے گئے ہیں۔

حضرات ائمۂ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ تراویح کی رکعت بیس ہیں اور اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور ابی بن کعبؓ سے مؤطا اور مصنف ابن ابی شیبہ میں آثار نقل کئے گئے ہیں۔

اصل میں صحابہ کے معمولات میں اختلاف تھا جیسا کہ مؤطا امام مالک اور دیگر کتب آثار مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ جب طویل قیام ہوا کرتا تھا تب رکعات میں قلت ہوتی تھی اور جب قیام میں طول کم ہوتا تھا تو رکعات میں زیادتی ہوا کرتی تھی، یہی خود ایک ہی صحابی کے مختلف عمل کے درمیان جمع کی صورت ہے، ویسے آج کل کے اہل حدیث فرماتے ہیں کہ رکعات تراویح کل آٹھ

ہیں اور اس پر مزید وتر کی تین رکعات ہیں، اور ان کا استدلال حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہے۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن فرماتے ہیں أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا كَيفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيرِهَا عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا رواه الشيخان، امام بخاری کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

حضرت علامہ ابن ہمام کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بیس رکعت کے بارے میں کوئی روایت صحیح ثابت نہیں ہے صرف ایک روایت نقل کی جاتی ہے جس کو محدث ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے فرماتے ہیں حدثنا يزيد بن الهارون قال أخبرنا إبراهيم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عَبَّاسٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ مگر اس کی سند ضعیف ہے، اوّل تو اس وجہ سے کہ اس کا راوی ابراہیم بن عثمان جو امام بن ابی شیبہ کا دادا ہے وہ راوی انتہائی ضعیف ہے بلکہ لوگوں نے اس کو متروک قرار دیا ہے، دوسرے یہ روایت من طریق الحکم عن مقسم منقول ہے، اور حکم نے مقسم سے کل چار حدیثیں سنی ہیں، یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ روایت اس میں داخل ہے یا داخل نہیں ہے؟

اس کے برخلاف ایک روایت خاص رمضان میں آٹھ رکعات کے بارے میں نقل کی گئی ہے، امام محمد بن نصر مروزی نے قیام رمضان میں اور طبرانی نے معجم میں اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں بطریق عیسیٰ بن جاریہ حضرت جابرؓ سے روایت نقل کی ہے قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ أَوْتَرَ، عیسیٰ بن جاریہ راوی متکلم فیہ ہے، ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے، ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں لا بأس به، امام یحیٰ ابن معین فرماتے ہیں عنده مناكير، امام ابوداؤد ونسائی کہتے ہیں منكر الحديث، بلکہ نسائی سے ایک روایت میں متروک کا لفظ بھی وارد ہوا ہے، حافظ شمس الدین ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس سند کے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ متوسط سند ہے إسناده وسط، تو آٹھ رکعات کی روایت بہ نسبت بیس رکعات کی روایت کے اقوی وارجح ہے اس لئے ابن ہمام فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات تو سنت ہے اور چونکہ آٹھ سے زائد بیس تک حضرات صحابہ اور خلفاء راشدین کے عمل سے ثابت ہے اس لئے وہ مستحب ہے۔

حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی نے محقق ابن ہمام کی اس تفصیل پر اعتراض کیا ہے اور انہوں نے ایک مستقل

رسالہ لکھا ہے تحفۃ الأخیار فی إحیاء سنۃ سید الأبرار اس میں اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یہ مزید بارہ رکعات بھی سنت ہی ہیں، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے علیکم بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ المَهْدِيِّينَ، مگر واقعہ یہ ہے کہ محض اس روایت کی بناء پر باقی بارہ رکعات کے تأکد کا ثبوت بہت مشکل امر ہے، بس اتنی بات ہے کہ بیس رکعات کا ایک معمول قدیم عصر صحابہ سے چلا آرہا ہے یہ ایک بہت بڑی قوی دلیل ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ امام مالک کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ چھتیس (۳۶) رکعات کے قائل ہیں، اصل مالکیہ کا مسلک وہی بیس رکعات کا ہے چھتیس رکعات حضرت امام مالک سے یوں ہی شروح حدیث میں نقل کی گئی ہیں، ان کے اصحاب نقل نہیں کرتے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ اہل مکہ کا دستور یہ تھا کہ جب وہ چار رکعات پر ترویحہ کرتے تو ہر ترویحہ میں طواف کرتے اور دو رکعت تحیۃ الطواف ادا کرتے، اس طرح سے پانچ ترویحات کے بیچ میں چار مرتبہ ان کا طواف ہوتا اور دو دو رکعت ہوتیں، اس لحاظ سے ان کی آٹھ رکعات تو یہ بن گئیں اور ایک طواف دو رکعت کے قائم مقام ہوتا ہے تو چار طواف آٹھ رکعات کے قائم مقام بن گئے لہذا ان کی سولہ رکعات مزید بڑھ گئیں اس لئے اہل مدینہ نے یہ کرلیا کہ بجائے بیس رکعات کے چھتیس رکعات پڑھنے لگے تھے۔

اعداد رکعات کے سلسلہ میں احقر کا خیال یہ ہے کہ امام بخاری وہی گیارہ رکعات کے قائل معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ حضرت عائشہؓ والی روایت مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهَا عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً پیش کی ہے اس کے علاوہ کوئی اور دوسری دلیل پیش نہیں فرمائی ہے۔

يَقُولُ لِرَمَضَانَ: حضور اکرم ﷺ رمضان کے متعلق ارشاد فرماتے تھے مَنْ قَامَهُ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، جو آدمی رمضان کا قیام ایمان اور یقین اور اللہ کی رضاجوئی کے لئے کرے گا اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اس روایت کا عموم اس بات کا مقتضی ہے کہ اس سے صغائر و کبائر سب کی معافی ہو جاتی ہے اسی کو ابن منذر نے اختیار کیا ہے، لیکن مشہور یہ ہے کہ اس طرح کی روایات صغائر کے ساتھ خاص ہیں، امام نووی فرماتے ہیں کہ یہی معروف ہے اور امام الحرمین نے اسی کو بیان فرمایا ہے، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے، حقیقت یہ ہے کہ اصل ضابطہ کبائر کا توبہ ہے لیکن اگر کسی آدمی کی

طاعات ایسی زوردار ہوں اور ایسے انابت اور خشوع و خضوع پر مشتمل ہو جو اس کے تمام گزشتہ گناہوں پر قلم پھیر دے تو کیا عجب ہے کہ طاعات ہی کے ذریعہ جہاں صغائر کی معافی ہو جائے وہیں کبائر کی بھی معافی ہو جائے، وفضل اللہ أوسع من کل ذلک۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ اس روایت کے بعض طرق میں ماتقدم کے بجائے ماتأخر بھی واقع ہوا ہے، ذنوب متقدمہ کی معافی کا ہو جانا ایک بدیہی چیز ہے لیکن ذنوب متاخرہ کی معافی پر بظاہر اشکال ہو تا ہے، لیکن اس اشکال کا بھی جواب دیا جائے گا جو اہل بدر کے متعلق حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حدیث خداوندی نقل کرنے کا دیا جاتا ہے کہ اے عمر! تم کو کیا معلوم کہ حق تعالیٰ نے اہل بدر کے متعلق ارشاد فرمادیا ہو اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ جو چاہے تم کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی، یعنی مطلب یہ ہے کہ ایسوں سے کبائر کا صدور نہیں ہو گا اور اگر صدور ہو گا تو وہ گناہ مغفور ہوں گے، حق تعالیٰ شانہ ان کی مغفرت فرمادیں گے اور توبہ کی توفیق عطا فرمادیں گے۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اسی طرح امام مالک نے فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الخ ماقبل سے مفصولاً اور الگ نقل کیا ہے، لیکن یہی روایت مالک کے دوسرے رفیق معمر؛ ابن شہاب سے نقل کرتے تو سب کو موصول بالخبر نقل کرتے ہیں، معمر کی حدیث امام مسلم، ابوداؤد و ترمذی نے تخریج فرمائی ہے، فیصلہ کن بات یہ ہے کہ جب مالک و معمر میں اختلاف ہو گا تو مالک کی روایت کو ترجیح ہو گی لأنه مالك أزمّة الأحاديث، امام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ کی اکیسویں جلد میں لکھا ہے کہ اہل معرفت بالحدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معمر زہری سے نقل کرنے میں بہت سی غلطیاں کر جایا کرتے ہیں۔

وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ: اور معاملہ اسی بات پر تھا یعنی لوگ اپنا کیف ما اتفق قیام کر لیا کرتے تھے حتی کہ ابو بکر کی خلافت آئی پھر حضرت عمرؓ کی خلافت آئی، ایک دن حضرت عمرؓ نکلے تو مسجد میں لوگ متفرق جماعتوں کی شکل میں پڑھ رہے تھے کوئی تنہا ہے تو کوئی ایسا ہے کہ اس کے ساتھ ایک جماعت ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ ان کو میں ایک قاری پر جمع کر دوں تو زیادہ بہتر اور افضل ہو اس لئے کہ اس میں اجتماعیت اور وحدت کی شان نکلتی ہے جو اسلام کا ایک مقصد اعظم ہے، اسلام توحید کا علم بردار ہے جیسے وہ خدائے پاک کی وحدانیت کا ذات وصفات میں قائل ہے ایسے ہی وہ ملت میں بھی وحدانیت کا قائل ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس

ملت کے اعضاء ایسے مل جل کر رہیں جیسے ایک جسم ہوا کرتا ہے۔

فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ: چنانچہ حضرت عمرؓ نے سب کو ابی ابن کعبؓ کی اقتداء کا حکم عطا فرمادیا، ابن سعد، ابن حبان اور حافظ ابن عبد البر وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ سن ۱۴ھ کا ہے، پھر دوسری رات نکلے لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ بڑی اچھی بدعت ہے یہ، بعض روایات میں وارد ہوا ہے نعمت البدعة تاء کے اثبات کے ساتھ۔

بدعت کہتے ہیں اس کام کو جو انوکھا ہو اور اس کی کوئی مثال نہ ہو، شریعت میں بدعت سنت کے مقابل میں بولا جاتا ہے، اصل میں بدعت ایک انوکھی اور نئی چیز کو کہتے ہیں، بدعت اگر کسی شرعی قاعدہ کے تحت آجاتی ہو تو مستحسن سمجھی جائے گی جیسے یہ مدارس وخوانق ہیں کہ یہ ایک اصل شرعی کے تحت صفہ والوں کے عمل کے تحت داخل ہوجاتے ہیں، اور اگر بدعت کسی اصل شرعی کے تحت اور کسی امر مستحسن کے تحت نہیں آتی تو وہ بدعت مستقبحہ ہوگی اور شریعت میں مذموم ہوگی، جیسے قبروں پر بڑے بڑے قبے بنانا اور اس کے اوپر غلاف چڑھانا وغیرہ یہ سب چیزیں مستقبحات میں ہیں۔

شیخ عزالدین بن عبد السلام نے کتاب القواعد الکبریٰ میں بدعت کی پانچ قسمیں بیان فرمائی ہیں، بدعت واجبہ، بدعت مندوبہ، بدعت محرمہ، بدعت مکروہہ اور بدعت مباحہ اور پھر ہر ایک کی مثالیں دی ہیں۔

علامہ ابو القاسم شاطبی نے الاعتصام میں ان کی بڑی شدید مخالفت کی ہے اور نہایت طویل رد فرمایا ہے، حضرت مجدد الف ثانی بھی بدعت کو مطلقاً مذموم کہتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ بدعت تو بہر حال مذموم ہوگی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کل بدعة ضلالة۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جو اس اجتماع عام کو نعمت البدعة کہہ رہے ہیں اس کا کیا مطلب ہوگا؟

اس کا جواب (۱) یہ ہے کہ یہاں بدعت کے لغوی معنی مراد ہے یعنی یہ ایک نئی چیز ہے کہ لوگوں کو ایک امام پر جمع کردیا گیا ورنہ فی نفسہ تراویح کی نماز میں جماعت کا ہونا تو اس اصل کلی کے تحت داخل ہے کہ اصل نماز میں جماعت ہے، (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد انور میں ابی بن کعبؓ کی قیادت میں لوگوں کا نماز پڑھنا منقول ہے، (۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ خود دو تین راتیں ایسی گزری ہیں کہ رسول

اکرم ﷺ کی اقتداء میں صحابہ نے صلوۃ تراویح ادا کی ہے مگر آنحضور ﷺ باہر اس لئے نہیں تشریف لائے تا کہ یہ نماز اس طرح مفروض نہ ہو جائے تو شفقۃ علی الامۃ آپ باہر نہیں نکلے تھے، اصل تراویح کی نماز اور اس میں جماعت کا ہونا یہ سب ثابت ہے صرف حضرت عمرؓ نے یہ کر دیا تھا کہ لوگوں کو ایک امام پر جمع کر دیا اور لوگ اہتمام سے مسجد میں یہ نماز ادا کرنے لگے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو یہ اختلاف کچھ لفظی سا اختلاف رہ جاتا ہے، اس لئے کہ جو لوگ بدعت کو بعض اوقات مستحسن کہتے ہیں اس سے مراد وہ صورت لیتے ہیں جو کسی شرعی قانون کے تحت آتی ہو اور اس صورت کو دوسرے حضرات بدعت کہتے ہی نہیں ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ اس کا سنت سے ثبوت ہے اور جو صورت کسی اصل شرعی کے تحت نہ آتی ہو اس کو یہ حضرات بدعت قبیحہ کہتے ہیں اور دوسرا فریق اس کو ہی بدعت کہتا ہے۔

وَالَّتِي يَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُومُونَ يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ: یعنی حضرت عمرؓ نے یوں فرمایا کہ تم ابتداء میں تو نماز پڑھ کر سوجاتے ہو اور آخر میں چھوڑ دیتے ہو، حالانکہ آخر میں جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ ہے صلوۃ تہجد اور صلوۃ تہجد اس نماز تراویح سے افضل ہے۔

وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ: اور لوگ اوّل شب میں قیام کرتے تھے۔

تراویح مسجد میں افضل ہے یا گھر میں؟ اس کے بعد یہ سمجھو کہ اس حدیث پاک سے ایک مسئلہ نکلا وہ یہ ہے کہ تراویح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے، اس میں اختلاف ہے کہ مسجد میں ادا کرنا افضل ہے یا مکان میں ادا کرنا افضل ہے؟

(۱) امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ مسجد میں ادا کرنا افضل ہے، (۲) حضرت امام شافعی کا دوسرا قول اور امام احمد کی دوسری روایت اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مکان میں ادا کرنا افضل ہے بشرطیکہ مساجد کا تعطل نہ ہو جائے، (۳) بلکہ امام طحاوی نے یہاں تک ارشاد فرمادیا ہے کہ صلوۃ تراویح کا باجماعۃ ادا کرنا واجب علی الکفایہ ہے، (۴) شافعیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کا حافظ ہو اور اس کو کسل کا خطرہ نہ ہو اور اس کے مسجد میں نہ آنے سے جماعت میں خلل نہ ہوتا ہو تو اس کے حق میں صلوۃ فی الجماعۃ اور صلوۃ فی البیت دونوں برابر ہیں، اور اگر تینوں شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہوتی ہو تو اس کے واسطے مسجد ہی

میں جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے۔

وَلٰكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ: لیکن مجھے یہ خطرہ ہو گیا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے، غالباً آپ کو یہ وحی کر دی گئی تھی کہ اگر اس طرح اہتمام کیا گیا تو یہ نماز فرض کر دی جائے گی، یا اس وجہ سے خطرہ ہوا کہ عادت الٰہیہ یہ ہے کہ امت نبی کے زمانہ میں جس پر مداومت کرتی ہے وہ فرض کر دی جاتی ہے یعنی جس پر مداومت اجتماعی طور پر کرتی ہے، یا یہ کہ بعد میں امت کے لوگوں کے متعلق خوف ہو کہ وہ اس کو کہیں واجب نہ سمجھ جائیں، ویسے اس کے متعلق تفصیلی کلام ابواب صلوۃ اللیل میں ص ۱۵۲ پر گزر چکا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

(ص ۲۷۰) بَابُ فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

وقول الله ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِي لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝﴾ إلى آخره.

وقال ابن عيينة: ما كان في القرآن ﴿وَمَآ أَدْرَىٰكَ﴾ فقد أَعْلَمَهُ، وما قال ﴿وَمَا يُدْرِيكَ﴾ فإنه لم يُعْلِمْهُ.

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ ثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَفِظْنَاهُ وَأَيُّمَا حِفْظٍ مِنَ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

ترجمہ: باب، شب قدر کی فضیلت کا بیان، نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول کا بیان کہ "قرآن کریم کو ہم نے شب قدر میں نازل کیا، تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے، اس رات میں فرشتے اور روح الامین حضرت جبریل اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کا انتظام کرنے کے لئے آسمان سے اترتے ہیں"۔

سفیان بن عیینہ نے کہا کہ قرآن میں جہاں کہیں مَا أَدْرَاکَ ماضی کے صیغے کے ساتھ آیا ہے تو وہاں وہ بات اللہ نے حضور ﷺ کو بتادی ہے اور جہاں وَمَا يُدْرِيكَ مضارع کے صیغے سے آیا ہے وہاں وہ بات اللہ نے آپ ﷺ کو نہیں بتائی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے گا اس کے سابقہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے، نیز جو ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ شب قدر میں عبادت کرے گا اس کے گزشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اس حدیث کو زہری سے روایت کرنے میں سفیان کی متابعت سلیمان بن کثیر نے کی ہے۔

تشریح: لیلۃ القدر کے متعلق کئی باتیں قابل بیان ہیں۔

لیلۃ القدر ایک مخصوص عطیہ ہے: (۱) پہلی بات یہ ہے کہ لیلۃ القدر ایک مخصوص عطیہ ہے جو

اس امت کو خاص طور سے عطا کیا گیا ہے، ابن حبیب مالکی، ابن عبد البر، قاضی باجی اور شافعیہ میں سے صاحب العدہ، ابو القاسم رافعی اور نووی وغیرہ حضرات نے اس کی تصریح فرمائی ہے، ابن حبیب اور امام نووی نے اس قول کو جمہور سے نقل کیا ہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ خطابی نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نسائی شریف میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے قُلْتُ أَفَتَكُونُ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ وَإِذَا رُفِعُوا رُفِعَتْ أَوْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ لَا بَلْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر صرف اس امت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ امم سابقہ میں بھی یہ رات موجود تھی۔

علامہ جلال الدین سیوطی تخصیص کے قائل ہیں اور انہوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قُلْتُ أَفَتَكُونُ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ وَإِذَا رُفِعُوا رُفِعَتْ أَوْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ لَا بَلْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ کا مطلب یہ ہے کہ کیا یہ چیز ان امور میں سے ہے جو انبیاء کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور جب انبیاء چلے جاتے ہیں وہ حکم ختم ہو جایا کرتا ہے، اگر ایسا ہے تو پھر یہ خصائص نبویہ میں سے ہوں گی اور حضور ﷺ کے بعد آپ کی امت کو دی گئی، علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ حدیث کا جملہ أَفَتَكُونُ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ اس بات کی شہادت دیتا ہے۔

شب قدر افضل کیوں؟ (۲) پھر یہ خاص فضیلت کس لئے عطا کی گئی؟

۱۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنی امت کی عمریں کوتاہ نظر آئیں تو آپ کو رنج ہوا کہ اس کوتاہ عمر کے ساتھ بڑے بڑے درجات کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ حق تعالیٰ نے اپنا کرم مبذول فرما کر لیلۃ القدر عطا فرمائی کہ اس رات میں قیام کر لینا ہزار مہینہ قیام کرنے کے برابر قرار دے دیا گیا، یہ حدیث بلاغات مالک میں شمار کی گئی ہے اور ان بلاغات میں شمار کی گئی ہے جس کا موصولاً مسنداً یا مرسلاً کہیں وجود نہیں ہے البتہ اس کے ہم معنی بعض آثار مجاہد وغیرہ سے ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے نقل کئے۔

۲۔ امام ترمذی اور ابن جریر طبری نے بطریق قاسم بن الفضل الحُدانی عن یوسف بن سعد نقل کیا ہے کہ جب حضرت امام حسن نے امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو ایک آدمی نے یوں کہا سَوَّدْتَ وُجُوهَ الْمُؤْمِنِينَ تم نے مسلمانوں کے چہروں کو سیاہ کر دیا، اس پر حضرت امام حسن نے ارشاد فرمایا لَا تُؤَنِّبْنِي مجھ کو توبیخ نہ کرو، حضرت

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو امیہ کو اپنے منبر پر دیکھا تو آپ کو یہ چیز پسند نہ آئی، اس پر حق تعالیٰ شانہ نے إنا أعطیناک الکوثر اور إنا أنزلناه فی لیلة القدر نازل فرمائی اور یہ بتلایا گیا کہ ان کی مدتِ حکومت ہزار مہینہ ہوگی، قاسم بن فضل حُدانی فرماتے ہیں کہ ہم نے شمار کیا تو ان کی مدت حکومت ایک ہزار ماہ سے نہ بڑھتی ہے اور نہ گھٹتی ہے، ایک ہزار ماہ کے تراسی سال چار مہینہ ہوتے ہیں۔

مگر حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو غریب اور منکر قرار دیا ہے اور اپنے استاذ امام کبیر حجاج مزی سے بھی اس حدیث کے بارے میں منکر ہونے کا حکم نقل فرمایا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کو استقلال سن ۴۰ھ میں نصیب ہوا اور پھر بنو امیہ سے حکومت سن ۱۳۲ھ میں نکلی ہے، بیچ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ خلیفہ رہے ہیں نو سال تک، تو اب اگر ایک سو بتیس میں سے چالیس کو نکال دیا جائے تو بانوے سال بنتے ہیں، تو کہاں الف شہر اور کہاں بانوے سال، اس کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اگر عبد اللہ بن زبیرؓ کی مدتِ خلافت کو نکال دیا جائے تو معاملہ قریب ہو جاتا ہے، حافظ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ بنو امیہ کی مدتِ خلافت کل تراسی سال چار مہینے ہیں نہ اس سے زائد اور نہ اس سے کم، اس لئے کہ ان کی مدت میں دوسرے بھی بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی امارت اور خلافت کے دعاوی کئے ہیں۔

لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ: (۳) لیلۃ القدر کو لیلۃ القدر کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کی تین وجہیں بیان کی گئی ہیں، ۱۔ اوّل یہ کہ یہ قدر ہے ضیق کے معنی میں قال تعالیٰ و من قدر علیه رزقه فلینفق مما آتاه الله، اس رات کو لیلۃ القدر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی معرفت کو لوگوں پر تنگ کر دیا گیا ہے، یا اس لئے کہ اس رات میں اس کثرت سے ملائکہ کا نزول ہوتا ہے کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے، ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ قدر بمعنی التعظیم سے ماخوذ ہے، چونکہ یہ رات عظمت والی ہے اس میں جو کوئی عبادت کرتا ہے وہ عظمت والا ہو جاتا ہے، جو عبادت کی جاتی ہے وہ عظمت والی ہو جاتی ہے، اس میں عظمت والے فرشتے نازل ہوتے ہیں اس لئے اس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں، ۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ قدر بمعنی القضاء ہے، چونکہ اس رات میں سال بھر ہونے والے واقعات درج کئے جاتے ہیں اور ان کے فیصلے ہوتے ہیں اس لئے اس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں۔

لیلۃ القدر باقی ہے یا اٹھالی گئی؟ (۴) پھر لیلۃ القدر کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ باقی ہے یا اٹھالی

گئی؟ اور اگر موجود ہے تو پورے سال میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ روافض کا خیال یہ ہے کہ لیلۃ القدر اٹھالی گئی، لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے یوں ارشاد فرمایا کہ مجھ کو لیلۃ القدر بتلائی گئی تھی اور میں تم کو بتانے ہی نکلا تھا لیکن فلاں فلاں جھگڑا کرنے لگے فَرُفِعَتْ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ، فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ، اگر لیلۃ القدر کی ذات کو اٹھالیا گیا ہوتا تو تاسعہ، سابعہ اور خامسہ میں التماس کا امر کیوں کیا جاتا؟ معلوم ہوا کہ حقیقتِ لیلۃ القدر اور ذات لیلۃ القدر کو نہیں اٹھایا گیا ہے بلکہ اس کی معرفت اور تعیین کو اٹھایا گیا ہے۔

پورے سال میں دائر ہے یا صرف رمضان میں؟ (۵) اس کے بعد جمہور علماء میں اختلاف ہے کہ آیا یہ سال میں دائر رہتی ہے یا صرف رمضان شریف کے ساتھ خاص ہے؟

۱) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں من یقم الحول یصبه جو سال بھر قیام کرے گا وہ لیلۃ القدر کو پا جائے گا، یہی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور عکرمہ سے منقول ہے، صاحبِ فتاویٰ خانیہ نے امام ابو حنیفہ سے اور علامہ ابن رشد الکبیر نے امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد سے نقل کیا ہے، شیخ محی الدین ابن عربی ارشاد فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان کے ساتھ خاص نہیں ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے دو مرتبہ شعبان میں اس کو دیکھا ہے، علامہ ابن رشد کبیر نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔

۲) ایک دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ رمضان شریف کے ساتھ خاص ہے یہی زیادہ مشہور قول ہے، میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری کا رجحان بھی اسی طرف ہے اسی لئے امام بخاری نے لیلۃ القدر کے ابواب کو کتاب الصیام میں جس کا تعلق رمضان سے ہے ذکر فرمایا ہے، اور قرآن پاک کے اشارہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے، حق تعالیٰ فرماتا ہے شهر رمضان الذی أنزل فيه القرآن اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إنا أنزلناه فی لیلة القدر ان دونوں کو ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا نزول رمضان شریف میں لیلۃ القدر میں ہوا ہے۔

یہ قول کہ یہ رمضان شریف کے ساتھ خاص ہے اس میں بھی مذاہب اربعہ کی جماعتیں شامل ہیں۔

پھر یہ اختلاف ہے کہ آیا یہ رمضان کی کوئی مخصوص رات ہے یا پورے مہینہ میں دور کرتی رہتی ہے۔

۳) امام ابن منذر فرماتے ہیں کہ پورے مہینہ میں دور کرتی ہے، اسکو قاضی محاملی اور بعض دیگر شافعیہ نے

اختیار کیا ہے، علامہ تقی الدین سبکی نے اسکو راجح قرار دیا ہے، یہی مالکیہ کا ایک قول اور حنابلہ کے قول کا مقتضٰی ہے۔

۴) ہمارے حضرت اقدس شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر دو ہیں، ایک لیلۃ القدر عظمٰی جس کے اندر قرآن پاک نازل کیا گیا تھا اور وہ تو سال میں دائر رہتی ہے، اور دوسری ایک لیلۃ القدر صغریٰ ہے جس میں روحانیت کا انتشار ہوتا ہے انوار وبرکات کا نزول ہوتا ہے اور طاعات وعبادات وادعیہ قبول ہوتی ہیں وہ رمضان کے ساتھ خاص ہے، جس سال قرآن پاک کا نزول ہوا ہے اس سال یہ لیلۃ القدر عظمٰی وصغریٰ دونوں ایک رات میں جمع ہوگئی تھیں۔

امام صاحب اور صاحبین کا قول: جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رمضان شریف کے ساتھ خاص ہے اور اس میں دائر ہے انہی میں امام ابو حنیفہ کا بھی نام لیا گیا، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رمضان شریف کی ایک رات ہے اور معین ہے انہی میں صاحبین بھی ہیں، لیکن صاحبین معین ہونے کے باوجود غیر معلوم ہونے کے قائل ہیں، حتی کہ ہمارے فقہاء نے یہ جزئیہ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے پانچویں رمضان کو اپنی بیوی سے کہہ دیا أنت طالق فی لیلۃ القدر تو اب وہ صاحبین کے نزدیک اگلے سال کے رمضان کی پانچویں تاریخ کو مطلقہ ہو جائے گی، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ لیلۃ القدر پہلی یا دوسری یا تیسری یا چوتھی یا پانچویں میں ہوئی ہو، اور امام اعظم کے نزدیک چونکہ پورے رمضان میں دائر ہے اس لئے اگلے سال کا پورا رمضان گزرنے کے بعد پھر مطلقہ ہوگی۔

اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ رمضان شریف کی رات مخصوص ہے معین اور معلوم ہے، پھر اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔

۵) بعض کہتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات ہے۔

۶) بعض کہتے ہیں کہ پندرہویں رات ہے۔

۷) بعض کہتے ہیں کہ سترہویں رات ہے۔

۸) بعض کہتے ہیں کہ اٹھارہویں رات ہے۔

۹) بعضوں نے کہا ہے کہ انیسویں رات ہے، اور پھر اس کے بعد

۱۰) تا ۱۹) اکیسویں رات سے لیکر آخر یعنی تیسویں رات تک مسلسل (۹) اقوال ہیں یہ کل انیس قول ہوئے۔ اکیس اور تیئس کا قول حضرت امام شافعی سے نقل کیا گیا ہے، ستائیس کا قول امام احمد کے مذہب کے مطابق ہے اور امام ابو حنیفہ سے بھی منقول ہے۔

۲۰) بعض حضرات کہتے ہیں کہ عشرۂ اخیر کے اوتار میں پائی جاتی ہے، ابو ثور، مزنی اور ابن خزیمہ کی یہی رائے ہے، حافظ ابن حجر نے اسی کو اصح الاقوال قرار دیا ہے۔

۲۱) بعض کہتے ہیں کہ سبع اواخر میں پائی جاتی ہے۔

غرضکہ لیلۃ القدر کے سلسلہ میں بڑا طویل و عریض اختلاف ہے اور میں یہ ساری باتیں ابتداءً کتاب الایمان میں بیان کر چکا ہوں اور وہاں میں نے یہ کہا تھا کہ میں لیلۃ القدر کے متعلق ابواب رمضان کے آخر میں لیلۃ القدر کے ابواب کے ذیل میں بھی کلام کروں گا لیکن اجمالاً، مگر ہو گیا کچھ تھوڑا سا تفصیلاً بے ارادہ ہی۔

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ مَا كَانَ فِي الْقُرْآنِ مَا أَدْرَاكَ فَقَدْ أَعْلَمَهُ: سفیان بن عیینہ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں جہاں مَا أَدْرَاكَ آیا ہے وہاں تو اللہ نے اپنے رسول کو بتلا دیا اور جہاں مَا يُدْرِيكَ ارشاد فرمایا بصیغہ مستقبل وہاں نہیں بتلایا ہے، تو چونکہ لیلۃ القدر کے بارے میں وَمَا أَدْرَاكَ وارد ہوا ہے لہذا لیلۃ القدر اللہ نے اپنے رسول کو بیان کر دی اور بتلا دی ہے۔

(ص ۲۷۰) بَابُ الْتَمِسُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ

۲۰۱۴. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رِجَالاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيَهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ.

۲۰۱۵. حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ ثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ وَكَانَ لِي صَدِيقًا فَقَالَ: اعْتَكَفْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ فَخَرَجَ صَبِيحَةَ عِشْرِينَ فَخَطَبَنَا وَقَالَ: إِنِّي أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا - أَوْ نُسِّيتُهَا - فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي الْوَتْرِ فَإِنِّي رَأَيْتُ أَنِّي أَسْجُدُ

فِي مَاءٍ وَطِينٍ فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلْيَرْجِعْ، فَرَجَعْنَا وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً، فَجَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ حَتَّى سَالَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ وَكَانَ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ فِي جَبْهَتِهِ.

ترجمہ: باب، شب قدر کو آخری سات راتوں میں تلاش کرنے کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے چند صحابہ کو رمضان کی آخری سات راتوں میں خواب میں شب قدر دکھائی گئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے خواب آخر کی سات راتوں کے بارے میں متفق ہوگئے ہیں تو جو اس شب کا متلاشی ہو اس کو چاہئے کہ اس شب کو آخر کی سات راتوں میں تلاش کرے۔

حضرت ابوسلمہؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے جو کہ میرے دوست تھے (شب قدر کے بارے میں) دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے نبی پاک ﷺ کے ساتھ رمضان کے درمیانی عشرے میں اعتکاف کیا، آپ بیسویں تاریخ کی صبح کو نکلے، آپ نے ہمارے سامنے وعظ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے شب قدر دکھائی گئی، پھر وہ بھلادی گئی، آپ ﷺ نے یا تو أُنسِيتُهَا فرمایا یا نَسِيتُهَا فرمایا، تو اس شب کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو اور میں نے دیکھا کہ میں گارے میں سجدہ کررہا ہوں، جس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اعتکاف کیا تھا اس کو چاہئے کہ پھر واپس آجائے تو ہم پھر واپس اعتکاف کرنے آگئے اس حال میں کہ ہمیں آسمان میں ابر کا کوئی ٹکڑا نظر نہیں آرہا تھا، پھر بادل کا ایک ٹکڑا آیا اور وہ اتنا برسا کہ مسجد کی چھت سے پانی بہنے لگا، وہ کھجور کی ڈالیوں سے بنی ہوئی تھی، پھر نماز کھڑی ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ گارے میں سجدہ کررہے ہیں یہاں تک کہ میں نے گارے کا نشان آپ کی مبارک پیشانی پر دیکھا۔

تشریح: لیلۃ القدر کو سبع اواخر میں تلاش کرو، حدیث پاک فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ کے مطلب میں علماء کے پانچ قول ہیں۔

(۱) ایک یہ ہے کہ سبع اواخر سے ستائیسویں رات مراد ہے، اس واسطے کہ سات کا عدد پورے مہینہ میں تین جگہ آتا ہے، سات اور سترہ اور ستائیس، تو یہاں پر آخری ساتواں عدد مراد ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اصل میں اس سے مہینہ کی آخری سات تاریخیں مراد ہیں، اور مہینہ اگر تیس کا مراد لیا جائے تو ابتداء چوبیس سے ہوگی، چوبیس، پچیس، چھبیس، ستائیس، اٹھائیس، انیتس اور تیس، یہ کل سات ہوگئے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ مہینہ انیتس کا لیا جائے گا اس صورت میں ابتداء تیئیس سے ہوگی اور کل سات دن

ہو جائیں گے۔

(۴) چوتھا قول یہ ہے کہ ابتداء بائیسویں سے ہوگی اس واسطے کہ ایک مہینہ میں چار ہفتے آتے ہیں چوتھا ہفتہ آخر ہفتہ ہوتا ہے لہذا تین ہفتے اکیس پر ختم ہوتے ہیں تو بائیس سے شروع کیا جائے گا، لہذا بائیس، تیئیس، چوبیس، پچیس، چھبیس، ستائیس اور اٹھائیس تک کے سات اعداد مراد ہیں، مگر مجھ کو یہ قول بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء بھی ہو رہی ہے اشفع سے اور انتہاء بھی ہو رہی ہے اشفع پر۔

(۵) پانچواں قول یہ ہے کہ اس کی ابتداء بیسویں کے بعد ہوگی اور اکیسویں سے شمار کیا جائے گا لہذا اکیس سے لیکر ستائیس تک کی سات تاریخیں مراد ہیں۔

فَخَرَجَ صَبِيحَةَ عِشْرِينَ: یہی صحیح ہے، اور اگلے صفحہ پر جو مالک کی روایت آرہی ہے اس میں ہے حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وہ روایت محتاج تاویل ہے اور میں آئندہ اس کی تاویل بھی بیان کروں گا۔

فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي الْوِتْرِ: اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں، کیوں کہ ترجمہ ہے بَابُ الْتِمَاسِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ اور روایت میں ہے فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ عشر اواخر میں سبع اواخر خود موجود ہے۔

(ص ۲۷۰) بَابُ تَحَرِّي لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ

فيه عن عبادة.

۲۰۱۶. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا أَبُو سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.

۲۰۱۷. حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ ثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُجَاوِرُ فِي رَمَضَانَ الْعَشْرَ الَّتِي فِي وَسَطِ الشَّهْرِ، فَإِذَا كَانَ حِينَ يُمْسِي مِنْ عِشْرِينَ لَيْلَةً تَمْضِي وَيَسْتَقْبِلُ إِحْدَى وَعِشْرِينَ رَجَعَ إِلَى مَسْكَنِهِ وَرَجَعَ مَنْ كَانَ يُجَاوِرُ مَعَهُ، وَأَنَّهُ أَقَامَ فِي شَهْرٍ جَاوَرَ فِيهِ اللَّيْلَةَ الَّتِي كَانَ يَرْجِعُ فِيهَا، فَخَطَبَ النَّاسَ فَأَمَرَهُمْ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ قَالَ: كُنْتُ أُجَاوِرُ هَذِهِ الْعَشْرَ ثُمَّ قَدْ بَدَا لِي أَنْ أُجَاوِرَ هَذِهِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ، فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ

مَعِي فَلْيَثْبُتْ فِي مُعْتَكَفِهِ وَقَدْ أُرِيتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا فَابْتَغُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَابْتَغُوهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ قَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ، فَاسْتَهَلَّتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَأَمْطَرَتْ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فِي مُصَلَّى رَسُولِ اللهِ ﷺ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ فَبَصُرَتْ عَيْنِي فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ انْصَرَفَ مِنَ الصُّبْحِ وَوَجْهُهُ مُمْتَلِئٌ طِينًا وَمَاءً.

۲۰۱۸. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى ثَنِي يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْتَمِسُوا.

۲۰۱۹. ح وحَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنِي عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُجَاوِرُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَيَقُولُ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.

۲۰۲۰. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ ثَنَا وُهَيْبٌ ثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: الْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي رَمَضَانَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي تَاسِعَةٍ تَبْقَى، فِي سَابِعَةٍ تَبْقَى، فِي خَامِسَةٍ تَبْقَى. تَابَعَهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ وَعَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: الْتَمِسُوا فِي أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ.

۲۰۲۱. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ ثَنَا عَاصِمٌ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ وَعِكْرِمَةَ قَالَا: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: هِيَ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ هِيَ فِي تِسْعٍ يَمْضِينَ أَوْ فِي سَبْعٍ يَبْقَيْنَ يَعْنِي لَيْلَةَ الْقَدْرِ.

ترجمہ: باب، شب قدر کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا بیان۔

اس باب میں حضرت عبادہؓ کی روایت بھی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کی آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے درمیانی عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے اور جب بیس تاریخ کی شام ہو جاتی اور اکیسویں شب آجاتی تو آپ اپنے گھر لوٹ جاتے تھے اور آپ کے ساتھ جو اعتکاف میں ہوتے وہ بھی لوٹ جاتے تھے، ایک مرتبہ اتفاق یہ ہوا کہ آپ نے ایک رمضان میں اعتکاف کیا اور آپ نے اس رات میں بھی اعتکاف فرمایا جس میں آپ گھر لوٹتے تھے، آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں صحابہ کو جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ حکم دیا، پھر فرمایا کہ میں اس عشرے میں اعتکاف کر رہا تھا پھر مجھے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اس آخری عشرے کا اعتکاف بھی کروں تو جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ اپنے اعتکاف ہی میں رہے، مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی پھر مجھے وہ بھلا دی گئی، تو اس کو آخری عشرے میں تلاش کرو اور اس کی جستجو ہر طاق رات میں کرو اور میں نے اپنے آپ کو اس شب میں گارے میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، راوی کہتا ہے کہ اس رات کو

بادل نمودار ہوا اور بارش ہوئی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کرنے کی جگہ مسجد کی چھت سے خوب پانی ٹپکنے لگا، یہ اکیسویں شب کی بات ہے، میں نے بذات خود اپنی آنکھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نماز سے فارغ ہو کر لوٹ رہے ہیں اور آپ کے چہرۂ مبارک پر گارا خوب لگا ہوا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر کو تلاش کرو۔

حضرت عائشہؓ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے اور یہ ارشاد فرماتے تھے کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے میں اس وقت تلاش کرو جب نو راتیں باقی رہ جائیں (اکیسویں شب میں)، جب سات راتیں باقی رہ جائیں (یعنی تئیسویں شب میں)، جب پانچ راتیں باقی رہ جائیں (یعنی پچیسویں شب میں)۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرے میں ہے یا تو وہ اس وقت ہے جب اس عشرے کی نو راتیں گزر جائیں (یعنی انتیسویں شب) یا اس وقت ہے جب سات راتیں باقی رہ جائیں (یعنی تئیسویں شب)، اس سے آپ کی مراد شب قدر تھی، عبدالوہاب نے ایوب سے اور خالد سے اور انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت کیا کہ شب قدر کو چوبیسویں شب میں تلاش کرو۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے ساتھ مخصوص ہے اور سبع اواخر ہی کی تخصیص نہیں ہے کہ اس میں تلاش کیا جائے بلکہ عشر اواخر میں تلاش کرنا روایت میں وارد ہوا ہے۔

فَإِذَا كَانَ حِينَ يُمْسِي مِنْ عِشْرِينَ لَيْلَةً: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیس راتوں کی شام کرتے تھے یعنی بیسویں رات کی صبح ہوتی اور اس دن کی شام آتی اور اکیسویں کی رات کا استقبال ہوتا آپ نکل جاتے اس واسطے کہ وسطِ عشرہ کا اعتکاف مکمل ہو چکا ہوتا تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ: اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ اس میں یہ تو وارد ہوا ہے کہ عشر اواخر میں لیلۃ القدر کی تحری کی جائے مگر یہ نہیں وارد ہوا ہے کہ عشر اواخر کے اوتار میں تحری کی جائے، تو روایت ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی اس باب میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت امام بخاری نے بطریق أبي

سهيل عن أبيه عن عائشة نقل کی ہے اس میں رمضان کے عشر اواخر کے اوتار میں تحری کا امر وارد ہوا ہے، الفاظ ہیں تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، اور دوسری روایت میں وتر کی قید نہیں ہے مصنف نے ہشام بن عروہ کی روایت کو ابی سہیل کی روایت پر محمول کیا ہے، گویا ابو سہیل کی روایت کو ہشام کی روایت کے لئے تفسیر قرار دیا ہے۔

الْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ: لیلۃ القدر کو رمضان کے عشر اواخر میں تلاش کرو، اور پھر اس کے بعد فرمایا گیا لَيْلَةُ الْقَدْرِ فِي تَاسِعَةٍ تَبْقَى فِي سَابِعَةٍ تَبْقَى فِي خَامِسَةٍ تَبْقَى لیلۃ القدر ان نو راتوں میں ہے جو باقی رہ جائیں، سات راتوں میں ہے جو باقی رہ جائیں، پانچ راتوں میں ہے جو باقی رہ جائیں، اس کے مطلب میں علماء کے پانچ قول ہیں۔

(۱) ایک قول یہ ہے کہ تاسعہ کا مصداق انتیسویں اور سابعہ کا مصداق ستائیسویں اور خامسہ کا مصداق پچیسویں ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اصل میں مہینہ لیا جائے گا تیس کا اور شمار کیا جائے گا آخر سے اس صورت میں تاسعہ کا مصداق بائیسویں اور سابعہ کا مصداق چوبیسویں اور خامسہ کا مصداق چھبیسویں ہوگی، جو عدد میں پہلی ہے وہ تیس ہے تو اس صورت میں جو بائیسویں ہے وہ یقیناً نویں ہوگی اور جو چوبیسویں ہے وہ ساتویں ہوگی اور جو چھبیسویں ہے وہ پانچویں ہوگی۔

لیکن اس دوسرے قول پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ اس صورت میں لیلۃ القدر اوتار میں نہ ہوئی بلکہ اشفع میں ہوگئی بائیس اور چوبیس اور چھبیس کی راتیں بن گئیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس توجیہ کی تائید ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت سے ہوتی ہے، ابو سلمہ: ابو سعیدؓ کے شاگرد ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ابو سعید خدریؓ نے لیلۃ القدر کی جب روایت بیان کی تو ایک آدمی نے یوں کہا کہ اے ابو سعید! آپ ہم سے زیادہ عدد جانتے ہیں یہ بتائیے کہ تاسعہ، سابعہ اور خامسہ کیا ہے؟ تو انہوں نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب اکیسویں گزر جائے اور اس کے بعد جو بائیسویں آتی ہے وہ ہے تاسعہ، اور جب تئیسویں گزر جائے تو اس کے بعد جو آتی ہے وہ ہے سابعہ، اور جب پچیسویں گزر جائے تو اس کے بعد جو آئے گی وہ ہے خامسہ۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ خود ابو سعید خدریؓ ہی کی روایت میں یہ تصریح وارد ہے کہ لیلۃ القدر کی تحری عشر اخیر کے اوتار میں ہونی چاہئے تو اب ابو سعید خدریؓ کی تفسیر میں اور ان کی روایت میں تعارض ہو گیا۔

اس تعارض کا حل حضرت شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ حنبلی نے یہ فرمایا ہے کہ اصل میں اوتار و اشفع کا اعتبار دو طرح سے ہوتا ہے، کبھی تو لیالیٔ ماضیہ کے اعتبار سے اوتار و اشفع لیا جاتا ہے اور کبھی لیالیٔ باقیہ کے لحاظ سے اوتار و اشفع لیا جاتا ہے، اگر لیالیٔ ماضیہ کے لحاظ سے اوتار و اشفع لئے جائیں تو اوتار کا مصداق طاق عدد راتیں ہوں گی اکیس، تیئیس، پچیس اور ستائیس الی آخرہ، اور اگر لیالیٔ باقیہ کے اعتبار سے اوتار کا اعتبار کیا جائے تو اس صورت میں جو اشفع راتیں ہیں باعتبار لیالیٔ ماضیہ کے وہ اوتار ہوں گی، اب دیکھو اگر مہینہ تیس کا لیا جائے اور شمار آخر سے کیا جائے تو جو تیس ہے وہ پہلی بنے گی اور جو انیتس ہے وہ دوسری بنے گی وھکذا، اس لحاظ سے اشفع بھی اوتار ہیں۔

اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جب اوتار و اشفع لیالیٔ ماضیہ اور لیالیٔ باقیہ دونوں کے اعتبار سے ہوتی ہیں تو مؤمن کو یہ چاہئے کہ عشرۂ اخیرہ کی ساری راتوں کا احیاء کرے اور ساری راتوں میں قیام وعبادت اور اللہ تعالیٰ شانہ کی طاعت اور ذکر وفکر میں مشغول رہے، یہی وہ تقریر ہے جس کے متعلق میں نے مسلم شریف میں تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں ان شاء اللہ اس کی وضاحت اور اس کا حل بخاری میں بیان کروں گا۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ مہینہ لیا جائے گا انیتس کا اور شمار کیا جائے گا آخر سے، اس صورت میں تاسعہ کا مصداق اکیسویں اور سابعہ کا مصداق تیئیسویں اور خامسہ کا مصداق پچیسویں ہو گی، یہ قول حضرت امام مالک سے منقول ہے۔

(۴) چوتھا قول تیسرے قول کی طرح سے ہے مہینہ تیس کا لیا جائے گا اور شمار اکیس سے ہو گا کیوں کہ تَاسِعَةٍ تَبْقَى کا مطلب یہ ہے کہ جس رات میں لیلۃ القدر کو تلاش کیا گیا ہے اس کے بعد نو راتیں باقی رہ جائیں، تو اب لامحالہ اکیسویں رات لیلۃ القدر ہو گی یعنی اس میں اس کو تلاش کیا جائے گا اس کے بعد پھر تیئیسویں رات میں اس کو تلاش کیا جائے گا کیوں کہ اس کے بعد سات راتیں باقی رہتی ہیں اور پھر پچیسویں میں تلاش کیا جائے گا کیوں کہ اس کے بعد پھر پانچ راتیں باقی رہتی ہیں۔

(۵) پانچواں قول حضرت علامہ عینی کا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اپنی طرف سے اس تعین کی کیا ضرورت ہے کہ ہم یہ کہیں کہ صاحب! اکیس، تیئیس یا پچیس مراد ہے یا بائیس، چوبیس یا چھبیس مراد ہے، مہینہ اگر انتیس کا ہے تو اکیس، تیئیس اور پچیس مراد ہے اور اگر انتیس کا ہے تو بائیس، چوبیس اور چھبیس مراد ہے۔

الْتَمِسُوا فِي أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ: یہ روایت بظاہر ترجمۃ الباب کے منافی ہے، لیکن ابھی ہم نے علامہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے جو تقریر کی ہے اس پر کوئی اشکال نہیں، اس لئے کہ چوبیس تاریخ لیالیٔ باقیہ کے اعتبار سے اوتار بن جاتی ہے، اور دوسری ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ فِي أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ کے معنی ہیں فی انتہاء أربع وعشرین کہ جب چوبیسویں کی انتہاء ہو رہی ہو اور اس کے بعد جو رات آئے اس میں التماس کیا جائے تو اس کے بعد جو رات آئے گی وہ پچیسویں کی ہوگی۔

هِيَ فِي تِسْعٍ يَمْضِينَ: یہ ان نو راتوں میں ہے جو گزر رہی ہوں یا یوں فرمایا کہ ان سات راتوں میں ہے جو باقی رہ جائیں۔

(ص ۲۷۱) باب رفع معرفة ليلة القدر لتلاحى الناس

۲۰۲۲. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى ثَنِي خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ ثَنَا حُمَيْدٌ ثَنَا أَنَسٌ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ: خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ، وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ.

ترجمہ: باب، لوگوں کے تنازع کی وجہ سے شب قدر کی پہچان اٹھالئے جانے کا بیان۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ ہمیں شب قدر کی خبر دینے کے لئے تشریف لائے لیکن دو مسلمانوں میں لڑائی ہو گئی، آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں شب قدر کی خبر دینے کے لئے نکلا تھا کہ فلاں اور فلاں میں جھگڑا ہو گیا جس سے شب قدر کا علم اٹھالیا گیا اور ہو سکتا ہے کہ اس کا اٹھالیا جانا تمہارے لئے بہتر ہو تو اس کو (آخری عشرے کی) نویں، ساتویں اور پانچویں میں تلاش کرو۔

تشریح: امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے روافض پر رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر کو اٹھالیا گیا اب اس کی ذات موجود نہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کی ذات نہیں اٹھائی گئی بلکہ اس کی معرفت

اور تعیین اٹھائی گئی ہے کیوں کہ لوگوں نے جھگڑا کر لیا، معلوم ہوا کہ جھگڑا خدائے پاک کی نعمت چھن جانے کا سبب بنتا ہے ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

(ص ۲۷۱) بَابُ الْعَمَلِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

۲۰۲۳. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَأَحْيَا لَيْلَهُ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ.

ترجمہ: باب، رمضان کے آخری عشرے میں (عبادت میں) محنت کرنے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ جب آخری عشرہ آجاتا تو نبی پاک ﷺ اپنا تہبند مضبوط باندھ لیتے، رات کو جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ رمضان کے عشر اواخر میں عمل بڑی اہمیت رکھتا ہے حتی کہ سرکار دو عالم ﷺ اس کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، کمر کس لیتے اور ساری رات کا احیاء فرماتے تھے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے تھے، اس لئے مؤمن کو یہ چاہئے کہ اس کا اہتمام کرے اور رسول پاک ﷺ کا اقتداء کرے۔

أبواب الاعتکاف

تشریح: اعتکاف کے معنی لغت میں حبس اور رکنے کے ہیں، اصطلاح میں اعتکاف کہتے ہیں عبادت کی نیت سے موضع مخصوص میں اپنے آپ کو ٹھہرالینا اور اس جگہ کو لازم پکڑ لینا۔

ہمارے فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں، (۱) اعتکاف واجب، (۲) اعتکاف مسنون، (۳) اعتکاف مندوب۔

اعتکافِ واجب اعتکاف نذر ہے، اور اعتکافِ مسنون رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف ہے، اور اعتکافِ مندوب مطلقاً اعتکاف ہے، پھر اس میں بڑا اختلاف ہے کہ آیا اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے یا نہیں؟ امام بخاری نے جہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے ہم وہاں پر اس کے متعلق اجمالاً کلام کریں گے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

(ص ۲۷۱) بَابُ الِاعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَالِاعْتِكَافِ فِي الْمَسَاجِدِ كُلِّهَا

لقوله تعالى ﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾

۲۰۲۴. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ أَنَّ نَافِعًا أَخْبَرَهُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ.

۲۰۲۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ

عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ، ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ.

۲۰۲٦. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ، فَاعْتَكَفَ عَامًا حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ مِنْ صَبِيحَتِهَا مِنِ اعْتِكَافِهِ قَالَ: مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِي فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ وَقَدْ أُرِيتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ مِنْ صَبِيحَتِهَا فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ، فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلَى عَرِيشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى جَبْهَتِهِ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّينِ مِنْ صُبْحِ إِحْدَى وَعِشْرِينَ.

ترجمہ: باب، اخیر عشرے میں اعتکاف کرنے کا بیان، اور اس بات کا بیان کہ اعتکاف تمام مساجد میں جائز ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے (اور جب تم مساجد میں اعتکاف میں ہو تو اپنی عورتوں سے جماع نہ کرو، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان کے قریب نہ جاؤ، اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے سامنے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تا کہ وہ گناہوں سے بچیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے۔

نبی پاک ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھالیا، پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے درمیانی عشرے کا اعتکاف فرماتے تھے، آپ نے ایک سال درمیانی عشرے کا اعتکاف فرمایا یہاں تک کہ جب اکیسویں رات آئی اور یہ وہی رات تھی جس کی صبح کو آپ اپنے اعتکاف سے باہر آئے تھے تو آپ نے فرمایا کہ جو میرے ساتھ اعتکاف میں تھا وہ آخری عشرے کا اعتکاف کرے، یہ رات مجھے دکھائی گئی تھی پھر بھلادی گئی، میں نے دیکھا ہے کہ اس رات کی صبح کو میں گارے میں سجدہ میں کر رہا ہوں، تو تم اس کو آخری عشرے میں تلاش کرو اور اس کو طاق راتوں میں تلاش کرو، چنانچہ اس شب کو بارش ہوئی، مسجد چھپر کی تھی اس سے پانی بہہ کر ٹپکا، اکیسویں کی صبح کو میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کی پیشانی پر گارے کا نشان دیکھا۔

تشریح: امام بخاری نے اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عشر اواخر کا اعتکاف مسنون ہے۔

وَالِاعْتِكَافِ فِي الْمَسَاجِدِ كُلِّهَا: امام بخاری نے اس سے ایک مسئلہ اختلافیہ کی طرف اشارہ کیا

ہے کہ اعتکاف مساجد میں ہوگا یا غیر مسجد میں بھی ہوسکتا ہے؟ اور اگر مساجد میں ہو تو کسی مخصوص مسجد میں یا یا ہر مسجد میں ہوسکتا ہے؟

علامہ موفق بن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ مردوں کے لئے بلا اختلاف مسجد ہی میں اعتکاف ہوگا، لیکن اختلاف کی نفی کرنا صحیح نہیں، محمد بن لبابہ مالکی فرماتے ہیں کہ غیر مسجد میں بھی اعتکاف کیا جاسکتا ہے، یہی شافعیہ کے یہاں ایک وجہ ہے، ہاں جمہور علماء اس بات کے ضرور قائل ہیں کہ اعتکاف مسجد کے ساتھ خاص ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ اعتکاف آیا ساری مساجد میں ہوسکتا ہے یا کوئی خاص مسجد درکار ہے؟

(۱) سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ صرف مسجد مدینہ میں ہوسکتا ہے، (۲) عطاء فرماتے ہیں کہ مسجد حرمین میں ہوسکتا ہے، (۳) حذیفہ فرماتے ہیں کہ مساجد ثلاثہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے اندر ہوسکتا ہے، (۴) زہری، حکم اور حماد فرماتے ہیں کہ جامع مسجد میں اعتکاف کرنا چاہئے، (۵) امام ابو حنیفہ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اس مسجد میں اعتکاف کیا جائے گا جہاں پر جماعت ہوتی ہو نماز قائم کی جاتی ہو، (۶) شافعیہ اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ تمام مساجد میں اعتکاف کیا جاسکتا ہے، ہاں اگر کسی شخص پر جمعہ واجب ہو جاتا ہو تو ایسے شخص کے لئے امام مالک کے یہاں مسجد جامع متعین ہے اور امام شافعی کے یہاں مندوب۔

ان حضرات کے یہاں جمعہ کی نیت سے اگر معتکف نکلے گا تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا، امام ابو حنیفہ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نیت سے نکلنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا ہے۔

عورت کہاں اعتکاف کرے؟ آیا عورت کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۱) ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ عورت بھی مسجد ہی میں اعتکاف کرے گی، (۲) امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اپنے بیت میں اعتکاف کرے گی، یہی امام شافعی کا قول قدیم ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہمارے یہاں نہیں کہ عورت اگر مسجد میں اعتکاف کرے گی تو اعتکاف صحیح نہیں ہوگا، بلکہ ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ عورت اپنی مسجدِ بیت میں اعتکاف کرے، اور اگر مسجد میں اعتکاف کرے گی یعنی مسجدِ جماعت میں تو جائز ہوگا صرح بہ فی البدائع۔

امام بخاری کا رجحان اس مسئلہ میں شافعیہ اور مالکیہ کے قول کی طرف ہے، اسی لئے فرماتے ہیں وَالِاعْتِكَافِ

فِي الْمَسَاجِدِ كُلِّهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ الی آخر الآیۃ۔

حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ مِنْ صَبِيحَتِهَا: یہ جملہ بظاہر ظاہر الاشکال ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ اکیسویں رات کی صبح کو نہیں نکلا کرتے تھے بلکہ اکیسویں کی رات جب داخل ہونے لگتی جب آپ نکلا کرتے تھے، چنانچہ ماقبل میں جو روایت گزری ہے فَإِذَا كَانَ حِينَ يُمْسِي مِنْ عِشْرِينَ لَيْلَةً تَمْضِي وَيَسْتَقْبِلُ إِحْدَى وَعِشْرِينَ رَجَعَ إِلَى مَسْكَنِهِ اس میں مصرح ہے، اب اس روایت کی توجیہ وتاویل کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے ایک آسان سی توجیہ کی ہے جو مجھ کو بھی پسند ہے میں یہاں کئے دیتا ہوں کہ حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ کے معنی حَتَّى إِذَا كَانَ استقبالُ لَيْلَةِ إِحْدَى وَعِشْرِينَ ہے، جب اکیسویں کی رات کا استقبال ہوتا تھا تب حضور ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِي، یہ بات تو ہوگئی صاف، لیکن وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ مِنْ صَبِيحَتِهَا مِنَ اعْتِكَافِهِ پھر بھی ظاہر الاشکال ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ اکیسویں کی صبح کو نہیں نکلتے تھے بلکہ اکیسویں کی رات جب شروع ہوتی تھی اس وقت نکل جایا کرتے تھے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں پر اکیسویں کی رات کو بیسویں کے دن یعنی بیسویں کی صبح کی طرف منسوب کیا ہے اس لئے کہ جیسے رات منسوب کی جاتی ہے آنے والے دن کی طرف ایسے ہی بعض وقت یوم گزشتہ اور روز گزشتہ کی طرف بھی منسوب کردی جایا کرتی ہے۔

مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِي: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے رات میں خطبہ دیا اور بعض روایات گزشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح کو خطبہ دیا چنانچہ صفحۂ گزشتہ پر گزرا ہے فَخَرَجَ صَبِيحَةَ عِشْرِينَ فَخَطَبَنَا، ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، حضور ﷺ نے بیسویں کی صبح ہوجانے کے بعد شام کے وقت خطبہ دیا ہوگا جب کہ اکیسویں کی رات سامنے موجود ہوگی اور اس کا استقبال ہو رہا ہوگا، اور اس طرح کا کلام میں تجوز ہوتا رہتا ہے۔

(ص ۲۷۱) بَابُ الْحَائِضِ تُرَجِّلُ الْمُعْتَكِفَ

۲۰۲۷. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصْغِي إِلَيَّ رَأْسَهُ وَهُوَ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ فَأُرَجِّلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ حیض والی عورت معتکف کے کنگھی کر سکتی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ مسجد میں معتکف ہونے کی حالت میں اپنے سر مبارک کو میری جانب کر دیا کرتے تھے اور میں حیض کی حالت میں ہوتے ہوئے آپ کے کنگھی کرتی تھی۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ معتکف اگرچہ اعتکاف میں ہو لیکن حائض سے بحالت حیض وہ خدمت لے سکتا ہے اور حائض اس کا مس کر سکتی ہے، نیز اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ عورت، معتکف کے بدن کا مس کر سکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے لاتمسوا المرأة عورت کو نہ چھوئے، ان دونوں میں بظاہر تعارض ہے، لیکن حقیقۃً کوئی تعارض نہیں کیوں کہ مس سے مراد بالید ہے اور مس ممنوع سے مراد مس بالشہوۃ یا مس بالجماع ہے۔

اگر کسی آدمی نے شہوت سے اپنی بیوی کو چھولیا تو امام مالک اور امام شافعی ایک قول میں فرماتے ہیں کہ اعتکاف فاسد ہو جائے گا، اور امام ابو حنیفہ، امام احمد اور امام شافعی ایک دوسرے قول میں فرماتے ہیں کہ اگر انزال ہو گیا تو فاسد ہو گا ورنہ فاسد نہیں ہو گا، عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ مطلقاً فاسد نہیں ہو گا، ابن منذر نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔

(ص ۲۷۱) بَابُ الْمُعْتَكِفِ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةٍ

۲۰۲۸. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: وَإِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيُدْخِلُ عَلَيَّ رَأْسَهُ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأُرَجِّلُهُ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةٍ إِذَا كَانَ مُعْتَكِفًا.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ معتکف بلاضرورت گھر میں داخل نہ ہو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں ہوتے ہوئے اپنا سر میری طرف کر دیتے تھے اور میں آپ کے سر میں کنگھی کرتی تھی، آپ ﷺ اعتکاف کی حالت میں گھر کے اندر فقط ضرورت کے لئے آتے تھے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ معتکف گھر میں بضرورت داخل ہو سکتا ہے یعنی ضرورتِ طبعیہ انسانیہ بول وبراز، اور رہی اس کے علاوہ دوسری حاجت تو اس میں اختلاف ہے اس کی تفاصیل کتبِ فروع میں دیکھی جائیں۔

(ص ۲۷۲) بَابُ غُسْلِ الْمُعْتَكِفِ

۲۰۲۹. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُبَاشِرُنِي وَأَنَا حَائِضٌ.

۲۰۳۰. وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ.

ترجمہ: باب، معتکف کے سر یا بدن کو دھونے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ میں حیض کی حالت میں ہوتی اور پیغمبر ﷺ مجھ سے مباشرت (بوس وکنار) کرتے، اسی طرح میں حائضہ ہوتی اور آپ اعتکاف میں ہوتے ہوئے اپنا سر مسجد کے باہر نکالتے اور میں اس کو دھوتی۔

تشریح: یہاں دو احتمال ہیں، یا تو یہ غَسل بفتح الغین ہے تب اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ معتکف اگر اپنے بدن کا کوئی حصہ دھولے تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں ہے، یہ مضمون روایت الباب سے ثابت ہے، اور اگر یہ غُسل بضم الغین ہے تو پھر اس صورت میں مصنف کا مقصود یہ ہے کہ معتکف غسل کر سکتا ہے۔

اگر غسل واجب ہے تب تو اس میں کوئی کلام ہی نہیں اور اگر غسل مسنون ہو یا یوں ہی غسل تبرد ہے تو فقہاء نے اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اگر کسی ضرورتِ شرعیہ کی بناء پر خروج ہوا ہو تو بہت دیر نہ کی جائے پانی پہلے سے رکھ لیا جائے یا ساتھ ہی فوراً پانی رکھ کر کے ایک دم غسل کر لیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں، اس صورت میں روایت الباب سے ترجمہ استدلالی طور پر ثابت ہوگا، حاصل یہ ہے کہ جب معتکف بحالتِ اعتکاف اپنا سر مسجد سے نکال کر دھو سکتا ہے تو اسی طرح سے غسل بھی کر سکتا ہے۔

(ص ۲۷۲) بَابُ الِاعْتِكَافِ لَيْلًا

۲۰۳۱. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: كُنْتُ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، قَالَ: فَأَوْفِ بِنَذْرِكَ.

ترجمہ: باب، ایک رات کے اعتکاف کا بیان۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ رات میں اعتکاف کیا جاسکتا ہے۔

امام بخاری یا تو (۱) صرف اتنا ہی بتاتے ہیں کہ تنہا رات کا اعتکاف کیا جاسکتا ہے اور روایۃ الباب سے یہ مضمون صراحۃً ثابت ہو رہا ہے، یا (۲) مصنف نے اس میں بعض اور دوسرے امور کی طرف رمز واشارہ فرمایا ہو گا مثلاً یہ کہ بعض علماء سے نقل کیا گیا ہے کہ اعتکاف کے لئے شرط یہ ہے کہ رات اور دن دونوں کا ہو۔

چنانچہ امام مالک سے یہی منقول ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا ایک قول ہے، حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ارشاد فرماتے ہیں کہ اعتکاف ایک ساعت کا بھی ہو سکتا ہے اس کے لئے رات اور دن کا ہونا ضروری نہیں ہے، یہی امام ابو حنیفہ کی ایک روایت ہے، اس صورت میں امام بخاری نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کر کے قول ثانی کی تائید کی ہو گی، اور (۳) امام مالک سے ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ دس دن سے کم کا اعتکاف ہو ہی نہیں سکتا اس صورت میں بھی یہ ترجمہ اس پر رد ہو سکتا ہے۔

اعتکاف کے لئے صوم شرط ہے؟ اسی طرح سے یہ بھی اختلاف ہے کہ اعتکاف کے لئے صوم شرط ہے یا نہیں؟ مالکیہ مطلقاً شرط کہتے ہیں، حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر اعتکاف منذور ہو تو اس میں شرط ہے اور اعتکاف نفل میں شرط نہیں ہے اور اعتکاف مسنون میں متون ساکت ہیں، علامہ زین بن نجیم مصری کہتے ہیں کہ شرط نہیں ہے اور علامہ ابن عابدین شامی کا رجحان اشتراط کی طرف ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے دونوں قول ہیں راجح عدم الاشتراط ہے، تو ممکن ہے کہ امام بخاری نے بَابُ الِاعْتِكَافِ لَيْلًا کا ترجمہ منعقد کر کے اس اختلاف کی طرف اشارہ کر کے اس بات پر تنبیہ کی ہو کہ اعتکاف کے لئے صوم شرط نہیں ہے۔

مگر میرا خیال یہ ہے کہ یہاں یہ مسئلہ ذکر کرنا بے محل ہے، امام بخاری نے اس کے لئے مستقل ترجمہ ص ۲۷۴ پر بَابُ مَنْ لَمْ یَرَ عَلَیْهِ صَوْمًا إِذَا اعْتَكَفَ منعقد فرمایا ہے۔

كُنْتُ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ: میں نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا، اس روایت میں أَعْتَكِفَ لَيْلَةً وارد ہوا ہے اور کتاب الجہاد میں أَعْتَكِفَ يَوْمًا کا لفظ ہے، اسی طرح مسلم کی متعدد روایات میں وارد ہوا ہے جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو، ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے رات و دن دونوں کی نیت کی ہوگی، چنانچہ امام ابن حبان نے اسی طرح سے جمع فرمایا ہے۔

اب امام بخاری پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب روایت کے ایک طریق میں اعتکاف لیلۃ کا ذکر ہے اور دوسرے میں اعتکاف یوم کا تو امام بخاری نے بَابُ الِاعْتِكَافِ لَيْلًا کا ترجمہ کیسے منعقد فرمایا اور صرف رات کے اعتکاف کو کیسے ثابت کیا ہے؟ جبکہ روایت کے طرق کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے رات و دن دونوں کے اعتکاف کی نیت فرمائی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری بسا اوقات اپنا ترجمہ اس روایت کے لفظ سے ثابت فرماتے ہیں جو ان کے سامنے ان کی سند سے موجود ہوتی ہے یہ ایک خاص اصلِ کلی ہے جو امام بخاری نے کئی جگہ استعمال فرمائی ہے اور میں ماضی میں بھی تنبیہ کر آیا ہوں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی تنبیہ کروں گا، مجھ کو اس وقت یہ مستحضر نہیں ہے کہ شارحین میں سے کسی نے اس قانون اور اس قاعدہ پر تنبیہ کی ہو۔

جاہلیت کی منت! اس سے یہ معلوم ہوا کہ جاہلیت میں اگر نذر مانی تو اسلام کے زمانہ میں اس کو پورا کیا جاسکتا ہے؟ آیا اس کا پورا کرنا واجب ہے یا غیر واجب ہے؟ اس مسئلہ کو میں صحیح مسلم میں بیان بھی کر چکا ہوں اور ان شاء اللہ ص ۲۷۴ پر جہاں امام بخاری نے ایک مستقل ترجمہ بَابُ إِذَا نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَعْتَكِفَ ثُمَّ أَسْلَمَ منعقد کیا ہے اس پر کلام آئے گا۔

(ص ۲۷۲) بَابُ اعْتِكَافِ النِّسَاءِ

۲۰۳۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ

يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَكُنْتُ أَضْرِبُ لَهُ خِبَاءً فَيُصَلِّي الصُّبْحَ ثُمَّ يَدْخُلُهُ، فَاسْتَأْذَنَتْ حَفْصَةُ عَائِشَةَ أَنْ تَضْرِبَ خِبَاءً فَأَذِنَتْ لَهَا فَضَرَبَتْ خِبَاءً، فَلَمَّا رَأَتْهُ زَيْنَبُ ابْنَةُ جَحْشٍ ضَرَبَتْ خِبَاءً آخَرَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّبِيُّ ﷺ رَأَى الْأَخْبِيَةَ فَقَالَ: مَا هَذَا؟ فَأُخْبِرَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: آلْبِرَّ تُرَوْنَ بِهِنَّ؟ فَتَرَكَ الِاعْتِكَافَ ذَلِكَ الشَّهْرَ ثُمَّ اعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ.

ترجمہ: باب، عورتوں کے اعتکاف کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے، میں آپ کے لئے خیمہ لگاتی تھی، آپ فجر کی نماز پڑھ کر اس میں داخل ہوتے تھے، حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے اجازت چاہی کہ وہ ایک خیمہ لگائیں، حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی اور حضرت حفصہؓ نے ایک خیمہ لگالیا، جب حضرت زینب بنت جحشؓ نے اس خیمہ کو دیکھا تو انہوں نے بھی ایک دیگر خیمہ لگالیا، جب صبح ہوئی تو نبی پاک ﷺ نے ان خیموں کو دیکھا اور دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ کو اس بارے میں خبر دی گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ خیمے ثواب کے لئے نصب کئے گئے ہیں؟ پھر آپ ﷺ نے اس ماہ میں اعتکاف ترک فرمادیا اور شوال کے ایک عشرے میں اعتکاف فرمایا۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ مردوں کی طرح سے عورتیں بھی اعتکاف کر سکتی ہیں، لیکن آیا عورتیں مسجد میں اعتکاف کریں گی یا غیر مسجد میں اعتکاف کریں گی؟ اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

(۱) حضرت امام شافعی فی الجدید، امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ ہر مسجد میں عورت اعتکاف کر سکتی ہے یہی مالکیہ کا مسلک ہے، (۲) حضرات حنفیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ عورت اپنی مسجدِ بیت میں اعتکاف کرے گی یہی سفیان ثوری کا مذہب اور امام شافعی کا قول قدیم ہے۔

لیکن یہ سمجھ لو کہ ہمارے حضرات جو یہ فرماتے ہیں کہ عورت اپنی مسجدِ بیت میں اعتکاف کرے گی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسجد میں اس کا اعتکاف کرنا ناجائز ہے بلکہ علامہ انور شاہ کشمیری نے بدائع کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عورت کے لئے مسجد بیت میں اعتکاف کرنا افضل ہے، ویسے اگر مسجد میں اعتکاف کرنا چاہے تو پردہ کے اہتمام کے ساتھ کر سکتی ہے، امام شافعی سے منقول ہے کہ مسجد جماعت میں عورت کیلئے اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ: حضور ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف فرماتے اور آپ کے لئے مسجد میں ایک چھوٹا سا خیمہ بنادیا جاتا تھا یعنی

پردہ ڈال دیا جاتا تھا، صبح کی نماز پڑھ کر آپ اس میں داخل ہو جاتے تھے۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ معتکف اعتکاف صبح کی نماز کے بعد شروع کرے گا، یہ مسئلہ مختلف فیہ مسائل میں سے ہے۔

(۱) حضرت امام اوزاعی، لیث بن سعد، اسحاق بن راہویہ اور ابو ثور فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز کے بعد اعتکاف شروع ہو گا یہی سفیان ثوری اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے، (۲) امام ابو حنیفہ اور امام شافعی ارشاد فرماتے ہیں کہ جس دن کا اعتکاف کرنا ہو اس کی رات شروع ہونے سے پہلے یعنی غروب شمس سے پہلے معتکف کو مسجد میں داخل ہو جانا چاہئے یہی حضرت امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری کی دوسری روایتیں ہیں۔

یہ روایت یعنی بخاری نے جو یہاں پر پیش کی ہے فریق اول کی دلیل بن سکتی ہے، فریق ثانی کی طرف سے اس کے مختلف انداز سے جوابات دیئے گئے ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ تنہائی اور گوشہ نشینی دن میں اپنے معتکف میں اختیار فرماتے تھے، رات تو اندھیری ہوتی ہی ہے اس وقت حجرہ اور معتکف میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں ہاں دن میں لوگ آتے جاتے ہیں تو یکسوئی کیلئے حضور ﷺ نماز فجر ادا کرنے کے بعد اس میں داخل ہو جایا کرتے تھے۔

مگر علامہ سندی کو اس پر اشکال ہے کہ مقصود تو سنت اعتکاف کی تعلیم دینی ہے، اب اگر مقصود یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ رات میں مسجد میں ہوتے تھے اور دن میں اپنے معتکف میں داخل ہوتے تھے تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ معتکف کے لئے سنت یہ ہے کہ رات میں یوں ہی کیف ما اتفق کہیں بھی مسجد مین گزار لے اور جو اس کا معتکف بنا ہوا ہو اس میں وہ دن میں داخل ہو حالانکہ یہ کسی کے نزدیک بھی صورت نہیں ہے۔

لہذا قاضی ابو یعلیٰ نے جواب یہ دیا ہے کہ اصل میں حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام بیس کی صبح کو بارہ گھنٹہ پیشتر ہی مسجد میں اپنے معتکف میں داخل ہو جایا کرتے تھے، مثلاً اگر عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو سرور عالم ﷺ یہ کرتے تھے کہ بیسویں کی صبح کی نماز پڑھ کر معتکف شریف میں داخل ہو جایا کرتے تھے، علامہ سندی نے اسی جواب کو پسند فرمایا ہے۔

امام نووی نے اصل اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے معتکف میں انقطاع و تخلیہ صبح کی نماز

کے بعد کیا کرتے تھے، حافظ ابن حجر نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ اس صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ دخول فی العبادۃ کے بعد آپ اس سے نکل گئے، حافظ کے اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث پاک میں یہ وارد ہے کہ حضرت عائشہؓ حضور اکرم ﷺ کے لئے خیمہ نصب کرتی تھیں آنحضور ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر معتکف شریف میں داخل ہو جایا کرتے تھے، حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے اپنے لئے خیمہ کی اجازت چاہی ان کے لئے بھی خیمہ نصب ہو گیا، حضرت زینب بنت جحشؓ نے جب ان دونوں کے خیمے دیکھے تو ایک خیمہ اپنے لئے بھی نصب کر دیا، حضور پاک ﷺ نے جب صبح کی نماز کے بعد اخبیہ دیکھے تو فرمایا کہ یہ کیا؟ آپ کو صورت واقعہ کی خبر دی گئی تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کام سے تمہارا کوئی نیکی کا ارادہ ہے؟ صرف مقابلہ بازی کی باتیں ہیں اور آپ نے اس مہینہ کا اعتکاف چھوڑ دیا اور شوال کے عشرہ میں اس اعتکاف کی قضاء کی۔

تو امام نووی کی توجیہ پر یہ لازم آتا ہے کہ سرور عالم ﷺ نے اعتکاف تو شروع کر دیا تھا اور صبح کو معتکف میں داخل ہونے کا ارادہ فرما ہی رہے تھے کہ آپ کو متعدد معتکف اور اخبیہ نظر آئے آپ نے وجہ معلوم کی، جب معلوم ہوا کہ مقابلہ میں یہ خباء نصب کئے گئے ہیں تو آپ نے اعتکاف چھوڑ دیا، اب لازم آیا کہ آپ نے اعتکاف شروع کر کے اور عبادت میں دخول کے بعد پھر اس کو چھوڑ دیا ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عبادت کو شروع کر لیا تھا اور اس کے بعد چھوڑ دیا تھا لیکن اس کے بعد آپ نے اس کی قضاء کی، چنانچہ روایت میں تصریح ہے ثُمَّ اعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ حضور اکرم ﷺ نے شوال کے ایک عشرہ کا اعتکاف اس کے بدلہ میں فرمایا۔

(ص ۲۷۲) بَابُ الْأَخْبِيَةِ فِي الْمَسْجِدِ

۲۰۳۳. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ، فَلَمَّا انْصَرَفَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ إِذَا أَخْبِيَةٌ خِبَاءُ عَائِشَةَ وَخِبَاءُ حَفْصَةَ وَخِبَاءُ زَيْنَبَ، فَقَالَ: آلْبِرَّ تَقُولُونَ بِهِنَّ؟ ثُمَّ انْصَرَفَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ حَتَّى اعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ.

ترجمہ: باب، مسجد میں خیمے لگانے کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اعتکاف کا ارادہ کیا تو جب آپ ﷺ اس مقام کی طرف تشریف لے گئے جہاں اعتکاف کرنے کا ارادہ تھا تو دیکھا کہ وہاں خیمے ہیں، حضرت عائشہؓ کا خیمہ، حضرت حفصہؓ کا خیمہ اور حضرت زینبؓ کا خیمہ، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ انہوں نے یہ خیمے نیکی کے ارادے سے لگائے ہیں؟ یہ کہہ کر آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اعتکاف نہیں فرمایا، یہاں تک کہ شوال کے دس دن کا اعتکاف کیا۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ مسجد میں اگر معتکف اپنے لئے کوئی خیمہ بنالے تو یہ جائز ہے اور یہ فمن أظلم ممن منع مساجد اللہ کے اندر داخل نہیں، البتہ یہ بات ضروری ہے کہ نماز کے وقت پردہ وغیرہ ہٹا دیئے جائیں تاکہ نمازیوں کو اتصال صفوف میں دشواری نہ پیش آئے۔

(ص ۲۷۲) بَابٌ هَلْ يَخْرُجُ الْمُعْتَكِفُ لِحَوَائِجِهِ إِلَى بَابِ الْمَسْجِدِ

۲۰۳۴. حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ أَنَّ صَفِيَّةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَزُورُهُ فِي اعْتِكَافِهِ فِي الْمَسْجِدِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ مَعَهَا يَقْلِبُهَا حَتَّى إِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ مَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ ﷺ: عَلَى رِسْلِكُمَا إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ، فَقَالَا: سُبْحَانَ اللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الْإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا.

ترجمہ: باب، کیا معتکف اپنی ضرورت کے لئے مسجد کے دروازے تک آسکتا ہے؟

حضرت علی بن حسینؒ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ کی زوجہ حضرت صفیہؓ نے ان سے بیان کیا کہ وہ رمضان کے آخری عشرے میں رسول اللہ ﷺ سے معتکف میں ملنے کے لئے آئیں اور انہوں نے آپ ﷺ سے کچھ دیر گفتگو کی، پھر واپس جانے کے لئے کھڑی ہوگئیں، ان کے ساتھ ان کو رخصت کرنے کے لئے نبی پاک ﷺ بھی کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ جب وہ مسجد کے دروازے پر باب ام سلمہؓ کے پاس پہنچیں، تو انصار کے دو شخص ادھر سے گزرے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا، نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا کہ اپنی جگہ ٹھہر جاؤ، یہ صفیہ بنت حییؓ ہیں، ان دونوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! سبحان اللہ! آپ کا یہ فرمانا ان پر شاق گزرا، نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ بے شک شیطان انسان کے بدن میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور مجھے یہ ڈر ہوا کہ

شیطان تمہارے دل میں کوئی بدگمانی نہ ڈال دے۔

تشریح: کیا معتکف اپنی ضرورتوں کے لئے مسجد کے دروازہ تک نکل سکتا ہے؟

روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکل سکتا ہے، حضرت صفیہؓ حضور اکرم ﷺ کی زیارت کے لئے تشریف لائی تھیں، جب لوٹنے لگیں تو آنحضور ﷺ ان کو واپس کرنے کے لئے کھڑے ہوئے حَتّٰی إِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ، اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ عالم ﷺ مسجد کے دروازہ کے پاس تک تشریف لے گئے اور وہاں پہنچے۔

تو اب سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ میں لفظ ھل کیوں ذکر کیا جو تردد کی خبر دیتا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ روایت الباب میں یہ تصریح وارد نہیں ہوئی کہ سرکار دو عالم ﷺ خود مسجد کے دروازہ تک تشریف لائے، روایت کے الفاظ ہیں ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ مَعَهَا يَقْلِبُهَا حَتّٰى إِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ مَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مسجد کا دروازہ دو طرح سے ہوتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دروازہ مسجد کے صحن سے بالکل ملا ہوا ہوتا ہے، مسجد میں داخل ہوئے نہیں کہ صحن میں داخل ہو گئے، اور کبھی ایسا ہوا کرتا ہے کہ دروازہ مسجد کے صحن یعنی حدود مسجد سے منفصل ہوتا ہے۔

چنانچہ ہمارے یہاں جونپور میں جو جامع مسجد ہے اور بڑی شاہی مسجد ہے اس میں صورت حال یہی ہے کہ پہلے دروازہ شروع ہوتا ہے پھر ایک میدان آتا ہے اور اس میدان کے بعد مسجد کا سلسلہ صحن اور حوض وغیرہ شروع ہوتے ہیں۔

تو ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے تفصیل کی طرف اشارہ فرمایا ہو، خلاصۂ تفصیل یہ ہے کہ اگر مسجد کا صحن بابِ مسجد سے ملاصق ہو تب تو معتکف باب مسجد تک نکل سکتا ہے، اور اگر ملاصق نہیں ہے بلکہ بیچ میں کچھ ایسا حصہ بھی آ گیا ہے جس کا تعلق مسجد سے نہیں ہے بلکہ اس کو مسجد کے مصالح کے لئے احاطہ میں گھیر لیا گیا ہے تو معتکف کو وہاں تک نکلنا نہیں چاہئے اس لئے کہ وہ مسجد ہے ہی نہیں۔

جیسے ابھی عرض کیا کہ ہمارے یہاں جو جامع مسجد ہے اس کی عجیب بات ہے کہ اس کا شرقی دروازہ شروع

ہوتا ہے اس دروازہ کے بعد کافی حصہ شروع ہوتا ہے جس میں کنواں ہے اور اس کنویں میں بڑی ڈول لگی ہے جس میں بیل سے پانی نکالا جاتا ہے پھر آگے چلتے ہیں تو درخت ہیں اور اس کے بعد پھر حوض آتا ہے اور پھر صحن مسجد شروع ہوتا ہے، تو ممکن ہے کہ بخارا وغیرہ میں اس طرح کی مساجد رہی ہوں اور امام بخاری نے اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہو۔

عَلٰی رِسْلِکُمَا: حضور اکرم ﷺ حضرت صفیہؓ کو مسجد کے دروازہ تک چھوڑنے کے لئے آئے، اتفاقاً دو انصاری صحابی حضرت اسید بن حضیرؓ اور عباد بن بشرؓ گزرے سلام کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ٹھہر جاؤ! یہ عورت جو جارہی ہے یہ صفیہ بنت حیی یعنی میری زوجہ ہیں، اس پر وہ دونوں صحابی بولے سبحان اللہ! یارسول اللہ! اور انہیں یہ بات شاق ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں خاص طور سے اس بات پر تنبیہ کیوں کی؟ کیا حضور اکرم ﷺ کو کچھ شک وشبہ ہے کہ ہم آپ کے بارے میں کوئی بدگمانی کریں گے؟ حضور نے یہ فرمایا إِنَّ الشَّیطَانَ یَبْلُغُ مِنَ الْإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ شیطان انسان میں وہاں تک سرایت کرجاتا ہے جہاں جہاں بدن انسانی میں خون پہنچا ہوتا ہے یعنی سارے بدنِ انسانی میں اس کے وساوس پہونچتے رہتے ہیں، مجھے خطرہ ہوا کہ شیطان تمہارے دلوں میں کوئی چیز ڈال کر تمہیں برباد نہ کردے۔

حدیث پر اعتراض: یہ حدیث عجیب وغریب حدیث ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابیوں کو کچھ حضور اکرم ﷺ کے بارے میں بدگمانی کا خطرہ ہوسکتا تھا اور وہ کوئی بدگمانی کرسکتے تھے جبھی آنحضور ﷺ نے صفائی کی، اور صحابہ کی شان اس سے بڑی اعلیٰ وارفع ہے، اس اشکال کو دیکھ کر ایک جماعت نے تو اس حدیث ہی پر کلام کردیا، امام ابوبکر بزار کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، ابوالشیخ بن حیان فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہی نہیں اگرچہ اس کے رواۃ ثقات ہیں، علامہ مغلطای بن قلیج حنفی اور علامہ عینی نے ان دونوں کا اتباع کیا ہے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ بزار، ابوالشیخ اور ان دونوں کے متبعین کا قول غلط ہے، یہ حدیث متفق علیہ ہے، تمام وہ محدثین جنہوں نے احادیث صحاح کی تخریج کا اہتمام کیا ہے اس حدیث کی تخریج کرتے چلے آئے ہیں لہذا یہ حدیث اصولِ محدثانہ پر صحیح ہے۔

حضور ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ حضور اکرم ﷺ نے جو کچھ ان دونوں صحابہ سے ارشاد فرمایا

تھا حضرت امام شافعی نے الگ الگ دو سوالوں کے جواب میں دو جواب دیئے ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ امام شافعی نے ارشاد فرمایا کہ اصل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایمان کی حفاظت کی خاطر ایسا کیا، اس لئے کہ جب شیطان انسان میں وسوسہ ڈال سکتا ہے تو بہر حال صحابہ بھی انسان تھے، ہو سکتا ہے کہ خدا نخواستہ کوئی غلط وسوسہ ڈالتا اور ان کا ایمان برباد ہو جاتا تو آپ نے ان کے ایمان کی حفاظت کرنے کے واسطے ایسا کیا۔

(۲) دوسری وجہ امام شافعی نے یہ بیان کی ہے کہ اصل میں امت کو تعلیم دی گئی ہے کہ اگر اتفاقاً تم کو ایسی صورت پیش آئے تو تمہیں یہ چاہئے کہ تم شک وشبہ کو زائل کر دو اور یہ بتلا دو کہ یہ فلاں ہے میرے ساتھ تا کہ کوئی شک وشبہ میں نہ پڑے اور بدگمانی میں مبتلا نہ ہو، رضی اللہ عن الشافعی ما أجود هذان الجوابان۔

إِنَّ الشَّيطَانَ يَبلُغُ مِنَ الإِنسَانِ مَبلَغَ الدَّمِ: اسی حدیث میں بخاری میں آگے آرہا ہے إِنَّ الشَّيطَانَ يَجرِي مِنَ الإِنسَانِ مَجرَى الدَّمِ اور بعض الفاظ میں ہے إِنَّ الشَّيطَانَ يَجرِي مِنَ ابنِ آدَمَ مَجرَى الدَّمِ یہ دونوں الفاظ بخاری میں اگلے صفحہ پر آرہے ہیں۔

مجری اور مبلغ مصدر بھی ہو سکتے ہیں اور ظرف بھی ہو سکتے ہیں، مصدر ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہے کہ جیسے خون بدنِ انسانی میں چلتا اور سرایت کئے ہوتا ہے ایسے ہی شیطان بھی بدن میں سرایت کرتا ہے، اور اگر ظرف ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جہاں جہاں پر بدن میں خون دوڑتا پھرتا ہے شیطان کے وساوس بھی اور شیطان وہاں وہاں بدنِ انسانی میں دوڑتا پھرتا ہے۔

یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے یا مؤول ہے؟ دونوں احتمال ہیں۔

(۱) اگر مؤول ہے تب مطلب یہ ہے کہ شیطان انسان کے بدن میں وساوس ڈالتا ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ مسامات کے ذریعہ سے وہ اپنے وساوس کو انسان میں داخل کر دیتا ہے، اور اس میں کچھ استبعاد نہیں۔

اہل اللہ کو اتنی طاقت حاصل ہوتی ہے، جو صاحبِ توجہ ہوتے ہیں وہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہزاروں میل دور کسی شخص کے قلب میں کوئی چیز ڈالنا چاہتے ہیں تو اپنی قوتِ قلبیہ اور تصرفِ باطنی سے اس میں وہ چیز ڈال دیتے ہیں، اور اس چیز کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، جو بالکل ظاہری ہے اور جو جمود رکھتا ہے اور اس راستہ سے ناآشنا ہے وہی اس

کا انکار کر سکتا ہے، تو شیطان کا تسلط تو بہت بڑا ہے وہ تو ایک روح ہے اور بہت بڑی طاقت اس کو دے دی گئی ہے، اگر وہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے وسوسے اور خیالات ڈال دے تو کیا استعجاب کی بات ہے؟

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے یعنی واقعۃً شیطان بدنِ انسانی میں داخل ہوتا ہے تو اس صورت میں اہل سنت کے مسلک پر تو کوئی اشکال نہیں، قاضی ابو یعلیٰ حنبلی نے اس کو اپنے ظاہر ہی پر رکھا ہے اور معتزلہ میں سے عمرو بن عبید اور قاضی عبد الجبار بھی اس بات کے قائل ہیں کہ شیطان انسان کے بدن میں داخل ہو سکتا ہے۔

مگر ابو علی جبائی اور ابو بکر محمد بن زکریا الطبیب نے اس کا انکار کیا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ شیطان بدنِ انسانی میں داخل ہوتا ہے تو لازم آئے گا کہ بیک وقت ایک بدن میں دو روحیں جمع ہو جائیں اور یہ ناممکن ہے۔

لیکن یہ لوگ اتنے بڑے عالم ہیں اور انہوں نے ایسی فاسد بات کہی ہے جو ایک چھوٹا سا بچہ بھی رد کر سکتا ہے، ایک بچہ کے پیٹ میں کینچوے پڑ جاتے ہیں کیڑے پڑ جاتے ہیں نہ معلوم کتنے کیڑے ہوتے ہیں اور ان کی روحیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں تو بدن انسانی میں بیک وقت نہ معلوم کتنی ارواح جمع ہو جاتی ہیں، اعتراض تو اس وقت پڑتا ہے جب دو روحیں مدبّرِ بدن تسلیم کی جائیں، حالانکہ مدبّرِ بدن تو انسان کی اپنی روح ہوتی ہے، شیطان کی روح مدبّرِ بدن نہیں ہوا کرتی ہے وہ تو صرف وسوسہ ڈالنے کے لئے اندر داخل ہوتا ہے، چونکہ وہ جسم لطیف ہے لہٰذا وہ ایسے ہی سرایت کر سکتا ہے جس طرح گلاب میں عرق گلاب سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے۔

اب یہی روایت بار بار آئے گی اور میں کہوں گا کہ گزر گئی بلکہ بولوں گا بھی نہیں۔

(ص ۲۷۲) بَابُ الِاعْتِكَافِ وَخُرُوجِ النَّبِيِّ ﷺ صَبِيحَةَ عِشْرِينَ

۲۰۳۵. حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ هَارُونَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدِ الْخُدْرِيَّ قُلْتُ: هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَذْكُرُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، اعْتَكَفْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ قَالَ:

فَخَرَجْنَا صَبِيحَةَ عِشْرِينَ، قَالَ: فَخَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ صَبِيحَةَ عِشْرِينَ فَقَالَ: إِنِّي أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَإِنِّي نُسِّيتُهَا فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي وِتْرٍ فَإِنِّي رَأَيْتُ أَنِّي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ، وَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلْيَرْجِعْ، فَرَجَعَ النَّاسُ إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً قَالَ: فَجَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَسَجَدَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الطِّينِ وَالْمَاءِ حَتَّى رَأَيْتُ الطِّينَ فِي أَرْنَبَتِهِ وَجَبْهَتِهِ.

ترجمہ: باب، اعتکاف کا بیان اور آپ ﷺ کے بیسویں کی صبح کو اعتکاف سے نکلنے کا بیان۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو شب قدر کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے درمیانی عشرے کا اعتکاف کیا، ہم بیسویں کی صبح کو اعتکاف سے نکلے، رسول اللہ ﷺ نے بیسویں کی صبح کو ہمارے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ مجھے شب قدر دکھائی گئی تھی اور پھر بھلادی گئی، تم اسے آخری عشرے میں طاق راتوں میں تلاش کرو کیوں کہ میں نے دیکھا ہے کہ میں گارے میں سجدہ کر رہا ہوں، سو جس نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اعتکاف کیا ہے وہ واپس آجائے، تو لوگ مسجد میں واپس آگئے، ہمیں آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا بھی دکھائی نہیں دیتا تھا، لیکن پھر بادل آیا اور بارش ہوئی، اسی حال میں نماز ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے گارے میں سجدہ کیا یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی ناک اور پیشانی پر گارے کا نشان دیکھا۔

تشریح: امام بخاری: غالباً امام مالک کی روایت کی تاویل کرنا چاہتے ہیں، امام مالک کی روایت ما قبل میں گزر چکی ہے حَتَّى إِذَا كَانَ لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ مِنْ صَبِيحَتِهَا مِنَ اعْتِكَافِهِ، اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ اپنے معتکف سے اکیسویں کی صبح کو بر آمد ہوئے اور پھر آپ نے یہ بیان فرمایا کہ مجھ کو لیلۃ القدر دکھلائی گئی تھی لیکن فلاں فلاں کے نزاع کی وجہ سے مجھ کو نسیان ہو گیا اور مجھے وہ دکھلائی گئی ہے کہ وہ عشر اواخر میں ہے اور میں ماء و طین میں سجدہ کرتا ہوں، پھر حضور اکرم ﷺ نے جب صبح کی نماز پڑھی تو آپ کی پیشانی پر کیچڑ و پانی کا اثر تھا کیوں کہ مسجد عریش یعنی چھپر کی تھی، رات میں بارش ہوئی مسجد ٹپکی اس کی وجہ سے پیشانی پر مٹی لگ گئی تھی۔

یہ روایت بظاہر موجب اشکال ہے اس لئے کہ اکیسویں کی صبح کو اگر حضور ﷺ یہ خطبہ دیئے ہوتے کہ مجھے لیلۃ القدر دکھلائی گئی ہے اس طور پر کہ میں پانی اور مٹی پر سجدہ کر رہا ہوں تو اکیسویں کی صبح کو حضور ﷺ کی پیشانی پر پانی اور مٹی کا اثر کیوں ہوتا؟ اور آنحضور ﷺ وقت گزرنے کے بعد صحابہ کرام کو کیوں تلقین فرماتے؟ اب تو

وہ وقت ہی گزر چکا تھا رات ہی گزر چکی تھی حالانکہ آپ کا مقصود یہ تھا کہ جو رات لیلۃ القدر ہے آپ اس کی طرف اشارہ فرمادیں تاکہ صحابہ اس کا اہتمام فرمائیں، اس لئے امام مالک کی اس روایت کی توجیہ وتاویل کی گئی ہے۔

میں علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری کا کلام ماقبل میں نقل کر آیا ہوں کہ حَتّٰی إِذَا کَانَ لَیْلَةَ إِحْدٰی وَعِشْرِینَ کا مطلب حَتّٰی إِذَا کَانَ استقبال لَیْلَةِ إِحْدٰی وَعِشْرِینَ ہے، جب اکیسویں کی رات کا استقبال ہونے والا تھا یعنی اکیسویں کی رات شروع ہو رہی تھی یا یہ کہ بیسویں کی شام ہو رہی تھی اُس وقت حضور اکرم ﷺ نے خطبہ دیا اور تعلیم فرمایا، چنانچہ دوسری روایات میں صبح میں نکلنا وارد ہوا ہے۔

جن روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ آپ نے صبح کو خطبہ دیا اور جن میں یہ وارد ہے کہ آپ نے اکیسویں کی رات کو خطبہ دیا اس میں یوں جمع کیا جائے کہ اصل میں مقصود یہ ہے کہ جب اعتکاف ختم ہو رہا تھا اس دن آپ نے خطبہ دیا اور ثم تراخی بعید کے لئے استعمال کیا گیا ہے، اور ایک توجیہ میں یہ بھی کہہ آیا ہوں کہ جیسے رات کو بعض وقت یوم آتی کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے ویسے ہی بعض وقت یوم ماضی کے ساتھ بھی ملحق کیا جاتا ہے۔

(ص ۲۷۳) بَابُ اعْتِكَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ

۲۰۳۶. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ امْرَأَةٌ مِنْ أَزْوَاجِهِ مُسْتَحَاضَةٌ فَكَانَتْ تَرَى الْحُمْرَةَ وَالصُّفْرَةَ فَرُبَّمَا وَضَعْنَا الطَّسْتَ تَحْتَهَا وَهِيَ تُصَلِّي.

ترجمہ: باب، مستحاضہ کے اعتکاف کا بیان۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے ایک مستحاضہ زوجہ نے اعتکاف کیا، وہ سرخی اور زردی دیکھتی تھیں، کبھی کبھی ہم ان کے نیچے طشت رکھ دیتے تھے اور وہ نماز پڑھتی رہتی تھیں۔

تشریح: یہ ترجمہ ابواب حیض میں ص ۴۵ پر گزر چکا ہے اور میں وہاں تنبیہ بھی کر آیا تھا کہ یہی ترجمہ ابوابِ اعتکاف میں آرہا ہے، وہاں بحیثیتِ مسائل حیض کے ذکر فرمایا تھا اور یہاں بحیثیتِ مسائل اعتکاف کے ذکر فرمایا ہے، چونکہ مستحاضہ بظاہر پاک نہیں ہوتی ہے اس کو خون آتا رہتا ہے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں مسجد ملوث نہ ہو جائے اس لئے ممکن ہے کہ کوئی آدمی یہ توہم کرے کہ مستحاضہ کو اعتکاف کرنا ناجائز یا مکروہ ہونا چاہئے تو امام بخاری

نے اس توہم کا خاتمہ فرمادیا اور یہ بتلادیا کہ مستحاضہ بحالت استحاضہ اعتکاف کر سکتی ہے۔

امْرَأَةٌ مِنْ أَزْوَاجِهِ: اس کا مصداق حضرت ام سلمہؓ ہیں اور ویسے اس کے متعلق تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

(ص ۲۷۳) بَابُ زِيَارَةِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا فِي اعْتِكَافِهِ

۲۰۳۷. حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ أَنَّ صَفِيَّةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ،

ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ وَعِنْدَهُ أَزْوَاجُهُ فَرُحْنَ، فَقَالَ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ: لَا تَعْجَلِي حَتَّى أَنْصَرِفَ مَعَكِ وَكَانَ بَيْتُهَا فِي دَارِ أُسَامَةَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مَعَهَا فَلَقِيَهُ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَنَظَرَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ أَجَازَا وَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ ﷺ: تَعَالَيَا إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ، قَالَا: سُبْحَانَ اللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يُلْقِيَ فِي أَنْفُسِكُمَا شَيْئًا.

ترجمہ: باب، اعتکاف میں عورت کے اپنے شوہر سے ملنے کا بیان۔

حضرت صفیہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ مسجد میں تھے اور آپ کے پاس آپ کی ازواج تھیں، وہ چلی گئیں، آپ ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے فرمایا کہ تم جلدی نہ کرو یہاں تک کہ میں تمہارے ساتھ چلوں، ان کا کمرہ اسامہ بن زیدؓ کے گھر میں تھا، نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ نکلے، انصار کے دو شخص آپ سے ملے، انہوں نے آپ کو دیکھا اور آگے بڑھ گئے، نبی پاک ﷺ نے ان سے فرمایا کہ دونوں ادھر آؤ، یہ صفیہ بنت حیی ہیں، ان دونوں نے فرمایا کہ سبحان اللہ! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ بے شک شیطان انسان کے جسم میں خون کی مانند دوڑتا ہے اور مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ ڈال دے۔

تشریح: یعنی اگر خاوند اعتکاف میں ہو تو اس کی بیوی اس کی زیارت کے لئے آسکتی ہے، اس پر تنبیہ کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بیوی سے انسان کا شہوانی تعلق ہوتا ہے اور اعتکاف میں بیوی کے ساتھ اس طرح کا تعلق یعنی مجامعت ممنوع ہے وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ اور بیوی کی ملاقات مباشرت کی طرف داعی ہوتی ہے اور دواعی شیئ؛ شیئ کے حکم میں ہوتے ہیں اور جماع بحالتِ اعتکاف ممنوع ہے تو جو چیز داعی الی الجماع ہو وہ بھی ممنوع ہونی چاہئے، اس کا تقاضہ یہ تھا کہ بیوی اپنے خاوند کا بحالتِ اعتکاف چہرہ نہ

دیکھنے جائے اس سے ملاقات نہ کرنے جائے اس کی زیارت نہ کرے، مصنف نے یہ بتلا دیا کہ زیارت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، نفسِ زیارت دواعیِ جماع میں سے تھوڑے ہے؟

وَكَانَ بَيْتُهَا فِي دَارِ أُسَامَةَ: مطلب یہ ہے کہ جو مکان بعد میں اسامہ بن زیدؓ کے قبضہ میں آ گیا تھا، وہی حضرت صفیہؓ کا پہلے مکان تھا۔

(ص ۲۷۳) بَابٌ هَلْ يَدْرَأُ الْمُعْتَكِفُ عَنْ نَفْسِهِ

۲۰۳۸. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ أَنَّ صَفِيَّةَ أَخْبَرَتْهُ،

ح وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يُخْبِرُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ أَنَّ صَفِيَّةَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَلَمَّا رَجَعَتْ مَشَى مَعَهَا، فَأَبْصَرَهُ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَلَمَّا أَبْصَرَهُ دَعَاهُ فَقَالَ: تَعَالَ هِيَ صَفِيَّةُ، - وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: هَذِهِ صَفِيَّةُ - فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ، قُلْتُ لِسُفْيَانَ: أَتَتْهُ لَيْلًا؟ قَالَ: وَهَلْ هُوَ إِلَّا لَيْلًا.

ترجمہ: باب، کیا معتکف اپنا دفاع کر سکتا ہے؟

حضرت صفیہؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں جبکہ آپ ﷺ معتکف تھے، جب وہ واپس ہونے لگیں تو آپ ﷺ ان کے ساتھ چلے، انصار کے ایک شخص نے آپ کو دیکھا، جب نبی پاک ﷺ نے اس کو دیکھ لیا تو اس کو بلایا اور فرمایا کہ ادھر آ، یہ صفیہ ہیں، سفیان نے کبھی هِيَ صَفِيَّةُ کہا اور کبھی هَذِهِ صَفِيَّةُ کہا (معنی ایک ہی ہیں کہ یہ صفیہ ہیں) پھر فرمایا کہ بے شک شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔

علی بن عبد اللہ نے کہا کہ میں نے سفیان سے پوچھا کہ کیا حضرت صفیہؓ رات کے وقت آئی تھیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ رات ہی کی تو بات ہے۔

تشریح: کیا معتکف اپنی طرف سے درء کرے یعنی اگر معتکف اعتکاف میں ہو اور کوئی عورت گزر رہی ہو تو کیا اسے یہ کہنا پڑے گا کہ یہ فلاں عورت ہے، میری بیوی جا رہی ہے، میری باندی جا رہی ہے، روایت میں یہ تصریح ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے درء کیا دفع کیا تھا، آپ نے یہ فرمایا تھا إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ۔

سوال یہ ہے کہ پھر اس کے باوجود امام بخاری کو کیا تردد پیش آگیا جس کی بناء پر انہوں نے ترجمہ میں لفظ ھل ذکر فرمادیا ہے؟ اس کے دو جواب ہیں، (۱) ایک جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ حکم رسول پاک ﷺ کے ساتھ خاص ہو اس واسطے کہ اگر آپ دفع نہ فرماتے تو ممکن ہے کہ شیطان ان دونوں صحابیوں کے ایمان کو برباد کر دیتا اور یہ بات دوسروں کے بارے میں نہیں ہے، لیکن یہ جواب ضعیف ہے اس لئے کہ بہر حال مؤمن کو بد گمانی کے مقام سے بچنا چاہئے اور ظنون سے احتراز کرنا چاہئے، (۲) اس لئے میرے نزدیک بہترین جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس میں تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ اگر احتمال ہو بد گمانی کا تب تو کر دے مثلاً رات کا وقت ہے ظلمت کا وقت ہے، اور اگر اتفاق سے دن کی بات ہے اور دن میں عورت گزر رہی ہے اور لوگ جانتے ہیں اور واقف کار ہیں تو پھر دفع ودرء کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(ص ۲۷۳) بَابُ مَنْ خَرَجَ مِنِ اعْتِكَافِهِ عِنْدَ الصُّبْحِ

۲۰۳۹. حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ بِشْرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ خَالِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، ح قَالَ سُفْيَانُ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: وَأَظُنُّ أَنَّ ابْنَ أَبِي لَبِيدٍ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: اعْتَكَفْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ فَلَمَّا كَانَ صَبِيحَةَ عِشْرِينَ نَقَلْنَا مَتَاعَنَا فَأَتَانَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ فَلْيَرْجِعْ إِلَى مُعْتَكَفِهِ فَإِنِّي رَأَيْتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ وَرَأَيْتُنِي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ، فَلَمَّا رَجَعَ إِلَى مُعْتَكَفِهِ وَهَاجَتِ السَّمَاءُ فَمُطِرْنَا، فَوَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ لَقَدْ هَاجَتِ السَّمَاءُ مِنْ آخِرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَرِيشًا فَلَقَدْ رَأَيْتُ عَلَى أَنْفِهِ وَأَرْنَبَتِهِ أَثَرَ الْمَاءِ وَالطِّينِ.

ترجمہ: باب، اعتکاف سے صبح کے وقت نکلنے کا بیان۔

حدیث کے الفاظ ما قبل میں کئی ابواب کے تحت گزر چکے ہیں

تشریح: امام بخاری نے ترجمہ میں جو مضمون ذکر فرمایا ہے روایت میں مصرح ہے، لیکن امام کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے ہے کیا؟ یہ چیز غور طلب ہے، بظاہر امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے صرف

رات ہی کا اعتکاف کیا ہو تو وہ صبح کے وقت اپنے اعتکاف سے نکل سکتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اعتکاف کی تین صورتیں ہیں، (۱) ایک شکل یہ ہے کہ دن کے اعتکاف کی نیت کرے تب تو طلوع صبح سے پہلے مسجد میں داخل ہو جائے اور غروب کے بعد نکل جائے، (۲) دوسری شکل یہ ہے کہ رات کے اعتکاف کی نیت ہو اس صورت میں غروب شمس سے پہلے مسجد میں داخل ہو جائے اور طلوع صبح کے بعد مسجد سے نکل سکتا ہے، (۳) تیسری شکل یہ ہے کہ رات و دن کے اعتکاف کی نیت ہو اس صورت میں غروب شمس سے پہلے مسجد میں داخل ہو اور رات رہے پھر جب دن آجائے اور غروب شمس ہو جائے تو مسجد سے نکلے۔

امام بخاری پر اب اشکال یہ ہوتا ہے کہ بَابُ الِاعْتِکَافِ لَیْلًا کا ترجمہ ماقبل میں منعقد کر کے یہ بتلا چکے ہیں کہ صرف رات کا اعتکاف کیا جاسکتا ہے تو پھر یہاں اس باب سے اسی مضمون کا دوسرے لفظوں میں اعادہ کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بابِ گزشتہ سے یہ بتلایا ہو کہ تنہا رات کا اعتکاف کرنا جائز ہے اور اس باب سے یہ بتلایا ہو کہ اگر کسی نے تنہا رات کا اعتکاف کیا ہو تو وہ مسجد سے کب نکلے گا؟ یوں فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت یعنی جب صبح صادق طلوع ہو جائے اس کے بعد نکل سکتا ہے۔

یہاں امام بخاری نے اس باب میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت نقل کی ہے، اس روایت کے دو محمل ہیں، بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ صرف رات کے اعتکاف پر محمول ہے، اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ نقلِ متاع پر محمول ہے، صحابۂ کرام رہے تو مسجد ہی میں لیکن اپنا سامان، کھانے پینے کی چیزیں وغیرہ پیشتر ہی مکان روانہ کر دیں تاکہ شام کو جب نکلنا ہو تو آسانی کے ساتھ ہلکے پھلکے نکل جائیں۔

فَلَقَدْ رَأَیْتُ عَلَى أَنْفِهِ وَأَرْنَبَتِهِ أَثَرَ الْمَاءِ وَالطِّینِ: ارنبہ کہتے ہیں نرمۂ بینی کو، ناک کا پھننگ، اس پر پانی اور طین کے اثر کو دیکھا۔

(ص ۲۷۳) بَابُ الِاعْتِکَافِ فِي شَوَّالٍ

۲۰۴۰. حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلِ بْنِ غَزْوَانَ عَنْ یَحْیَى بْنِ سَعِیدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: کَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ یَعْتَکِفُ فِي کُلِّ رَمَضَانَ وَإِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ دَخَلَ مَکَانَهُ الَّذِي

اعْتَكَفَ فِيهِ، قَالَ: فَاسْتَأْذَنَتْهُ عَائِشَةُ أَنْ تَعْتَكِفَ فَأَذِنَ لَهَا فَضَرَبَتْ فِيهِ قُبَّةً، فَسَمِعَتْ بِهَا حَفْصَةُ فَضَرَبَتْ قُبَّةً، وَسَمِعَتْ زَيْنَبُ بِهَا فَضَرَبَتْ قُبَّةً أُخْرَى، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الْغَدِ أَبْصَرَ أَرْبَعَ قِبَابٍ، فَقَالَ: مَا هَذَا؟ فَأُخْبِرَ خَبَرَهُنَّ، فَقَالَ: مَا حَمَلَهُنَّ عَلَى هَذَا؟ آلْبِرُّ؟ انْزِعُوهَا فَلاَ أَرَاهَا، فَنُزِعَتْ فَلَمْ يَعْتَكِفْ فِي رَمَضَانَ حَتَّى اعْتَكَفَ فِي آخِرِ الْعَشْرِ مِنْ شَوَّالٍ.

ترجمہ: باب، شوال میں اعتکاف کرنے کا بیان۔

حدیث کا ترجمہ قریب ہی میں کئی مرتبہ گزر چکا ہے

تشریح: امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اعتکاف رمضان کے ساتھ خاص نہیں، غیر رمضان میں بھی اعتکاف کیا جاسکتا ہے، شوال کی تصریح مصنف نے اسلئے فرمائی ہے کہ روایت میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے ورنہ پورے سال اعتکاف جائز ہے۔

حَتَّى اعْتَكَفَ فِي آخِرِ الْعَشْرِ مِنْ شَوَّالٍ: حضور ﷺ نے شوال کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا، یہاں فِي آخِرِ الْعَشْرِ مِنْ شَوَّالٍ ہے اور مسلم شریف میں وارد ہوا ہے **حتى اعتكف في العشر الأول من شوال**، شوال کے عشر اول میں اعتکاف کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے ان دونوں روایتوں میں یوں جمع فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ عشرۂ اولیٰ کے پہلے دن چاند دیکھ کر اعتکاف کرنے کے واسطے مسجد میں داخل ہوگئے تو ایک عشرہ گزرا، دوسرا عشرہ گزرے گا، جب دوسرے عشرہ یعنی بیسویں تاریخ کی شام ہوگی اور غروب شمس ہوگا تب جاکر بیس دن کا اعتکاف پورا ہوا اور حضور پاک ﷺ نکلے، اس لئے کہ روایات میں یہ تصریح وارد ہوئی ہے کہ آنحضور ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف کیا تھا، مگر یہ جمع اس بات پر موقوف ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ شوال میں بیس دن کا آنحضور ﷺ نے اعتکاف کیا تھا۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ اصل میں صورت حال یہ ہوئی تھی کہ عشرہ اول کے انتہاء پر اعتکاف شروع ہوا ہے اور عشرۂ اوسط کا اعتکاف کیا، عشرۂ اخیر کی ابتداء پر اعتکاف ختم ہوگیا ہے، لہذا اب روایات میں جمع بھی ہوگیا ہے اور کوئی اشکال بھی باقی نہیں رہا۔

(ص ۲۷۴) بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ عَلَي الْمُعْتَكِفِ صَوْمًا

۲۰۴۱. حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَخِيهِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: أَوْفِ نَذْرَكَ، فَاعْتَكَفَ لَيْلَةً.

ترجمہ: باب، اس شخص کے موقف کا بیان جو اعتکاف کے لئے روزہ کو ضروری نہ سمجھے۔

حدیث کا ترجمہ ماقبل میں بَابُ الِاعْتِكَافِ لَيلًا کے تحت گزر چکا ہے

تشریح: امام بخاری کا یہ وہ باب آگیا جس کی طرف میں نے بَابُ الِاعْتِكَافِ لَيلًا میں اشارہ کیا تھا۔

اعتکاف کے واسطے صوم شرط ہے یا نہیں؟ (۱) بعض روایات میں وارد ہوا ہے **لا یعتکف إلا بصوم**، اس کی بناء پر حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ مطلقاً اعتکاف کے واسطے صوم شرط ہے، یہی امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعی کا قول قدیم ہے اور امام ابو حنیفہ سے بھی یہی ایک روایت ہے جس کو حسن بن زیاد نے نقل کیا ہے۔

(۲) امام شافعی قول جدید میں جو ان کا مذہب ہے اور امام احمد دوسری روایت میں جس کو ان کے اصحاب نے اختیار کیا ہے فرماتے ہیں کہ اعتکاف کے واسطے صوم شرط نہیں ہے، اور دلیل اس کی حضرت عمرؓ کے اعتکاف کا قصہ ہے۔

(۳) امام ابو حنیفہ کے مسلک میں تفصیل ہے، اگر اعتکاف منذور ہے تب ہمارے یہاں اعتکاف کے لئے صوم شرط ہے اور یہی **لا یعتکف إلا بصوم** کا محمل ہے اور اگر اعتکاف نفلی ہے تو پھر اس صورت میں ظاہر مذہب میں صوم شرط نہیں، لیکن حسن بن زیاد کی روایت میں شرط ہے، اور اگر اعتکاف مسنون ہے تو اس میں ہمارے متون ساکت ہیں، علامہ زین بن نجیم مصری کی رائے یہ ہے کہ اعتکاف میں صوم شرط نہیں ہے اور حضرت علامہ شامی کی رائے یہ ہے کہ اعتکاف میں صوم شرط ہے، یہی وہ مسئلہ ہے جس کو میں ابھی بیان کر آیا ہوں۔

امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ معتکف کے واسطے اعتکاف میں صوم شرط اور ضروری نہیں، یعنی جو شافعی واحمد کا راجح مذہب ہے امام بخاری نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

(ص ۲۷۴) بَابٌ إِذَا نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَعْتَكِفَ ثُمَّ أَسْلَمَ

۲۰۴۲. حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَعْتَكِفَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ- قَالَ: أُرَاهُ قَالَ: لَيْلَةً - قَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَوْفِ بِنَذْرِكَ.

ترجمہ: باب، اس شخص کے حکم کا بیان جس نے زمانۂ جاہلیت میں اعتکاف کی نذر مانی ہو اور پھر اسلام لائے۔

حدیث کا ترجمہ بَابُ الِاعْتِكَافِ لَيْلًا میں گزر چکا ہے

تشریح: اگر کسی نے جاہلیت میں اعتکاف کی نذر کی بعد میں مسلمان ہو گیا تو اس جاہلیت کی نذر کا ایفاء واجب ہے یا نہیں؟ امام بخاری نے شرط ذکر کی اور جواب شرط سے خاموشی اختیار کر لی اس لئے کہ روایت میں اس کا جواب آرہا ہے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا أَوْفِ بِنَذْرِكَ، آپ تشریع کے لئے تشریف لائے، اگر زمانۂ جاہلیت کی نذر غیر معتبر ہوتی تو آپ صاف کہہ دیتے لا اعتداد بها، یا فرما دیتے کہ یہ امر لازم نہیں ہے، آپ نے فرمایا أَوْفِ بِنَذْرِكَ اپنی نذر کو پوری کرلو، اس تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک یہ نذر واجب الوفاء ہے، اور علامہ ابن بطال نے یہی امام بخاری، بعض ظاہریہ اور ان کے اتباع سے نقل کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگر امام بخاری سے اس سلسلہ میں کوئی تصریح مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ محض ترجمہ وجوب پر دلالت نہیں کرتا ہے، لیکن حافظ ابن حجر کی تقریر اس انداز کی تقریر ہے جو مختلف مواقع میں وہ بعض شراح مالکیہ زین بن منیر، ان کے بھائی ناصر اور ابن رشید وغیرہ کی اتباع میں کرتے رہتے ہیں کہ بخاری نے اجمال سے کام لیا، احتمال پیدا کر دیا، اختلاف کی وجہ سے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی۔

اگر ان حضرات کی تقریر کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ بخاری نے ایک مجمل اور مغلق کتاب لکھی ہے کوئی واضح بات نہیں کہی ہے، یہ بات امام بخاری جیسے شخص کے حق میں تصور نہیں کی جاسکتی ہے، بلکہ ان کے نیچے کے طبقے کے لوگوں کے بارے میں بھی یہ بات نہ کوئی لکھتا ہے اور نہ کوئی تصور کرتا ہے جیسے ابوداؤد، ترمذی وغیرہ، تو پھر بخاری جیسے انسان کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اس لئے علامہ ابن بطال کی نقل بامعنی ہے بے معنی نہیں۔

محض حافظ ابن حجر کی شخصیت سے مرعوب ہو کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو بات وہ کہتے ہیں وہ بھی مرعوب کن

ہے، حافظ بہت بڑے آدمی ہیں لیکن ان کی ہر بات بڑی نہیں ہوتی ہے اور وہ بات جو احتمال واجمال اور اختلاف وابہام کے سلسلہ میں بولتے رہتے ہیں سب کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ یہ باتیں ناقابل قبول اور بخاری کی شخصیت سے میل نہ کھانے والی ہیں۔

بہر حال جیسے داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ جاہلیت کی نذر واجب الایفاء ہے ایسے ہی یہی امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے، مغیرہ بن عبدالرحمن مالکی، ابن جریر طبری اسی کے قائل ہیں اور ابن حزم وابن بطال نے یہی امام شافعی سے نقل کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ معروف یہ ہے کہ یہ بعض شافعیہ کی وجہ ہے یعنی امام شافعی سے منقول ہے۔

امام شافعی اور ان کے عام متبعین کہتے ہیں کہ یہ نذر واجب الایفاء نہیں اور یہی مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ہے۔

(ص ۲۷۴) بَابُ الِاعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْأَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ

۲۰۴۳. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ عَشْرَةَ أَيَّامٍ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا.

ترجمہ: باب، رمضان کے درمیانی عشرے میں اعتکاف کا بیان۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی پاک ﷺ ہر رمضان میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

تشریح: امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اعتکاف رمضان کے عشرۂ اواخر کے ساتھ خاص نہیں عشرۂ اوسط میں بھی جائز ہے، عشرۂ اوسط کی تخصیص مصنف نے محض روایت میں ثابت ہونے کی وجہ سے کر دی ہے ورنہ جیسے عشرۂ اوسط کا اعتکاف کیا جاسکتا ہے عشرۂ اول کا بھی اعتکاف کیا جاسکتا ہے، اور ابوسعید خدریؓ کی روایت سے یہی بظاہر نکلتا ہے بلکہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ سرور عالم ﷺ نے پورے ماہ کا اعتکاف کیا ہے جیسا کہ میں کتاب الصلوۃ میں اس بات پر تنبیہ کر آیا ہوں۔

اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا: امام بخاری نے اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا سے عشر اوسط کا اعتکاف ثابت

فرمایا ہے، یہ محمول ہے اس بات پر کہ آپ نے دونوں عشروں کا اعتکاف علی التوالی والتسلسل کیا تھا۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جب معمول مبارک یہ تھا کہ عشرۂ اواخر کا اعتکاف فرماتے تھے تو پھر آپ نے خاص طور سے وفات کے سال دو عشروں کا اعتکاف کیوں کیا؟

علماء نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں۔

(۱) بعض کہتے ہیں کہ چونکہ وفات قریب تھی اس لئے آپ چاہتے تھے کہ خوب اعمال کثیرہ کریں۔

(۲) بعضوں نے یہ کہا ہے کہ اصل میں رسول اکرم ﷺ ہر سال اعتکاف فرماتے تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ قرآن پاک کا دور کرتے تھے تاکہ قرآن پورا مرتب طور پر ذہن مبارک میں آجائے اور ناسخ و منسوخ ممتاز ہو جائے، جس سال حضور اکرم ﷺ کی وفات ہوئی ہے اس سال حضرت جبرئیل نے قرآن کا دو مرتبہ دور کیا ہے اس لئے دو عشرہ اعتکاف کرنے کی ضرورت پیش آئی تاکہ ایک عشرہ میں ایک دور ہو اور دوسرے عشرہ میں دوسرا دور پورا ہو جائے۔

(۳) قاضی ابن عربی وغیرہ نے فرمایا کہ اصل میں حضور اکرم ﷺ نے ایک سال ازواج مطہرات کے اخبیہ فی المسجد منعقد کر دینے کی وجہ سے رمضان کا اعتکاف چھوڑ دیا تھا، اگرچہ آپ نے شوال میں اس کی قضاء کر لی تھی لیکن آپ نے یہ چاہا کہ رمضان میں آپ پھر دوبارہ اس کی قضاء کریں اس لئے آنحضور ﷺ نے وفات کے سال دو عشروں کا اعتکاف کیا۔

(۴) بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اصل میں رسول پاک ﷺ ایک مرتبہ سفر میں تشریف لے گئے تھے اس سال آپ رمضان کا اعتکاف نہیں کر سکے تھے اس لئے آپ نے اس رمضان کے اعتکاف کے بدلہ میں وفات کے سال کے رمضان میں دو عشروں کا اعتکاف فرمایا، اس کی تائید ابو داؤد اور نسائی وغیرہ کی ایک روایت سے ہوتی ہے جو ابی بن کعبؓ سے مروی ہے **أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ فَسَافَرَ عَامًا فَلَمْ يَعْتَكِفْ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ۔**

(۵) اور ہو سکتا ہے کہ قصہ میں تعدد ہو اسباب کے تعدد کی وجہ سے۔

(ص ۲۷۴) بَابُ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يَخْرُجَ

۲۰۴۴. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَتْنِي عَمْرَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَكَرَ أَنْ يَعْتَكِفَ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ، فَاسْتَأْذَنَتْهُ عَائِشَةُ فَأَذِنَ لَهَا، وَسَأَلَتْ حَفْصَةُ عَائِشَةَ أَنْ تَسْتَأْذِنَ لَهَا فَفَعَلَتْ، فَلَمَّا رَأَتْ ذٰلِكَ زَيْنَبُ ابْنَةُ جَحْشٍ أَمَرَتْ بِبِنَاءٍ فَبُنِيَ لَهَا، قَالَتْ: وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا صَلَّى انْصَرَفَ إِلَى بِنَائِهِ فَبَصُرَ بِالْأَبْنِيَةِ فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ قَالُوا: بِنَاءُ عَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَزَيْنَبَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: آلْبِرَّ أَرَدْنَ بِهٰذَا؟ مَا أَنَا بِمُعْتَكِفٍ، فَرَجَعَ فَلَمَّا أَفْطَرَ اعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ.

ترجمہ: باب، اس شخص کے حکم کا بیان جس نے اعتکاف کا ارادہ کیا ہو اور پھر اس کو اعتکاف سے نکلنا مناسب معلوم ہو۔

حدیث کا ترجمہ ابواب اعتکاف ہی میں متعدد بار گزر چکا ہے

تشریح: اگر کسی آدمی نے اعتکاف کا ارادہ کیا پھر اس کی رائے یہ ہوگئی کہ اعتکاف چھوڑ دے تو کیا چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟ امام بخاری نے جو روایت ذکر فرمائی ہے اس میں وہی حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ اور زینبؓ کے خیمہ نصب کرنے کا قصہ مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا اعتکاف کا ارادہ تھا جب صبح ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ خیمے نصب ہیں آپ نے فرمایا انزِعوھا اور اس سال کا اعتکاف نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی اعتکاف کا ارادہ کرے اور اس کے بعد اعتکاف کو چھوڑ دے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے چھوڑ سکتا ہے۔

لیکن یہ ان لوگوں کے مسلک پر منطبق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عبادت شروع کرنے کے بعد لازم الاتمام نہیں ہوتی ہے، اور جو حضرات لازم الاتمام مانتے ہیں ان کے مسلک پر گنجائش نہیں نکلتی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کے مسلک پر کوئی اشکال نہیں البتہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مسلک پر اشکال ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اعتکاف کا ارادہ کرکے پھر اس کے بعد عبادت کو چھوڑ دیا تھا۔

اس کے دو جواب دیئے جاسکتے ہیں، (۱) ایک جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا بھی اعتکاف کا ارادہ تھا لیکن اعتکاف کے لئے مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے، مگر یہ چیز بعید معلوم ہوتی ہے، روایت میں یہ تصریح ہے کہ صبح

کی نماز جب آپ نے پڑھی تو آپ نے دیکھا کہ خیمے نصب ہیں، فرمایا آلْبِرَّ تُرَوْنَ بِهِنَّ اور فرمایا انْزِعُوهَا، (۲) اس لئے دوسرا جواب یہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے واقعۃً ارادۂ اعتکاف کر کے اعتکاف کرنا ملتوی فرمادیا تھا مگر آپ نے اس کے بعد عشرۂ شوال میں اس کی قضاء فرمائی تھی اس لئے اگر مکمل روایت پر نظر کی جائے تو وہ احناف کے خلاف نہیں پڑتی ہے۔

(ص ۲۷۴) بَابُ الْمُعْتَكِفِ يُدْخِلُ رَأْسَهُ الْبَيْتَ لِلْغُسْلِ

۲۰۴۵. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ النَّبِيَّ ﷺ وَهِيَ حَائِضٌ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا يُنَاوِلُهَا رَأْسَهُ.

ترجمہ: باب، اس بات کا بیان کہ معتکف اپنا سر دھونے کے لئے گھر میں داخل کر سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ وہ حیض کی حالت میں نبی کریم ﷺ کے سر میں کنگھی کیا کرتی تھیں جبکہ آپ ﷺ مسجد میں معتکف ہوتے تھے اور وہ اپنے کمرے میں ہوتی تھیں، آپ ﷺ اپنا سر ان کی طرف بڑھادیتے تھے۔

تشریح: امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر معتکف اپنا سر مسجد سے نکال کر اپنے گھر یا کوٹھری میں داخل کردے تو اس کی وجہ سے اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا، بلکہ اعتکاف اس وقت باطل ہوگا جب آدمی مسجد سے اپنے پاؤں نکال دے اس طور پر کہ پاؤں پر بدن کا اعتماد ہو جائے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: براعت اختتام! حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ لفظ بیت سے مصنف نے اشارہ کیا ہے، ابوداؤد میں ہے إذا أصابَ النّاسَ موتٌ يكونُ البيتُ فيه بالوصيفِ، غلام کے بدلہ میں ایک بیت یعنی قبر ملے گی، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ما أنا بمعتکف سے براعت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ نے ارادۂ اعتکاف کو ختم کردیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الحمد للہ جلد ہفتم مکمل ہوئی، جلد ہشتم کتاب البیوع سے شروع ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ



عوامل النحو
مع ترکیب اردو
علم النحو
عربی گرامر سیکھنے کے لیے آسان اور مختصر رسالہ
علم اصول فقہ کی ابتدائی کتاب
آسان اصول فقہ
آسان اصول فقہ
الطريقة العصرية
في
تعليم اللغة العربية
شرح مائة عامل